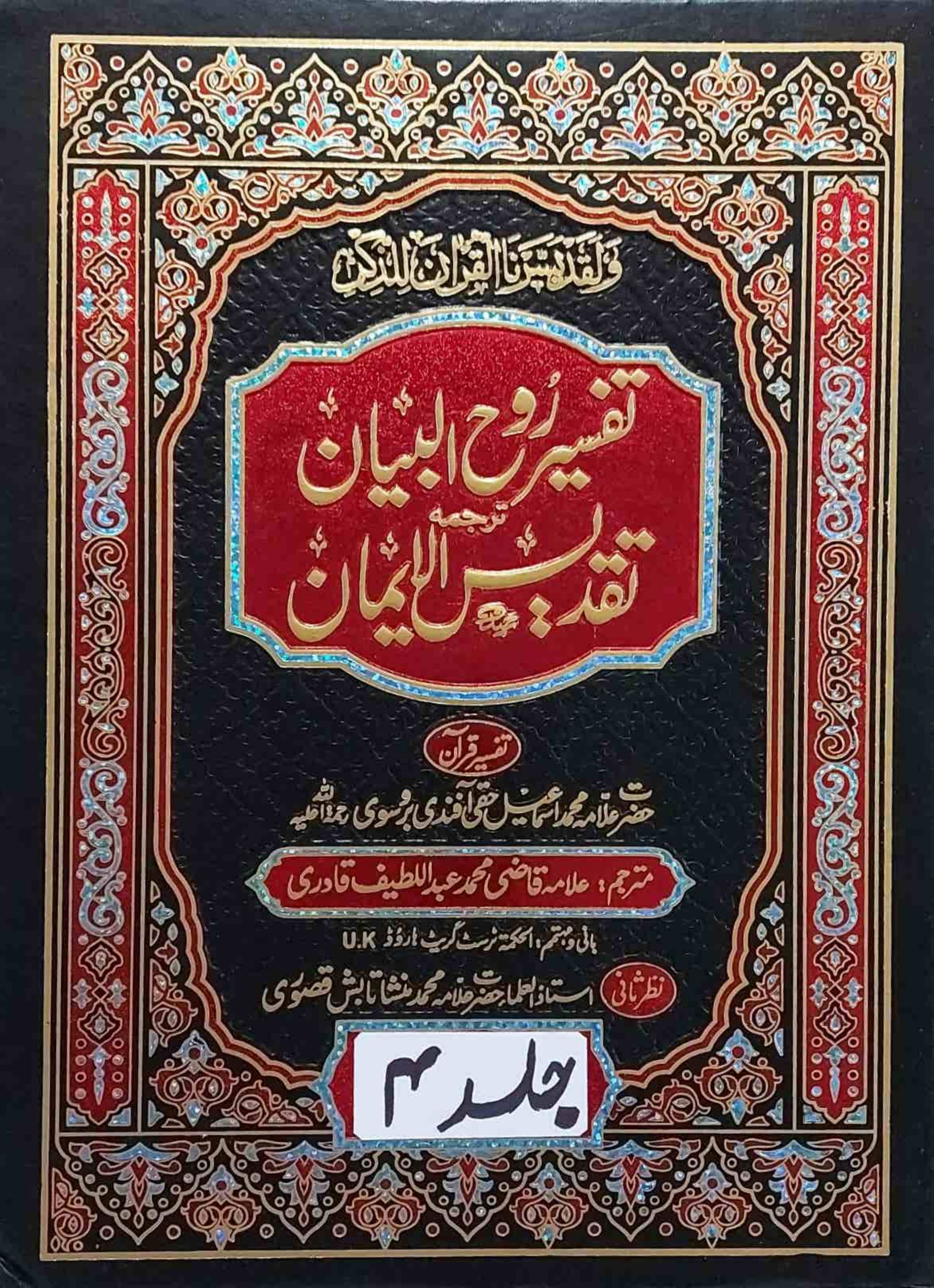


وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ
تفسیر روح البیان
ترجمہ
تقدیس الایمان
تفسیر قرآن
حضرت علامہ محمد اسمٰعیل حقی آفندی بروسوی رحمۃ اللہ علیہ
مترجم: علامہ قاضی محمد عبد اللطیف قادری
بانی و مہتمم: الحکمۃ ٹرسٹ گریٹ ہاروڈ U.K
نظر ثانی
استاذ العلماء حضرت علامہ محمد منشا تابش قصوری
جلد ۴

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ

ہم نے نصیحت حاصل کرنے کے لیے قرآن کو آسان بنادیا ہے۔ (سورۃ القمر)

تفسیر روح البیان

ترجمہ

تقدیس الایمان

تفسیر قرآن : حضرت علامہ محمد اسماعیل حقی آفندی بروسوی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم : علامہ قاضی محمد عبداللطیف قادری

بانی ومہتمم: الحکمۃ ٹرسٹ گریٹ ہاورڈ U.K

نظر ثانی : استاذ العلماء حضرت علامہ محمد منشا تابش قصوری

پارہ 10 تا 12

عبداللہ اکیڈمی

میاں مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

فون: 042-37241382

نام کتاب	......☆......	تفسیر روح البیان ترجمہ تقدیس الایمان
تفسیر قرآن	......☆......	حضرت علامہ محمد اسماعیل حقی آفندی بروسوی رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ و تخریج	......☆......	علامہ قاضی محمد عبداللطیف قادری
	......☆......	بانی و مہتمم: الحکمۃ ٹرسٹ گریٹ ہاورڈ U.K
نظر ثانی	......☆......	استاذ العلماء حضرت علامہ محمد منشا تابش قصوری
پروف ریڈنگ	......☆......	علامہ قاضی محمد سعید الرحمٰن قادری۔0300-9506527
	......☆......	علامہ قاضی طاہر محمود قادری، علامہ قاضی مظہر حسین قادری
	......☆......	مولانا مقصود الٰہی، مولانا حافظ غالب چشتی
پروف ریڈنگ قرآن	......☆......	قاری محمد اسلام خوشابی 0306-6628331
	......☆......	(رجسٹرڈ پروف ریڈر محکمہ اوقاف حکومت پنجاب)
کمپوزنگ	......☆......	حافظ شاہد خاقان 0321/0311-5841622
اشاعت اول	......☆......	2021
مجلدات	......☆......	10

ہدیہ

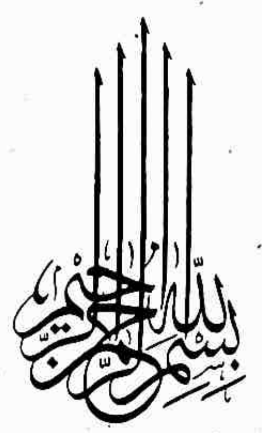
گورنمنٹ آف پاکستان کے احکامات کے مطابق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک جہاں بھی آئے گا وہاں ساتھ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا لفظ لازمی آئے گا۔ حکومت کے اسی حکم کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کتاب میں جہاں جہاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک آیا ہے وہاں ساتھ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم لکھ دیا گیا ہے۔ تاہم اگر کہیں لکھنے سے رہ گیا ہو تو قارئین سے التماس ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے ساتھ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہی لکھا اور پڑھا جائے۔ شکریہ ادارہ

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ (ادارہ)



فہرست مضامین تفسیر روح البیان (جلد چہارم پارہ 10-12)

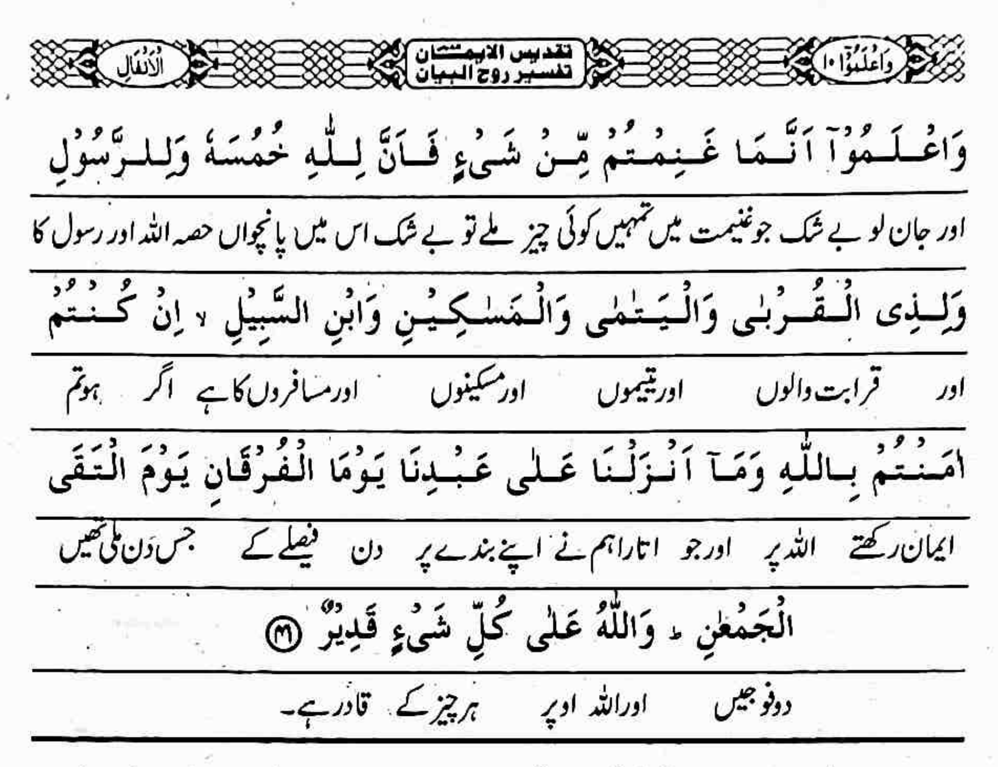


پارہ 10 تا 12

تفسیر روح البیان

ترجمہ

تقدیس الایمان


وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ

اور جان لو بے شک جو غنیمت میں تمہیں کوئی چیز ملے تو بے شک اس میں پانچواں حصہ اللہ اور رسول کا

وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ

اور قرابت والوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا ہے اگر ہو تم

اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی

ایمان رکھتے اللہ پر اور جو اتارا ہم نے اپنے بندے پر دن فیصلے کے جس دن ملی تھیں

الْجَمْعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾

دو فوجیں اور اللہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے۔

(آیت نمبر ۴۱) اور جان لو جو بھی کوئی چیز مال غنیمت میں سے۔ اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا پانچواں حصہ ہے۔ **فائدہ**: یعنی تمہارے دشمنوں کی طرف سے جو بھی چیز جنگ کے بعد میدان جنگ سے تمہارے ہاتھ لگے اسے مال غنیمت کہا جائیگا۔

مسئلہ: فقہاء فرماتے ہیں کہ مال غنیمت اسے کہتے ہیں کہ جو مال کفار سے قہر و غلبہ کے ساتھ حاصل ہو اور جو چوری یا غصب کر کے ان سے لیا جائے وہ مال غنیمت نہیں ہے۔ اسی طرح جو مال صلح سے ملے وہ بھی مال غنیمت نہیں۔

مسئلہ: حاکم کو چاہئے کہ مقتول کا مال قاتل کو بطور انعام کے دے۔ وہ مال نہ غنیمت میں شمار ہوگا نہ اس میں سے خمس لیا جائیگا۔ **مسئلہ**: جو زمین مال غنیمت میں مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ اس میں امام کو اختیار ہے۔

شان نزول: یہ آیت بدر والوں کے حق میں نازل ہوئی۔ لیکن مال غنیمت میں سے خمس لینے کا حکم غزوہ بنی قینقاع میں ہوا۔ جو بدر کے ایک ماہ بعد ہوا۔ جس کے متعلق فرمایا۔ پس بے شک خمس اس مال غنیمت سے نکال کر اللہ کیلئے ہے۔ یعنی اس میں پانچواں حصہ اللہ کا ہے اور اس کے رسول کیلئے اور رسول کے رشتے داروں کیلئے۔ یہاں ذوالقربی سے مراد بنو ہاشم اور بنو مطلب ہیں۔ خمس میں شریک حضور ﷺ کے وہی رشتہ دار ہیں۔ جنہوں نے دکھ سکھ میں حضور ﷺ کا ساتھ دیا۔ ویسے تو بنو شمس اور بنو نوفل بھی رشتہ دار ہیں مگر وہ خمس میں شریک نہیں۔ اس لئے کہ وہ حضور

ﷺ کو دکھ پہنچانے والوں میں سے ہیں۔ آگے فرمایا کہ اس مال غنیمت میں یتیموں اور مسکینوں کا بھی حصہ ہے۔ یتیم وہ جس کا باپ مر جائے اور مسکین وہ مسلمان جو فاقہ میں ہو اور ضروری حاجات کی اشیاء بھی نہ رکھتا ہو۔ اسی طرح مسافر بھی جو گھر اور مال و دولت سے دور ہو۔ وہ بھی حق دار ہے۔ **فائدہ:** آیت میں ظاہر معنی کے لحاظ سے معلوم ہوا کہ مال غنیمت کے چھ مصارف ہیں۔ لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نام محض تبرک و تعظیم کیلئے ہے ورنہ اسے مال غنیمت کی کیا ضرورت ہے۔ یعنی کلام کے آغاز میں نام خدا اس لئے ہے تا کہ کلام متبرک ہو جائے۔ البتہ بعض علماء کرام رحمہم اللہ نے اللہ تعالیٰ کے مصرف کو مساجد میں لگانے کا حکم دیا ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ اللہ کا حصہ رسول کے حصہ میں ملا دیا جائے۔ **مسئلہ:** رسول کا حصہ ان کے وصال مبارک کے بعد ختم ہو گیا ہے۔ اس لئے کہ انبیاء کی وراثت مال نہیں ہوتا۔ لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا حصہ عامۃ المسلمین کی ضروریات پر خرچ کیا جائے یا ایسی جگہ کہ اس کی وجہ سے اسلام کی قوت میں اضافہ ہو۔

مسئلہ: اس طرح حضور کے قرابت والوں کا حصہ بھی حضور ﷺ کے بعد ختم ہو گیا ہے۔ البتہ اگر وہ حاجتمند ہوں تو ضرور دیا جائے۔ حضور ﷺ کی وجہ سے ان کی رعایت ضروری ہے۔ بلکہ دوسروں سے ان کو مقدم رکھا جائے۔ جیسا کہ جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا طریقہ تھا کہ وہ حسن و حسین کا حصہ اپنے بیٹے سے بھی زیادہ دیتے تھے۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تمام صدقات خواہ فرائض ہوں یا نوافل اس میں بنی ہاشم کو دینا جائز کہا ہے۔ ان کے لئے حرمت صرف حضور ﷺ کے زمانے میں تھی۔ اس لئے کہ وہ خمس میں شریک تھے۔ تو جب خمس حضور کے وصال سے ختم ہوا تو اب ان کے لئے صدقات حلال ہو گئے۔ بہر حال اب مال غنیمت صرف تین حصوں میں تقسیم ہوگا: (١) یتیموں۔ (٢) مسکینوں۔ (٣) اور مسافروں پر اس کے علاوہ مجاہدین میں تقسیم ہونگے۔ دو دو حصے سواروں کو اور ایک ایک حصہ پیدل مجاہدین کو دیا جائے گا۔ **فائدہ:** گھوڑے، اونٹ اور ہاتھی کے ایک سوار کے برابر حصہ دار ہوں گے۔ آگے فرمایا کہ اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اس بات کو اچھی طرح جان لو کہ خمس کا حقدار مذکورہ لوگوں کو بنایا ہے۔ لہٰذا ان کے حقوق ان کے سپرد کرو۔ اور بھی جو احکام ہم نے اپنے بندۂ خاص پر نازل فرمائے۔ اس سے مراد حضور ﷺ پر اترنے والی آیات ہیں۔ یا غیبی نصرت ہے۔ جو بدر کے دن مسلمانون پر اتری جس دن حق و باطل میں جدائی ہو گئی کہ مسلمانوں کو فتح اور کفار کو شکست ہوئی۔ وہ دن دو جماعتوں کے ملنے یعنی آپس میں ٹکرانے کا تھا کہ دونوں بالمقابل ہو کر لڑے اور وہ سترہ رمضان جمعہ کا دن تھا۔ ٢ھ میں مسلمانوں کا یہ پہلا معرکہ تھا۔ جس میں حضور ﷺ خود بہ نفس نفیس شریک تھے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ یعنی چھوٹی جماعت کو بڑی جماعت پر کمزوروں کو طاقت وروں پر غلبہ عطا کر سکتا ہے۔ جیسے بدر کی لڑائی میں کفار کی تعداد ہزار کے لگ بھگ اور مسلمان تین سو تیرا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے غلبہ چھوٹی جماعت کو دیا۔ اس لئے کہ وہ حق پر تھے۔ اور کفار باطل پر تھے۔

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ

جب تم نالے کے اس کنارے پر اور وہ کافر کنارے دور والے پر تھے اور قافلہ نیچے ہوگیا

مِنْكُمْ ؕ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِى الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِىَ

تم سے اور اگر تم اس میں میعاد رکھتے تو ضرور اختلاف کرتے وقت مقرر میں لیکن پورا کرنا چاہتا تھا

اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى

اللہ اپنے کام کو جو ہے پورا کیا ہوا تا کہ ہلاک ہونا چاہتا ہے جو وہ مرے دلیل سے اور جو جئے

مَنْ حَىَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ ﴿۴۲﴾

وہ زندہ رہے دلیل سے اور بے شک اللہ ضرور سننے والا جاننے والا ہے

(آیت نمبر ۴۲) یاد کرو جب تم وادی کے اس کنارے پر اترے جو مدینہ شریف کے قریب تھی اور وہ یعنی تمہارے دشمن اس کنارے پر تھے۔ جو مدینہ شریف سے دور اور مکہ مکرمہ کے قریب تھا اور سوار یعنی وہ قافلہ جو شام سے مکہ جا رہا تھا۔ وہ مسلمانوں سے تین میل کے فاصلہ پر دریا کے کنارے پر تھا جو جگہ تم سے نیچے تھی۔

نکتہ: ایک تو یہاں دونوں فریقوں کے مرکز بتائے دوسرا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنا احسان جتایا کہ تم تھے بھی تھوڑے۔ ساز و سامان بھی نہ تھا۔ جس جگہ اترے وہ جگہ بھی ریتلی تھی کہ تم چل بھی نہ سکتے تھے۔ پانی بھی نہ تھا اور مقابلے میں کفار کی کثرت افراد کی مال کی ساز و سامان کی یعنی ہر چیز وافر اور جہاں اترے وہ جگہ بھی پختہ اور درختوں والی اور پانی بھی مہیا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ فتح محض فضل ربی سے ہوئی۔ ورنہ حالات مسلمانوں کی کامیابی کے نہ تھے۔ **فائدہ**: اسے حضور ﷺ کا معجزہ بھی کہہ سکتے ہیں۔

آگے فرمایا کہ اگر تم معاہدے کے ساتھ جہاد کرنے آتے تو میعاد میں تمہارا اختلاف ہو جاتا اور کفار کی کثرت سے ڈر کر تم وقت پر نہ پہنچتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنا فیصلہ پورا یوں کر لیا کہ دونوں جماعتیں بہ یک وقت پہنچ گئیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا کام کیا ہوا ہے یعنی مسلمانوں کو فتح و نصرت اور کفار کو شکست فاحش دے کر حکمت کے تقاضے کو پورا کر دیا۔ آگے فرمایا کہ تقاضا الٰہی یہ ہے کہ جو مرنا چاہتا ہے وہ ہلاک ہو تو واضح دلیل کا مشاہدہ کرنے کے بعد کہ اسے حقانیت اسلام میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہے کیونکہ اسلام سے محروم رہنے والوں کا کوئی عذر نہیں سنا جائیگا۔

اِذْ یُرِیْکَھُمُ اللّٰہُ فِیْ مَنَامِکَ قَلِیْلًا ؕ وَلَوْ اَرٰىکَھُمْ کَثِیْرًا لَّفَشِلْتُمْ

جب دکھاتا تھا ان کو اللہ آپ کی خواب میں تھوڑا کر کے اور اگر دکھاتا ان کو زیادہ کر کے تو تم بزدلی کرتے

وَلَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ سَلَّمَ ؕ اِنَّہٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾

اور جھگڑتے اس معاملہ میں لیکن اللہ نے بچالیا بے شک وہ جاننے والا ہے بھید سینوں کے

وَاِذْ یُرِیْکُمُوْھُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْٓ اَعْیُنِکُمْ قَلِیْلًا وَّیُقَلِّلُکُمْ

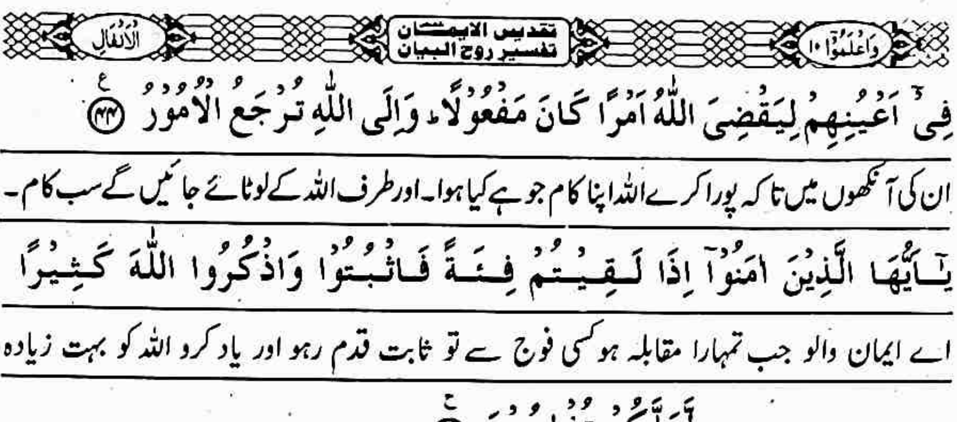
اور جب دکھائی دے رہے تھے وہ لڑتے وقت تمہاری آنکھوں میں تھوڑے اور تھوڑا کر کے تمہیں دکھایا

(بقیہ آیت نمبر ۴۲) اور اسی طرح جو زندہ رہنا چاہتا ہے وہ بھی دلیل کے ساتھ زندہ رہے۔ یعنی اسے ایسا مشاہدہ نصیب ہو کہ اس کا ایمان کامل اور مضبوط ہو جائے۔

حقانیت اسلام کی واضح دلیل واقعہ بدر ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ضرور سننے جاننے والا ہے۔ یعنی کافر کے کفر اور مومن کے اسلام کو اچھی طرح وہ جانتا ہے۔

(آیت نمبر ۴۳) اے محبوب یاد کریں۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو خواب میں آپ کے دشمن بہت تھوڑے کر کے دکھائے۔ **حدیث شریف**: حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر سے اگلی شب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو خواب میں قریش تھوڑے کر کے دکھائے۔ تو آپ نے وہ خواب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتائی اور وہ جانتے تھے کہ حضور کی خواب وحی الٰہی ہے اور حضور ﷺ نے اس کی تعبیر بتائی کہ اس غزوہ میں مسلمانوں کو فتح ونصرت اور غلبہ حاصل ہوگا اور کفار کو شکست ہوگی۔ آگے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کفار کی تعداد زیادہ دکھاتے۔ تو تم بزدلی سے پیچھے ہٹ جاتے اور جنگ کے معاملے میں تم آپس میں اختلاف کرتے۔ یعنی تمہاری آراء مختلف ہو جاتیں۔ کوئی کچھ کہتا کوئی کچھ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں سلامتی دے دی۔ یعنی تمہیں بزدل ہونے اور جھگڑا کرنے سے بچالیا اور بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کی باتیں بھی جانتا ہے اور اسے پتہ ہے کون جرات والا ہے اور کون بزدل ہے۔ کون صبر کرے گا اور کون جزع فزع کرے گا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ساری حقیقت پہلے ہی خواب میں دکھادی۔

(آیت نمبر ۴۴) اے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم)۔ یاد کرو جب تمہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے دشمن کفار دکھائے۔ جب تم ایک دوسرے کے بالمقابل ہوئے۔ تو تمہاری نظر میں وہ تھوڑے نظر آرہے تھے۔ یعنی کافر کثیر تعداد میں ہونے کے باوجود تمہیں بہت تھوڑے دکھائی دے رہے تھے۔



فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾

ان کی آنکھوں میں تا کہ پورا کرے اللہ اپنا کام جو ہے کیا ہوا۔ اور طرف اللہ کے لوٹائے جائیں گے سب کام۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا

اے ایمان والو جب تمہارا مقابلہ ہو کسی فوج سے تو ثابت قدم رہو اور یاد کرو اللہ کو بہت زیادہ

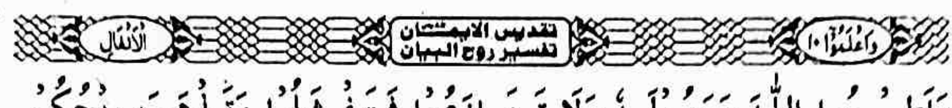
لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾

تا کہ تم کامیاب ہو۔

فائدہ: یعنی جنگ کے وقت کفار مسلمانوں کو ایسے نظر آ رہے تھے۔ جیسے وہ گنتی کے چند آدمی ہیں۔ جیسے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ساتھی سے کہا۔ یہ تو کوئی ستر آدمی ہیں۔ انہوں نے کہا میرا خیال ہے۔ یہ سو سے زیادہ نہیں ہیں۔ حالانکہ وہ ہزار کے قریب تھے۔ بہر حال یہ قلت اس لئے دکھائی تا کہ مسلمان ثابت قدم ہو کر لڑیں۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھی ان کی نظروں میں تھوڑا کر کے دکھایا۔ یہاں تک کہ ابوجہل ساتھیوں سے کہنے لگا۔ یہ تو گنتی کے چند آدمی ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ دونوں ایک دفعہ جم کر لڑائی شروع کر دیں۔ جب جنگ شروع ہوگئی۔ پھر ایک دوسرے کو زیادہ نظر آنے لگے۔ کفار کو مسلمان اپنے سے دگنے نظر آنے لگے۔ اس سے وہ مبہوت ہو کر خوف زدہ ہو گئے۔

عجیب واقعہ: راستے میں جب کفار کو معلوم ہوا کہ جس قافلہ کی حفاظت کیلئے گھر سے آئے تھے۔ وہ تو بچ گیا ہے۔ اب واپس چلے جانا چاہئے تو اس وقت شیطان سراقہ کی شکل میں ساتھ ہو کر کہنے لگا کہ میں تمہارا مددگار ہوں۔ چلو اور مسلمانوں کو ختم کرو۔ ان کو دلیری دے کر جنگ میں لے گیا۔ لیکن جب وہاں فرشتے اسے نظر آئے تو دم دبا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ کفار نے پوچھا کہاں جا رہے ہو تو وہاں سے رفو چکر ہوتے ہوئے کہنے لگا جو میں دیکھ رہا ہوں وہ تم نہیں دیکھ رہے۔ آگے فرمایا تا کہ اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کرے۔ یعنی مسلمان جہاد سے نہ گھبرائیں اور کفار کا تکبر خاک میں ملائے جو حقیقت میں تو کیا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جائیں گے وہ جیسے چاہے کرتا ہے۔ نہ اسے کوئی روک ٹوک سکتا ہے نہ کسی کام پر کوئی مجبور کر سکتا ہے۔

(آیت نمبر ۴۵) اے مسلمانو جب تمہاری کفار کے ساتھ جنگ ہو تو پھر ثابت قدم رہو۔ **حدیث شریف**: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دشمن سے ملنے کی پہلے تو آرزو ہی نہ کرو۔ لیکن اگر لڑائی ٹھن جائے تو پھر ڈٹ کر مقابلہ کرو۔ جنگ کی تکالیف پر صبر کرو۔ اور کفار و مشرکین سے خوب جم کر لڑو اور انہیں بھاگنے پر مجبور کرو۔ (بخاری باب الجہاد)



وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ

اور اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور نہ جھگڑو آپس میں ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور جاتی رہے گی تمہاری ہوا

وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾

اور صبر کرو بے شک اللہ ساتھ صابروں کے ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۴۵) **نکتہ**: دشمن سے ملنے کی آرزو سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ اس میں خود پسندی اور غرور آجاتا ہے۔ اور اپنی طاقت پر گھمنڈ ہو جاتا ہے۔ ان باتوں سے اپنی ہلاکت اور شکست کا خطرہ ہو بھی ہو سکتا ہے۔

مناظرہ: میں بھی یہی گر ہے کہ بلا ضرورت مناظرہ کی خواہش نہ کرے۔ مناظرہ شروع ہو جائے تو پھر بھاگنے کی کوشش نہ کرے اور مخالف کو حقیر نہ سمجھے کہ وہ نااہل ہے۔ بے علم ہے یا ناتجربہ کار ہے۔ بسا اوقات چھوٹی سی بات میں مد مقابل جیت جاتا ہے۔

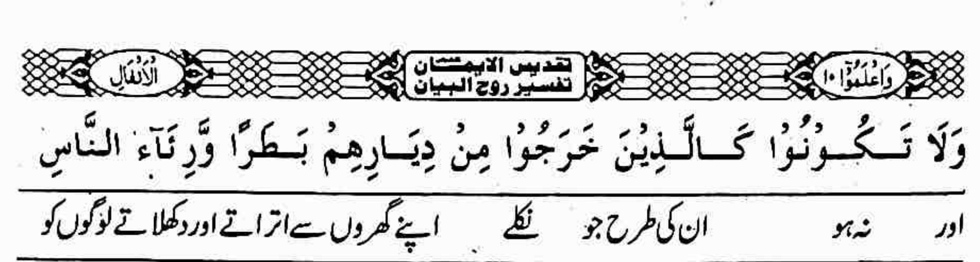
آگے فرمایا اور اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ ذکر کرو۔ یعنی جنگ کے گھمسان میں بھی خوب نام خدا کو بلند کرو۔ اور اللہ تعالیٰ سے مسلمانوں کے غلبہ اور کفار کے شکست کی دعا کرو۔ اپنی ثابت قدمی اور فتح و نصرت کی دعا کرتے رہو۔ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

سبق: عقل والا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے اور عفو و عافیت کا طلبگار رہے اور دکھ سکھ میں ذکر الٰہی جاری رکھے۔ (ذکر کے فضائل معلوم کرنے ہوں تو میری کتاب برکات ذکر پڑھ لیں)۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے ذکر کثیر کا حکم فرمایا۔ اس کے بارے میں اولیاء کرام فرماتے ہیں کہ ذکر کثیر وہ ہے جو دل کی حاضری اور صفائی سے ہو۔ جو ذکر دل کی غیر حاضری سے ہو۔ وہ کثیر بھی انتہائی قلیل ہے۔

مسئلہ: جہاد تمام عبادات کا سرتاج ہے۔ اسی لئے مجاہد کی گرد کو جہنم کا دھواں نہیں پہنچ سکتا۔ مجاہد کا ایک قدم سارے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ دوسرے قدم سے اس کی نیکیاں ہی نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ بشرطیکہ جہاد کے وقت اپنی نیت صاف رکھے۔ رب تعالیٰ پر بھروسہ رکھے اور جنگی مشکلات میں ثابت قدمی دکھائے۔

(آیت نمبر ۴۶) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ تمام کاموں میں خصوصاً جہاد میں ثابت قدم رہ کر اور اپنی اپنی رائے دے کر آپس میں مت جھگڑو۔ ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہارے غبارے کی ہوا نکل جائے گی۔ یعنی تمہارا دشمن پر جو رعب ہے وہ ختم ہو جائے گا شان و شوکت چلی جائے گی۔



وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ

اور نہ ہو ان کی طرح جو نکلے اپنے گھروں سے اتراتے اور دکھلاتے لوگوں کو

وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾

اور روکتے ہیں راہ خدا سے اور اللہ جو وہ کررہے ہیں ان کو گھیرنے والا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۴۶) **فائدہ**: بعض علماء فرماتے ہیں جنگ کے وقت ایک خاص ہوا آتی ہے (جسے سکینہ کہا جاتا ہے) جو فتح ونصرت لے کر آتی ہے۔ آپس کے اختلاف کیوجہ سے وہ واپس چلی جاتی ہے۔ آگے فرمایا کہ جنگی سختیوں میں اور گھمسان کے رن میں صبر کا مظاہرہ کرو۔ یہ پکی بات ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ یاد رہے اللہ تعالیٰ کی معیت مکانی نہیں بلکہ اعانت اور امداد کرنے کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ صابرین کے ساتھ ہے۔

(آیت نمبر ۴۷) اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ۔ جو گھروں (مکہ) سے اتراتے ہوئے نکلے۔ فخر۔ تکبر اور غرور کرتے ہوئے نکلے۔ رنڈیوں کو نچاتے اور بھنگڑے ڈالتے ہوئے میدان جنگ تک پہنچے۔

واقعہ: کفار کو جب مسلمانوں کے بدر کی طرف نکلنے کا علم ہوا۔ تو وہ زبردست تیاری کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے کیلئے نکل کھڑے ہوئے اور ابو جہل نے کہا کہ ہم بدر کے میدان میں جا کر خوب شراب اڑائیں گے۔ رنڈیاں نچائیں گے اور گانے والی عورتوں کے گانے سننے لوگ آئیں گے تو ان کو خوب دعوتیں کھلا کر واپس لوٹائیں گے تا کہ پورے عرب پر ہماری دھاک بیٹھ جائے۔ لیکن شومیٔ قسمت شراب کی جگہ انہیں موت کے پیالے پینے پڑ گئے۔ گانے سننے کے بجائے انہیں موت کے نوحے سننے پڑ گئے۔ اس لئے مسلمانوں کو اس قسم کے فخر وغرور سے روکا گیا اور ریاء کاری سے بچنے تقویٰ وطہارت اپنانے اور اخلاص کا حکم دیا گیا۔ آگے فرمایا کہ ان کافروں کا ایک اور ظلم یہ تھا کہ وہ اللہ کے دین سے لوگوں کو روکتے تھے تا کہ لوگ جنت کی طرف نہ جا سکیں اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو گھیرنے والا ہے۔ یعنی ان کے اعمال کے مطابق ان کو سزا دے گا۔

مسئلہ: اس آیت میں ان کے برے اعمال کی تہدید کی گئی۔ خصوصاً فخر وغرور اور ریاکاری اور اللہ کی راہ یعنی دین اسلام سے لوگوں کو روکنا وغیرہ۔

سبق: مغرور اور ریاکاروں کیلئے بہت بڑی خرابی یہ ہے کہ ان کے اچھے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

مسئلہ: خصوصاً وہ لوگ جو ریاکاری کے طور پر نیک لوگوں والا لباس پہن کر مختلف شہروں اور ملکوں کے اس لئے چکر لگاتے ہیں کہ لوگوں میں ان کی بزرگی کا چرچا ہو جیسے آج کل ہمارے دور میں جاہل پیروں کا طریقہ ہے۔

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ

اور جب خوبصورت بنائے شیطان نے ان کے کرتوت اور کہا نہیں کوئی غالب آئے گا تم پر آج کوئی شخص

وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ

بے شک میں پناہ دونگا تمہیں۔ پھر جب آمنے سامنے ہوئے دونوں لشکر تو بھاگ پڑا الٹے پاؤں اور کہا بے شک میں

بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۟﴿۴۸﴾

الگ رہوں گا تم سے بے شک میں دیکھتا ہوں جو نہیں تم دیکھتے میں ڈرتا ہوں اللہ سے اور اللہ سخت سزا والا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۴۸) وہ فقیروں اور صوفیوں کے لبادے اوڑھ کر لوگوں کو لوٹ رہے ہیں۔ نہ وہ پورے طور پر شریعت کو جانتے ہیں۔ نہ دائرہ طریقت کے قریب گئے۔ حقیقت و معرفت کی تو انہیں ہوا بھی نہیں لگی۔ یہ فقیری لباس محض دکھاوے کیلئے پہنتے ہیں۔ اور اندر سے غرور و تکبر سے بھرے ہوتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ

مسئلہ: ایک آدمی لوگوں کے سامنے نہایت خشوع خضوع سے نماز پڑھتا ہے لیکن لوگ نہ ہوں تو الٹی سیدھی اور تیزی سے اور آدھی کر کے پڑھتا ہے تو جان لو کہ اسی کا نام ریاکاری ہے۔

سبق: ایسے بے وقوف کو کون سمجھائے کہ اتنی بڑی تکلیف صرف لوگوں کو دکھانے کیلئے کیوں اٹھا رہا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ وہ رضاء الٰہی کا طالب ہوتا۔ اگر اسے عقل سلیم اور فہم مستقیم نصیب ہوتا تو ہرگز ایسی غلطی نہ کرتا۔ دنیا ہی کو خوش کرنے میں لگے رہنا۔ یہ عقلمندی نہیں ہے۔ بلکہ عقل مندی اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنے کا نام ہے۔

(آیت نمبر ۴۸) اے محبوب یاد کریں۔ کہ جب شیطان نے ان کفار کے کام خوبصورت بنا کر دکھائے۔

فائدہ: حقائق سلمی میں ہے کہ شیطان نے کفار سے کہا کہ تمہارے جیسا بہادر کون ہے۔ تاکہ وہ جنگ پر آمادہ ہو جائیں اور انہیں کہا کہ آج تم پر کوئی بھی غالب نہیں آ سکتا۔ اس لئے کہ تمہارے برابر نہ مسلمانوں کی تعداد ہے۔ نہ اتنا ان کے پاس اسلحہ ہے اور تمہیں پیچھے سے میری پوری پوری پشت پناہی حاصل ہوگی۔ تمہیں کسی قسم کا ضرر بھی نہیں پہنچنے دونگا۔ لیکن جب دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا اور دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو یا شیطان فرشتوں کو دیکھ کر وہاں سے دم دبا کر الٹے پاؤں بھاگا۔ (شیطان آدمی کو پکا جہنمی بنا کر پھر اس سے الگ ہو جاتا ہے۔ یہ اس کی پرانی عادت ہے)۔ **فائدہ**: مکر و حیلہ اور دھوکے فریب سے شکست کھا کر بھاگنا مراد ہے۔

اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِیْنُهُمْ ؕ

جب کہتے منافق اور وہ جن کے دلوں میں مرض ہے۔ مغرور ہیں یہ مسلمان اپنے دین پر

وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۴۹﴾

اور جو بھروسہ کرے گا اوپر اللہ کے پس بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۴۸) **واقعہ**: یہ ہے کہ جب بدر کے میدان میں فرشتے آگئے تو شیطان انہیں دیکھ کر بھاگنے لگا۔ چونکہ وہ حارث کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے کھڑا تھا اور ظاہری شکل سراقہ کی بنا رکھی تھی۔ تو حارث نے کہا یا رسراقہ ہمیں اکیلا کر کے کہاں جا رہا ہے تو کہنے لگا کہ میں تم سے بیزار ہوں میں نے جو کرنا تھا کر دیا۔ اب مزید کچھ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ جو میں دیکھتا ہوں وہ تم نہیں دیکھتے (یعنی فرشتے) حارث نے کہا۔ ہم بھی یہ یثرب کے چھوٹے چھوٹے مرد دیکھتے ہیں تو شیطان نے کہا کہ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ مجھے ہلاک نہ کر دے۔ اگر چہ میں ایک وقت تک کی مہلت لے چکا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ سخت سزا والا ہے۔ واقعی اگر وہ کچھ دیر وہاں اور ٹھہر جاتا تو ملیا میٹ ہو جاتا۔

حکایت: کفار جب شکست کھا کر واپس مکہ مکرمہ کی طرف جا رہے تھے تو چونکہ سراقہ کا گھر راستہ میں پڑتا تھا۔ اسے کہا کہ تو نے یہ کیا کیا۔ تو ہمیں بھروسہ نہ دیتا تو نہ ہم جنگ پر جاتے نہ یہ مار پڑتی۔ تو سراقہ نے کہا کہ کیا بے عقلی کی باتیں کر رہے ہو۔ مجھے تو پتہ ہی نہیں کہ جنگ کب اور کہاں ہوئی اس وقت سب کو معلوم ہوا کہ یہ تو شیطان تھا جو سراقہ کی شکل میں آ کر ہمیں دھوکہ دے گیا۔

فائدہ: علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں اور شیاطین کو یہ قدرت دے رکھی ہے کہ وہ اپنے اجسام پر مختلف لباس پہن سکتے ہیں چونکہ وہ ارواح لطیفہ کے قبیل سے ہیں۔

تنبیہ: شیطان کی اطاعت جو بھی کرتا ہے۔ وہ اسی طرح اپنی اطاعت کرنے والوں کو تباہی اور بربادی میں ڈالتا ہے اور خود ان سے پھر بیزار ہو کر الگ ہو جاتا ہے۔

(آیت نمبر ۴۹) یاد کرو۔ جب کہ منافقوں نے کہا اوس اور خزرج قبیلے کے لوگ مراد ہیں اور جن کے دلوں میں مرض تھا۔ یا اس سے مراد جو مسلمان مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے۔ اپنے ضعف کی بناء پر یا قریبیوں کے روکنے کے وجہ سے مدینہ شریف کو ہجرت نہ کر سکے۔ تو کفار مکہ انہیں بدر کی لڑائی کیلئے جبر و اکراہ کے ساتھ لے گئے۔ ایسے لوگوں نے جب دیکھا کہ مسلمان مٹھی بھر ہیں اور اتنی بڑی طاقت سے لڑنے آ گئے۔ تو انہوں نے کہا کہ ان مسلمانوں کو ان کے دین نے مغرور بنا دیا ہے کہ قلت کے باوجود قریش مکہ جیسی طاقت ور قوم کے مقابلے میں نکل کھڑے ہوئے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ

کاش تو دیکھے جب روح نکالتے ہیں کافروں کی فرشتے تو مارتے ہیں ان کے موہوں

وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۵۰﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ

اوران کی پیٹھوں پر چکھو عذاب آگ کا ۔ یہ بوجہ اس کے جو آگے بھیجا ان کے ہاتھوں نے

وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۙ ﴿۵۱﴾

اور بے شک اللہ نہیں ہے ظلم کرنے والا بندوں پر۔

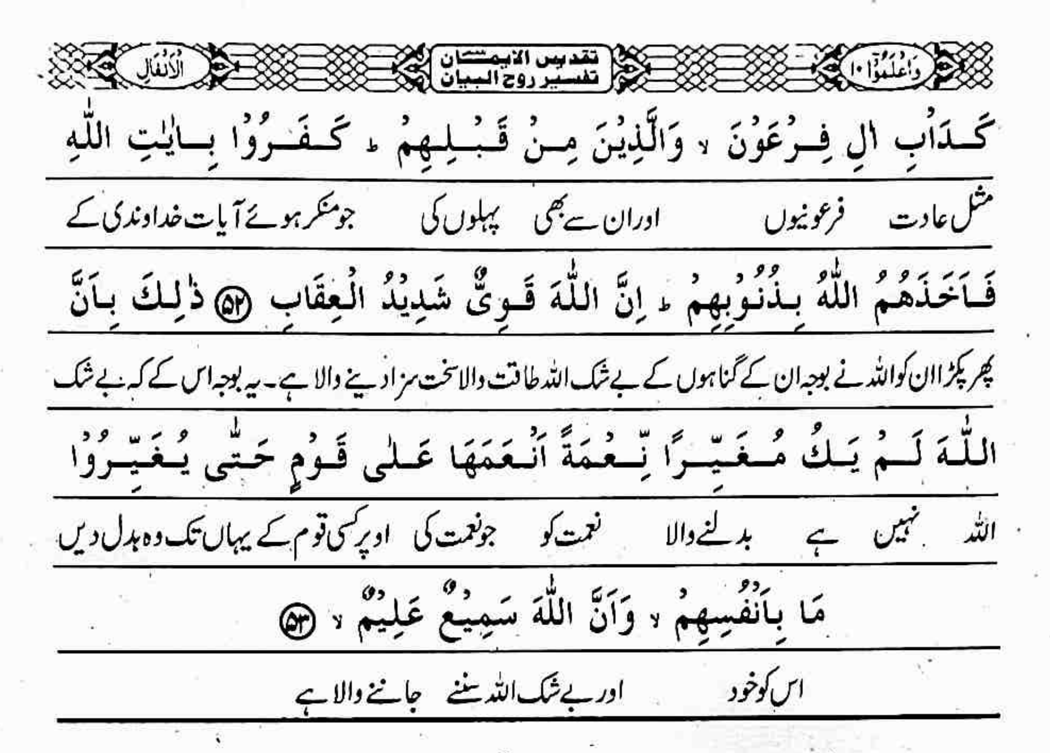
(بقیہ آیت نمبر۴۹) چونکہ انہیں شک تھا کہ قریش فتح مند ہوں گے۔ مسلمان تین سو تیرہ ہزار آدمیوں کا مقابلہ کیسے کریں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جواب دیا جو اللہ پر بھروسہ کر لیتا ہے۔ یعنی سارے معاملات اس کے سپرد کر دیتا ہے۔ اور اس کی تقدیر کے سامنے سر جھکا لیتا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے کہ پھر اسے ذلیل وخوار نہیں کرتا خواہ وہ کتنا کمزور ہو اور وہ حکمت والا ہے۔ یعنی ایسی حکمت سے کام کرتا ہے کہ جہاں فہم وعقل بھی نہیں پہنچ سکتے۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ وہ اپنی موت سے پہلے اپنے ظاہر وباطن کی اصلاح کرے اور یہ اصلاح اولیاء کرام کی صحبت اور ہمنشینی سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

دعا: یا اللہ کریم ہمیں ان اعمال کی توفیق بخش جو تجھے پسند ہیں اور ہمارے بیمار دلوں کا علاج ہمارے لئے آسان فرما۔

(آیت نمبر۵۰) اے محبوب اگر آپ دیکھیں کافروں کو کہ فرشتے جب ان کی روح نکالتے ہیں۔ یعنی عزرائیل علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں نے جب بدر میں آنے والے کفار کی روحیں نکالیں تو اس وقت ان کو فرشتے لوہے کے گرزوں سے مار بھی رہے تھے۔ مروی ہے کہ جب فرشتے ان کو لوہے گرز مارتے تو ان کے موہوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں اور پچھلی طرف سے بھی اور فرشتے ان کو گرز بھی مارتے جاتے اور ساتھ کہتے کہ تلواروں کا عذاب تو تم نے چکھ لیا۔ اب آخرت والے عذاب میں سے پہلا جلانے والا عذاب بھی چکھو۔ یعنی وہ منظر انتہائی سخت کرب ناک ہے۔ جسے بیان کرنا بھی مشکل ہے۔ تو یہاں یہ بتایا گیا کہ اگر تم اس منظر کو دیکھتے تو نہ دیکھ سکتے کیونکہ وہ بہت ہی سخت ڈراؤنا منظر تھا۔

(آیت نمبر۵۱) یہ جو بیان ہوا۔ یعنی فرشتوں کا کفار کو مارنا اور ان پر عذاب واقع ہونا یہ اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے کفر وگناہ کر کے جو کچھ اپنے ہاتھوں سے آگے بھیجا تھا۔ اسی بناء پر انہیں اس کا بدلہ ملا۔ بے شک اللہ تعالیٰ تو بندوں پر ظلم نہیں فرماتا۔ بندوں کو جو بھی سزا وغیرہ ہوتی ہے وہ ان کے گناہوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ بغیر گناہ کئے اللہ تعالیٰ کبھی عذاب نہیں دیتا۔



كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

مثل عادت فرعونیوں اوران سے بھی پہلوں کی جومنکر ہوئے آیات خداوندی کے

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۵۲ ذٰلِكَ بِاَنَّ

پھر پکڑا ان کو اللہ نے بوجہ ان کے گناہوں کے بے شک اللہ طاقت والا سخت سزا دینے والا ہے۔ یہ بوجہ اس کے کہ بے شک

اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا

اللہ نہیں ہے بدلنے والا نعمت کو جو نعمت کی اوپر کسی قوم کے یہاں تک وہ بدل دیں

مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ ۝۵۳

اس کو خود اور بے شک اللہ سننے جاننے والا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۵۱) **عقیدہ**: اہل سنت کا یہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ بغیر گناہ بھی عذاب دے دے تب بھی اسے ظلم نہیں کہا جائے گا۔ اور اگر وہ کفر و گناہ کے مرتکب ہوں اور انہیں عذاب دیا جائے تو یہ بالکل ظلم نہیں بلکہ عدل ہوگا۔

(آیت نمبر ۵۲) یہ فرعونیوں کی طرح ہیں۔ **فائدہ**: یہاں حضور ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ یہ کفار مکہ بھی فرعونیوں کی طرح ہیں۔ جیسے وہ برے سے برے عمل کرتے تھے۔ ایسے ہی یہ بھی ان کے طریقے پر چل رہے ہیں اور یہاں آل سے اس کے اتباع مراد ہیں۔ آگے فرمایا۔ وہ لوگ بھی مراد ہیں جو ان سے پہلے تھے۔ یعنی قوم نوح عاد اور ثمود دیگر اہل کفر و عناد جو اللہ تعالیٰ کی آیات کے منکر ہوئے اور آیات سے مراد دلائل یا معجزات ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں گناہوں کی وجہ سے پکڑا۔ یعنی ان کے کفر اور گناہ ان کی پکڑ کا سبب بنے اور بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا سخت سزا والا ہے کہ اس کے عذاب کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

(آیت نمبر ۵۳) وہ عذاب ان کی غلطیوں کی وجہ سے آیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ تو اس شان کے لائق ہی نہیں ہے کہ وہ کسی کو نعمت دے اور پھر اسے تبدیل کرے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی طرف سے خود اسے تبدیل کریں۔ یعنی نعمت حاصل ہونے کے بعد وہ غلط کاریوں میں مشغول ہوئے اور نعمت کے تقاضا کے مخالف اعمال و افعال کے مرتکب ہوں۔ **فائدہ**: نعمت دینے کا مقصد تو یہ ہے۔ کہ وہ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر کریں۔ لیکن وہ بجائے شکر کے کفر کرنے لگے۔ اس کا ایک معنی یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے حالات نہیں بدلتا۔ جب تک کہ وہ خود اپنے حالات نہ بدلیں۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ

جیسے عادت فرعونیوں کی اور جوان سے پہلے ہوئے جھٹلایا انہوں نے آیات خداوندی کو

فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾

پھر ہلاک کیا ہم نے ان کو بوجہ ان کے گناہوں کے اور غرق کیا فرعونیوں کو اور سب کے سب تھے ظالم

(بقیہ آیت نمبر ۵۳) یعنی دنیا کی تمام نعمتیں بھی انہیں حاصل تھیں پھر اس سے بڑی نعمت قرآن اور رسول کو مبعوث فرما کر نعمت کی انتہاء کر دی۔ لیکن انہوں نے عداوت اور مخالفت میں بھی انتہا کر دی۔ بجائے شکر کرنے کے نعمت تبدیل کر دی۔ تو اللہ تعالیٰ نے نعمت واپس لی اور انہیں ہلاک کر دیا اور فرمایا بے شک اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔

(آیت نمبر ۵۴) فرعونیوں کے طریقے پر اور جوان سے پہلے ہوئے۔

فائدہ: یہاں تکرار تاکید کی وجہ سے ہے۔ یعنی اگلے پچھلے اگر ہلاک ہوئے تو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے۔ پہلوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب اور انکار کیا اور ان فرعونیوں نے جوان کے بعد آئے یہی کام کیا۔ تو پھر ہم نے انہیں بھی ہلاک کیا۔ تو ان کے گناہوں کی وجہ سے فرعونیوں کو دریا میں غرق کیا۔

فائدہ: اگرچہ ہلاکت میں غرق بھی داخل تھا لیکن عموم کے بعد خصوص کسی اہمیت کی وجہ سے اور یہاں "اهلكنا" کے بعد "اغرقنا" اس لئے کہا تا کہ غرق کی ہولناکی اور گھبراہٹ کو بھی واضح کر دیا جائے۔ آگے فرمایا کہ کیا قریش اور کیا فرعونی اور ان سے پہلے والے سب ظالم تھے کہ سب کفر و معاصی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے گویا انہوں نے اپنے آپ کو ہلاکت اور تباہی میں خود ڈالا۔ یا یہ مطلب ہے کہ بجائے تصدیق کے کفر و تکذیب کر کے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ **سبق**: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کی قدر نہ کرے۔ اس سے وہ نعمت چھین لی جاتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک بادشاہ اپنے زرخرید غلام پر اعزاز و اکرام کر کے اسے اعلیٰ قسم کی پوشاک مع لباس عطا کرے اور اسے اپنے تمام نوکروں چاکروں اور خدام کا سردار بنا دے اور اسے یہ حکم ہو کہ وہ شاہی دروازے پر ہمہ وقت حاضر رہے اور بادشاہ اس کیلئے عالی شان زیب و زینت سے آراستہ محل تیار کرا کے اس میں بہترین اور خوبصورت ساز و سامان بھی لگا دے اور ہر قسم کے اعلیٰ کھانے کی اشیاء بھی اس میں رکھ دے اور اسے کہا جائے کہ بادشاہ کی خدمت کے بعد اسی محل میں اعلیٰ نعمتیں بھی کھائے اور آرام بھی کرے۔ لیکن وہ محل کے باہر دیکھتا ہے کہ کچھ خشک روٹی کے ٹکرے پڑے ہیں یا پرانی ہڈی ہے۔ وہ اسے اٹھا کر یوں توڑتا ہے۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾

بے شک بدترین جانور نزدیک اللہ کے وہ ہیں جو کافر ہیں پھر وہ نہیں ایمان لاتے۔

اَلَّذِیْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِیْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا یَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾

یہ وہ ہیں کہ وعدہ لیا تھا آپ نے ان سے پھر وہ توڑتے رہے اپنے وعدہ کو ہر مرتبہ اور وہ نہیں ڈرتے

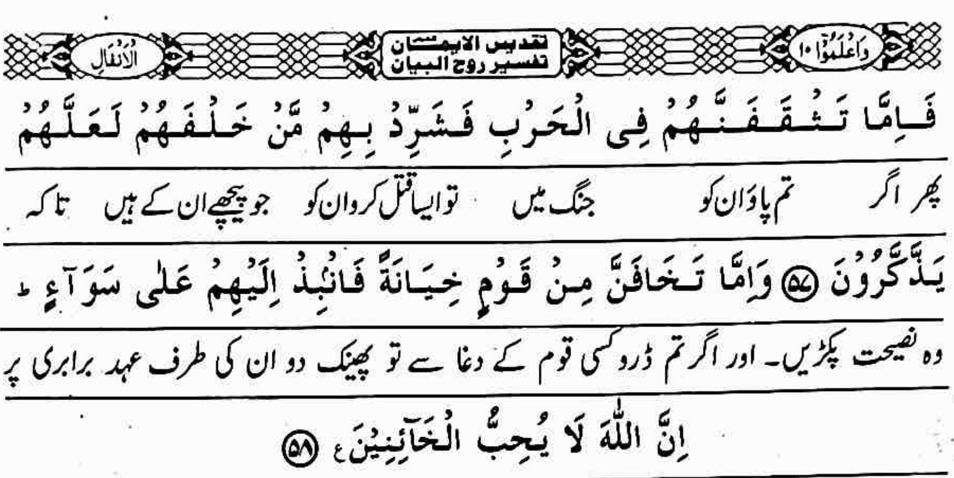
(بقیہ آیت نمبر ۵۳) جیسے کتے توڑتے ہیں اور یہ بھی ان خشک ٹکڑوں میں دلچسپی کے ساتھ انہیں کھاتا ہے۔ یا کتے سے ہڈی چھین کر منہ میں ڈالتا ہے اور اس ہڈی کو بڑی نعمت سمجھتا ہے تو بتاؤ ایسے شخص کو بادشاہ کیا کہے گا کہ اس نے ہماری نعمتوں کی کوئی قدر ہی نہیں کی بڑا پاگل آدمی ہے اور بے وقوفوں کا سردار ہے تو اس سے وہ اعزاز واکرام واپس لے لے گا اور اسے اپنے در سے دور کر دے گا۔ یہی حال اس عالم کا ہے جو عمل کے بجائے دنیوی عیش وعشرت میں پڑ جائے اور اس سالک کا بھی یہ حال ہے جسے معرفت حاصل ہوئی مگر اس کی قدر نہ کی۔

(بقیہ آیت نمبر ۵۴) **حکایت:** سلیمان علیہ السلام کروفر کے ساتھ اپنے لشکر کے ساتھ کہیں جا رہے تھے۔ ایک عابد کے پاس سے گزرے تو اس نے کہا۔ ابن داؤد آپ بڑے خوش نصیب ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑا ملک اور تاج وتخت دیا تو آپ نے فرمایا اے عابد رضا الٰہی کیلئے تیرا ایک بار تسبیح کہنا ابن داؤد کی سلطنت سے ہزار گنا بہتر ہے اس لئے کہ ابن داؤد کی شاہی کو فنا ہے لیکن ذکر الٰہی کو بقا اور دوام حاصل ہے۔

(آیت نمبر ۵۵) بے شک بدترین زمین پر چلنے والے۔ (اس میں انسان بھی داخل ہیں)۔ یہاں دواب لغوی معنی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین جانور کافر ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے اور آئندہ بھی ان سے ایمان کی توقع نہیں اس لئے کہ یہ ان لوگوں سے ہیں کہ جن پر کفر کی مہر لگ چکی ہے۔

فائدہ: انہیں شر الناس کی جگہ شر الدواب اس لئے کہا کہ یہ اتنا بڑا بدبخت ہو گیا ہے کہ یہ جنس انسان سے نکل کر حیوانوں کی جنس میں داخل ہو گیا ہے۔ اسی لئے دوسری جگہ فرمایا کہ یہ حیوانوں سے بھی زیادہ گمراہ اور بدتر ہیں۔

(آیت نمبر ۵۶) آگے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن سے آپ نے معاہدہ کیا لیکن وہ اس معاہدے کو پورا کرنے کے بجائے توڑ دیتے ہیں۔ کوئی ایک مرتبہ کی بات نہیں۔ بلکہ ہر دفعہ انہوں نے آپ سے معاہدہ کر کے توڑ ڈالا اور وہ اس دھوکہ بازی سے بچتے بھی نہیں یا جہنم کی آگ سے بچنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اس لئے۔ کہ وعدہ خلافی تو منافقت کی علامت ہے اور منافق جہنم کے نچلے حصے میں جائے گا۔



فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ

پھر اگر تم پاؤ ان کو جنگ میں تو ایسا قتل کرو ان کو جو پیچھے ان کے ہیں تاکہ

یَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ط

وہ نصیحت پکڑیں۔ اور اگر تم ڈرو کسی قوم کے دغا سے تو پھینک دو ان کی طرف عہد برابری پر

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ ع ﴿۵۸﴾

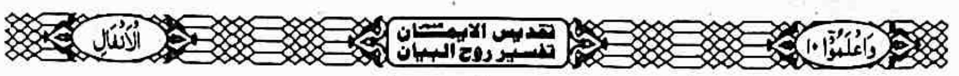
بے شک اللہ نہیں پسند کرتا دغا کرنے والوں کو

(بقیہ آیت نمبر ۵۶) **یہود نے معاہدہ توڑا:** حضور ﷺ جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ شریف میں تشریف لائے۔ تو آپ ﷺ نے باقی قبائل کی طرح بنو قریظہ سے بھی معاہدہ کیا تھا کہ وہ ہمارے دشمنوں کے ساتھ مل کر ہمیں نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ لیکن انہوں نے احد کی لڑائی میں چوری چوری کافروں کی مدد کی۔ جب انہیں یاد دلایا گیا تو انہوں نے غلطی کی معافی مانگ لی۔ لیکن غزوہ احزاب میں تو کھل کر نہ صرف مدد کی بلکہ پوری ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ مسلمانوں کو شکست دی جائے یعنی کئی بار معاہدہ کی خلاف ورزی کی۔ اس لئے اس آیت میں معاہدہ توڑنے اور وعدہ خلافی کرنے والوں کی مذمت بیان کی گئی۔ یا وہ وعدہ جو ازل میں کیا تھا۔ دنیا میں آ کر کفر و گناہ کر کے اسے توڑ ڈالا۔

(آیت نمبر ۵۷) تو اس لئے آگے فرمایا جب تم انہیں جنگوں میں پاؤ تو خوب ان کو قتل کر کے انہیں جدا جدا کر دو اور ان کو بھی جو ان کے پیچھے ہیں۔ یعنی اگلوں پچھلوں سب کا رگڑا نکال دو۔ تاکہ انہیں خوب نصیحت حاصل ہو۔

فائدہ: یعنی اے محبوب یہ وعدہ توڑنے والے جب جنگ میں زیر تلوار آ جائیں تو ان پر ایسا قہر و غضب گراؤ کہ وہ خوف سے کانپ اٹھیں تاکہ آئندہ وعدہ توڑنے کی جرأت نہ کریں۔ اس لئے آگے فرمایا تاکہ انہیں خوب نصیحت حاصل ہو جائے۔ یعنی تمہاری سخت ترین سزا سے آئندہ کیلئے ایسی نصیحت حاصل کریں کہ وہ اوروں کو بھی بتائیں گے کہ وعدہ کر کے نہ توڑنا۔

(آیت نمبر ۵۸) آگے فرمایا کہ اگر تمہیں معاہدہ کرنے کے بعد عہد شکنی کا خوف ہو یا معلوم ہو جائے یا ان کے طور اطوار سے یا ان کے عزائم سے پتہ چل جائے کہ انہوں نے خیانت کی ہے۔ یعنی وعدے کی خلاف ورزی کی ہے۔ یا وعدے کی پاسداری کے بجائے کفار سے ساز باز کر لی۔



وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾

اور نہ گمان کریں وہ جو کافر ہیں کہ وہ ہاتھ سے نکل گئے بے شک نہیں وہ عاجز کر سکتے۔

(بقیہ آیت نمبر ۵۸) تو پھر تم بھی ان سے کئے ہوئے وعدے کو برابری کی سطح پر ان کی طرف پھینک دو۔ یعنی انہیں پھر واضح طور پر بتادو کہ اب ہمارا تمہارا معاہدہ ختم۔ تاکہ انہیں جنگ کے دوران یہ وہم نہ ہو کہ شاید معاہدہ باقی ہے تاکہ آئندہ وہ الزام تراشی بھی نہ کر سکیں کہ تم نے کوئی ان سے دغا کیا ہے۔ **فائدہ**: علی سواء کا مطلب ہے۔ انہوں نے وعدہ خلافی پہلے کی لہذا تم معاہدہ ختم کرنے کا اعلان کردو۔ تاکہ برابری ہو جائے۔

آگے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ یہ گویا انہیں معاہدہ توڑنے پر طعن دیا گیا ہے کہ تم نے رسول اللہ ﷺ سے عہد شکنی کر کے بہت بڑی غلطی کی ہے۔

(آیت نمبر ۵۹) کافر یہ گمان نہ کریں۔

فائدہ: یہ اصل میں ایک وہم کا جواب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عہد شکنی کر دینے کا حکم فرمایا تو لوگوں کے دلوں میں یہ خیال آیا کہ اگر دشمن کو وقت سے پہلے ہم نے عہد شکنی کا بتادیا تو دو صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں:

۱۔ یہ کہ ان کو جب معلوم ہو گیا کہ مسلمانوں نے معاہدہ ختم کر دیا تو وہ جنگ کی تیاری اور زیادہ کر کے خوب جم کر لڑیں گے تو ان سے مقابلہ مشکل ہو جائے گا۔

۲۔ یا وہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو جائیں گے پھر ہماری اطلاع دینے سے ہمارا مقصود فوت ہو جائے گا۔ اس لئے بہتر ہے کہ بغیر اطلاع دیئے ان سے جنگ لڑی جائے۔ معاہدہ اس وقت توڑیں کہ جب ہمیں ان سے خیانت کی علامات محسوس ہوں۔ تو فرمان الٰہی ہوا کہ کافر بالکل یہ نہ سمجھیں کہ وہ چونک گئے تو وہ آگے نکل جائیں گے۔ بے شک وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے کہ وہ کہیں نکل جائیں اور ان کو پانا مشکل ہو۔

مسئلہ: اس آیت میں ان نفوس کو بھی تہدید سنائی گئی ہے جو گناہوں پر جرات کرتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے گناہ کرنے کی جرأت کرتے ہیں۔ اور وہ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ وہ پکڑے نہیں جائیں گے۔ یا ہم سے کہیں نکل جائیں گے۔ اور ہمارے قابو میں نہیں آئیں گے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ

اور تیاری رکھو ان کیلئے جتنی تم رکھتے ہو طاقت اور جتنے باندھ سکتے ہو گھوڑے تاکہ تم رعب ڈالو اللہ کے

عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ

دشمن پر اور اپنے دشمن پر اور کچھ اور بھی (دشمن ہیں) جو ان کے علاوہ ہیں نہیں جانتے تم ان کو اللہ جانتا ہے ان کو

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿٦٠﴾

اور جو بھی خرچ کرو گے کوئی چیز راہ خدا میں تو پورا پورا تم دیئے جاؤ گے اور تم سے نہیں زیادتی کی جائیگی

(آیت نمبر ۶۰) اے مسلمانو۔ تم کافروں کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے جنگی سامان تیار کرو۔ جتنی بھی تمہیں طاقت ہے یعنی وہ سامان جو جنگ کیلئے زیادہ ضروری ہے۔ جیسے گھوڑے ہتھیار تیر تلوار وغیرہ یا گھوڑا وغیرہ۔ اگرچہ ایک **حدیث** میں سب سے بڑی طاقت تیر چلانے کو قرار دیا گیا ہے لیکن یہ زمانے کے اعتبار سے ہے۔ (مثلاً آج کا دور گولی اور ایٹم کا دور ہے)۔ حضور ﷺ کے زمانے میں تیر اندازی جنگ میں بہت بڑی طاقت تھی۔ لہٰذا ارشاد خداوندی کا مفہوم یہ ہوگا کہ اپنے زمانے کے مطابق دشمن کے مقابلے کیلئے پوری تیاری رکھو۔ **حدیث شریف**: ہر نیکی پر تیر اندازی اور دعا کو فضیلت حاصل ہے۔ **حدیث شریف**: ایک ہی تیر کی وجہ سے تین آدمیوں کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائے گا: (۱) تیر بنانے والا جو جہاد کی نیت سے تیر بناتا ہے۔ (۲) مجاہد کو تیر ہدیۃً دینے والا۔ (۳) جہاد میں تیر چلانے والا۔

حدیث شریف: جس نے اپنی جوانی خدمت دین اسلام میں گذاری۔ اسے بروز قیامت ایک خصوصی نور نصیب ہوگا اور جو جہاد فی سبیل اللہ میں تیر چلائے۔ اس کا تیر دشمن کو لگے یا نہ لگے۔ اسے ہر تیر چلانے کے بدلے مسلمان غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔ **حدیث شریف**: ذکر الٰہی کے سوا ہر کام لہو و لعب ہے سوائے چار اعمال کے: تیر اندازوں کے دونوں نشانوں کے درمیان چلنا۔ (۲) جہاد کیلئے گھوڑے کو تربیت دینا۔ (۳) گھر میں بیوی کے ساتھ جائز ہنسی مذاق کرنا۔ (۴) دریا میں تیرنے کا طریقہ سیکھنا۔

آگے فرمایا کہ اپنی طاقت کے مطابق گھوڑے باندھنے سے مراد وہ جو گھوڑے جنگ میں کام آئیں۔
حدیث شریف: جو مسلمان جو کے دانے خرید کر جنگی گھوڑوں کو کھلائے۔ اسے ہر دانے کے بدلے نیکی ملے گی۔

فائدہ: جس گھر میں گھوڑا یا جنگی ہتھیار ہو۔ اس گھر میں جنات نہیں آتے۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦١﴾

اور اگر جھک جائیں صلح کیلئے تو تم بھی جھک جاؤ اس کیلئے اور بھروسہ کرو اوپر اللہ کے بے شک وہ سننے جاننے والا ہے

(بقیہ آیت نمبر ٦٠) **گھوڑے کے تین مقاصد:**

١۔ اس لئے گھوڑا خریدا کہ اس پر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو قتل کرے۔ اسی لئے آگے فرمایا کہ تم گھوڑوں اور جنگی ہتھیاروں سے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو خوب ڈراؤ دھمکاؤ۔

٢۔ وہ گھوڑا جو عام مقاصد کیلئے ہو یعنی اس پر بیٹھ کر کاروبار کیا جائے اور پیٹ کو پالنے کا سامان کیا جائے۔

٣۔ شیطان کو خوش کرنے کیلئے یعنی جس پر بیٹھ کر گناہ کے کام جوا وغیرہ کیلئے جائے۔ یہ گھوڑا برا ہے۔

فائدہ: یہاں دشمن سے مراد کفار ہیں کیونکہ وہ باقی دشمنوں سے سرکشی اور دشمنی کرنے میں سب سے آگے ہیں۔

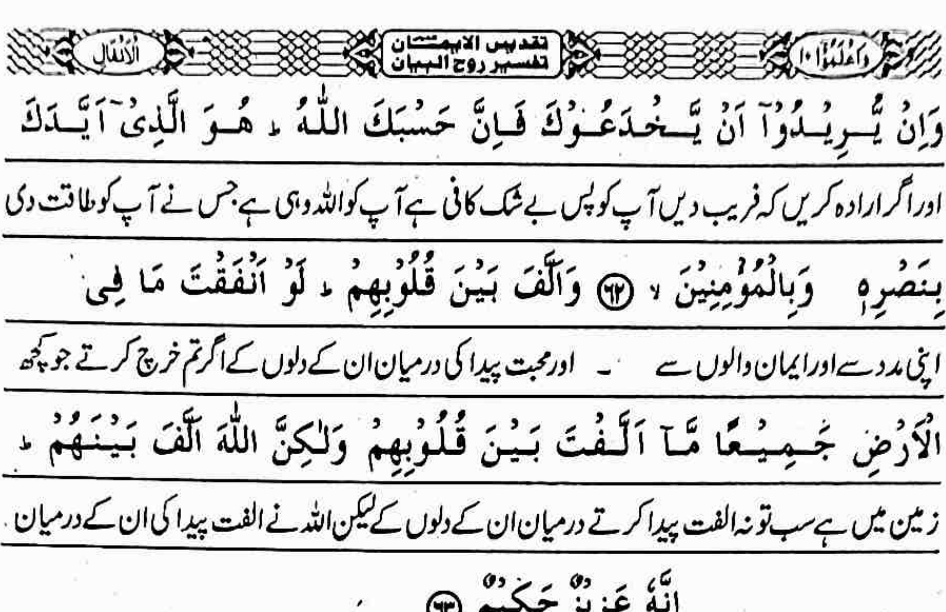
آگے فرمایا کہ کفار مکہ کے علاوہ اور بھی جتنے دشمن ہیں۔ منافقین وغیرہ انہیں بھی خوب ڈراؤ۔ جنہیں تم نہیں جانتے لیکن اللہ تعالیٰ انہیں جانتا ہے۔

آگے فرمایا کہ جو چیز بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے۔ یعنی سرکش دشمنوں کے خلاف جنگ کی تیاری میں جو مال خرچ ہو وہ اللہ کی راہ میں ہے۔ آگے فرمایا کہ تمہیں اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور تم پر کوئی بھی ظلم نہیں کیا جائیگا۔

(آیت نمبر ٦١) اور اگر کفار صلح کیلئے تمہارے سامنے جھک جائیں یعنی کفار مسلمانوں سے ڈر کر صلح کیلئے تیار ہو جائیں تو اے پیارے محبوب آپ ان کی صلح کو تسلیم کر لیں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں۔ یعنی ان کے مکر و فریب سے نہ ڈریں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کا نگاہ بان ہے۔ بے شک وہ سننے والا ہے۔ یعنی کفار علیحدگی میں جو جو منصوبے بناتے ہیں۔ انہیں سننے والا ہے اور ان کے سب عزائم اور نیتوں کو جاننے والا ہے۔

فائدہ: "فاجنح" اگر چہ امر کا صیغہ ہے لیکن یہ امر اباحت کیلئے ہے۔ یعنی حاکم وقت کی صوابدید پر ہے۔ نہ تو ہمیشہ لڑتا ہی رہے نہ پکا صلح کلی بن جائے۔ بلکہ ہر معاملہ میں اہل اسلام کی فلاح اور ان کے فائدے کو مدنظر رکھے۔ یعنی اگر مسلمان کفار سے مقابلہ کرنے کی پوری ہمت رکھتے ہوں تو پھر جنگ کریں ورنہ صلح کر لیں۔

تنبیہ: صلح بھی ہو تو اس میں لمبی مدت نہ لکھیں۔ سال سے کم لکھیں۔ البتہ اگر کفار کا ابھی غلبہ ہو یا کثرت ہو تو پھر زیادہ عرصہ لکھنے میں حرج نہیں۔ پھر بھی زیادہ سے زیادہ دس سال تک ہو۔



وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ

اور اگر ارادہ کریں کہ فریب دیں آپ کو پس بے شک کافی ہے آپ کو اللہ وہی ہے جس نے آپ کو طاقت دی

بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۙ ﴿۶۲﴾ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِى

اپنی مدد سے اور ایمان والوں سے ۔ اور محبت پیدا کی درمیان ان کے دلوں کے اگر تم خرچ کرتے جو کچھ

الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ

زمین میں ہے سب تو نہ الفت پیدا کرتے درمیان ان کے دلوں کے لیکن اللہ نے الفت پیدا کی ان کے درمیان

اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۳﴾

بے شک وہ غالب حکمت والا ہے

(آیت نمبر ۶۲) اور اگر وہ لوگ آپ سے صلح کے بعد دل میں دھوکہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ یا دھوکہ دے دیں۔ تو پھر اللہ آپ کو کافی ہے۔ جو ان کے شر اور فتنہ سے بچائے گا۔ بلکہ بالآخر ان پر غلبہ دے گا۔ اس سے پہلے بھی اپنی مدد کے ساتھ آپ کی تائید فرمائی۔ یعنی بغیر اسباب کے آپ کو قوت بخشی اور مومنوں کے سبب سے آپ کی مدد فرمائی۔ وہ مدد اس طرح سے فرمائی کہ

(آیت نمبر ۶۳) ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت پیدا فرمائی چونکہ پہلے ان کے دلوں میں تعصب کینہ اور بغض تھا کہ ذرہ ذرہ بات پر جنگ چھڑ جاتی تھی۔ پوری پوری زندگی دشمنی میں گذر جاتی تھی۔ حضور ﷺ کی تشریف آوری سے وہ آپس میں شیر و شکر ہو گئے یہ بھی حضور ﷺ کے معجزات میں سے ہے۔

فائدہ :اوس اور حزرج میں ایک سوبیس سال تک جنگ وجدال رہا۔ پھر حضور ﷺ کی تشریف آوری کی برکت سے ان میں الفت ومحبت پیدا ہو گئی۔

آگے فرمایا کہ اگر تم زمین کے اندر کی تمام چیزیں خرچ کر ڈالتے تو پھر بھی تم ان کے دلوں میں محبت پیدا نہ کر سکتے۔ یعنی ان کی عداوت اس انتہاء کو پہنچی ہوئی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان میں الفت پیدا فرمادی۔ اس لئے کہ ان کے دلوں پر قبضہ اللہ تعالیٰ کا ہی ہے۔ وہ جس طرح چاہتا ہے دلوں کو پھراتا ہے۔ بے شک وہ غالب قدرت والا ہے اور حکمت والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۶ ﴿۶۴﴾

اے نبی پاک ﷺ کافی ہے آپ کو اللہ اور جتنے آپ کے پیروکار ہیں مومنوں سے

(بقیہ آیت نمبر ۶۳) **فائدہ:** آپس کی محبت و موافقت اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح سے رکھی ہے۔

نکتہ : دن میں پانچ بار مسلمانوں کو مساجد میں باجماعت نماز کیلئے اکٹھا کرنے میں بھی یہی راز ہے۔ تا کہ ایک دوسرے کو ملیں پھر پورے جمعہ کو اکٹھے ہوں۔ پھر پورے علاقے کے لوگ سال کے بعد عید پر اکٹھے ہوں۔ اسی طرح پوری دنیا کے لوگ حج پر اکٹھے ہوں۔ تو ان اجتماعات میں یہی راز ہے کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے سے محبت کریں۔ **حدیث شریف** :حضور ﷺ نے آپس میں مسلمانوں کی محبت کی مثال یوں دی ہے کہ جیسے ایک جسم کے کئی حصے ہیں۔ ان میں سے کسی حصے میں درد ہو تو سارا جسم بے چین ہوتا ہے۔ (مسلم شریف)

(آیت نمبر ۶۴) اے پیارے نبی ﷺ تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ ہی آپ کو کافی ہے اور پھر آپ کے تابعدار مومنین ہی آپ کو کافی ہیں۔ (**فائدہ:** معلوم ہوا اللہ تعالیٰ کے بعد کسی کو اپنے لئے کافی سمجھنا شرک نہیں)

شانِ نزول : ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو اس وقت مسلمانوں کی تعداد چالیس ہو گئی تھی۔ حضرت عمر حضور ﷺ کی دعا سے مسلمان ہوئے تھے۔ اگلی ہی رات ابوجہل نے سو اونٹ انعام دینے کا وعدہ کیا تھا کہ جو حضور ﷺ کا سر اتار کر لائے۔ اسے انعام میں سو اونٹ دیا جائے گا۔

تو حضرت عمر سو اونٹوں کی لالچ میں ننگی تلوار لئے جا رہے تھے۔ راستے میں پتہ چلا کہ بہن اور بہنوئی مسلمان ہو گئے ہیں۔ تو آپ سیدھے بہن کے گھر گئے وہ اس وقت تلاوت قرآن کر رہے تھے۔ قرآن سنتے ہی حالت بدل گئی اور کہا مجھے حضور ﷺ کی بارگاہ میں لے چلو۔ بارگاہ مصطفیٰ میں حاضر ہو کر کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔ پھر عرض کی حضور کیا ہم حق پر نہیں؟ فرمایا ہم حق پر ہیں۔ تو عرض کی پھر چھپ کر کیوں کلمہ پڑھتے ہیں۔ فرمایا کافر زیادہ ہیں مسلمان تھوڑے ہیں۔ جب ہم باہر کلمہ کا اظہار کرتے ہیں۔ تو وہ مسلمانوں کو ایذا دیتے ہیں۔ فرمایا اللہ آپ کو کافی پھر میں کافی ہوں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جملے کو یوں تبدیل فرما دیا کہ اللہ آپ کو کافی ہے۔ پھر سارے آپ کے غلام آپ کو کافی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے اسلام ایک گھر سے نکل کر خانہ کعبہ میں پہنچ گیا۔ اس طرح اسلام کو غلبہ نصیب ہوا اور عمر سے آپ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بن گئے۔ **فائدہ:** چونکہ اگلی شام کو ہی نبی کریم ﷺ نے دعا مانگی تھی۔ کہ اے اللہ عمر بن خطاب کو ایمان کی دولت دے کر اسلام کو عزت عطا فرما۔ وہ دعا قبول ہوئی۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ

اے نبی پاک ﷺ ترغیب دو مسلمانوں کو اوپر جہاد کے ۔ اگر ہوئے تم میں سے

عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْۤا

بیس ڈٹنے والے تو غالب آئیں گے دو سو پر اور اگر ہوئے تم میں ایک سو تو غالب آئیں گے

اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾

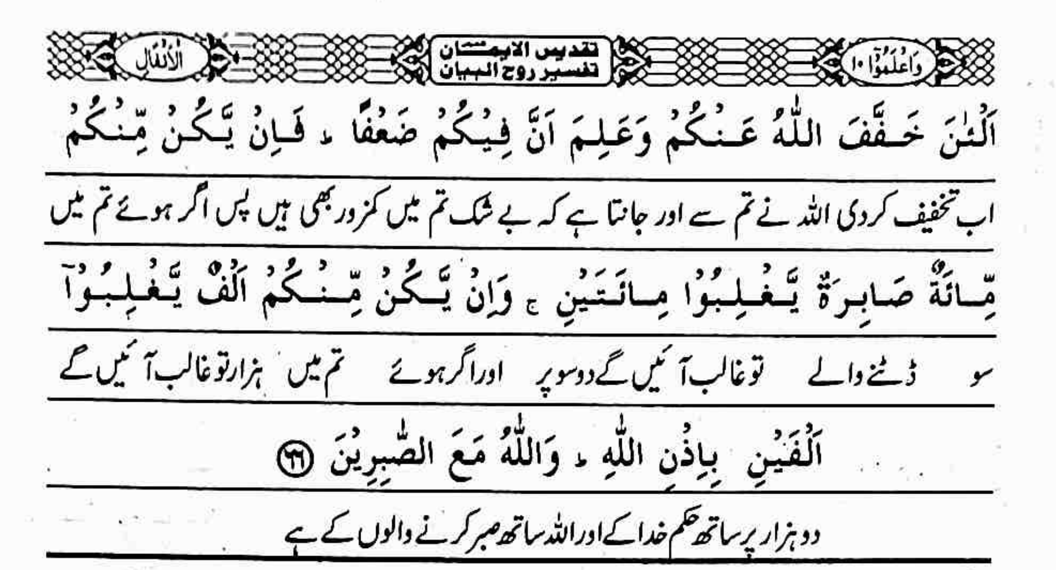
ہزار پر وہ جو کافر ہیں بوجہ اس کے کہ وہ قوم ہی نا سمجھ ہے

(آیت نمبر ٦٥) اے شانوں والے نبی۔ ایمان والوں کو جہاد کیلئے تیار کیجئے۔ یعنی ثواب اور جنت کا وعدہ پر کفار کے ساتھ جنگ کرنے کی ترغیب دیجئے۔ تاکہ وہ کفار سے لڑنے کیلئے تیار ہو جائیں۔

فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کا کفار کے ساتھ جنگ کرنے کی ترغیب دینے کے باوجود جو لوگ جہاد سے پیچھے رہ جائیں وہ ہلاکت میں پڑیں گے۔

فائدہ: کسی کام کیلئے ترغیب دینا دوسرے کو اس وقت مفید ہوتا ہے۔ جب وہ خود اس پر عمل کرے۔ اسی لئے اکثر جنگوں میں سب سے پہلے حضور ﷺ خود تیار ہوتے۔ پھر سب مسلمان تیار ہو جاتے۔

مسئلہ: اس آیت میں جہاد کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اس لئے کہ اگر جہاد میں کوئی فضیلت نہ ہوتی تو اس کی ترغیب نہ دلائی جاتی۔ **حدیث شریف**: بندوں کے اعمال جہاد کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے دریا کے مقابلے میں چڑیا کے منہ میں پانی ہو۔ (احیاء العلوم) یعنی جہاد کا رتبہ سب اعمال سے زیادہ ہے۔ اس وقت جب جہاد ہو رہا ہو۔ آگے فرمایا۔ اے مسلمانو اگر تم میں بیس مسلمان بھی کفار کے مقابلے میں ڈٹ کر جنگ کرنے والے ہوئے تو وہ دو سو کافروں پر غالب آ جائیں گے۔ اسی طرح اگر سو ڈٹنے والے ہوئے تو وہ ہزار کافروں پر غالب آ جائیں گے۔ مسلمانوں کی ثابت قدمی شرط ہے مسلمان ثابت قدم ہوں تو کافران کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتے۔ اس لئے کہ وہ قوم ہی نا سمجھوں کی ہے۔ اگر سمجھ ہوتی تو پتھروں کو خدا نہ بناتے بلکہ اصل خدا کو ہی کو مان لیتے اور کفار کو جنگ سے کوئی ثواب نہیں ملا۔ نہ وہ اللہ کے حکم پر لڑتے ہیں۔ نہ انہیں رضا الٰہی مطلوب ہے وہ تو صرف جاہلیت کے جوش میں جنگ کرتے ہیں۔ ان کے مدنظر خواہشات نفسانی ہوتی ہے اور شیطان کے کہنے پر لڑتے ہیں۔ تاکہ ملک میں بدامنی اور فساد ہو۔ اسی لئے وہ غضب الٰہی اور اپنی رسوائی کے مستحق ٹھہرے ہیں۔



اَلْـٰٔنَ خَـفَّفَ اللّٰهُ عَـنْـكُمْ وَعَـلِـمَ اَنَّ فِـيْـكُمْ ضَعْفًا ۚ فَـاِنْ يَّـكُـنْ مِّـنْـكُمْ

اب تخفیف کردی اللہ نے تم سے اور جانتا ہے کہ بے شک تم میں کمزور بھی ہیں پس اگر ہوئے تم میں

مِّـائَةٌ صَابِـرَةٌ يَّـغْـلِـبُوْا مِـائَـتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّـكُـنْ مِّـنْـكُمْ اَلْفٌ يَّـغْـلِـبُوْٓا

سو ڈٹنے والے تو غالب آئیں گے دوسو پر اور اگر ہوئے تم میں ہزار تو غالب آئیں گے

اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٦٦﴾

دو ہزار پر ساتھ حکم خدا کے اور اللہ ساتھ صبر کرنے والوں کے ہے

(بقیہ آیت نمبر ٦٥) **مسئلہ**: اس وعدہ کریمہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی مدد سے دس کافروں پر غالب آ سکتا ہے۔ اور دس سو پر اور سو ہزار پر غالب آ سکتے ہیں۔

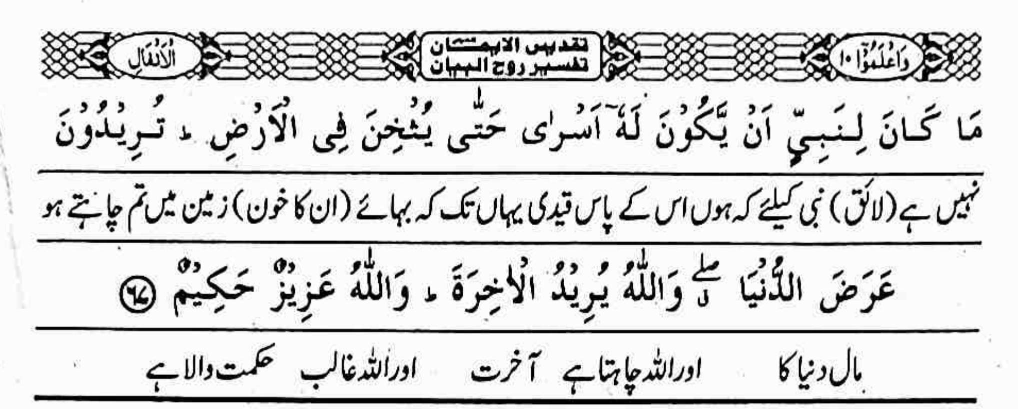
حکایت: ایک مرتبہ نبی پاک ﷺ نے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی زیر نگرانی تیس مسلمانوں کو تین سو کے مقابلے میں بھیجا تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسلمان فتح و کامیاب ہو کر واپس آئے۔

(آیت نمبر ٦٦) اب تم پر اللہ تعالیٰ نے تخفیف فرما دی۔ یعنی ایک دس کے مقابلے میں تھا اب اس میں کمی کر دی۔ یعنی ایک دو کے مقابلے میں ڈٹا رہے۔ تو ضرور کامیاب ہوگا۔

مسئلہ: لیکن یہ بھی مسئلہ اس وقت ہے کہ جب اس کے پاس دو کافروں کے مقابلے میں لڑنے کی ہمت۔ ہتھیار اور سامان ہو۔ اگر مسلمان خالی ہاتھ ہو اور کافر مسلح ہو۔ تو پھر ان کے مقابلے سے جان بچانے میں حرج نہیں۔

مسئلہ: قوت و طاقت کے باوجود کفار کے مقابلے سے بھاگ جانا گناہ کبیرہ ہے۔ **حدیث شریف**: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان اگر تین کافروں کے مقابلے سے بھاگ جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں (بخاری)۔ ہاں دو کے مقابلے سے بھاگا تو پھر گناہ گار ہے۔ آگے فرمایا۔ اللہ کو معلوم ہے کہ اب تم میں کمزوری آ گئی ہے۔ یعنی بدن میں سستی آ گئی ہے۔ یہ نسبت علم کی اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے ظہور کی وجہ سے ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کا علم تو ازلی ابدی ہے۔

آگے فرمایا کہ پس اگر تم میں سو ڈٹنے والے مجاہد ہوئے تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر ہزار ہوئے تو دو ہزار پر غالب آ جائیں گے۔ اللہ کے حکم سے اس لئے کہ اب تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسانی آ گئی ہے۔



(بقیہ آیت نمبر ٦٦) اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ یعنی صابرین کی مدد اور تائید فرماتا ہے۔ اس لئے اب وہ مغلوب نہیں ہوں گے۔ **فائدہ** :صابرین کا مطلب جہاد کے وقت ثابت قدم رہنے والے۔

فائدہ :اگرچہ اللہ تعالیٰ کی معیت تو ہر ایک کے ساتھ ہے لیکن جہاد میں صبر کرنے والے اصل ہیں اور باقی ان کے تابع ہیں۔ یہاں صبر کا معنیٰ دشمن کے مقابلے میں ڈٹ جانے والے بھی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبہ اور یقین: مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ایک صحابی کو فرمایا۔ تم مصر کے حاکم بنو گے تو حضور ﷺ کے وصال کے بعد جب مصر میں جنگ ہوئی۔ تو مصری قلعہ بند ہو گئے وہی صحابی کہنے لگے فلاحن کے ذریعے مجھے قلعے میں گرا دو۔ میں اندر سے قلعہ کا دروازہ کھول دونگا۔ صحابہ نے کہا وہ اگر تمہیں مار دیں تو پھر؟ انہوں نے کہا جب تک میں مصر کا حاکم نہیں بن جاتا۔ مجھے موت نہیں آ سکتی۔ کیونکہ میرے آقا ﷺ نے ایک دن ارشاد فرمایا تھا کہ تو مصر کا حاکم بنے گا۔ اب جب تک حاکم نہیں بنوں گا میں نہیں مروں گا۔ واہ رے اے صحابی تیرا نبی کے علم غیب پر کتنا یقین تھا اور تیری قوۃ ایمانی کتنی مضبوط تھی۔

(آیت نمبر ٦٧) کسی نبی کیلئے مناسب نہیں ہے کہ اس کے پاس کفار قیدی ہو کر آئیں۔ یہاں تک کہ وہ زمین پر ان کا خون بہائے۔

بدر کے ستر قیدی: جب حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر کئے گئے تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا کہ ان کا کیا کیا جائے۔ تو جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ ان میں آپ کے قریبی رشتے دار بھی ہیں جیسے عباس آپ کے چچا اور عقیل آپ کے چچازاد ہیں۔ اگر ان کو معاف کیا جائے۔ اور انہیں دولت ایمان نصیب ہو گی تو بہت اچھا ہو گا۔ البتہ ان سے فدیہ لے لیا جائے تاکہ اسلام کو قوت حاصل ہو تو یہ بہت بہتر ہو گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ یارسول اللہ میری رائے تو یہ ہے کہ انہیں قتل کیا جائے۔ کیونکہ انہوں نے مسلمانوں پر بہت بڑے ظلم کئے۔

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٦٨﴾

اگر نہ لکھا گیا ہوتا اللہ کی طرف سے پہلے ہی تو ضرور پہنچتا تمہیں اس کے بدلے میں جو لیا تم نے عذاب بڑا

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٩﴾ ع

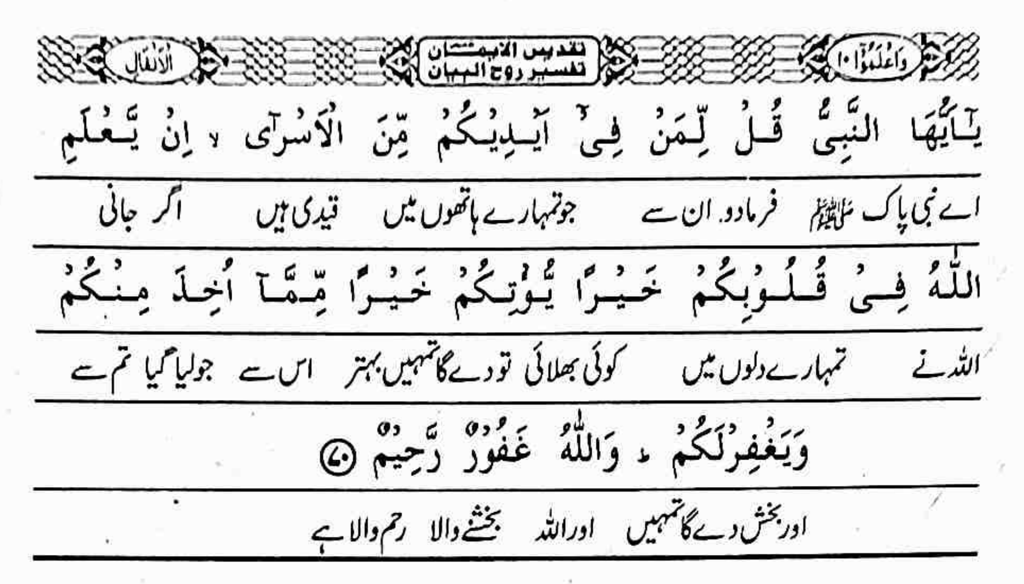
تو کھاؤ اس سے جو غنیمت ملی حلال پاکیزہ ہے اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

(بقیہ آیت نمبر ٦٧) کیونکہ یہ آپ کے دشمن ہیں جنہوں نے آپ کو قتل کرنے کے منصوبے بنائے۔ لہذا میرا مشورہ تو یہی ہے کہ ان سب کو قتل کیا جائے۔ بالآخر سب کا اتفاق ہوا کہ بیس اوقیہ سونا لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے۔ ان میں سے کچھ کو معاف بھی کیا گیا۔ کچھ کو قتل بھی کیا گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی وہی تھی۔ جو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی مرضی تھی۔ اس لئے فرمایا کیا تم دنیا کے اسباب چاہتے ہو۔ دنیا تو چند روزہ ہے اللہ تعالیٰ تمہیں آخرت میں ثواب دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ جس کا مقابلہ دنیا ساری نہیں کر سکتی۔ اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

(آیت نمبر ٦٨) اگر لوح محفوظ میں پہلے سے ہی حکم لکھ نہ دیا گیا ہوتا۔ تو جو کچھ تم نے فدیہ وغیرہ لیا ہے۔ اس پر تمہیں بہت بڑا عذاب پہنچتا۔ **فائدہ**: آیت میں بظاہر عتاب ہے لیکن اس عتاب میں بھی پیار ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اجتہاد کیا۔ اجتہاد پر بہر حال ثواب ہے۔ **مسئلہ**: معلوم ہوا۔ انبیاء کرام علیہم السلام بھی مسائل میں اجتہاد کرتے ہیں اور اجتہاد خطا پر سزا نہیں ہے۔ بدری صحابہ کو ویسے بھی سزا سے اللہ تعالیٰ نے بری کر دیا ہے۔ اسی لئے بعد میں آنے والے لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جرح قدح نہیں کر سکتے۔ **فائدہ**: قرآن پاک میں بہت ساری آیات فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی مرضی کے مطابق اتریں جن کی تعداد تقریباً بائیس ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ حضرت عمر کی زبان اور دل سے حق ہی نکالتا ہے۔ ایک اور **حدیث** میں فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے حق کو عمر کی زبان پر کر دیا ہے۔ (ترمذی ٣٦٤٢)

(آیت نمبر ٦٩) پس کھاؤ جو تمہیں مال غنیمت ملا۔ وہ تمہارے لئے حلال بھی ہے اور پاکیزہ بھی۔

فائدہ: پچھلا حکم آنے پر لوگوں نے مال غنیمت کھانے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فدیہ بھی مال غنیمت ہے اسے کھاؤ۔ چونکہ صحابہ کے دل پر کئی طرح کے وسوسے آنے لگے۔ اس لئے فرمایا کہ یہ تمہارے لئے حلال پاکیزہ ہے۔ گویا انہیں یہ مژدہ سنایا گیا ہے۔ اب اس کے کھانے میں کسی قسم کا شک شبہ نہ کرو۔ طیب اس چیز کو کہا جاتا ہے۔ جو حلال ہونے کے ساتھ ساتھ جس کے کھانے کی طرف طبیعت میلان کرے۔



يٰٓاَيُّهَا النَّبِىُّ قُلْ لِّمَنْ فِىْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ

اے نبی پاک ﷺ فرمادو. ان سے جوتمہارے ہاتھوں میں قیدی ہیں اگر جانی

اللّٰهُ فِىْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ

اللہ نے تمہارے دلوں میں کوئی بھلائی تو دے گا تمہیں بہتر اس سے جولیا گیا تم سے

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٧٠

اور بخش دے گا تمہیں اور اللہ بخشنے والا رحم والا ہے

(بقیہ آیت نمبر۶۹) آگے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو۔یعنی اس کے کسی حکم کی مخالفت نہ کرو۔بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والامہربان ہے۔یعنی فدیہ لینے کی تم سے غلطی تو ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا۔سابقہ امتوں کی طرح تم پر بھی مال غنیمت حرام کرسکتا تھا۔لیکن درگذر فرمادیا اس لئے کہ وہ ذات بہت ہی مہربان ہے۔

سبق: مومن پرلازم ہے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔اگر وہ صحابہ کی اجتہادی خطا پر گرفت کرسکتا ہے تو جو خطائیں ہم جان بوجھ کر کرتے ہیں ان پر کیوں گرفت نہیں ہوگی۔یہ محض اس کا کرم ہے کہ ہماری ہر خطا پر پکڑ نہیں۔

(آیت نمبر۷۰) اے اللہ کے پیارے نبی ﷺ آپ ان قیدیوں سے فرمادیں جو آپ کے قبضہ میں ہیں۔اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل کی بھلائی کو بہتر جانا تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں دے گا اور تمہارے گناہ بھی بخش دے گا۔

شانِ نزول: حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بدر کے قیدیوں میں آئے۔تو ان کے پاس بیس اوقیہ سونا تھا۔جب قیدیوں کا فدیہ مقرر کیا گیا۔تو انہوں نے کہا میرا بیس اوقیہ سونا مال غنیمت میں لیا گیا ہے۔وہ فدیہ میں شمار کیا جائے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو مال جنگ میں لیا جائے وہ مال غنیمت میں آتا ہے۔اب وہ تمہارا نہیں رہا۔آپ اپنے حصے کا بھی عقیل اور نوفل جو قید میں ہیں۔ان کی طرف سے بھی سو اوقیہ ادا کرو۔تو حضرت عباس نے عرض کیا کہ آپ مجھے پوری زندگی کیلئے مانگنے کے لائق بنا رہے ہیں۔میرے پاس اتنا مال کہاں ہے۔تو آپ نے فرمایا کہ آپ جب گھر سے نکلے تو جو سونا چچی ام الفضل کو خفیہ طور پر دیا کہ اسے سنبھال رکھنا۔وہ اگر ہم مارے گئے تو اس سے کام چلا لینا۔حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حیران ہوکر پوچھا۔آپ ﷺ کو کیسے معلوم ہوا۔فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے بتادیا۔تو انہوں نے اسی وقت کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگئے کہ یہ غیبی خبر ہی تھی جس نے حضرت عباس رضی اللہ عنہما کو مسلمان ہونے پر مجبور کیا۔اس لئے کہ اس بات کا علم یا اللہ کے پاس تھا اور یا صرف ان کی اہلیہ کو تھا۔

وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ

اور اگر ان کا ارادہ آپ سے دغا کا ہے تو تحقیق دغا کیا انہوں نے اللہ سے اس سے پہلے اس لئے قابو میں دیا ان کو

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾

اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۷۰) **فائدہ**: یہ آیت اگر چہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی لیکن اب اس کا حکم عام ہے۔ آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

فائدہ: حضرت عباس رضی اللہ عنہ اکثر فرماتے تھے کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے مجھے بدر والے فدیہ میں دیئے ہوئے مال سے اب کئی گنا زیادہ دے دیا ہے۔ اس قت میرے پاس بیس مملوک غلام ہیں اور وافر مال ودولت ہے۔ آب زمزم پر بھی میرا کنٹرول ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ سے امید ہے، وہ دوسرا وعدہ بخشش والا بھی پورا فرمائے گا۔

(آیت نمبر ۷۱) اب اگر وہ خیانت کا ارادہ کرتے ہوں۔ یعنی بدر کے قیدی آپ سے خیانت کرنا چاہیں کہ جو انہوں نے وعدے کئے وہ پورے نہ کریں تو کوئی بات نہیں انہوں نے پہلے بھی اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے وعدے میں خیانت کی ہوئی ہے۔ یعنی ازل میں جو اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا۔ اسے توڑا۔ اب اگر خیانت کریں۔ تو اللہ تعالیٰ تمہیں فتح ونصرت دے کر ان پر غلبہ عطا فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ علم والا حکمت والا ہے۔

فائدہ: ایک روایت میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اندر سے تو غزوۂ بدر سے پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے چونکہ قریش پر ان کے قرضے تھے۔ انہوں نے سوچا اگر اسلام ظاہر کر دیا تو یہ میری رقم کھا جائیں گے۔ اس بات کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی اجازت مانگی۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم آخر میں ہجرت کرنا۔ جیسے میں سب نبیوں کے آخر میں آیا ہوں۔

گھمنڈ بری چیز ہے: حدیث شریف: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قوت والا گھمنڈ نہ کرے ورنہ میں موت بھیج کر ساری قوت ملیا میٹ کر دونگا۔ علم والا علم پر گھمنڈ نہ کرے موت آ گئی تو تیرا علم بے کار ہو جائے گا۔ دولتمند سے بھی کہہ دو اس پر گھمنڈ نہ کرے۔ ورنہ دولت دوسروں کو دیکر تجھے ذلیل کر دوں گا۔ **فائدہ**: گھمنڈ یا فخر یا خود پسندی یہ تکبر کی اقسام ہیں۔ جو انسان کو ذلیل کر دیتی ہیں۔ لہذا ان سے دور رہا جائے۔

گھمنڈ کا مطلب ہے۔ دوسروں کو اپنے سے کم سمجھنا اور اپنے آپ کو سب سے بہتر سمجھنا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

بے شک جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا اپنے مالوں اور جانوں سے راہ خدا میں

وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

اور وہ بھی جنہوں نے ٹھکانا دیا اور مدد کی وہی بعض ان میں سے وارث ہیں بعض کے۔ اور جو ایمان لائے

وَلَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُهَاجِرُوْا ۚ

لیکن ہجرت نہ کی نہیں ہے تمہارے لئے ان کی وراثت سے کوئی چیز یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں

وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰی قَوْمٍۭ بَیْنَكُمْ

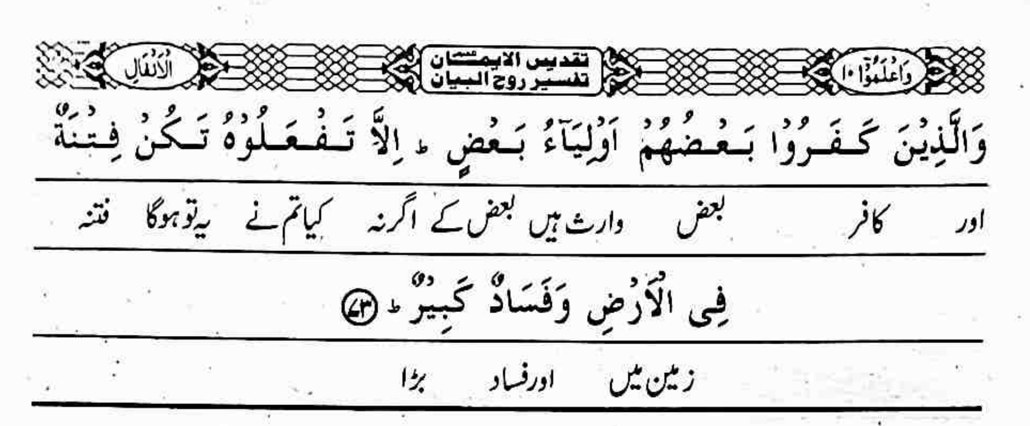
اور اگر وہ مدد چاہیں تم سے دین میں تو تم پر لازم ہے مدد کرنا مگر اوپر اس قوم کے کہ تمہارے

وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۷۲﴾

اور ان کے درمیان معاہدہ ہے اور اللہ جو تم کرتے ہو دیکھ رہا ہے

(آیت نمبر ۷۲) بے شک جن مسلمانوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کیا اور وہ بھی جنہوں نے ان کو ٹھکانہ دیکر ان کی مدد کی وہ سب ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ اس سے مراد مہاجرین و انصار ہیں۔ مہاجرین وہ جو مکہ مکرمہ سے حضور ﷺ کی محبت میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں آئے اور انصار سے مراد وہ لوگ جنہوں نے مہاجرین کو پناہ دی۔ مکانات دیئے اور دیگر ضروریات پوری کیں اور جب کفار نے حملہ کیا تو انہوں نے ان کی دشمنوں کے مقابلے میں مدد کی اور ان کے ساتھ ہو کر کفار کو مارا۔

فائدہ: مہاجرین و انصار کا پہلے آپس میں قرابت اور رشتہ داری کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ لیکن اسلام نے انہیں ایسا جوڑا کہ قریبیوں کی طرح وہ ایک دوسرے کے وارث بن گئے۔ **مسئلہ**: مہاجرین و انصار ہجرت و نصرت کی وجہ ایک دوسرے کے یوں وارث ہوئے کہ اگر کوئی مہاجر فوت ہوتا تو اس کا انصاری بھائی وارث بنتا جبکہ اس کا مدینہ میں اور کوئی رشتہ دار نہ ہوتا۔ اسی طرح اگر انصاری صحابی فوت ہو جاتا تو اگر اس کا کوئی قریبی رشتہ دار نہ ہوتا تو پھر یہ مہاجر بھائی اس کا وارث ہوتا۔ (یہ بھائی چارہ نبی پاک علیہ السلام نے ان میں مقرر فرمایا)۔



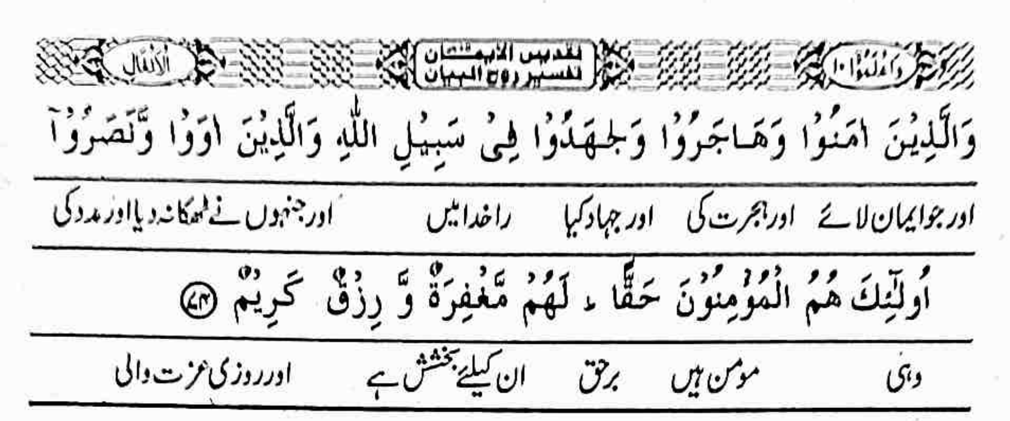
مسئلہ : یہ وراثت کا معاملہ ان میں فتح مکہ تک جاری رہا۔اس کے بعد صرف قرابت والی وراثت ہی قائم رہی۔ہجرت والی ختم ہوگئی۔

آگے فرمایا کہ جو لوگ ایمان تو لائے لیکن دیگر مسلمانوں کی طرح ہجرت نہیں کی تو ان کا تمہارے وراثت کے مال میں کوئی حق نہیں۔اگر چہ وہ قریبی رشتہ دار ہوں جب تک کہ وہ ہجرت کر کے مدینہ شریف میں نہ آ جائیں۔

وہم کا ازالہ: وہم یہ پڑتا ہے کہ غیر مہاجرین مہاجرین کے وارث نہیں بن سکتے تو انہیں کوئی تکلیف پہنچے تو ان کی مدد بھی کر سکتے ہیں یا نہیں تو اسکے جواب میں فرمایا کہ غیر مہاجرین مسلمان تم سے دینی معاملے میں اگر مدد مانگتے ہیں تو تم پر واجب ہے کہ دشمنوں کے مقابلے میں غلبہ پانے کیلئے ان کی مدد کرو۔مگر اس قوم کے مقابلے میں مدد نہ کرو۔جن کے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ ہو۔بلکہ آپس میں ایسی اصلاح کرو۔کہ جنگ کے بغیر ہی صلح ہو جائے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔اس لئے اس کے کسی حکم کی مخالفت نہ کرو۔تا کہ کسی عذاب میں گرفتار نہ ہو جاؤ۔

(آیت نمبر ۷۳) اور کافر لوگ بھی آپس میں ایک دوسرے کی میراث کے وارث ہیں۔

مسئلہ : مفہوم مخالف کے لحاظ سے یہاں مسلمانوں کی دوستی اور ان کی وراثت سے روکا گیا ہے۔بلکہ ان کیلئے ضروری ہے کہ کفار کے قریب نہ جائیں۔خواہ وہ کتنے ہی قریبی ہوں۔اس لئے کہ ایمان اور کفر کے درمیان کوئی مناسبت نہیں ہے۔اور اس لئے بھی کہ ایمان نور ہے اور کفر ظلمت ہے۔جیسے نور اور اندھیرا اکٹھے نہیں ہو سکتے۔اسی طرح ایمان اور کفر کا اجتماع بھی محال ہے۔اس لئے بھی کہ کافر اللہ کا دشمن ہے اور مومن اللہ تعالیٰ کا دوست ہے۔(تو یہ اکٹھے کیسے ہو سکتے ہیں)۔آگے فرمایا کہ اگر تم یہ نہیں کرو گے تو زمین میں بہت بڑا فساد ہو جائیگا۔یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم پر نہ چلے۔تو زمین میں بہت بڑے فساد کا خطرہ ہے۔



وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا

اور جو ایمان لائے — اور ہجرت کی — اور جہاد کیا — راہ خدا میں — اور جنہوں نے ٹھکانہ دیا اور مدد کی

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾

وہی — مومن ہیں — برحق — ان کیلئے بخشش ہے — اور روزی عزت والی

(بقیہ آیت نمبر ۷۳) **فائدہ:** پیچھے کہا گیا کہ مومن آپس میں ایک دوسرے سے محبت کریں اور کفار سے قطع تعلق رکھیں۔ اب یہ کہا جا رہا ہے کہ اگر تم کفار سے قطع تعلق نہیں کرو گے تو یہ زمین پر ایک بہت بڑا فتنہ کھڑا ہوگا۔ یعنی مسلمانوں میں کمزوری اور کفار کا غلبہ ہو جائے گا اور بہت بڑا فساد پھیل جائے گا۔

ہجرت نبوی کا سبب بھی یہی بنا اور مسلمانوں سے بھی پہلے حبشہ کی طرف جانے کا حکم دیا کہ وہاں کا بادشاہ نجاشی ایک حبشی ہے جو کسی پر ظلم نہیں کرتا اور وہ جگہ سچائی کا مقام ہے۔ لہذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ارشاد گرامی سن کر بہت خوش ہوئے اور حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ تا کہ کفار کے فتنہ وفساد سے بچ کر اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آئیں اور اپنا دین بچالیں۔ اسے ہجرت اولیٰ کہتے ہیں۔ **سبق:** جہاں بندے سے گناہ سرزد ہونے کا خدشہ ہو۔ اس جگہ سے کسی دوسری جگہ ہجرت کر لینا مستحب ہے اور ایسی جگہ چلا جائے جہاں دین و ایمان پر قائم رہے یا جہاں لوگ اس کے ساتھ نیکی میں مدد کریں۔

(آیت نمبر ۷۴) اور جن لوگوں نے اجمالاً اور تفصیلاً ایمان لایا اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا اور حضور ﷺ کی محبت میں وطن کو چھوڑا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں کفار سے جہاد کیا۔

فائدہ: سبیل اللہ سے مراد دین اسلام اور اخلاص ہے یہ راستے جنت کی طرف جانے والے ہیں۔

آگے فرمایا اور وہ جنہوں نے ہجرت کر کے آنے والوں کو ٹھکانہ دیا اور ان کی دنیوی ضروریات پوری کر کے ان کی مدد کی یا کافروں دشمنوں کے مقابلے میں ان کی مدد کی۔ یعنی وطن چھوڑ کر آنے والے مہاجرین اور ان کی مدد کرنے والے انصار دونوں گروہ یہی دونوں گروہ پکے اور خالص مومن ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے ایمان کے تقاضے پورے کئے اور پورے اخلاص سے عمل کئے۔ جیسے ہجرت جہاد فی سبیل اللہ اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا۔ یہی لوگ ایک دوسرے کے موالی اور متولی ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مومن کامل مہاجرین وانصار ہی ہیں۔

آگے فرمایا۔ ان کے لئے بخشش ہی بخشش ہے اور باعزت وسیع اور کثیر رزق ہے۔ یعنی جنت میں ایسا کھانا کہ جس سے نکلنے والا پسینہ کستوری سے زیادہ خوش بودار ہوگا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ

اور جنہوں نے ایمان بعد میں لایا اور ہجرت کی اور جہاد بھی تمہارے ساتھ ہو کر کیا تو وہ تم سے ہی ہیں

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ع ﴿۷۵﴾

اور رشتے دار بعض ان میں زیادہ قریب ہیں بعض کے کتاب الٰہی میں بے شک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے

(آیت نمبر۷۵) اب ان لوگوں کا بیان جو مذکورہ دونوں امور میں ان سے مشابہت رکھتے ہیں اور ان کے طریقہ پر بھی چلتے ہیں صرف یہ کہ وہ ایمان بعد میں لائے۔ ان کے متعلق فرمایا کہ وہ لوگ جو پہلی ہجرت کرنے والوں کے بعد ایمان لائے۔ تو فرمایا کہ انہوں نے بعد میں ہجرت بھی کی اور اے مہاجرین وانصار تمہارے ساتھ جنگوں میں بھی شریک ہوئے۔ وہ بھی تم میں سے ہیں۔ یعنی وہ لوگ ہیں جو یوں دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے دونوں کو بخش دے۔ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے انہیں مہاجرین سابقین کے ساتھ ملایا۔ جو فضیلت اور درجہ سابقین کو دیا وہ انہیں بھی دیا۔ اگرچہ سابقین اولین صحابہ کے برابر بعد والے نہیں ہو سکتے لیکن درجہ ان کا بھی بہت بڑا ہے۔ **فائدہ**: مہاجرین نے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور حضور ﷺ کی اتباع کرنے میں پہل کی۔ اس لئے ان کا مرتبہ انصار سے زیادہ ہے اور اس کے بعد انصار کا بہت بلند مرتبہ ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ اگر ہجرت کا حکم نہ ہوتا تو میں انصار میں ہوتا۔ اس سے انصار کی تکریم اور دل جوئی مقصود ہے۔ لہذا مہاجرین کے بعد انصار سے کوئی بھی افضل نہیں ہے۔ اس کے بعد تابعین اور اس کے بعد تبع تابعین کا درجہ ہے۔

مسئلہ: جب حضور ﷺ نے ہجرت فرمائی تو ہر مسلمان استطاعت والے پر مدینہ شریف کی طرف ہجرت فرض ہوگئی تاکہ دین کی تعلیم میں وسعت اور حضور ﷺ سے محبت ونصرت ہو اور دین اسلام کو فروغ ہو۔

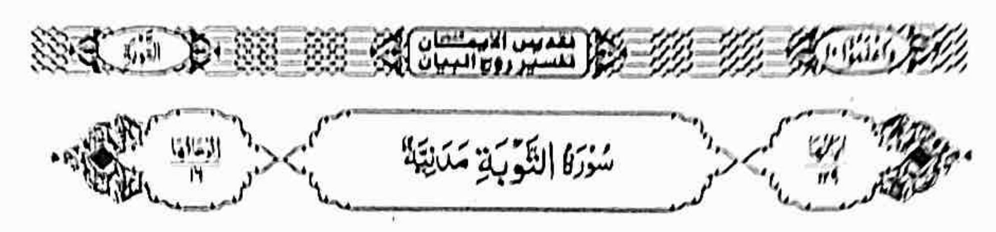
آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کو جاننے والا ہے۔

مہاجرین کے طبقات:

۱۔ وہ جنہوں نے دو ہجرتیں کی (۱) حبشہ کی طرف۔ (۲) مدینہ شریف کی طرف۔

۲۔ دوسرا وہ طبقہ جنہوں نے حضور ﷺ کے ساتھ ہجرت کی۔

۳۔ وہ جنہوں نے حضور ﷺ کے بعد ہجرت کی لیکن صلح حدیبیہ سے پہلے کی۔ ان میں پہلے دونوں کو مہاجرین سابقین کہا جاتا ہے۔



بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١﴾

بیزاری کا اعلان ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان کے لئے جن سے معاہدہ ہے تمہارا مشرکوں سے

(بقیہ آیت نمبر ۷۵) ۴۔وہ جنہوں نے صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے ہجرت کی۔ان کو ہجرت ثانیہ والے کہا جاتا ہے۔ **مسئلہ**:اور جنہوں نے فتح مکہ کے بعد ہجرت کی ان کو پہلے ہجرت والوں کے برابر والی فضیلت کبھی نہیں مل سکتی۔نہ کسی کا حق ہے کہ وہ ان کے برابر کسی کو سمجھے۔ **حدیث شریف**: فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں مگر جہاد تا قیامت جاری ہے گا۔(بخاری، کتاب الجہاد)۔**اختتام سورئہ انفال** : مورخہ ۲۱ جنوری ۲۰۱۵ء بمطابق یکم ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ

(آیت نمبر۱) قرآن مجید میں یہ واحد سورۃ ہے۔جس کے اول میں بسم اللہ نہ لکھنے میں آئی نہ پڑھنے میں آتی ہے۔اس کی علماء نے کئی وجوہ بیان کی ہیں، ان میں سے کچھ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ چونکہ اس سورۃ میں قہر وجلال کا بیان ہے اور اس میں کفار ومنافقین پر قہر وغضب اور ان سے بیزاری کا بیان ہوا ہے اور بسم اللہ میں رحمت کا بیان ہے۔اس لئے رحمت وزحمت کو اکٹھا نہیں بیان کیا۔

۲۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سورۂ برات کی ابتدائی آیات کی میں نے کتابت کی۔نبی پاک نے یہاں بسم اللہ لکھائی ہی نہیں۔

۳۔ امت کا اجماع ہے کہ سورۂ توبہ کے اول اعوذ باللہ پڑھنی چاہئے۔بسم اللہ نہیں پڑھنی چاہئے۔

۴۔ احناف کہتے کہ بسم اللہ شریف سوائے سورۂ نمل کے کسی سورۂ کا جزء نہیں ہے۔اس لئے یہاں نہیں لائی گئی۔ باقی سورتوں کے ساتھ لائی گئی۔

نکتہ :سورتوں کے شروع میں بسم اللہ اس لئے لائی جاتی ہے۔تاکہ معلوم ہو جائے کہ پچھلی سورۃ کے مضامین ختم ہوئے اور نئی سورۃ کا مضمون شروع ہو گیا ہے۔

مسئلہ: تلاوت قرآن کے وقت اعوذ باللہ ضرور پڑھنی چاہئے خواہ سورۃ کا اول ہو یا درمیان۔

مسئلہ:استاد کے سامنے سبق سناتے وقت شاگرد بسم اللہ سے شروع کرے۔اعوذ باللہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

3

فَسِيۡحُوۡا فِى الۡاَرۡضِ اَرۡبَعَةَ اَشۡهُرٍ وَّاعۡلَمُوۡۤا اَنَّكُمۡ غَيۡرُ مُعۡجِزِى اللّٰهِ ۙ

تو تم چل پھر لو زمین میں چار ماہ اور جان لو بے شک تم نہیں تھکانے والے اللہ کو

وَاَنَّ اللّٰهَ مُخۡزِى الۡكٰفِرِيۡنَ ۝٢

اور بے شک اللہ رسوا کرنے والا ہے کافروں کو

(بقیہ آیت نمبر۱) آگے فرمایا۔ اعلان بیزاری ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان لوگوں کیلئے۔ اے مسلمانو جن کے ساتھ تم نے حدیبیہ کے مقام پر معاہدہ کیا تھا۔ یعنی مشرکین سے صلح نامہ مسلمانوں کا ہوا تھا کہ ایک دوسرے کے جان و مال کا نقصان نہیں کریں گے۔ چونکہ وعدہ واجبہ نہیں تھا۔ یہ معاہدہ مباحہ تھا۔ اس لئے اسے ختم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ معاہدہ مشرکین پہلے ہی توڑ چکے تھے۔ مسلمان ابھی تک اس پر قائم تھے۔ اب باقاعدہ طور پر اس معاہدہ کے ختم کرنے کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ چونکہ باقی مشرکین کے قبائل نے بہت پہلے ہی معاہدہ توڑ دیا تھا۔ اس لئے جنہوں نے وعدہ خلافی کی ان کے معاہدے کو فی الفور ختم کر دیا گیا۔ لیکن بنی ضمرہ اور بنی کنانہ ابھی اس پر قائم تھے۔ اس لئے انہیں چار ماہ کی مہلت دی گئی۔

(آیت نمبر۲) تم ان چار ماہ میں کھلے طور پر یعنی اس عرصہ میں مکہ مکرمہ کی زمین پر اطمینان سے گھوم پھر لو۔ تمہیں کچھ نہیں کہا جائیگا۔ **فائدہ**: یہ چار ماہ ۹ھ کے شوال۔ ذی قعد۔ ذی الحج اور محرم کے مہینے تھے۔ جن مہینوں میں جنگ کرنا ویسے بھی حرام تھا۔ **نکتہ**: مشرکین کو یہ چار ماہ اس لئے دیئے گئے کہ وہ غور و فکر کر لیں کہ اسلام کی طرف آنا ہے۔ یا کفر پر رہ کر مسلمانوں سے جنگ جاری رکھنی ہے اور تاکہ انہیں یہ بھی احساس رہے کہ مسلمان نہ ہوئے تو کیا وہ بچ نکلیں گے۔ ایک اور وجہ اس اعلان کی یہ بھی ہے کہ انہیں بتا دیا جائے کہ کچھ بھی کر لو۔ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے کہ تم اللہ کے عذاب سے بچ کر کسی طرف نکل نہیں سکتے اور یقین کر لو۔ کہ بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو ذلیل کرنے والا ہے۔ یعنی دنیا میں قتل اور قید سے اور آخرت میں دردناک عذاب سے۔ ظاہر ہے کہ کفار اور مشرکین کیلئے اب دونوں جہانوں میں ذلت اور خواری ہے۔

فائدہ: امام قشیری فرماتے ہیں کہ چار ماہ کی مدت اللہ تعالیٰ نے ان کو اس لئے دی۔ تاکہ وہ گمراہی سے بچ کر نیک انجام کیلئے کوشش کریں۔ لیکن ان پر بدبختی غالب تھی۔ اس لئے عذاب الٰہی سے نہ بچ سکے۔

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ

اور اعلان ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان لوگوں کیلئے بروز حج اکبر کے کہ بے شک اللہ بیزار ہے

مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ

مشرکوں سے اور اس کا رسول بھی۔ تو اگر اب تم توبہ کرلو تو وہ بہتر ہے تمہارے لئے اور اگر منہ پھیر لو

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ ﴿٣﴾

پھر جان لو کہ بے شک تم نہیں عاجز کر سکتے اللہ کو اور خوشخبری دے ان کو جو کافر ہوئے عذاب دردناک کی

(آیت نمبر ۳) **واقعہ**: یہ ہے کہ ۹ھ کو حضور ﷺ نے حج کیلئے مسلمانوں کا امیر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مقرر کر کے روانہ فرمایا۔ (جب ذوالخلیفہ) کے مقام پر پہنچے۔ پیچھے حضور ﷺ نے حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ کو اپنی اونٹنی خاص عضباء پر سوار کر کے بھیجا کہ وہ حج کے بڑے اجتماع میں سورہ برات کی ابتدائی آیات پڑھ کر لوگوں کو سنا دیں۔ جب دونوں بزرگوں کی ملاقات ہوئی تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: "اَمِیر اَمْ مَاْمُور" حضرت علی نے فرمایا کہ مامور ہو کر جارہا ہوں اور مجھے حضور ﷺ نے حکم دیا کہ میں کفار و مشرکین کو اللہ رسول کا خاص پیغام پہنچا دوں۔ (بخاری)

وضاحت: کچھ صحابہ یا خود صدیق اکبر رضی اللہ عنہ واپس حضور ﷺ کی بارگاہ میں جا کر عرض کرتے ہیں۔ یارسول اللہ ﷺ یہ آیات صدیق اکبر ہی کیوں نہ جا کر مشرکین کو سنا دیں تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ عرب کا اصول ہے کہ معاہدہ قبیلے کا سردار توڑتا ہے یا اس کا قریبی رشتہ دار توڑتا ہے۔ اگر صدیق اکبر اعلان کرتے تو یہ ان کے اصول کے خلاف ہوتا۔

شیعہ کا بہتان: کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امارت منسوخ ہو گئی تھی یہ بالکل غلط ہے۔ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو خود حج صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امارت کے تحت ادا کیا۔ جب آٹھویں ذی الحج کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھا۔ اور دسویں تاریخ کو جمرۂ عقبہ کے قریب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ اعلان فرمایا کہ میں تمہارے لئے اللہ کے رسول کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ پھر آپ نے سورۂ توبہ کی ابتدائی تیس یا چالیس آیات پڑھ کر سنائیں۔

اور پھر فرمایا کہ تمہیں چار حکم میں سنانا چاہتا ہوں:

ا۔ آج کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ کے قریب نہ جائے۔

۲۔ نہ ننگا ہو کر بیت اللہ شریف کا طواف کرے۔ ۳۔ جنت میں صرف مومن جائے گا۔

۴۔ ہر وعدہ والا اپنے وعدہ کو پورا کرے۔

یہ اعلان اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے تمام لوگوں (یعنی اہل کفر) کیلئے ہے۔ اس لئے کہ اس دن حج کے تمام ارکان مکمل ہو جاتے ہیں۔ جیسے قربانی۔ رمی۔ حجامت۔ طواف زیارت وغیرہ اس لئے مشرکین سے برات کا اعلان بھی اسی دن ہوا۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے حجۃ الوداع میں جمرات کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا۔" ھذا یوم الحج الاکبر"۔ یہ حج اکبر کا دن ہے (سنن ابوداؤد)۔ **حدیث شریف**: حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ دسویں ذوالحج کو جار ہے تھے کہ ایک شخص نے آپ کے خچر کی لگام پکڑ کر کہا کہ کیا آج حج اکبر ہے۔ تو آپ نے فرمایا آج حج اکبر کا دن ہے۔

(۲) اس سے مراد نانویں ذوالحج ہے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا۔ حج عرفہ کے دن ہے یا فرمایا جس نے عرفہ پالیا۔ یعنی نو ذوالحج کو عرفات میں جو مسلمان پہنچ گئے خواہ اوپر سے گذر جائے، خواہ سویا ہوا گذر جائے، اس نے حج پالیا۔ جس نے نہیں پایا۔ یعنی نانویں تاریخ غروب آفتاب تک نہیں پہنچ سکا، اس کا حج نہ ہوا۔

مسئلہ: ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ جو حج جمعہ والے دن میں آجائے وہ حج اکبر ہے۔ جس کا ثواب ستر حجوں کے برابر ہے۔ (ردالمختار)۔ **فائدہ**: یہ بھی ممکن ہے۔ کہ اسے حج اکبر اس لئے کہا گیا کہ وہ حج صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کی معیت میں تھا۔

آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول مشرکین سے کئے ہوئے وعدے سے اب دست بردار ہیں۔ خصوصاً جن مشرکوں نے مسلمانوں سے معاہدہ توڑا۔ ان کا معاہدہ اللہ رسول نے بھی ختم کر دیا۔ لہذا اب اگر تم کفر اور دھوکہ دینے سے توبہ کرلو۔ وہ تمہارے لئے دونوں جہاں میں بہتر ہے۔ ورنہ دونوں جہانوں میں خسارہ پاؤ گے۔ اس لئے اگر توبہ سے تم پھر گئے۔ تو پھر یقین کرلو۔ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے کہ کسی طرح تم گرفت سے بچ نکلو۔ یعنی وہ پکڑنا چاہئے تو پھر تمہارے بچ نکلنے کا کوئی چانس نہیں۔ آگے فرمایا یہ خوش خبری سنادو کافروں کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب حضور ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو یہ آیات دیکر روانہ کیا۔ اس وقت میں پاس ہی کھڑا تھا کہ اس میں تمام مشرکوں سے برأت کا اعلان کیا گیا۔

اِلَّا الَّذِیْنَ عٰھَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْكُمْ شَیْـًٔا وَّلَمْ یُظَاهِرُوْا

مگر جن سے تمہارا معاہدہ ہوا مشرکوں سے پھر نہیں کمی کی تمہارے وعدے میں کچھ اور نہ ہی مدد کی تمہارے

عَلَیْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْۤا اِلَیْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ④

بالمقابل کسی کی پھر ان سے اپنا وعدہ پورا کرو ان کی مدت تک بے شک اللہ پسند کرتا ہے پرہیزگاروں کو

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ

پھر جب نکل جائیں مہینے حرمت کے تو قتل کرو مشرکوں کو جہاں بھی پاؤ ان کو

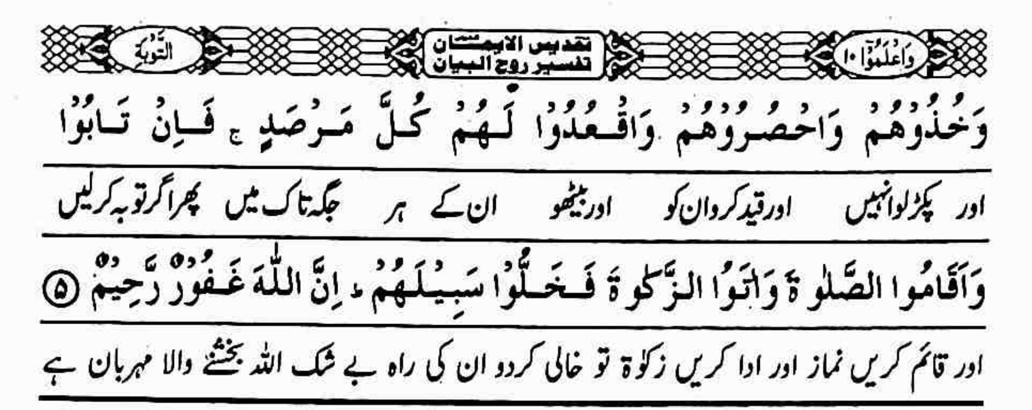
(آیت نمبر ۴) مگر وہ مشرکین جنہوں نے معاہدے کی پاسداری کی یعنی عہد شکنی نہیں کی اور جتنی شرائط معاہدے میں طے ہوئیں۔ کافی لمبی مدت گذرنے کے باوجود انہوں نے کسی طرح بھی ان میں عہد شکنی نہیں کی۔ نہ وعدے کو توڑا۔ نہ تمہارے مخالفین کی مدد کر کے تمہیں کوئی نقصان پہنچایا۔ تم بھی ان کی مدت پوری ہونے تک وعدے کی پوری پاسداری کرو۔ یہ بنی کنانہ تھے۔ جنہوں نے حضور ﷺ سے بے وفائی نہیں کی۔ تو حضور ﷺ نے بھی ان کا معاہدہ صحیح نبھایا۔ آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ متقی لوگوں سے محبت فرماتا ہے۔

ایمان والو تمہیں مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے فضل و کرم سے دولت ایمان و عرفان جیسی اعلیٰ اور قیمتی چیز بھی عطا کی اور دوسری کریمی یہ کہ محبوب ہو کر پھر محب ہونے کا اعلان کر رہا ہے۔ اور یاد رہے محبوبیت کا مقام اعلیٰ ترین مقام ہے۔

سبق: عقل مند وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ پوری زندگی اسی مشغلہ میں گذار دیتا ہے اور منزل مقصود تک پہنچنے اور کامیابی حاصل کرنے کیلئے آگے ہی بڑھتا چلا جاتا ہے اصل سعادت بھی یہی ہے۔

(آیت نمبر ۵) پھر جب حرمت والے مہینے جن میں جنگ کرنا حرام ہے۔ گذر جائیں جن مہینوں میں کفار کو بھی کھلی چھٹی دی گئی کہ وہ زمین مکہ کو چھوڑ کر جدھر چاہیں چلے جائیں۔ اس مدت میں انہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ پھر جب یہ مدت گذر جائے تو مشرکین سے ہمیشہ جنگ جاری ہے۔

سبق: سبحان اللہ۔ اللہ تعالیٰ کتنا مہربان ہے۔ کافروں کو بھی اچانک مارنے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ انہیں سوچنے کا کھلا موقع دیا کہ یا وہ مسلمان ہو کر پاک جائیں۔ جس میں ان کی دنیا و آخرت میں بہتری ہے یا وہ پاک زمین سے نکل جائیں۔ تا کہ مکہ مکرمہ کی سرزمین کفر و شرک کی پلیدی سے پاک ہو جائیں۔



وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا

اور پکڑلوانہیں اور قید کرو ان کو اور بیٹھو ان کے ہر جگہ تاک میں پھراگرتوبہ کرلیں

وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵﴾

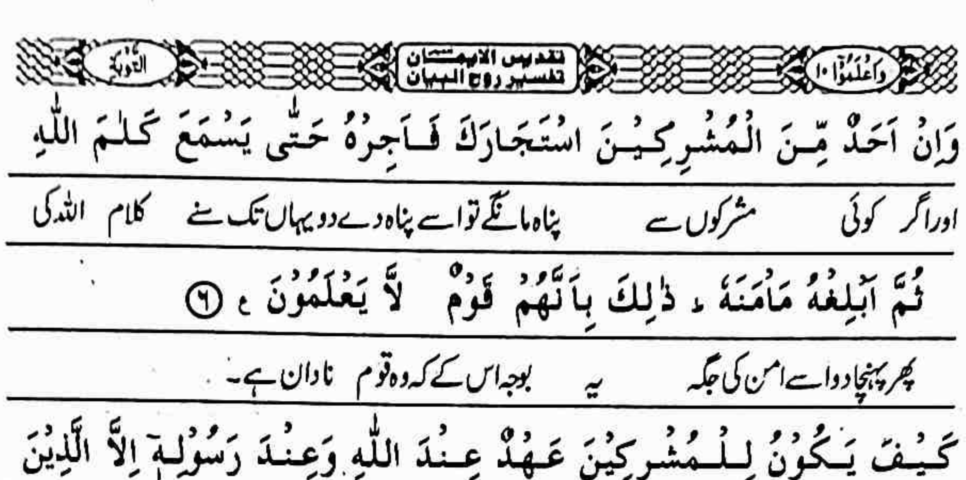
اور قائم کریں نماز اور ادا کریں زکوٰۃ تو خالی کردو ان کی راہ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

تنبیہ: اس آیت سے وہ تمام آیات جن میں جنگ نہ کرنے کا حکم ہے۔ منسوخ ہوگئیں۔ یہ ہی جمہور علماء کا مذہب ہے۔ لہٰذا اب مشرکوں کو جہاں پاؤ خواہ حرم میں پاؤ انہیں قتل کردو اور جو بچ جائیں انہیں قیدی بنالو اور انہیں نظر بند کردو۔ یا انہیں شہروں میں چلنے پھرنے کاروبار سے منع کردو۔ اور ان کی گذرگاہوں پر بیٹھ جاؤ جہاں نظر پڑیں انہیں قتل کردو۔ اس کے بعد اگر وہ قتل وغارت یا قید وبند کی صعوبتوں سے ڈر کر شرک سے توبہ کرلیں اور سچے دل سے ایمان لے آئیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ (صرف جان بچانے کیلئے نہ ہوں) تو پھر تمہارے بھائی ہیں۔
فائدہ: باقی اعمال کا نام اس لئے نہیں لیا کہ یہ دونوں مالی اور جانی اعمال میں رئیس الاعمال کہلاتے ہیں۔ تو فرمایا کہ یہ دونوں عمل صحیح طور پر کریں تو انہیں اپنے حال پر چھوڑ دو۔ یعنی پھر انہیں کچھ نہ کہو۔ **فائدہ**: یہ بھی معلوم ہوا کہ خالی کلمہ کافی نہیں جب تک کہ اس کے ساتھ نماز اور زکوٰۃ نہ ہو۔

مسئلہ: قاضی خان میں ہے اس آیت سے معلوم ہوا کہ تارک نماز وزکوٰۃ کا حشر مشرکین کی طرح ہونا چاہئے۔ **مسئلہ**: امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جو تین دن تک جان بوجھ کر نماز نہ پڑھے وہ واجب القتل ہے۔

مسئلہ: فقہاء فرماتے ہیں اگر کافر نے مجبوراً کلمہ پڑھا تب بھی اسے مسلمان سمجھا جائے۔ آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے یعنی کفار ومشرکین نے سچے دل سے جب توبہ کرلی ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر اور سابقہ گناہوں کو بخش دیا ہے۔ اس کے بعد اب ان کے نیک اعمال پر انہیں اجر وثواب دیا جائیگا۔

سبق: صاحب روح البیان فرماتے ہیں کہ سالک کتنے ہی بلند مراتب پر پہنچ جائے۔ پھر بھی وہ شریعت کی پابندیوں میں مقید اور احکام پر عمل کرنے کا پابند ہے۔ اگر معمولی سی بھی شریعت کی رسی اپنے گلے سے ہٹائے گا۔ تو رب کے دروازے سے دھتکار دیا جائے گا اور رب تبارک وتعالیٰ کے قرب سے محروم کردیا جائے گا۔ (کیونکہ کئی بناوٹی پیر اور سید کہتے ہیں۔ کہ ہم اس درجے پر فائز ہوگئے ہیں۔ ہمیں نماز روزے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ سب فراڈ اور دھوکہ ہے۔ نماز روزہ اگر نبی کیلئے معاف نہیں تو پھر کسی کیلئے بھی معاف نہیں۔



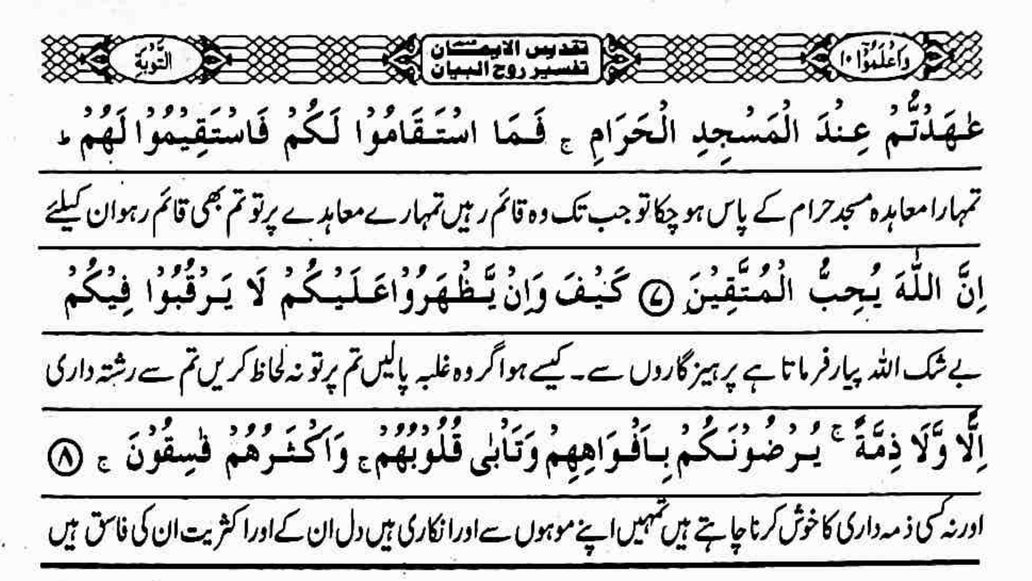
(آیت نمبر۶) ان چار ماہ مذکورہ کے بعد اگر کوئی مشرک آپ سے پناہ یا امن مانگے تو آپ اسے پناہ یا امن دے دیں تا کہ وہ اللہ کی کلام قرآن مجید سنے تو اسے بھلے اور برے عمل کا پتہ چلے اور اسے معلوم ہو کہ کس چیز میں ثواب اور کس میں عذاب ہونے والا ہے۔ شاید وہ اپنے آپ کو سیدھی راہ پر لے آئے۔ **مسئلہ**: امام اشعری فرماتے ہیں کہ اس آیت سے دلیل معلوم ہوئی کہ کافر بھی کلام الٰہی سن سکتا ہے۔ کلام قدیم تو نہیں سن سکتا۔ لیکن وہ کلام سن سکتا ہے جو کلام قدیم پر دلالت کرتی ہے۔ یعنی اسے تفسیر قرآن جس میں عربی نہ ہو دے دی جائے۔

آگے فرمایا کہ کافر نے جتنی امان مانگی اس عرصے میں مسلمان ہو جائے تو فبہا ورنہ اسے اس کے مسکن تک پہنچا دیا جائے جہاں اسے امن ہو۔ یہ انہیں پناہ دینا یا پرامن جگہ پر پہنچانا اس لئے ہے کہ بے شک وہ قوم بے علم ہے۔

مسئلہ: اسی بناء پر فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اگر حربی کافر دارالحرب میں مسلمان ہوا۔ لیکن وہاں وہ احکام شرعی یعنی نماز۔ روزہ کے مسائل نہیں جان سکا۔ تو جب وہ دارالاسلام میں آ جائے تو اس پر گذشتہ ایام کے نماز اور روزے وغیرہ کی قضا نہیں۔ کیونکہ وہ ایسی جگہ میں بالکل بے علم رہا۔ لیکن اگر دارالاسلام میں کوئی شخص مسلمان ہو تو اس نے احکام نہیں بجالائے تو اس پر تمام نمازوں روزوں کی قضا لازم ہے۔ اس لئے کہ وہ اہل علم کے قریب رہا۔

سبق: بندے پر لازم ہے کہ جوانی میں توبہ استغفار اور عبادات کرلے: "وقت پیری گرگ ظالم مے شود پرہیزگار" بڑھاپے میں تو ظالم سے ظالم بھیڑیا بھی پرہیزگار بن جاتا ہے۔

(آیت نمبر۷) وہ مشرکین جنہوں نے عہد شکنی کی اللہ اور اس کے رسول کے ہاں ان کے معاہدے کی رعایت کیسے کی جائے کہ اب وہ اس کے مستحق بھی نہیں رہے۔ یعنی اب ان سے کیسے کوئی نیا معاہدہ کیا جائے۔ کہ پہلے ہی کئی مرتبہ وعدے کی خلاف ورزی کر چکے ہیں۔



عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ

تمہارا معاہدہ مسجد حرام کے پاس ہو چکا تو جب تک وہ قائم رہیں تمہارے معاہدے پر تو تم بھی قائم رہو ان کیلئے

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷﴾ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ

بے شک اللہ پیار فرماتا ہے پرہیزگاروں سے۔ کیسے ہو اگر وہ غلبہ پالیں تم پر تو نہ لحاظ کریں تم سے رشتہ داری

اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۚ ﴿۸﴾

اور نہ کسی ذمہ داری کا خوش کرنا چاہتے ہیں تمہیں اپنے موہوں سے اور انکاری ہیں دل ان کے اور اکثریت ان کی فاسق ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۷) یا ان کیلئے کوئی مدت مقرر کی جائے کہ جس میں انہیں کچھ نہ کہا جائے کہ انہیں قتل یا قید نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ انہوں نے خود پہلے معاہدہ توڑا اور اب ان سے معاہدہ وغیرہ کا وقت ختم بھی ہو چکا ہے۔ اب تو ان کیلئے صرف دو ہی راستے ہیں یا مسلمان ہونا یا قتل ہے یا قید ہے۔ سوائے ان مشرکین کے کہ جن سے تمہارا معاہدہ مسجد حرام کے پاس ہوا۔ مراد بنی ضمرہ اور بنو کنانہ ہے کہ جن سے مسجد حرام کے قریب یعنی حدیبیہ میں ہوا جو مسجد حرام کے قریب ہے اور انہوں نے وعدے کی پاسداری کی، لہذا اب ان کے درپے آزار ہونا اچھا نہیں ہے۔ اس لئے اب یہ ہے کہ جب تک وہ تمہارے ساتھ اس معاہدے پر قائم ہیں۔ تم بھی ان کے ساتھ ایفاء عہد پر قائم رہو۔ یعنی جب تک وہ عہد شکنی نہیں کرتے۔ تم بھی معاہدہ پر مضبوط رہو۔ آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ متقی لوگوں سے محبت فرماتا ہے۔ یہاں یہ بھی بتا دیا کہ وعدہ وفائی بھی تقوے کی قسم سے ہے اور اس میں امر استقامۃ کی علت بیان کی گئی۔

(آیت نمبر ۸) اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول ﷺ کی طرف سی مشرکین کیلئے اب معاہدے میں مزید رعایت کیسے ہو سکتی ہے؟ اور اگر یہ مشرک تم پر غلبہ پالیں خود یا تمہارے دشمن کی مدد کر کے تو وہ بالکل تمہارے معاملہ میں رعایت نہ کریں۔ نہ تمہارے ساتھ رشتہ داری کی اور نہ کسی عہد کی جو انہوں نے اپنے ذمہ لیا ہے۔

فائدہ: رعایت اس وقت ضروری ہے کہ جب دوسرا بھی حقوق کی رعایت کرے۔ آگے فرمایا کہ وہ تمہیں صرف اپنے منہ کی باتوں سے ہی خوش رکھنا چاہتے ہیں لیکن ان کے دل سخت اس کے خلاف ہیں۔ یعنی تم انہیں ذرہ نہیں بھاتے۔ **فائدہ**: یہ گویا ایک سوال کا جواب ہے کہ کیسے مانا جائے کہ وہ رعایت نہیں کرتے وہ تو ہر قسم کے حقوق کی رعایت رکھتے ہیں۔ قسمیں کھا کر وہ قسموں کے پابند ہونا چاہتے ہیں۔

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹

خریدی انہوں نے آیات خداوندی کے بدلے قیمت تھوڑی پھر روکا اس کی راہ سے بے شک وہ برا ہے جو ہیں وہ کرتے

(بقیہ آیت نمبر۸) اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ تمہیں زبانی زبانی خوش کرتے ہیں ورنہ اندرون خانہ وہ چاہتے ہیں کہ تم فنا ہو جاؤ۔ ملیامیٹ ہو جاؤ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دل ان کے زبان کا ساتھ نہیں دیتے کہ دل سے انکار کر رہے ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کی ترقی دیکھ کر ان کے دل جلتے ہیں۔ ان کے سینے تمہارے متعلق کینے سے بھرپور ہیں۔ تمہاری محبت کی جو قسمیں وغیرہ کھاتے ہیں وہ نرا جھوٹ دھوکہ اور فریب ہے۔

حدیث شریف: مکر وفریب اور مکر وفریب کے مرتکب جہنم میں ہوں گے (اخرجہ ابن حبان والطبرانی)۔

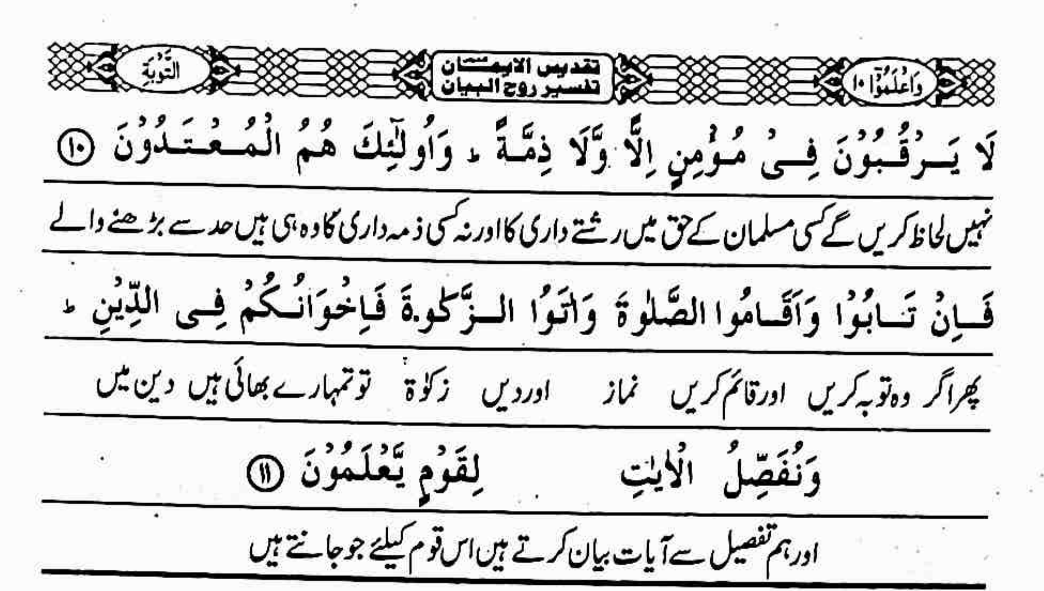
آگے فرمایا۔ کہ ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔ یعنی حقوق عہد کی پاسداری نہیں کرتے کفر میں متمرد ہیں۔

فائدہ: اکثر کے لفظ سے معلوم ہوا کہ ان میں کچھ وعدہ کے پابند بھی ہیں۔ جو دھوکہ اور فریب سے نفرت کرتے ہیں۔ لیکن ان کی تعداد بھی تھوڑی ہے۔ اور بے وقعت بھی ہیں۔ کہ ان کی بات کا کوئی وزن نہیں۔

حضور ﷺ کے محاسن کی جھلک: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ جامع تقریر فرمائی۔ جس میں محاسن اعلیٰ بیان فرماتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں تقویٰ۔ سچ بولنے اور وعدہ پورا کرنے اور امانت ادا کرنے کی اور خیانت کو چھوڑنے ہمسائیوں سے حسن سلوک۔ یتیم کی پرورش کرنے اور نرم گفتگو کرنے اور ہر ایک کو سلام دینے کی عادت بنانے نیک اعمال کرنے۔ لمبی آرزوؤں سے نفرت کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور قیامت کا خوف۔ تواضع۔ عجز وانکساری۔ ہر گناہ سے توبہ وغیرہ کی بھی نصیحت کرتا ہوں۔ یہ وہ محاسن ہیں۔ جو بندے کو جنت میں لے جانے والے ہیں۔

(آیت نمبر۹) آگے فرمایا کہ ان عہد شکنی کرنے والے مشرکین نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو تھوڑی قیمت سے بیچا۔ یعنی ان آیات کو چھوڑ دیا جن میں وعدے کو پورا کرنے اور حقوق پورے کرنے کا حکم تھا۔ اس کے بدلے میں معمولی دنیوی مال ومتاع اور حقیر چیزیں لے لیں۔ تاکہ وہ اپنی خواہشات اور شہوات نفسانی کو پورا کر سکیں اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں رکاوٹ پیدا کریں۔ یعنی بیت اللہ شریف تک کوئی حج یا عمرہ کیلئے نہ جا سکے یا کوئی دین واسلام کی طرف نہ آ سکے۔ یہ ان کے برے عمل ہیں جن کا وہ ارتکاب کرتے ہیں۔

فائدہ: لہٰذا ایسے لوگوں سے کیسے کوئی معاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ جو ہمہ وقت مسلمانوں سے دشمنی کی سوچ رکھتے ہوں۔



لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ﴿۱۰﴾

نہیں لحاظ کریں گے کسی مسلمان کے حق میں رشتے داری کا اور نہ کسی ذمہ داری کا وہ ہی ہیں حد سے بڑھنے والے

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ

پھر اگر وہ توبہ کریں اور قائم کریں نماز اور دیں زکوٰۃ تو تمہارے بھائی ہیں دین میں

وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾

اور ہم تفصیل سے آیات بیان کرتے ہیں اس قوم کیلئے جو جانتے ہیں

(بقیہ آیت نمبر۹) **واقعہ**: نبی کریم ﷺ نے مدینہ شریف میں پہنچتے ہی سب قبائل سے معاہدہ کر لیا تھا کہ ہم مل جل کر رہیں گے۔لیکن مشرکین نے مدینہ شریف کے گرد ونواح میں رہنے والے لوگوں کو لالچ دے کر معاہدے تڑوا دیئے۔لہٰذا وہ کفار مکہ کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو آئے دن پریشان کرتے رہتے تھے۔

(آیت نمبر۱۰) جب کفار مسلمانوں کے بارے میں کسی رشتے یا ان کے حقوق کی یا کسی معاہدے کی پاسداری نہیں کرتے۔تو اب مسلمانوں کو بھی چاہئے۔کہ ان کی کوئی رورعایت نہ کریں کیونکہ یہ لوگ حد سے بڑھے ہوئے ہیں۔یعنی ظلم وستم اور عداوت وشرارت کی انتہاء تک پہنچے ہوئے ہیں۔

(آیت نمبر۱۱) اب بھی اگر وہ کفر سے اور شرارتوں سے سچی توبہ کر لیں۔نماز کو صحیح ادا کریں۔اور زکوٰۃ بھی دیں اور پھر اس پر پابندی کریں اور ان کی فرضیت کا عقیدہ بھی رکھیں تو پھر وہ دینی معاملہ میں تمہارے بھائی ہیں۔پھر وہ دکھ سکھ میں تمہارے شریک ہیں اور نفع نقصان میں برابر ہیں۔بشرطیکہ شرائط مذکورہ کے وہ پابند رہیں اور اگر منافقانہ چال چلیں۔پھر ان سے جو چاہو کرو۔آگے فرمایا کہ ہم تفصیل سے آیات کو بیان کر رہے ہیں۔ان لوگوں کیلئے جو علم والے ہیں۔یعنی جو احکامات کو جانتے ہیں۔اور ان پر عمل کرتے ہیں اور ان آیات میں غور وفکر کرتے ہیں۔

فائدہ :صاحب روح البیان فرماتے ہیں کہ دنیا دار اور لالچی قسم کے لوگ آج بھی لوگوں کو دنیا کی لالچ دے کر۔یا بدعقیدہ قسم کے لوگ بھی سچے مسلمانوں کو دنیا کے مال کا لالچ یا شادی بیاہ کا لالچ دے کر گمراہ کرتے اور ان کی آخرت خراب کرتے ہیں۔(اور وہ کتنے ہی بدنصیب لوگ ہیں جو مال یا عورت کی لالچ میں آ کر اسلام کو چھوڑ دیتے ہیں۔استغفر اللّٰہ والعیاذ باللّٰہ)

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ

اوراگر توڑدیں اپنی قسمیں وعدہ پکا کرنے کے بعد اورعیب نکالیں تمہارے دین میں

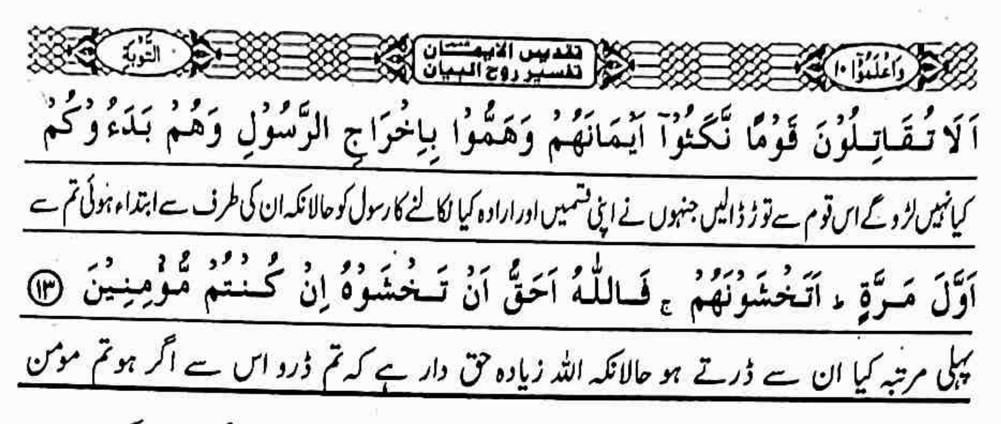
فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿١٢﴾

تو لڑو کفر کے سرغنوں سے بے شک کوئی عہد و پیمان نہیں ان سے تاکہ وہ باز آجائیں

(آیت نمبر۱۲) اور اگر معاہدہ پختہ ہونے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں۔ یعنی معاہدہ پر پورے نہ اتریں اور دلوں میں چھپی ہوئی عداوت و بغض کو ظاہر کریں اور جو تمہارا سچا دین ہے۔ اس پر وہ طعن و تشنیع کریں اور دینی احکام کی کھلے عام برائی بیان کریں۔ تو پھر ان کفار کے بڑے سرغنوں کو پہلے قتل کرو۔ تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ یہ بے ایمان لیڈر ہی عوام کو کافر بنانے کے لئے پوری کوشش کرتے ہیں۔ لہذا سزا ملنے کے یہ پہلے مستحق ہیں کہ ان کا پہلے رگڑا نکالا جائے۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اس سے مراد ابوجہل اینڈ کمپنی ہے۔ یعنی بڑے بڑے کافروں کو پہلے قتل کیا جائے اس کا یہ مطلب نہیں کہ بڑوں کو قتل کیا جائے۔ چھوٹوں کو کچھ نہ کہا جائے۔ بلکہ اس کا مدعا یہ ہے کہ چھوٹے ان بڑوں کی شہہ میں آ کر کفر کرتے ہیں۔ جب ان بڑوں کو تہہ تیغ کر دیا گیا جو عہد شکن ہیں ان کا زور ٹوٹ جائیگا۔ پھر چھوٹے یا ایمان لے آئیں گے۔ ورنہ ان کو قتل کرنا آسان ہوگا۔ لہذا ان بڑے بے ایمانوں کو جلد تہہ تیغ کیا جائے۔ اب اگر وہ قسمیں بھی کھائیں تو ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس لئے کہ اس سے پہلے انہوں نے کئی دفعہ قسمیں کھائیں اور پھر اس کے خلاف کیا۔ لہذا اب وہ ہزار قسمیں کھائیں ان کی قسموں کو تسلیم نہ کیا جائے کیونکہ وہ وعدے توڑنے کو کوئی برا نہیں سمجھتے۔ لہذا اب نہ ان کے معاہدے کا اعتبار ہے۔ نہ ان کی قسموں کا اعتبار ہے۔

البتہ اگر وہ ایمان لے آئیں اور صدق دل سے مسلمان ہو جائیں تو پھر تمہارے بھائی ہیں۔ پھر انہیں کچھ نہ کہو۔ آگے فرمایا کہ شاید وہ باز آجائیں یعنی ان سے جنگ جاری رکھیں تاکہ وہ کفر و شرک سے باز آجائیں۔ گویا ان سے جنگ کرنے کا مقصد ان کو کفر و شرک سے روکنا ہے۔

عیسائیت کا رد: اس بات سے ان لوگوں کا رد بھی ہو گیا جو کہتے ہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا۔ حالانکہ مسلمان ہمیشہ اپنے دفاع کے وقت لڑے۔ اسی لئے ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان سے اس وقت تک لڑو جب تک فتنہ ختم نہیں ہو جاتا۔ جب وہ کفر و شرک اور غلط کاریوں سے باز آجائیں۔ تو پھر ان سے نہ لڑو۔



اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ

کیا نہیں لڑو گے اس قوم سے توڑ ڈالیں جنہوں نے اپنی قسمیں اور ارادہ کیا نکالنے کا رسول کو حالانکہ ان کی طرف سے ابتداء ہوئی تم سے

اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٣﴾

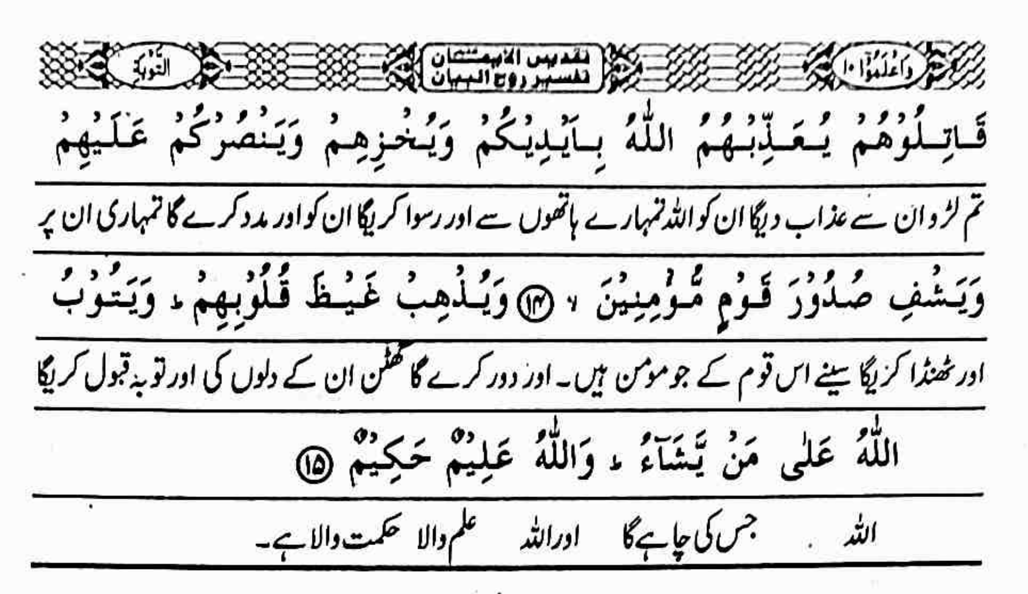
پہلی مرتبہ کیا ان سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ زیادہ حق دار ہے کہ تم ڈرو اس سے اگر ہو تم مومن

(بقیہ آیت نمبر۱۲) **مسئلہ**: مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ہر عمل کے وقت نیک ارادے اور غرض صحیح کو مدنظر رکھیں۔

مسئلہ: مولانا اخی الچلپی ہدیۃ المہدیین میں فرماتے ہیں کہ جب ذمی کافر بھی حضور ﷺ کی شان اقدس کے خلاف کہے اور برائی کرے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسے بد بخت کے قتل کرنے میں کسی قسم کا اختلاف نہیں۔ **مسئلہ**: بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ ایسا شخص اگر مسلمان بھی ہو جائے تو پھر بھی ایسے بد بخت کو قتل کے بغیر نہ چھوڑا جائے۔ **حکایت**: امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کو کدو بہت پسند تھے۔ ہارون رشید کا دربان کہنے لگا کہ مجھے تو پسند نہیں۔ امام ابو یوسف نے فرمایا کہ یہ شخص واجب القتل ہے۔ میں ابھی اس کی گردن اڑاتا ہوں۔ اس نے فوراً توبہ کی۔ تو پھر آپ نے اسے معاف فرمایا۔

مسئلہ: حضور علیہ السلام کی کسی سنت کی تحقیر اور گستاخی کفر ہے۔ اسی طرح عبادات کی تحقیر بھی کفر ہے۔

(آیت نمبر۱۳) کیا تم ایسی قوم سے نہیں لڑو گے جنہوں نے حضور ﷺ اور مسلمانوں کے سامنے قسمیں کھا کر معاہدہ کیا تھا کہ ہم کسی تمہارے مخالف سے مل کر تمہیں نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ لیکن انہوں نے معاہدے کی خلاف ورزی کی اور ان مشرکین کے ساتھ ہوئے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو مکہ سے نکالا بلکہ قتل کا منصوبہ بنا کر گھر کا گھراؤ کیا۔ **فائدہ**: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ یہود ہیں جن کے ساتھ حضور ﷺ نے مدینہ منورہ میں آتے ہی معاہدہ کرلیا تھا لیکن انہوں نے معاہدہ توڑ کر حضور ﷺ کو مدینہ سے نکالنے کا ارادہ کیا تھا۔ اور قتل کا منصوبہ بنایا۔ آگے فرمایا کہ عہد شکنی کی ابتداء بھی انہوں نے ہی کی تھی اور مسلمانوں سے لڑنے کی ابتداء بھی انہوں نے ہی کی۔ پہلی مرتبہ اس طرح کہ حضور ﷺ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب لائے اور انہیں مقابلے کا چیلنج کیا۔ مگر وہ اس سے عاجز رہے اور حضور ﷺ کی بھرپور مخالفت شروع کردی۔ اور اے مسلمانو تم ان سے جنگ کرنے سے گریز کرتے ہو۔ کیا تم ان سے ڈر گئے ہو کہ وہ تمہیں کوئی نقصان پہنچائیں گے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ حق دار ہے اس بات کا کہ تم اس سے ڈرو اور دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کرو۔ اگر تم واقعی مومن ہو۔ یعنی ایمان کا تو یہی تقاضا ہے کہ صرف اسی سے ڈرا جائے۔



قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ

تم لڑو ان سے عذاب دیگا ان کو اللہ تمہارے ہاتھوں سے اور رسوا کریگا ان کو اور مدد کرے گا تمہاری ان پر

وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٤﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَيَتُوْبُ

اور ٹھنڈا کریگا سینے اس قوم کے جو مومن ہیں۔ اور دور کرے گا گھٹن ان کے دلوں کی اور توبہ قبول کریگا

اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٥﴾

اللہ جس کی چاہے گا اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔

(آیت نمبر۱۴) خوب لڑو ان سے۔ اللہ تمہارے ہاتھوں کی تلواروں کے ذریعے انہیں عذاب دے گا اور انہیں تمہاری تلواروں کے ذریعے ہی مقتول کر کے رسوا کرے گا اور تمہیں ان پر اپنی خاص مدد سے غالب فرمائے گا اور مسلمانوں کے سینوں کو شفا عطا فرمائے گا۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے یمن اور سبا کے وہ لوگ مراد ہیں جو مکہ مکرمہ میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے۔ اس وجہ سے ان کے خاندان والوں نے انہیں سخت اذیتیں دیں۔ تو حضور ﷺ نے ان تک اطلاع پہنچائی کہ تمہیں مبارک ہو عنقریب یہ کفار اور مشرکین مغلوب ہو کر ذلیل خوار ہونے والے ہیں۔

(آیت نمبر۱۵) اللہ تعالیٰ کافروں کو مغلوب کر کے مسلمانوں کے غم و اندوہ کو دور کر دے گا۔ جو کفار کی اذیتوں سے انہیں غم و اندوہ پہنچتا رہا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جیسے وعدہ فرمایا۔ اسی طرح اسے پورا کر دکھایا۔ کہ کافر ذلت کے ساتھ مغلوب ہوئے۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کی چاہتا ہے۔ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ یہ بھی ایک وعدہ ہے کہ عنقریب مکہ والوں میں سے بھی بعض کفار و مشرکین توبہ کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے گا۔ چنانچہ فتح مکہ کے دن بہت سارے لوگ مسلمان ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ اور اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں حکمت ضرور ہوتی ہے۔ ہمیں سمجھ آئے یا نہ آئے۔ اس بات کو وہ خود اچھی طرح جانتا ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا

یا گمان کیا تم نے کہ چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ ابھی نہیں بتایا اللہ نے ان کو جو مجاہد ہیں تم میں اور جو نہیں بنایا

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

اللہ کے سوا اور کسی کو نہ اس کے رسول کے اور نہ مومنوں کے سوا کو دلی راز دار اور اللہ خبر دار ہے اس سے جو تم کر رہے ہو

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ

نہیں ہے مشرکوں کیلئے کہ آباد کریں مسجدیں اللہ کی جو گواہ ہیں اپنے آپ پر

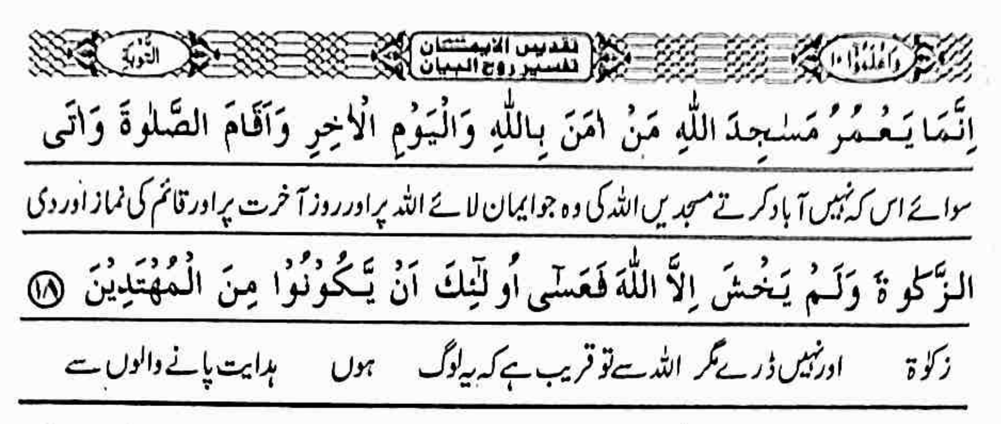
بِالْكُفْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ښ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾

کفر کے • وہی ہیں کہ ضائع ہو گئے ان کے عمل اور آگ میں وہ ہمیشہ رہیں گے

(آیت نمبر ۱۶) اے مسلمانو۔ کیا تم نے یہ گمان کیا ہے کہ تم جنگ سے منہ پھیر لیا۔ تو تم چھوڑ دیئے جاؤ گے۔ ابھی تو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے مجاہدین کو ظاہر نہیں فرمایا۔ یعنی مخلصین کے اخلاص کو واضح نہیں کیا۔ یہی معنی اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق بنتا تھا۔ امام حدادی فرماتے ہیں کہ مخلص اور غیر مخلص کا علم تو اس کے پاس ازل سے ہے۔ لیکن وہ پوشیدہ تھا۔ اب اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوئی کہ اسے ظاہر فرمائے کہ وہ کون لوگ ہیں۔ اس لئے فرمایا کہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نہیں بنایا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور ایمان والوں کے سوا کسی کو دوست جو اس کے اندرونی بھیدوں کو جانتا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔ اور ان ہی اعمال کے مطابق وہ تمہیں جزاء اور سزا بھی دے گا۔ اس لئے کہ اس سے تمہارا کوئی عمل پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون مخلص ہے اور کون نہیں کون اللہ کا نام بلند کرنے کیلئے لڑتا ہے اور کون ہے جو مال غنیمت کیلئے لڑتا ہے۔ کون رضاء الٰہی کیلئے لڑتا ہے اور کون ہے جو صرف اپنی شہرت کیلئے لڑتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ اصل مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے۔

(آیت نمبر ۱۷) مشرکوں کے لائق نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مسجدیں بنائیں۔

شانِ نزول : بدر کے قیدیوں کو جب مدینہ منورہ لایا گیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مشرکوں کی برائیاں یاد دلا کر برا بھلا کہا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہماری برائیاں بیان کرتے ہو تو ہماری اچھائیاں بھی تو ہیں تو حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے پوچھا کہ تمہاری اچھائیاں کون سی ہیں۔ انہوں نے کہا کعبہ تعمیر ہم نے کیا۔



اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى

سوائے اس کہ نہیں آباد کرتے مسجدیں اللہ کی وہ جو ایمان لائے اللہ پر اور روز آخرت پر اور قائم کی نماز اور دی

الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿١٨﴾

زکوٰۃ اور نہیں ڈرے مگر اللہ سے تو قریب ہے کہ یہ لوگ ہوں ہدایت پانے والوں سے

(بقیہ آیت نمبر ۱۷) کعبہ کی نگرانی ہم کرتے ہیں۔ حاجیوں کی خدمات ہم کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں فرمایا کہ مشرکین کیلئے تو یہ روا ہی نہیں کہ وہ مسجدیں بنائیں۔ اگرچہ انہوں نے ایک ہی مسجد حرام بنائی تھی۔ مساجد اس لئے کہا گیا کہ وہ سب مسجدوں کی اصل اور وہ ان تمام مسجدوں کا قبلہ ہے۔ جیسے شعائر صفا مروہ ہے۔ ایسے ہی ایک مسجد حرام کو مساجد کہا گیا ہے۔

مسئلہ: دنیا میں سب سے محترم مسجد مسجد حرام پھر مسجد نبوی۔ پھر مسجد اقصیٰ پھر جامع مساجد۔ پھر مسجد شارع

آگے فرمایا کہ وہ اپنے کفر پر گواہی دینے والے ہیں۔ یعنی مسجد حرام کے گرد بتوں کو رکھ کر اپنے کفر و شرک کی خود ہی گواہی دے کر مہر لگا دی۔ جس کا وہ انکار نہیں کر سکتے۔ لہٰذا ان کا مسجد کی تعمیر کا ذکر کرنا۔ یا دیگر خوبیوں کا بیان کرنا بے سود ہے۔ اس لئے کہ بت پرستی سے سارے ہی نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ اس لئے آگے فرمایا کہ یہ وہی لوگ ہیں۔ کفر و شرک کی وجہ سے جن کے تمام اعمال ضائع ہو گئے۔ جن پر انہیں بڑا ناز تھا اور وہ اپنے کفر اور گناہوں کی وجہ سے جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

فائدہ: قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ کفار کو آخرت میں کسی نیک عمل پر کوئی فائدہ نہیں ہوگا بلکہ ان کے جتنے جرائم بڑے ہوں گے اتنی سزا بھی بڑی ہوگی۔

مسئلہ: امام واحدی فرماتے ہیں کہ کافر مسجدیں نہیں بنا سکتے نہ چندہ ان سے لیا جائے (اگر وہ دیں تو اس رقم کو ٹائلٹوں وغیرہ پر لگا دیا جائے۔ لیکن مسجد کے کسی حصہ میں ان کا پیسہ نہ لگایا جائے۔) **مسئلہ**: کفار کو مسجدوں میں داخل نہیں ہونے دینا چاہیے۔ (دار الحرب میں بعض وجوہات کی بناء پر اجازت دینے میں حرج نہیں کیونکہ دار الحرب کی مسجدوں کا حکم وہ نہیں جو دار الاسلام کی مسجدوں کا ہے۔)

(آیت نمبر ۱۸) سوائے اس کے نہیں مساجد وہی تعمیر کرتے ہیں جو اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس میں رسول پر ایمان لانا بھی داخل ہے۔ اس لئے کہ رسول پر ایمان لائے بغیر اللہ پر ایمان لانا مکمل ہوتا ہی نہیں۔ کلمہ

شہادت اوراذان میں جیسے دونوں ناموں کا اتحاد ہے۔اسی طرح دونوں پرایمان کا بھی اتحاد ہے۔

آگے فرمایا کہ وہ آخرت کے دن یعنی قیامت اوراس میں ہونے والے حساب وکتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں اورنماز پابندی شرائط وارکان سے اور باجماعت ادا کرتے ہیں کیونکہ باجماعت نماز کا ثواب اکیلے کی نسبت ستائیس گنا زیادہ ہے۔

مسئلہ :مرد کیلئے فرض نماز مسجد میں گھر سے بہتر اور جماعت کے ساتھ اس سے بھی بہتر ہے اورعورت کیلئے مسجد سے بہتر گھر میں اور گھر سے بھی اگلے اندر زیادہ بہتر ہے۔

آگے فرمایا کہ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔**فائدہ**:اس سے صدقہ واجبہ مراد ہے۔

فائدہ :قرآن میں اکثر جگہ نماز اور زکوٰۃ کو اکٹھا ذکر کیا گیا۔اس لئے کہ دونوں کا قبولیت میں جوڑ ہے۔یعنی مال دار کی زکوٰۃ تب قبول ہے جب نماز پابندی سے پڑھتا ہواور نماز اس کی قبول ہے۔جو زکوٰۃ فرض کوادا کرتا ہو۔

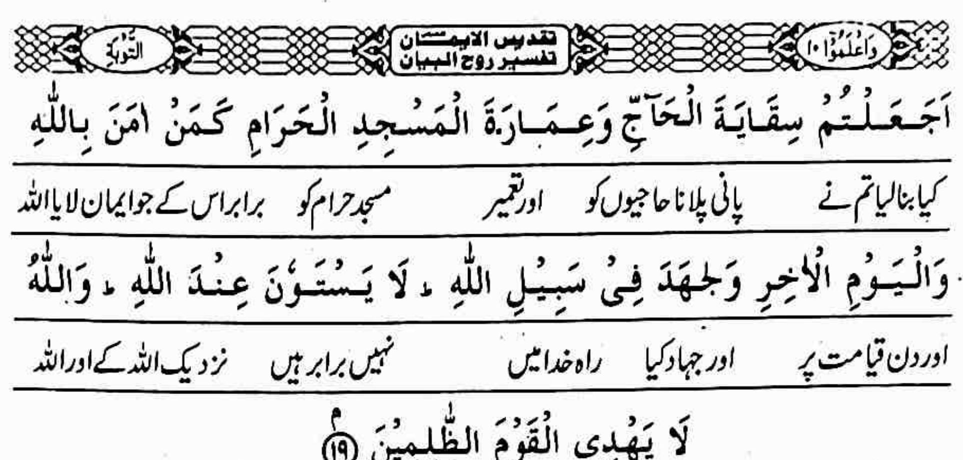
حاصل کلام یہ ہے کہ مذکورہ اعمال والے مساجد تعمیر کر سکتے ہیں۔آگے فرمایا کہ وہ اللہ کے بغیر کسی سے نہیں ڈرتے۔اسی لئے وہ ہر حکم الٰہی کو بجالاتے ہیں اوراس کی منع کردہ چیزوں سے رکتے ہیں۔اوراللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا کوئی خوف نہیں رکھتے۔

مسئلہ :نہ ہی میدان جنگ میں کسی ظالم سے ڈرتے ہیں۔مومن کی شان ہی یہ ہے کہ وہ کسی ظالم درندے اللہ تعالیٰ کے منکر سے خوفزدہ نہیں ہوتا۔آگے فرمایا کہ ایسے ہی لوگوں کیلئے ممکن ہے کہ وہ ہدایت پانے والوں سے ہوں اوروہ بلند درجات اور جنت کی نعمتیں حاصل کرسکیں گے۔

فائدہ :گذشتہ آیت میں چونکہ کفار کو اپنے اعمال صالحہ پر جو بہت بڑے انعامات ملنے کی امید تھی۔اس آیت میں ان کی امید پر پانی پھیر دیا گیا کہ نہ تو انہیں ہدایت حاصل ہے۔نہ انہیں بہشت کی نعمتیں مل سکتی ہیں۔

(مسجد کے فضائل مزید دیکھنے ہوں تو فیوض الرحمٰن میں دیکھ لیں۔)

صدقہ جاریہ کا ثواب: حدیث شریف :حضور ﷺ نے فرمایا کہ سات کام صدقہ جاریہ میں آتے ہیں۔یعنی ان کا ثواب مرنے کے بعد بندے کو قبر میں بھی ملتا رہتا ہے:(۱)جس کسی کو دین کی تعلیم دی۔(۲)یا نہر کھدوائی۔(۳)یا کنواں کھدوایا۔(۴)یا کوئی پودا لگایا۔(۵)یا مسجد بنائی۔(۶)یا قرآن خرید کر دیا۔(۷)یا نیک اولاد چھوڑی (البیہقی فی الشعب ۳۱۷۵)جو اس کیلئے بخشش کی دعا کرتے رہے۔حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ حوروں کا حق مہر مسجد کی صفائی اوراسے آبادرکھنا ہے۔

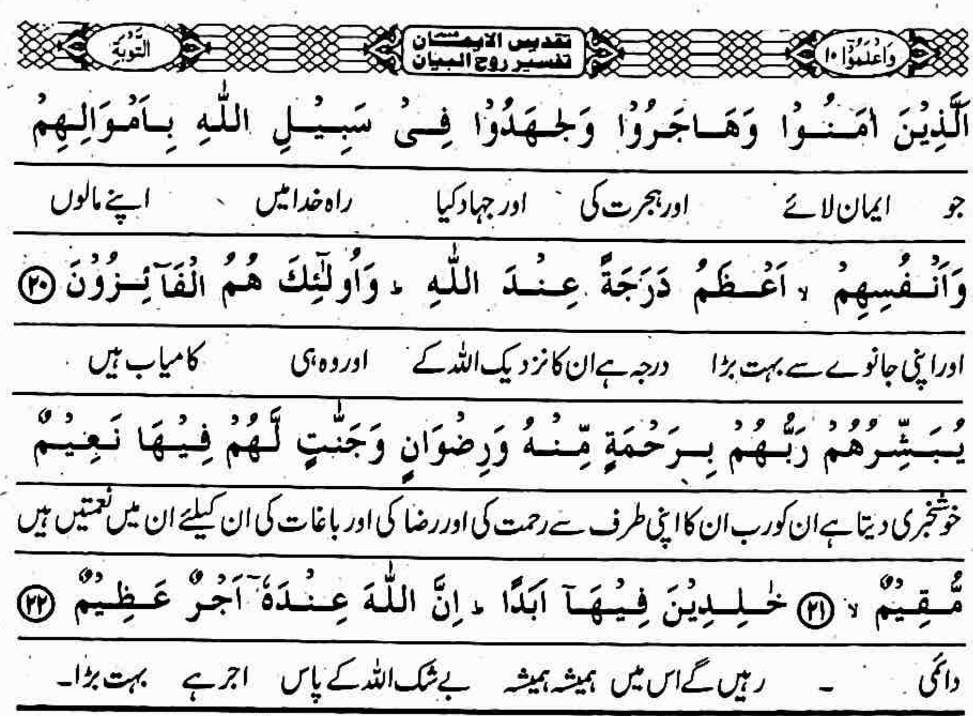


(آیت نمبر۱۹) کیا تمہارا حاجیوں کیلئے پانی پلانے کا بندوبست کرنا اور بیت اللہ کی تعمیر کرنا۔ اللہ اور قیامت پر ایمان لانے کے برابر سمجھ رکھا ہے۔

شان نزول : مشرکین مکہ کہتے تھے کہ ہمارا حاجیوں کی خدمت کرنا اور مسجد کی تعمیر اللہ پر اور قیامت پر ایمان لانے سے بہتر عمل ہے اور کعبہ کی نگرانی پر بڑا فخر کرتے تھے اور کہتے کہ ہمارا مرتبہ ایمان لانے والوں سے زیادہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی کہ تم تعمیر مسجد اور حاجی حضرات کو پانی پلانے جیسے کاموں کو ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کے برابر سمجھتے ہو اور تم یہ سمجھتے ہو کہ بلندی درجات اور فضیلت ایسے ہی ہے جیسے اس کی فضیلت جو اللہ اور قیامت پر ایمان لایا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے۔

فائدہ : بے شک حاجیوں کی خدمت اور تعمیر کعبہ نیکی کے کام ہیں لیکن وہ مومن کے ایمان اور جہاد کے برابر نہیں ہو سکتے اللہ تعالیٰ کے نزدیک۔ جیسے مشرکین مومنوں کے برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں مومن کا درجہ بہت ہی بلند ہے۔ (بلکہ ایک حدیث کے مطابق مومن کا درجہ خانہ کعبہ سے بھی زیادہ ہے۔)

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو کبھی ہدایت نہیں دیتا کیونکہ کفار ومشرکین نے اللہ کے نبی سے دشمنی کر کے ظلم کیا۔ لہذا وہ ہمیشہ گمراہ ہی رہے۔ یہ نحوست ہے نبی سے دشمنی کی۔ مروی ہے نعمان بن بشیر کہتے ہیں، میں ممبر رسول کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص نے کہا مجھے اب کوئی پرواہ نہیں۔ میں نے حاجیوں کی خدمت کی ہے پانی سے۔ دوسرے نے کہا مجھے اب کوئی پرواہ نہیں کیوں کہ میں نے مسجد حرام کی تعمیر میں حصہ لیا ہے۔ تیسرے نے کہا جہاد فی سبیل سب اعمال سے افضل ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں سخت ڈانٹا اور فرمایا کہ ابھی میں حضور ﷺ سے عرض کروں گا جو تم نے جمعہ کے دن مسجد نبوی میں ممبر کے پاس شور مچایا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔


الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ

جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا راہ خدا میں اپنے مالوں

وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿٢٠﴾

اور اپنی جانوں سے بہت بڑا درجہ ہے ان کا نزدیک اللہ کے اور وہ ہی کامیاب ہیں

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ

خوشخبری دیتا ہے ان کو رب ان کا اپنی طرف سے رحمت کی اور رضا کی اور باغات کی ان کیلئے ان میں نعمتیں ہیں

مُّقِيْمٌ ۙ ﴿٢١﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٢﴾

دائمی ۔ رہیں گے اس میں ہمیشہ ہمیشہ بے شک اللہ کے پاس اجر ہے بہت بڑا۔

(آیت نمبر۲۰) پچھلی آیت کو مزید تفصیل سے بیان کیا جارہا ہے۔فرمایا کہ جولوگ ایمان لائے پھرانہوں نے وطن چھوڑا اور حضور ﷺ کی بارگاہ میں مدینہ شریف ہجرت کر گئے اور پھر اللہ تعالیٰ کی راہ میں اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے جہاد کیا اور اس موقع پر نہ اپنے مالوں کو خرچ کرنے کی پرواہ کی اور نہ جانیں دینے میں دریغ کیا۔وہ حضرات جوان اوصاف والے ہیں۔ان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند مراتب اور اعلیٰ درجات ملیں گے۔**فائدہ:** چونکہ یہاں بات کفار کے مقابلے میں ہورہی ہے کہ وہ یہ کہتے تھے کہ آخرت میں ہمارے درجات بلند ہوں گے۔اس لئے کہ ہم نے اتنے بڑے بڑے نیک کام کئے تو اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ اللہ رسول پر ایمان لانے والوں اور ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کرنے والوں کے مراتب تک کوئی نہیں پہنچ سکتا ہے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق آگے فرمایا کہ یہی لوگ کامیابی پانے والے ہیں یعنی ان کے علاوہ کوئی بھی قوم خواہ کتنی بڑی نیکیاں کرے اس طرح کامیاب نہیں ہوسکتی۔**فائدہ:** کفار جو اپنے خیال میں حاجیوں کو پانی پلانے اور کعبہ بنانے کو کامیابی کا ذریعہ سمجھ رہے ہیں۔وہ غلطی پر ہیں کہ بڑی چیز ایمان ہے۔ایمان لانے کے بعد چھوٹی نیکی بھی فائدہ دے گی۔ایمان کے بغیر بڑی سے بڑی نیکی بھی آخرت میں کوئی فائدہ نہیں دے گی۔

(آیت نمبر۲۱) رب کریم اپنے انبیاء ورسل کے ذریعے خوشخبری دیتا ہے۔اس رحمت کی جو اسی ذات کی طرف سے ان کو عطا ہوگی۔رحمت ایک تو عذاب آخرت سے چھٹکارا دے گی۔دوسرا اللہ تعالیٰ کی رضا کی خوشخبری ہے۔

(آیت نمبر۲۲) اور تیسری چیز نعمتوں اور ہمیشہ قائم دائم رہنے والے عالی شان باغات کی خوشخبری ہے۔اور ایسی جنت جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔جہاں کا ٹھہرنا بہت لمبا زمانہ ہوگا اور ہمیشہ کی خوشی نصیب ہوگی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا

اے صاحب ایمان نہ بناؤ اپنے باپ دادا اور بھائیوں کو قریبی اگر وہ پسند کریں

الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

کفر کو اوپر ایمان کے اور جو کوئی دوستی کرے گا ان سے تم میں پھر وہی ظالم ہیں

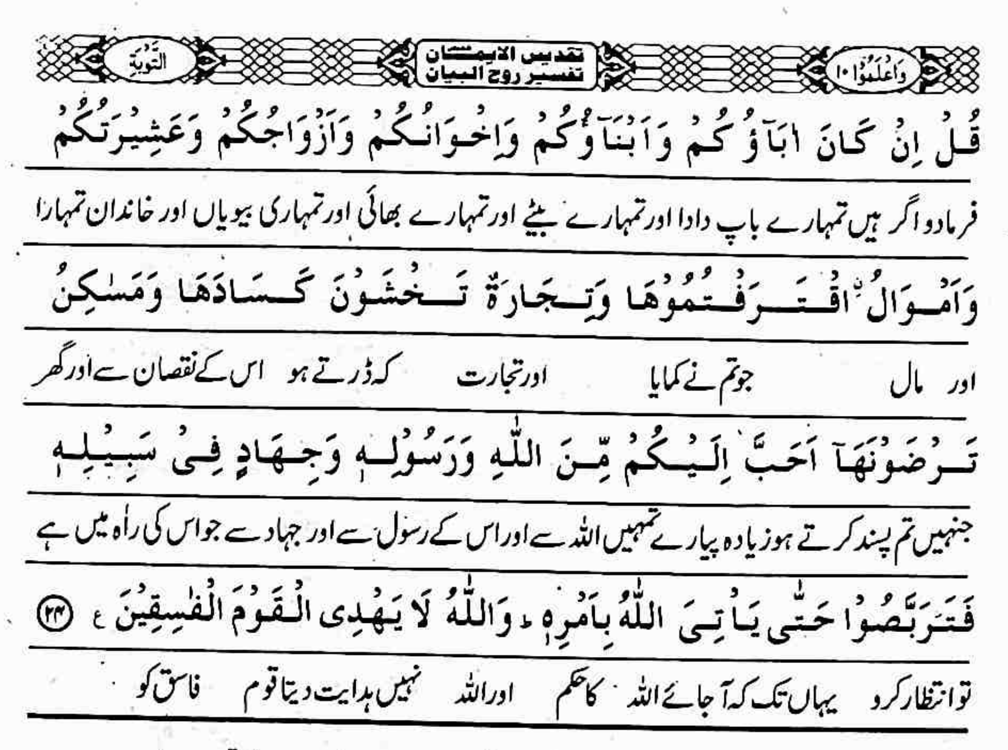
(بقیہ آیت نمبر۲۲) آگے فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس جنت میں ان کیلئے بہت بڑا اجر ہے۔ جس کا کوئی اندازا نہیں لگا سکتا۔ جس کا ملنا محض اس ذات کے فضل وکرم پر ہوگا۔ ورنہ دنیوی اعمال نماز، روزہ وغیرہ کی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ البتہ اعمال صالحہ کا بدلہ جنت میں ضرور ملے گا۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ رحمت گناہگاروں پر اور رضا فرمانبرداروں پر اور جنت ایمان داروں کیلئے۔

نکتہ: گناہ گاروں کو بھی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ گناہ اتنے بڑے نہیں جتنی اس کی رحمت عظیم اور وسیع ہے۔ سچے دل سے توبہ کرنے والے کے ساری عمر کے گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔

(آیت نمبر۲۳) اے ایمان والو اپنے باپ دادا اور بھائیوں کو بہت قریبی نہ بناؤ۔ اگر وہ ایمان کے بجائے کفر کو پسند کریں۔ یعنی وہ اگر کفر سے محبت کرتے ہیں۔ تو پھر تم ان سے کیوں محبت کرتے ہو؟

شانِ نزول: جب مدینہ شریف کی طرف ہجرت کرنے کا حکم ہوا۔ تو کچھ لوگوں نے کہا (جو اپنی عورتوں اور رشتہ داروں سے بہت ہی محبت کرتے تھے) کہ آپ کو قسم دیتے ہیں کہ آپ ہمیں ایسے کام کا حکم نہ دیں۔ جس کی وجہ سے ہم ضائع ہو جائیں۔) ان کے حال پر رحم کرتے ہوئے۔ حضور ﷺ نے انہیں رخصت دینے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ حکم الٰہی آ پہنچا اور فرمایا کہ جو ان سے دلی محبت کرے گا۔ تو گویا وہ ان کافروں کے کفر پر خوش ہے۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہی لوگ ظالم ہیں۔ امام کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہجرت سے گریز کرنے والوں نے کہا کہ ہم اگر مکہ سے ہجرت کریں گے تو ہم اپنے قبیلے اور رشتہ داروں سے الگ ہو جائیں گے۔ ہمارے حالات اور معاملات پر بھی برا اثر پڑے گا۔ پھر ماں باپ کو کیسے اسی حال میں چھوڑ جائیں۔ ہجرت کر کے تو بے کس و بے بس ہو جائیں گے۔ یہ تو بڑا گھاٹے کا سودا ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ۔ یعنی کچھ کمزور ایمان والوں نے رشتے داروں کی محبت میں ہجرت کرنے سے انکار کر دیا۔ (واہ ابوبکر صدیق: ایک بیوی آپ کی کافرہ تھی۔ ہجرت کے وقت وہ آگے کھڑی ہوگئی۔ کہ میں آپ کو ہجرت نہیں کرنے دوں گی۔ میں آپ کی بیوی ہوں میرا حق ہے۔ آپ نے فرمایا۔ جا تجھے تین طلاق سے فارغ کرتا ہوں۔ میں سارے جہان کو چھوڑ سکتا ہوں۔ مگر اپنے نبی کا دامن نہیں چھوڑ سکتا۔)



قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ

فرمادو اگر ہیں تمہارے باپ دادا اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور خاندان تمہارا

وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ

اور مال جوتم نے کمایا اور تجارت کہ ڈرتے ہو اس کے نقصان سے اور گھر

تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ

جنہیں تم پسند کرتے ہو زیادہ پیارے تمہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور جہاد سے جو اس کی راہ میں ہے

فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ع ﴿۲۴﴾

تو انتظار کرو یہاں تک کہ آجائے اللہ کا حکم اور اللہ نہیں ہدایت دیتا قوم فاسق کو

(آیت نمبر۲۴) اے میرے محبوب آپ ہجرت سے گریز کرنے والوں کو بتادیں اگر تمہیں باپ دادا اور اولاد اور تمہارے بھائی اور بیویاں اور قریبی تمہارے رشتہ دار اور وہ مال جو مکہ میں کمایا۔ جس کے کمانے پر تم نے بڑی محنت کی اور وہ تجارت کا مال جو نفع حاصل کرنے کیلئے خریدا۔ اب اس کے نقصان سے ڈر رہے ہو کہ حج کے موسم میں بیچتے اور وہ مکان جن میں رہائش رکھنے سے تم خوش ہو رہے ہو۔ اور انہیں اپنا بڑا سرمایہ سمجھ رکھا ہے۔ اگر یہ مذکور اشیاء تمہیں اللہ اور رسول کی اطاعت سے زیادہ محبوب ہیں کہ انہوں نے تمہیں مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دے دیا ہے (اور تم مذکورہ پیاری چیزوں) کی وجہ سے نہ ہجرت کرتے ہو اور نہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہو۔ ان دونوں سے اوپر والی چیزیں بھی اگر پیاری ہیں اور ہجرت اور جہاد سے باعث رکاوٹ ہیں۔ تو پھر اللہ کے حکم کا انتظار کرو۔

نوٹ: اس محبت سے اختیاری محبت مراد ہے۔ جبلی محبت مراد نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ ہر آدمی میں غیر اختیاری ہوتی ہے۔ یہ تکلیف شرع کے حکم میں نہیں ہے۔ اس لئے کہ امور تکلیفیہ وہاں ہوتے ہیں جہاں بندے کی طاقت کا دخل ہو۔ آگے فرمایا کہ اگر ہجرت اور جہاد سے زیادہ مذکورہ اشیاء پیاری ہیں تو پھر انتظار کرو۔ کہ حکم خدا آجائے۔ یعنی موت آجائے یا تم پر پکڑ آجائے۔ گویا یہ وعید ہے۔ ان لوگوں کیلئے جو نفسانی خواہشات کو دینی معاملات پر ترجیح دیتے ہیں۔ انہیں معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ فاسقین سے مراد وہ جو مشرکوں سے محبت کرتے ہیں۔ یعنی فسق ایسی منحوس شیء ہے۔ کہ اس کی نحوست سے ایمان سلب ہو جاتا ہے۔ اور پھر توفیق ملنا مشکل ہو جاتی ہے۔

سبق: ابتدائی زمانے کے لوگوں کا یہ حال ہے تو آج کل کے لوگ عوام تو در کنار خاص جو پیری اور بزرگی کا دم بھرنے والے۔ ان کا تو دنیوی معاملے میں اگر معمولی سا بھی نقصان ہو جائے تو نہایت غمگین ہو جاتے ہیں۔ لیکن دینی معاملے میں کتنا ہی بڑا نقصان ہو۔ انہیں کوئی پرواہ ہی نہیں ہوتی۔ (یہ تو اس دور کی بات ہے۔ آج کل کے لٹیروں کا تو حال اس سے بھی ابتر ہے جنہیں نہ دین کا علم نہ تصوف کا پتہ۔ بس پیر ابن پیر ہیں۔ الا ماشاء اللہ)۔

فائدہ: معلوم ہوا دنیوی امور کو دینی امور پر ترجیح دینے والے اور اپنی خواہشات پر چلنے والے کو جلد یا دیر سے عذاب کیلئے تیار رہنا چاہئے۔

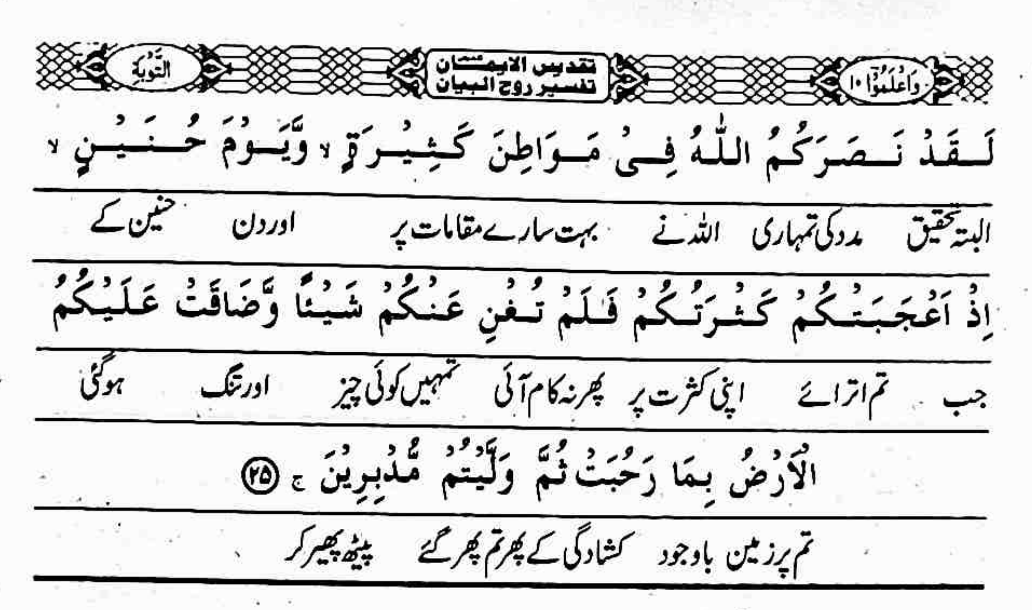
حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم میں کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ وہ مجھے اپنی جان اولاد اور ماں باپ بلکہ سب مخلوق سے زیادہ محبوب نہ سمجھے (بخاری)۔ ابن الملک فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہے کہ وہ مومن کامل نہیں ہے۔ مثلاً حضور ﷺ فرمائیں کہ اپنے کافر ماں باپ یا کافر اولاد کو قتل کر دے تو امتی پر فرض ہے کہ تعمیل حکم میں ذرا کوتاہی نہ کرے۔ اس میں اپنے نفس کی خواہش کو داخل نہ ہونے دے۔ امتی کو یقین ہونا چاہئے کہ نبی کا فرمان فرمان الٰہی ہے اور رسول خدا کی محبت کے مقابلے میں آباء و ابناء کی محبت کیا وقعت رکھتی ہے۔ (اگرچہ اس قسم کا حکم کسی نبی نے کبھی بھی نہیں دیا)۔

محبت کی علامت یہ ہے کہ نبی کی سنت پر عمل اور اس کی شریعت پر اٹھنے والے اعتراضات کی مدافعت کرنا۔

سنت کی اتباع کا نتیجہ: بشر بن حارث فرماتے ہیں کہ خواب میں مجھے حضور ﷺ کی زیارت ہوگئی تو آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ تمہیں یہ عظیم کیسے ملا۔ میں نے کہا مجھے تو معلوم نہیں تو فرمایا اس کی تین وجہ ہیں: (۱) میری سنت کی اتباع۔ (۲) اور نیک لوگوں کی خدمت (۳) میرے صحابہ اور میری اہل بیت سے محبت۔

فائدہ: حضور ﷺ کی محبت کا عملی ثبوت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یوں پیش کیا کہ حضور ﷺ نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ کو جانے کا حکم دیا تو وہ رضاء الٰہی اور اجر و ثواب حاصل کرنے کیلئے مدینہ شریف کی طرف ہجرت کر گئے۔ پھر وہاں سے مکہ مکرمہ کی طرف جانے کا حکم دیا تو مہاجرین بغیر کسی پس و پیش کے مکہ مکرمہ لوٹ کر آئے۔ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر معاملے میں اپنے طبعی اختیار کو چھوڑ کر تعمیل ارشاد نبوی کو ترجیح دیتے تھے۔

سبق: انبیاء و اولیاء سے محبت کی بہت ہی عجیب و غریب تاثیر ہے۔ یہ عظیم المرتبت چیز ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے بنائے۔ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت پر کسی چیز کو ترجیح نہیں دیتے۔

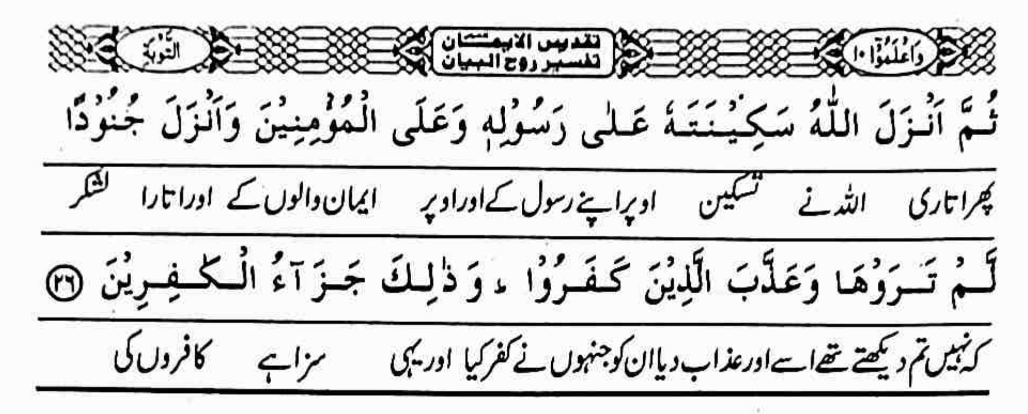


(آیت نمبر ۲۵) البتہ تحقیق اے میرے محبوب کے صحابہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری بہت سارے مقامات پر مدد فرمائی۔ جیسے غزوۂ بدر۔ احزاب اور قریظہ ونظیر حدیبیہ وخیبر اور فتح مکہ میں اور حنین کی جنگ والے دن میں۔ جس کا دوسرا نام جنگ ہوازن ہے۔ جو ثقیف کے لوگوں کے ساتھ جنگ ہوئی تھی اور ان کی تعداد چار ہزار تھی۔ یہ غزوۂ اوطاس کے مقام پر ہونے کی وجہ سے اسے غزوہ اوطاس بھی کہا جاتا ہے۔ اوطاس مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان واقع ہے۔ آگے فرمایا کہ اس موقع پر اے مسلمانو۔ تم اپنی کثرت پر تعجب کر کے خوش ہو رہے تھے۔

فائدہ: چونکہ اس موقع پر مسلمان بارہ ہزار تھے۔ یعنی دشمن سے تین چار گنا زیادہ تھے۔

اس غزوۂ کا سبب: جب مکہ فتح ہو گیا اور عرب کے تمام قبائل نے حضور ﷺ کی اطاعت قبول کر لی تو ہوازن اور ثقیف کے لوگ سرکش طبع تھے۔ انہوں نے جنگ کی تیاری شروع کر دی اور حضور ﷺ سے بغاوت کا اعلان کر دیا اور کہا کہ اس سے پہلے حضور جن سے لڑتے رہے۔ وہ جنگی ماہر نہ تھے۔ ہم سے لڑے تو انہیں معلوم ہو جائے گا اور پھر اپنے ساتھ عورتیں اور بچے اور سارا سامان اور مال مویشی بھی لے لئے۔ تا کہ مسلمانوں پر رعب پڑ جائے۔ نبی پاک ﷺ نے جاسوسی کیلئے عبداللہ بن حدر کو بھیجا۔ انہوں نے واپس آ کر تمام حالات سے آگاہ کر دیا۔ غالباً رمضان شریف ختم ہونے والا تھا۔ ۱۳ رمضان کو مکہ فتح ہوا۔ عید سے چند دن پہلے یا بعد حنین کی طرف جنگ کی تیاری کر کے روانہ ہو گئے۔

حضور ﷺ دلدل نامی خچر پر سوار ہوئے۔ داؤد علیہ السلام والی وہ زرہ جسے پہن کر انہوں نے جالوت کو مارا تھا۔ وہی زرہ آپ نے پہن لی۔ مہاجرین وانصار کو جھنڈے دے دیئے۔ صبح اندھیرے ہی حنین کی طرف کوچ فرمایا۔



(بقیہ آیت نمبر ۲۵) منگل کا دن تھا۔ کفار نے کچھ سپاہی راستے میں غاروں کے اندر چھپا رکھے تھے۔ ابھی اندھیرا ہی تھا۔ ان خبیثوں نے مسلمانوں پر تیر برسانے شروع کر دیئے۔ جب مسلمانوں نے جوابی کارروائی کی۔ تو حواس باختہ ہو کر ایسے بھاگے کہ بچے پیچھے چھوڑ گئے۔ کچھ آگے جا کر بچوں کا خیال آیا تو واپس آ کر مسلمانون پر یکبار کی حملہ کر دیا۔ مسلمان تو مطمئن ہو کر بیٹھے تھے کہ کافر تو اب بھاگ گئے ہیں۔ لیکن انہوں نے پھر پلٹ کر اچانک یکبارگی مسلمانوں پر یلغار کی کہ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس حالت کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ وقت یاد کرو جب تمہیں اپنی کثرت پر گھمنڈ ہو گیا تھا اور تم نے کہا کہ ہم اب دشمن کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں تو پھر جب کفار پلٹے تو تمہاری کثرت نے تمہیں نہیں بچایا اور اس وقت تم پر زمین کشادہ ہونے کے باوجود اس قدر تنگ ہو گئی اور تم پر دشمن کا رعب چھا گیا تھا کہ تمہیں زمین میں چھپنے کی کوئی جگہ نہیں مل رہی تھی اور پھر تم کافروں کو پیٹھ دیکر بھاگ گئے تھے۔

شکست کے بعد: حضور ﷺ اکیلے رہ گئے۔ یا آپ کے ساتھ آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے اور یا حضرت ابوسفیان تھے۔ جنہوں نے حضور ﷺ کی سواری کو تھاما ہوا تھا۔ حضور ﷺ اکیلے ہی کفار کی طرف بڑھتے ہوئے فرما رہے تھے۔ "انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب"۔ میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں کہ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے مسلمانوں کو آواز دی جس پر لبیک کہتے ہوئے مسلمان لوٹنے لگے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا آواز بہت گرجدار تھا۔ حضور ﷺ نے انہیں فرمایا کہ مسلمانوں کو واپس بلاؤ۔ چونکہ ان کی آواز بہ آسانی آٹھ نو میل تک چلی جاتی تھی۔ تو انہوں نے مہاجرین انصار سب کو بلایا تو پھر مسلمان واپس آ گئے۔

(آیت نمبر ۲۶) پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت خاص سکینہ اپنے رسول پر نازل فرمائی اور حضور کے طفیل مسلمانوں پر بھی نازل فرمائی کہ مسلمانوں نے واپس آ کر کفار پر حملہ کیا پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ فتح کے ساتھ بے حساب مال و دولت مال غنیمت کی شکل میں عطا فرمایا۔

ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٧﴾

پھر مہربانی کرتا ہے اللہ بعد اس کے اوپر جس کے چاہتا ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

(بقیہ آیت نمبر ۲۶) **معجزۂ نبوی ﷺ:**

جب دوبارہ جنگ شروع ہوئی تو اچانک نبی پاک ﷺ سواری سے اترے اور فرمایا چچا یہاں سے کچھ کنکریاں جمع کر کے مجھے دو۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کی سواری اتنی پست ہوئی کہ آپ نے خود ہی ہاتھ بڑھا کر زمین سے کنکریاں اٹھالیں اور مشرکین کی طرف پھینکتے ہوئے فرمایا: "شاهت الوجوه" یہ کنکریاں ہر مشرک اور کافر کو جالگیں۔ ساتھ ہی فرمایا: "انهزموا ورب الكعبه" رب کعبہ کی قسم وہ شکست کھا کر بھاگے اس کے ساتھ ہی دشمنوں کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی اور وہ شکست خوردہ ہوکر میدان جنگ سے بھاگ گئے۔

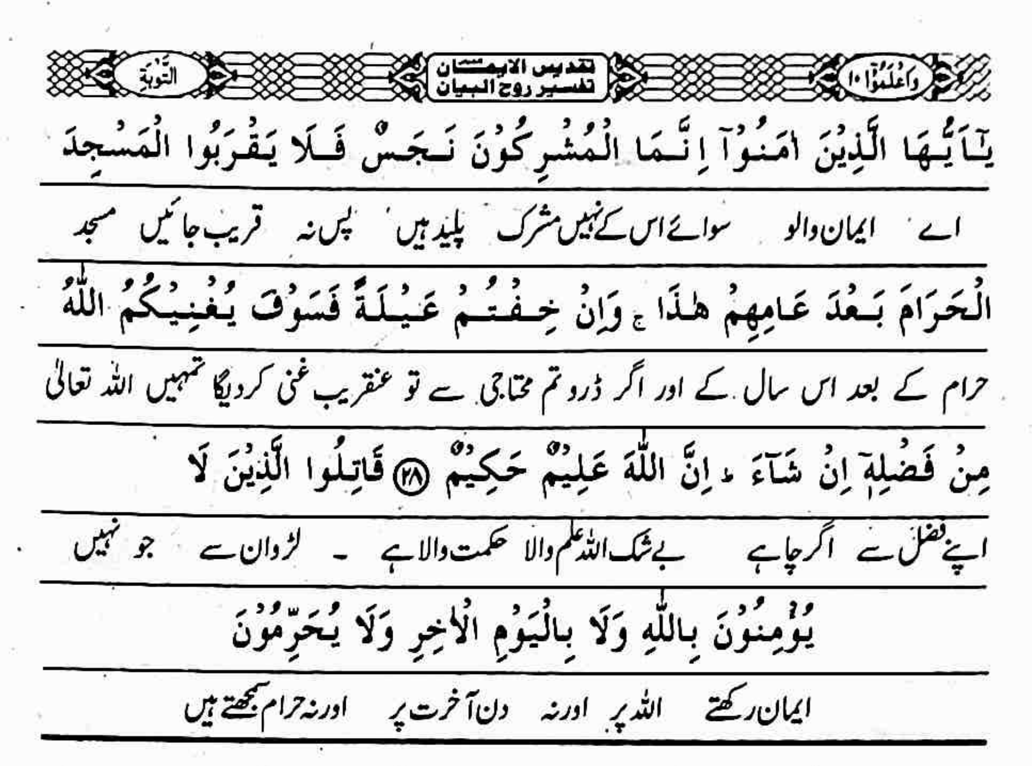
فرشتوں کی آمد: آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا لشکر اتارا جسے تم نے نہیں دیکھا البتہ کفار نے دیکھ لیا۔ ان کی تعداد میں اختلاف ہے کہ آیا وہ آٹھ ہزار تھے یا اس سے زیادہ۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قتل وقید کے ذریعے کفار کو عذاب دیا۔ اور یہی کفار کی دنیا میں سزا ہے۔ آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہے۔

مسلمانوں کو یہاں فتح مبین یعنی بہت بڑی کامیابی ملی: کفار یہاں سے بھاگ کر اوطاس میں جا پہنچے۔ نبی کریم ﷺ نے ابو عامر اشعری کو لشکر کا امیر بنا کر ان کی سرکوبی کیلئے بھیج دیا۔ وہاں کفار کو۔ شکست فاش ہوئی اور بے حساب مال اور کفار کا اہل وعیال مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ ان دنوں میں نبی کریم ﷺ جعرانہ میں مقیم رہے۔ اور وہاں سے ہی عمرہ کا احرام باندھا اور فرمایا کہ یہاں سے ستر انبیاء نے احرام باندھا ہے۔

اس جنگ میں مال غنیمت میں چوبیس ہزار اونٹ۔ چالیس ہزار سے زائد بکریاں۔ چار ہزار اوقیہ چاندی ملی جس میں زیادہ مال اہل مکہ کو تالیف قلوب کے طور دیا۔ مکہ کے مسلمانوں میں سے ایک ایک آدمی کو ڈیڑھ ڈیڑھ سو اونٹ دیا۔

انصار نے اس بات کو محسوس کیا کہ محنت ہماری زیادہ اور مال سارا مکہ والے لے گئے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا تمہیں یہ سودا پسند نہیں کہ لوگ مال لے کر جا رہے ہیں اور تم اللہ ورسول کو لیکر جا رہے ہو۔ تو وہ بہت خوش ہوئے۔

(آیت نمبر ۲۷) پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے توبہ قبول فرماتا ہے۔ بہ تقاضا حکمت جس کیلئے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔



يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ

اے ایمان والو سوائے اس کے نہیں مشرک پلید ہیں پس نہ قریب جائیں مسجد

الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ

حرام کے بعد اس سال کے اور اگر ڈرو تم محتاجی سے تو عنقریب غنی کردیگا تمہیں اللہ تعالیٰ

مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٨﴾ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا

اپنے فضل سے اگر چاہے بے شک اللہ علم والا حکمت والا ہے ۔ لڑو ان سے جو نہیں

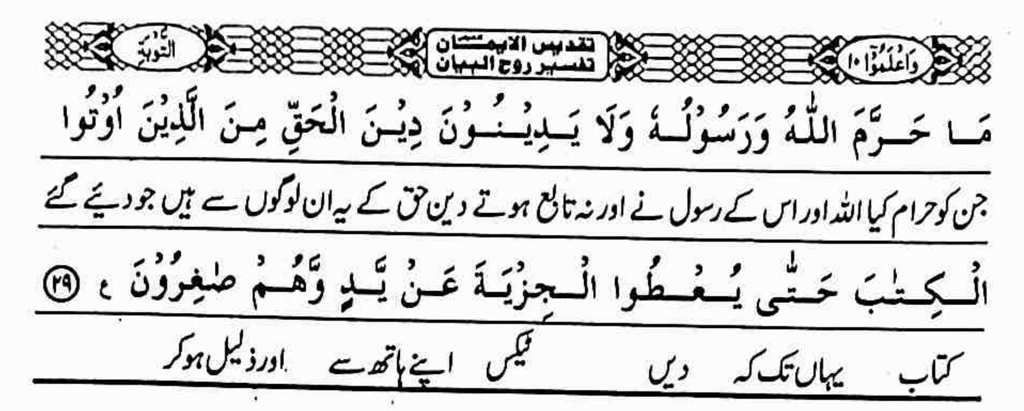
يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ

ایمان رکھتے اللہ پر اور نہ دن آخرت پر اور نہ حرام سمجھتے ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۲۷) چنانچہ حنین کے بہت سارے کفار مسلمان بھی ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے ان کا مال تو واپس نہ فرمایا کہ وہ تقسیم ہو چکا تھا۔ البتہ ان کی عورتیں اور بچے ان کو واپس دے دیئے۔ اس کے بعد ان کے سردار نے بھی جو طائف میں چھپا ہوا تھا۔ حاضر ہو کر اسلام قبول کرلیا۔ حضور ﷺ نے اسے مال اور اولاد واپس کر دیئے۔

(آیت نمبر ۲۸) اے مسلمانو بے شک مشرک پلید ہیں۔ لہذا اب وہ مسجد حرام کے قریب بھی نہ آئیں کیونکہ پلیدی مسجد سے دور ہی رہے تو اچھا ہے یہ ہجرت کا نانواں سال مشرکین کیلئے آخری سال ہے۔ اب اس کے بعد نہ وہ حج کیلئے اور نہ عمرہ کے لئے آئیں گے۔ اس اعلان سے مسلمان پریشان ہوئے کہ کفار نہ آئے تو ہماری تجارت ختم ہو جائے گی اور ہم محتاج ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہیں محتاجی کا ڈر نہ ہو عنقریب اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے فضل سے غنی فرمادے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا کہ کچھ ہی عرصہ میں اہل مکہ انتہائی خوش حال ہو گئے۔ ان شاء اللہ کہہ کر ان کی آس باندھ دی۔ آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ علم وحکمت والا ہے کہ وہ کسی کیلئے رزق کا دروازہ بند نہیں کرتا۔ اگر ایک دروازہ بند کرتا ہے تو دوسرا کھول دیتا ہے۔

(آیت نمبر ۲۹) اے مسلمانو لڑو ان لوگوں سے جو نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں نہ یوم آخرت پر۔ یعنی یہود دو خدا اور عیسائی تین خداؤں کا اقرار کرتے ہیں ان سے بھی جنگ کرو اور جو خدا کو نہیں مانتے یا ایک سے زیادہ خدا مانتے ہیں۔ ان سے بھی لڑو۔



یہ ماننا نہ ماننے کے برابر ہوا۔ اسی طرح یوم آخرت پر بھی ان دونوں کا اس طرح ایمان نہیں جس طرح اللہ کا حکم ہے تو گویا قیامت پر بھی ان کا ایمان نہیں ہے۔ دراصل ماننے کے اصول ہی ان کے غلط ہیں۔ جو بالکل باطل ہیں۔ اسی طرح جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول ﷺ نے حرام کیا ہے۔ ان کو وہ حرام ہی نہیں سمجھتے تو ان کا ایمان کیا ہوا کہ وہ خون جو بالکل حرام ہے۔ اور خنزیر کا گوشت اس سے بھی بڑھ کر حرام ہے اور شراب وغیرہ کو وحی سے حرام کہا گیا۔ وہ ان تمام حرام اشیاء کو حلال جان کر کھاتے پیتے ہیں۔ اور وہ دین حق کے لئے (دین اسلام کیلئے) نہیں جھکتے۔ یعنی اسے قبول ہی نہیں کرتے حالانکہ یہ ان لوگوں سے ہیں جو کتاب دیئے گئے۔ یعنی توراۃ اور انجیل انہیں دی گئی کہ اس پر عمل کریں۔ مگر کمال یہ ہے کہ وہ ذلت کے ساتھ جزیہ دیکر جان بچائی۔ مگر اسلام قبول نہیں کیا۔

فائدہ: یعنی ان سے جنگ بندی جزیہ دینے سے نہیں ہوگی بلکہ جزیہ قبول کرنے سے ہوگی۔

فائدہ: جزیہ شریعت کی اصطلاح میں یہ ہے۔ کہ وہ کافر جس پر مسلمانوں کو تسلط حاصل ہوا پھر صلح سے معاہدہ ہونے کے بعد جو بھی وہ کافر مال وغیرہ وعدے کے مطابق ادا کرتا ہے اسے جزیہ کہتے ہیں جس کا وقت مقررہ پر اسے ادا کرنا واجب ہوتا ہے۔ خواہ وہ ذمی کافر مسلمانوں سے امان لے کر ان میں رہے۔ یا دیگر کوئی کافر ہو۔ اس جزیہ کی ادائیگی سے وہ قتل سے محفوظ ہو جاتا ہے اور وہ کافر اس جزیے کو جا کر اپنے ہاتھوں سے ادا کرے۔ یعنی وہ مسلمانوں کا مطیع ہو کر ادا کریں۔

مسئلہ: جزیہ دینے میں اگر وہ پس پیش کریں تو اس سے قتل وقتال جائز ہو جاتا ہے۔

فائدہ: اپنے ہاتھ سے دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ سر جھکا کر اور فرمانبردار بن کر ادا کرے۔ اس لئے آگے فرمایا کہ دراں حال کہ وہ ذلیل وخوار ہو کر آئیں۔ یعنی کفار کو حکم ہے کہ وہ خود چل کر آئیں اور خلیفہ اسلام کو اپنے ہاتھ سے غلاموں کی طرح نہایت زاری سے پیش کریں۔ اور وقت حاکم جزیہ لیتے وقت سختی سے کہے اے ذمی اللہ کے دشمن جزیہ ادا کر۔ (جزیہ کے متعلق دیگر مسائل اصل کتاب میں یا فقہ کی کتابوں میں دیکھے جا سکتے ہیں)۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ

اور کہا یہود نے عزیر بیٹا ہے اللہ کا اور کہا عیسائیوں نے مسیح بیٹا ہے اللہ کا

ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ

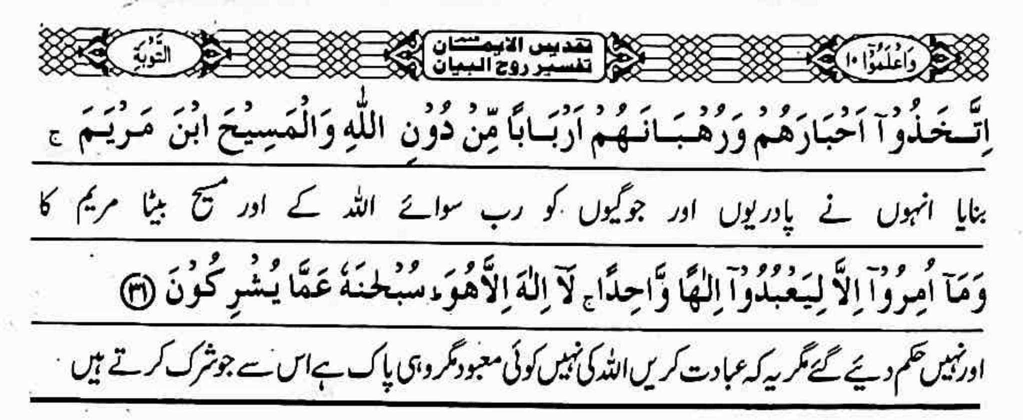
یہ بات ہے ان کے منہ کی جو بناتے ہیں بات ان کی جو کافر گذرے پہلے ان سے

قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾

مارے ان کو اللہ کہاں اوندھے ہو جاتے ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۲۹) **برے اعمال پر شامت اعمال:** حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا (۱) سودی کاروبار عام ہوا تو زمین میں دھنسا اور زلزلے آنا بھی عام ہو جائے گا۔ (۲) ظلم ہوگا تو بارشیں رحمت والی بند ہو جائیں گی۔ (۳) جب زنا عام ہوگا تو موتیں بھی کثرت سے ہونگی۔ (۴) جب زکوٰۃ ادا نہیں کی جائے گی تو جانور میں کمی ہو جائے گی۔ جب ذمیوں پر ظلم ہوگا تو دولت ان کے پاس چلی جائے گی۔ (اسرار محمدیہ)

(آیت نمبر ۳۰) یہودیوں نے کہا عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ **واقعہ:** بخت نصر نے بیت المقدس کو تخت و تاراج کیا۔ ستر ہزار یہود قتل کئے۔ توراۃ کے کسی حافظ یا عالم کو باقی نہ چھوڑا۔ حضرت عزیر تھے تو توراۃ کے حافظ و عالم مگر انتہائی کم عمر ہونے کی وجہ سے قتل سے بچ گئے۔ البتہ قیدیوں میں انہیں بابل لایا گیا کچھ عرصہ بعد رہا ہو کر بیت المقدس میں تشریف لائے۔ پورے شہر کی بربادی دیکھ کر فرمایا یہ شہر پھر کبھی اس طرح آباد ہوگا۔ جیسے پہلے تھا۔ تھوڑی دیر بعد آپ نے کھانا درخت پر لٹکایا اور گدھے کو اسی درخت کے ساتھ باندھ کر لیٹ گئے اور سو سال تک وہیں نیند میں رہے۔ اس عرصے میں شہر بیت المقدس پہلے سے بھی بہتر آباد ہو گیا۔ لیکن عزیر علیہ السلام کو کسی نے نہیں دیکھا۔ حالانکہ پورا سو سال وہیں آپ پڑے رہے۔ تیسرے پارے میں واقعہ گذر چکا کہ آپ کے اس طرح کے چند کمالات کو دیکھ کر یہودیوں نے انہیں خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا۔ آگے فرمایا کہ عیسائیوں نے کہا (ہم یہودیوں سے پیچھے کیوں رہیں) لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ بیٹا بغیر باپ نہیں ہو سکتا۔ ظاہراً اگر عیسیٰ علیہ السلام کا باپ نہیں تو پھر ضرور اللہ تعالیٰ ہی ان کا باپ ہے۔ (معاذ اللہ)۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات مردوں کو زندہ کرنا۔ اندھوں کو بینا کرنا۔ غیرہ سے معلوم ہوا۔ کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں۔ (معاذ اللہ)۔ جیسے آج کل کچھ مرید اپنے پیر کو غوث کہتے ہیں۔ تو دوسرے پیر کے مرید اپنے پیر کو غوث الاغواث کا لقب دیتے ہیں۔ تاکہ ہمارا پیر اونچا نظر آئے۔



اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ

بنایا انہوں نے پادریوں اور جوگیوں کو رب سوائے اللہ کے اور مسیح بیٹا مریم کا

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾

اور نہیں حکم دیئے گئے مگر یہ کہ عبادت کریں اللہ کی نہیں کوئی معبود مگر وہی پاک ہے اس سے جو شرک کرتے ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۳۰) عیسائیوں نے ان کمالات کو دیکھ کر انہیں خدا کا بیٹا کہہ دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ سب ان کی بناوٹی باتیں ہیں۔ یعنی ان کے لفظ ہی ہیں۔ ان کا کوئی معنی نہیں۔ نہ اس دعوے پر ان کے پاس کوئی دلیل ہے۔

آ گے فرمایا یہ ان کی باتیں ایسی ہیں جیسے ان سے پہلے کافروں نے کہیں جو کہتے فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو تباہ و برباد کرے۔ یعنی کتنا گندہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ حق کو چھوڑ کر کہاں باطل کی طرف پھیرے جاتے ہیں۔

(آیت نمبر ۳۱) اسی پر بس نہیں بلکہ انہوں نے تو اپنے مولوی اور راہبوں کو بھی رب بنالیا اللہ تعالیٰ کے سوا۔ یعنی یہود و نصاریٰ اپنے پادریوں اور راہبوں کی فرمانبرداری یوں کرتے اور ایسے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے آگے سجدہ کیا جاتا ہے۔ جن چیزوں کو وہ حلال کہیں یہ انہیں ہی حلال کہتے ہیں۔ جنہیں وہ حرام کہیں یہ اسے حرام کہتے ہیں۔ **مسئلہ**: اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے۔

آ گے فرمایا کہ مسیح عیسیٰ ابن مریم کو بھی اللہ کے سوا معبود بنالیا۔ یعنی پہلے کہتے تھے خدا کا بیٹا ہے۔ اب خدا کہنا شروع کر دیا۔ حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام تو یہی حکم دیتے تھے۔ کہ وہ صرف ایک خدا کی عبادت کریں اور کسی کی عبادت نہ کریں۔ اطاعت رسول کی ضرور کریں کیونکہ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ معبود اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے شریکوں سے پاک ہے۔ لیکن ع: خدا جب دین لیتا ہے حماقت آ ہی جاتی ہے

جس نے بھی اللہ وحدہ لاشریک کو چھوڑا۔ اس نے اپنی حماقت سے چھوڑا اور جس نے بھی غیر خدا کو خدا بنایا۔ اس نے بھی اپنی حماقت سے خدا بنایا۔

فائدہ: اس سے بڑی کیا حماقت ہوگی۔ کہ احمق لوگوں نے ہر نبی کے زمانے میں شیطان کی بات کو سر تسلیم خم مان لیا۔ مگر اللہ کے حکم کو ٹھکرا دیا۔ اور جہنمی ہونا گوارہ کرلیا۔ استغفر اللہ العظیم

يُرِيدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ

چاہتے ہیں کہ بجھا دیں نور اللہ کا اپنے موہوں سے اور نہیں مانتا اللہ مگر یہ کہ پورا کرے گا اپنا نور

وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ

اگر چہ ناپسند کریں کافر ۔ وہ ہے جس نے بھیجا اپنا رسول ساتھ ہدایت کے اور دین حق

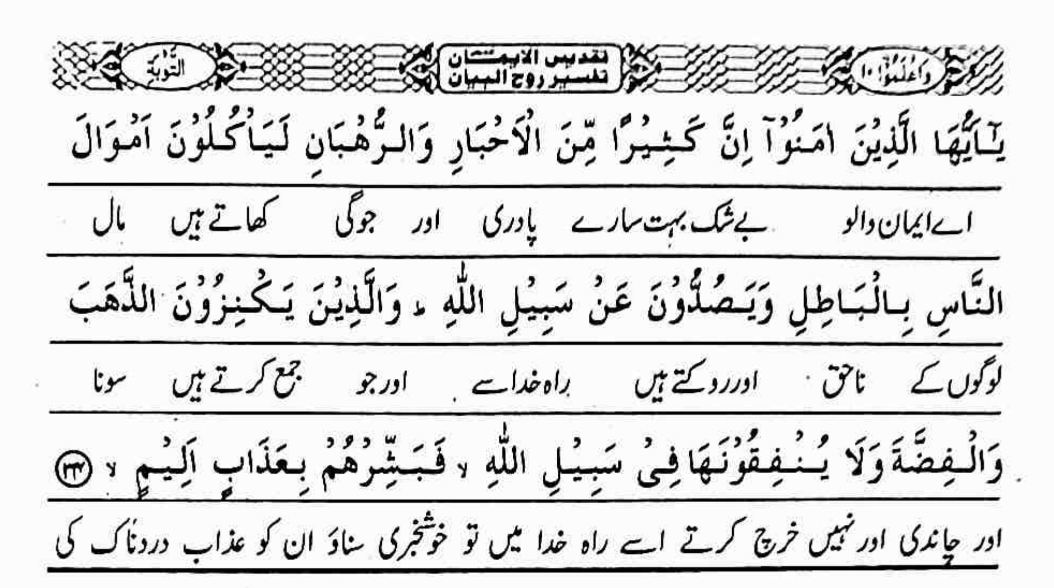
لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

دیکرتا کہ غالب کرے اوپر دینوں سب کے اگر چہ برامانیں مشرک۔

(آیت نمبر۳۲) یہود ونصاریٰ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھا دیں۔ یعنی قرآن مجید جس میں احکام الٰہی ہیں۔ اور توحید کا بیان ہے۔ اس کو اپنی گندی تاویلات اور باطل خیالات سے ختم کر دیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کے برعکس ہے۔ وہ تو اعلاء کلمۃ التوحید اور دین اسلام کو غلبہ دیکر اپنے نور کو مکمل فرمائے گا۔ اگر چہ کافروں کو یہ بات ناگوار ہو۔ بہر حال اللہ کے نور کی تکمیل ضرور ہوگی۔ یعنی یہ دین سب دینوں پر غالب آ کر رہے گا۔ (یا اس سے مراد یہ ہے کہ کافر حضور ﷺ کو قتل کر کے اس نور کو بجھانا چاہتے ہیں۔ لیکن (پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا)۔

(آیت نمبر۳۳) اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے۔ جس نے اپنا رسول ہدایت کے ساتھ بھیجا۔ یعنی وہ قران دے کر بھیجا۔ جس میں سراسر ہدایت ہے۔ اور دین حق یعنی دین اسلام دے کر بھیجا۔ تا کہ اپنے رسول کے دین کو سارے ادیان پر غالب کر دے۔ اگر چہ مشرکین کو دین اسلام کا غلبہ ناگوار گذرے۔ **فائدہ:** ابن شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ دین اسلام کا غلبہ قیامت تک بڑھتا ہی چلا جائیگا اور یہ نزول عیسیٰ اور آمد امام مہدی کے وقت میں اس کی تکمیل ہوگی۔

حدیث شریف :حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں سے اتریں گے۔ اس وقت سب دین مٹ جائیں گے۔ صرف دین اسلام رہ جائے گا (رواہ حاکم واحمد)۔ **فائدہ:** بعض علماء فرماتے ہیں کہ دین اسلام کا غلبہ امام مہدی کے ظہور کے وقت ہوگا کہ تمام لوگ دین اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ ایک **حدیث** کے آخری الفاظ ہیں کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور حضرت امام مہدی علیہ السلام کی نصرت وامداد کے لئے ہوگا (رواہ ابن ماجہ)۔ امام مہدی حضور ﷺ کی اولاد سے ہونگے۔ ماں کا نام آمنہ اور والد کا نام عبداللہ ہوگا۔ لہٰذا ہر آدمی امام مہدی نہیں ہوسکتا۔ نہ عیسیٰ بن سکتا ہے۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کا نام مریم ہے۔ (**فائدہ:** عیسیٰ اور امام مہدی بننے کی بہت لوگوں نے کوشش کی مگر ماں باپ کا نام فٹ نہ ہونے سے بیچارے رہ گئے)۔



(آیت نمبر ۳۴) اے مسلمانو بہت سارے یہود کے علماء اور نصاریٰ کے پادری ایسے ہیں جو لوگوں کے مال ناجائز طریقے سے کھاتے ہیں۔ یعنی احکام خداوندی میں لوگوں کی مرضی کے مطابق تغیر تبدل کر کے رشوت لیتے ہیں۔ اور اسے اللہ کی مراد ظاہر کرتے ہیں۔ یعنی لوگوں کو کہتے ہیں کہ یہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

فائدہ: یہی حال دور حاضر کے کچھ مفتیوں کا ہے۔ پیسے لیکر فتوی لکھ دیتے ہیں خواہ وہ فتوی شریعت کے خلاف ہو۔ اللہ تعالیٰ ایسے مفتیوں کو جو مال کی خاطر حکم الٰہی کے خلاف کرتے ہیں ذلیل کرے۔

فائدہ: چونکہ زیادہ تر مال کھانے اور پینے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے مال لینے کو کھانے سے تعبیر کیا گیا اور دوسرا کام یہ کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ (دین اسلام) سے روکتے ہیں۔ اور تیسرا کام یہ کہ وہ سونے اور چاندی کے خزانے جمع کرتے ہیں۔ اور اس میں سے اللہ کی راہ میں کچھ بھی خرچ نہیں کرتے۔ یعنی اس مال میں سے اللہ کے حق (زکوٰۃ) ادا نہیں کرتے۔ نہ صدقہ خیرات کرتے ہیں۔

حدیث شریف: دوسو دراہم چاندی سے پانچ درہم اور بیس مثقال سونے سے آدھا مثقال اللہ کی راہ میں دیا جائے۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری اور فتاویٰ مہدیہ)۔ **فائدہ**: مال میں زکوٰۃ کی جب شرائط پائی جائیں۔ اس وقت زکوٰۃ ادا کرنا ازحد ضروری ہے۔

فائدہ: اس سے تمام مال خرچ کرنا مراد نہیں ہے۔ آگے فرمایا کہ ایسے لوگوں کو جن کی صفات مذکور ہوئیں کہ وہ حرام مال کھاتے ہیں۔ لوگوں کو دین اسلام قبول کرنے سے روکتے ہیں اور سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور ان سے زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔ انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں۔ وعید کی جگہ بشارت کا لفظ تہکم کے طور پر بولا گیا ہے۔

يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ

جس دن گرم کیا جائیگا اس پر آگ میں جہنم کی پھر داغا جائیگا اس سے ان کی پیشانیوں اور پہلوؤں کو

وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾

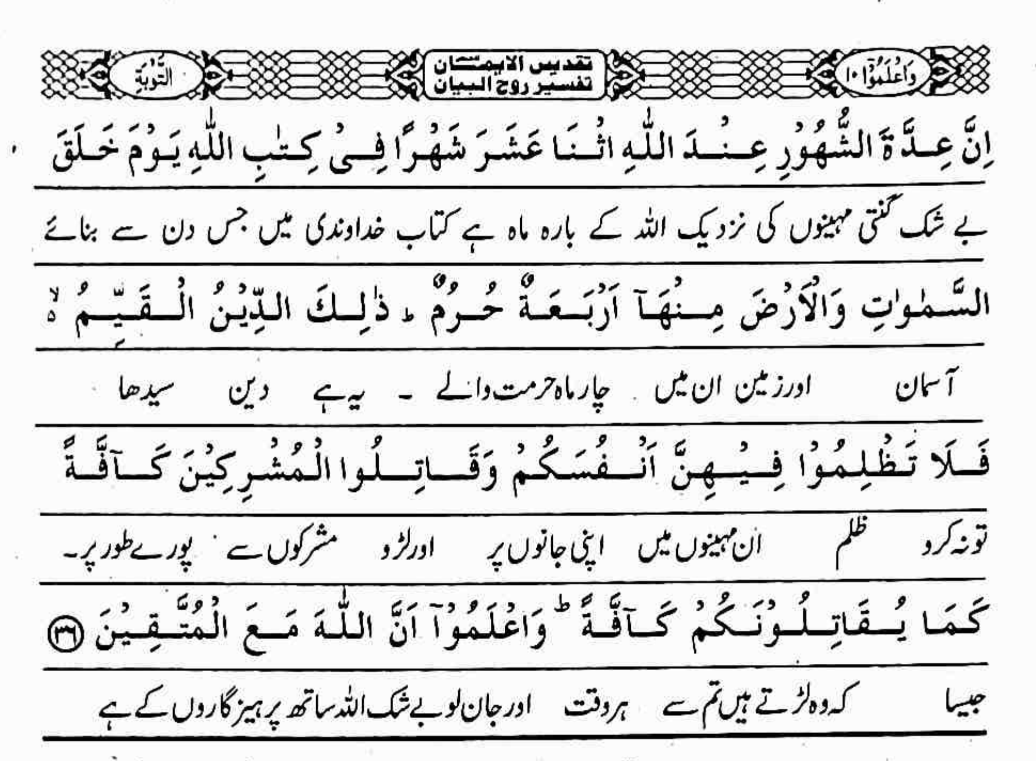
اور پیٹھوں کو یہ ہے جسے جوڑ جوڑ کر تم رکھتے اپنے لئے اب چکھو جو تھے تم جمع کرکے رکھتے

(آیت نمبر ۳۵) اس دن یعنی قیامت کو وہی درہم ودینار سخت گرم آگ پر گرم کئے جائیں گے اور گرم گرم سے ان کی پیشانیاں اور ان کی گردنیں اور پیٹھیں داغی جائیں گی۔

نکتہ: پیشانی اس لئے کہ جب دولتمند کسی فقیر کو دیکھتا تو پیشانی پر تیور چڑھالیتا تھا اور اگر فقیر نے اس سے کچھ مانگ لیا تو یہ تکبر سے پہلو پھیر لیتا اور اگر پھر سوال کرتا تو پیٹھ پھیر کر چل دیتا تھا۔ اکثر مالداروں کی یہی تین حالتیں ہیں جن کو بیان کیا گیا۔ اس لئے ان تینوں جگہوں کو خصوصیت سے عذاب دیا جائیگا۔ جب ان تین مقامات کو داغا جائیگا اور وہ درد سے چیخیں چلائیں گے تو انہیں یہ بتایا جائیگا کہ اس داغنے کا تکلیف سے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ یہ وہی سونا چاندی ہے جسے تم نے جمع کررکھا تھا کہ تمہیں فائدہ ہو۔ وہی عذاب کا سبب بن گیا۔ لہذا اس ذخیرہ اندوزی کا عذاب چکھو۔

زکوٰۃ نہ دینے کی سزا: جولوگ اپنے مال سے زکوٰۃ ادانہیں کرتے۔ بروز قیامت اسی مال کو آگ پر گرم کرکے اس کے بدن کو داغا جائیگا۔ اور یہ سلسلہ پچاس ہزار سال کے پورے عرصے میں ہوتا رہے گا۔ اسی طرح اگر جانور اونٹ بکریاں جمع کیں۔ اور ان سے زکوٰۃ ادانہیں کی تو اس قیامت کے پورے دن میں اسے لٹا کر جانور اس پر سے گذارے جائیں گے۔ اونٹ اچھل کود کر روندتے ہوئے اس پر گذریں گے اور بھیڑ بکریاں یا بیل اس کو سینگوں سے مارتے اور لتاڑتے گذریں گے۔ ایک دفعہ گذریں گے۔ پھر دوبارہ شروع ہوجائیں گے۔ حساب وکتاب کے ختم ہونے تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

نکتہ: مال کی نعمت کا شکرانہ زکوٰۃ ہے۔ جیسے بدن کی صحت کا شکرانہ نماز ہے۔ یا روزہ ہے۔ جسم اور مال دونوں کا شکرانہ حج ہے۔ **ایک نسخہ:** بدن انسانی میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں۔ ان سب کی طرف سے صدقہ دینا ضروری ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ سبحان اللہ کہنا بھی صدقہ، الحمدللہ کہنا یا لا الہ الا اللہ کہنا۔ نیکی کا حکم دینا برائی سے روکنا یہ سب صدقہ ہے۔ اور حضور ﷺ نے فرمایا نماز چاشت پڑھنے سے بھی وہ صدقہ ادا ہوجاتا ہے۔ (زکوٰۃ وصدقات کے مزید مسائل وفضائل اصل کتاب میں دیکھ لیں) یا فیوض الرحمان کا مطالعہ کرلیں۔



اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ

بے شک گنتی مہینوں کی نزدیک اللہ کے بارہ ماہ ہے کتاب خداوندی میں جس دن سے بنائے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ۬

آسمان اورزمین ان میں چار ماہ حرمت والے ۔ یہ ہے دین سیدھا

فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً

تو نہ کرو ظلم ان مہینوں میں اپنی جانوں پر اورلڑو مشرکوں سے پورے طور پر۔

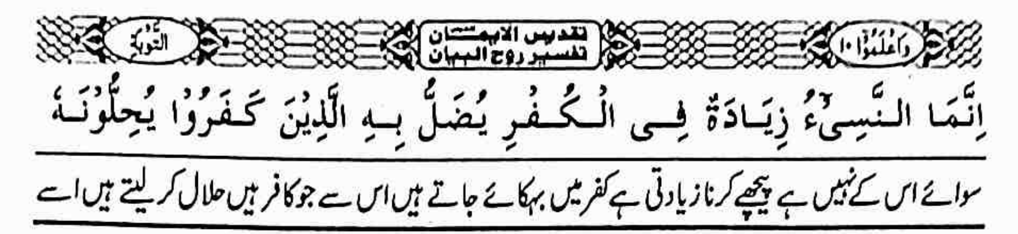
كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۶﴾

جیسا کہ وہ لڑتے ہیں تم سے ہروقت اور جان لو بے شک اللہ ساتھ پرہیزگاروں کے ہے

(آیت نمبر ۳۶) بے شک مہینوں کی گنتی۔ یہاں سے قمری مہینے مراد ہیں۔قمری مہینہ کبھی انتیس کا کبھی تیس کا ہوتا ہے۔(چاند نظر آنے پر مہینے کی ابتدا ہو جاتی ہے۔)

فائدہ: چونکہ اہل عرب کا سال قمری لحاظ سے ہوتا ہے۔قمر کا معنی چاند ہے۔(یعنی چاند کی تاریخیں) اس لئے مسلمان دینی تمام معاملات جیسے حج زکوٰۃ اور روزے وغیرہ قمری حساب سے انجام دیتے ہیں۔اس لئے حج یا رمضان کبھی سردیوں میں کبھی گرمیوں میں آتے ہیں۔ کہ اسلامی سال چھوٹا ہے اور شمسی سال بڑا ہے۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مہینے بارہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کتاب لوح محفوظ میں لکھے جا چکے ہیں۔اور یہ آج سے مقرر نہیں ہوئے۔ بلکہ جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان بنائے اس وقت سے چلے آ رہے ہیں۔ کیونکہ چاند اور سورج کو آسمان میں چلا کر دنیا کو روشن فرمایا۔اب یہ مہینے نہ بارہ سے بڑھ سکتے ہیں نہ گھٹ سکتے ہیں۔ان کا پہلا ماہ محرم اور آخری ذوالحج۔

آگے فرمایا کہ ان مہینوں میں چار مہینے حرمت والے ہیں: (۱) رجب۔ (۲) ذی قعد۔ (۳) ذوالحج۔ (۴) محرم۔ یہ وہ چار ماہ ہیں کہ جن میں لڑائی اور جنگ اور مار کٹائی حرام ہے۔ یا یہ چاروں ماہ حرمت والے ہیں۔ جیسے کچھ دن حرمت والے ہیں۔ جیسے جمعہ یا یوم عرفہ یا عیدین۔ اسی طرح ماہ رمضان کو باقی تمام مہینوں پر فضیلت حاصل ہے۔اسی طرح بعض ساعات افضل ہیں۔ جیسے اوقات نماز۔ یا بعض راتیں دوسری راتوں سے افضل ہیں۔ جیسے لیلۃ القدر۔ لیلۃ البراۃ یا لیلۃ المعراج بہت افضل ہیں۔اسی طرح بعض جگہیں افضل ہیں۔ جیسے کعبہ شریف۔



إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ

سوائے اس کے نہیں ہے پیچھے کرنا زیادتی ہے کفر میں بہکائے جاتے ہیں اس سے جو کافر ہیں حلال کر لیتے ہیں اسے

(بقیہ آیت نمبر ۳۶) **فائدہ**: خلاصہ کلام یہ ہے کہ جسے بھی عزت و حرمت ملی۔ وہ کسی وجہ اور سبب سے ملی ہے۔ مثلاً رمضان کو فضیلت قرآن کی وجہ سے۔ ربیع الاول کو حضور ﷺ کے میلاد کی وجہ سے۔ ذوالحج کو اس لئے کہ اس میں حج پڑھا جاتا ہے۔

آگے فرمایا کہ ان چار مہینوں کی عزت و حرمت کرو۔ یہ دین سیدھا ہے کہ جس پر انبیاء کرام علیہم السلام چلے جیسے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد۔ گویا اہل عرب کو یہ دین ابراہیمی وراثت میں ملا۔ جو ان مقررہ مہینوں کی عزت کا خیال رکھتے ہیں۔ لہٰذا اے مسلمانو تم ان مہینوں کی ہتک کر کے یا ان مہینوں میں کوئی گناہ وغیرہ کر کے اپنے آپ پر ظلم نہ کر لینا۔

فائدہ: جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اب ان چار مہینوں میں جنگ و جدال کی حرمت منسوخ ہوگئی ہے۔ یعنی ان مہینوں کی عزت و حرمت برقرار ہے۔ صرف جنگ کا حکم منسوخ ہے۔ اس لئے فرمایا۔ اب مکمل طور پر مشرکین سے لڑو۔ اور آپس میں متحد ہو کر مشرکین کا قلعہ قمع کرو۔ جو کسی عذر کی وجہ سے جنگ میں شریک نہیں ہو سکے۔ وہ جنگ میں شریک ہونے والوں کیلئے اللہ کے حضور گڑگڑا کر کامیابی کی دعا کریں۔ یہ بھی بہت بڑا ہتھیار ہے اور افضل الاعمال ہے۔ دعا کرنے سے گویا وہ جنگ میں معنوی طور پر شریک ہیں۔ آگے فرمایا کہ مشرکوں سے ایسے جنگ کرو جیسے وہ اکٹھے ہو کر تم سے لڑتے ہیں اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کے ساتھ ہے۔ یعنی مشرکوں سے جنگ کرنے والے متقی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے۔ اور پھر کامیابی ان ہی لوگوں کو حاصل ہوگی۔

فائدہ: گویا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے وعدہ فرما رہا ہے۔ بلکہ ضمانت دے رہا ہے کہ اگر تم تقویٰ اختیار کرو گے تو تمہیں لازماً فتح و نصرت حاصل ہوگی اور تجربہ اس بات کا شاہد ہے کہ مجاہدین کا تقویٰ بسا اوقات وہ کام کر جاتا ہے کہ جو کام تیر و تلوار نہیں کر سکتے۔ (مشہور واقعہ سننے میں آیا کہ ایک جنگ میں مسلمان نماز سے پہلے مسواک کر رہے تھے۔ کفار یہ دیکھ کر اس لئے بھاگ گئے کہ شاید مسلمانوں کا پروگرام ہمیں چبانے کا ہے)۔

(آیت نمبر ۳۷) ان مہینوں کا آگے پیچھے کر دینا کفر میں اور زیادتی کرنا ہے۔ دور جاہلیت میں اہل عرب اپنی جنگ کو طول دینے کیلئے ماہ حرام کسی اور ماہ کو بنا لیتے اور اصلی ماہ حرام میں اپنی جنگ جاری رکھتے اور جب جنگ ختم کرتے۔ ان مہینوں میں سے کسی ماہ کا وہ نام رکھ کر اس کو قابل تحریم بنا لیتے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کو حلال اور حلال کو حرام کر لیتے۔ اور اس ماہ کو ماہ حرام کے طور پر منا لیتے۔

عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِئُوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ

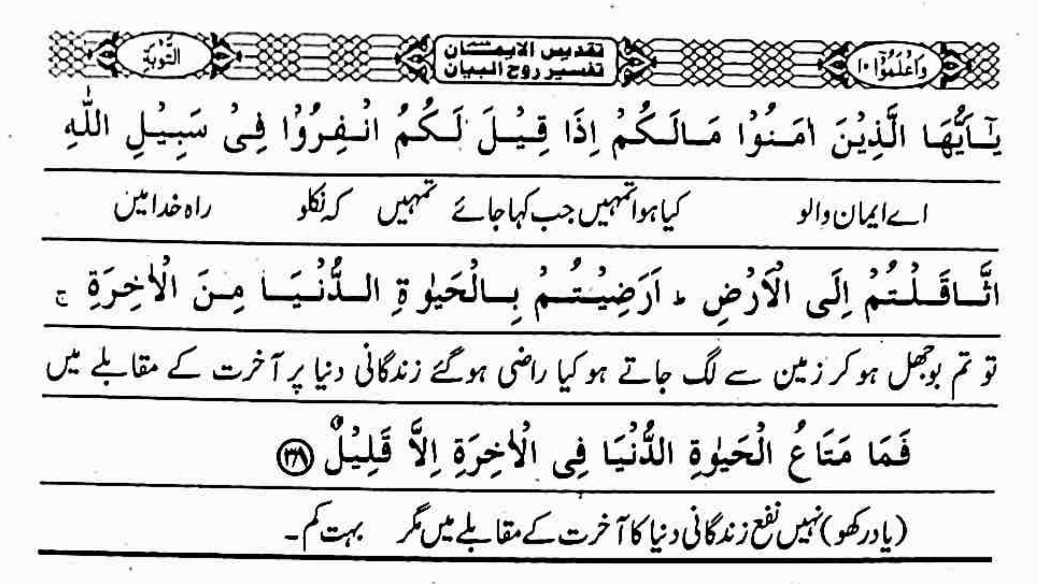
ایک سال اور حرام کر لیتے ہیں دوسرے سال تا کہ برابر رہے گنتی جو حرام کیا اللہ نے پھر حلال کر لیں جو حرام کیا

اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ع ﴿۳۷﴾

اللہ نے بھلے لگے ان کو برے کام ان کے اور اللہ نہیں ہدایت دیتا ہے قوم کافر کو

امام کاشفی فرماتے ہیں کہ ان کا چونکہ اور شغل ہی کوئی نہیں تھا۔ لہذا جیسے اور چیزوں میں حلال وحرام مرضی سے ٹھہرالیا ایسے ہی ان مہینوں میں جس ماہ کو چاہا اسے ماہ حرام بنالیا۔ جس میں چاہا جنگ وجدال شروع کر دیا۔ یعنی سال میں چار ماہ جو حرمت والے تھے۔ ان میں جنگ کر لیتے پھر سال میں چار ماہ وہ کوئی بھی اپنی مرضی سے مقرر کر لیتے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک ماہ کو دوسرے ماہ کی جگہ لے آنا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی حدوں میں تجاوز ہے۔ اس لئے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کو حلال اور حلال کو حرام کرنا ہے اور یہ واضح طور پر کفر ہے بلکہ کفر پر مزید کفر ہے۔ یعنی کافر تو پہلے ہی تھے اب کفر میں مزید اضافہ کر لیا ہے۔ اس قسم کی باتوں سے گمراہ در گمراہ ہوتے جاتے ہیں۔ وہ لوگ جو کافر ہیں۔ وہ اپنے لیڈروں کی اتباع کر کے مزید گمراہ ہو جاتے ہیں۔ یا شیطان انہیں گمراہ سے گمراہ تر بناتا ہے کہ ایک سال میں ایک ماہ کو حلال گردانتے ہیں اور اگلے سال اسی ماہ کو حرمت والا بنا کر جنگ وجدال سے رک جاتے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرا لیتے ہیں۔ وہ اپنے خیالات میں اس کا نام موافقت رکھتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے ٹوٹل پورا کر دیا ہے۔ یعنی چار ماہ حرمت والے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ گنتی برابر ہوگئی ہے۔ گویا حیلہ سازی سے اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی موافقت کرنے کی کوشش کی لیکن یہ نہیں سمجھے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال بنایا۔ تعمیل حکم کے بجائے نافرمانی کی۔ چونکہ شیطان نے ان کے برے اعمال انہیں خوبصورت کر کے دکھائے۔ جو ان کی مرضی کے مطابق تھے تو اللہ تعالیٰ ایسے کافروں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ یعنی جب وہ خود ہی گمراہی کے گڑھے میں گر کر اپنا غلط راستہ خود اختیار کرتے ہیں تو وہ منزل مقصود کیسے پا سکتے ہیں۔

فائدہ : علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کافر چار ماہ بدل کے ہی سہی۔ ان میں اللہ کے حکم کی نافرمانی سے باز آ جاتے تھے۔ اب ہمارے دور میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک مہینہ رمضان کا دیا ہم اس ماہ کا بھی لحاظ نہیں کرتے۔ ہم کھلے عام برائیوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ بعض بے حیا برسر بازار کھانے پینے میں لگ جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ہدایت دے اور دین پر استقامت نصیب فرمائے۔



يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اے ایمان والو کیا ہوا تمہیں جب کہا جائے تمہیں کہ نکلو راہ خدا میں

اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ

تو تم بوجھل ہو کر زمین سے لگ جاتے ہو کیا راضی ہوگئے زندگانی دنیا پر آخرت کے مقابلے میں

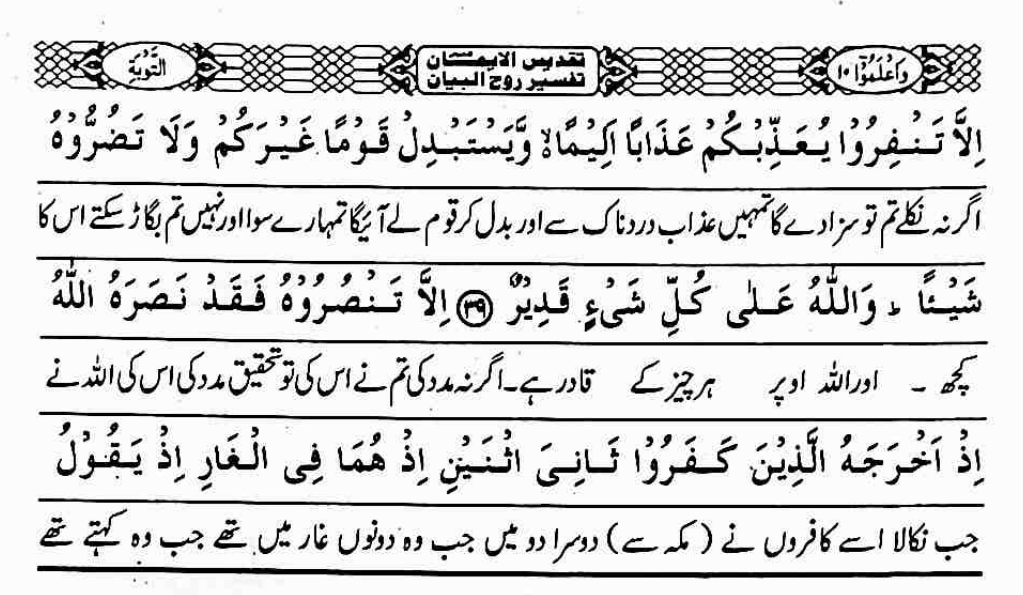
فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾

(یاد رکھو) نہیں نفع زندگانی دنیا کا آخرت کے مقابلے میں مگر بہت کم۔

(آیت نمبر ۳۸) اے ایمان والو تمہیں کیا ہوا کہ جب تمہیں کہا جائے کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلو (جہاد کیلئے) تو تم بوجھل دل کے ساتھ زمین سے لگ جاتے ہو۔

شان نزول : مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فتح مکہ کے بعد ہوازن وثقیف اور حنین کو فتح فرمایا۔ پھر طائف کا محاصرہ کیا اس کے بعد جعرانہ سے احرام باندھ کر عمرہ ادا فرمایا۔ پھر آپ مدینہ شریف میں آ گئے۔ کچھ ہی عرصہ بعد ۹ ھ رجب کے ماہ میں معلوم ہوا کہ رومیوں نے بڑے پیانے پر مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کی تیاری شروع کردی۔ بلکہ مقام بلقاء تک پہنچ آئے ہیں اور مسلمان ابھی سوچ و بچار ہی کر رہے تھے اور وہ موقع بھی بڑا عجیب تھا۔

امتحان : اس وقت ایک تو گرمی سخت تھی۔ دوسرا پھل پکنے میں چند دن تھے۔ جس پر سارے سال کا گذران بھی تھا اور سفر بھی کافی لمبا تھا۔ ان وجوہات کی بناء پر بعض لوگ ڈھیلے پڑ گئے۔ تو فرمایا گیا کہ کس سبب سے تم رک گئے۔ کیا تم دنیا اور خواہشات نفسانی پر جھک گئے۔ دنیا کی تمام نعمتیں عارضی اور فانی ہیں اور جہاد تو دائمی راحتوں اور مسرتوں کا باعث ہے تو کیا تم دنیا کی زندگی اور ان باغات ومحلات پر خوش ہوگئے اور آخرت کی نعمتوں کو چھوڑ دیا۔ حالانکہ دنیا کی زندگی اور اس کی لذتیں آخرت کے مقابلے میں بہت تھوڑی اور حقیر ہیں۔ جیسے قطرے کو سمندر سے کوئی نسبت نہیں ایسے فانی کو باقی سے کیا جوڑ ہے۔ (اس اعلان کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مالی اور جانی جہاد میں قیامت تک آنے والوں کیلئے مثال قائم کردی۔ آج لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن کرتے ہیں۔ پہلے اپنے اندر جھانک کر دیکھیں ہم نے اسلام کو کیا دیا۔ پھر ان لوگوں کے متعلق بات کریں جنہوں نے سب کچھ اسلام پر قربان کیا۔ خدانخواستہ اگر یہ لوگ وہاں ہوتے تو یہ ہنڈرڈ پرسنٹ منافقوں کے ساتھ ہوتے۔)



اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ

اگر نہ نکلے تم تو سزا دے گا تمہیں عذاب دردناک سے اور بدل کر قوم لے آئیگا تمہارے سوا اور نہیں تم بگاڑ سکتے اس کا

شَيْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٣٩﴾ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ

کچھ ۔ اور اللہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے۔ اگر نہ مدد کی تم نے اس کی تو تحقیق مدد کی اس کی اللہ نے

اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ

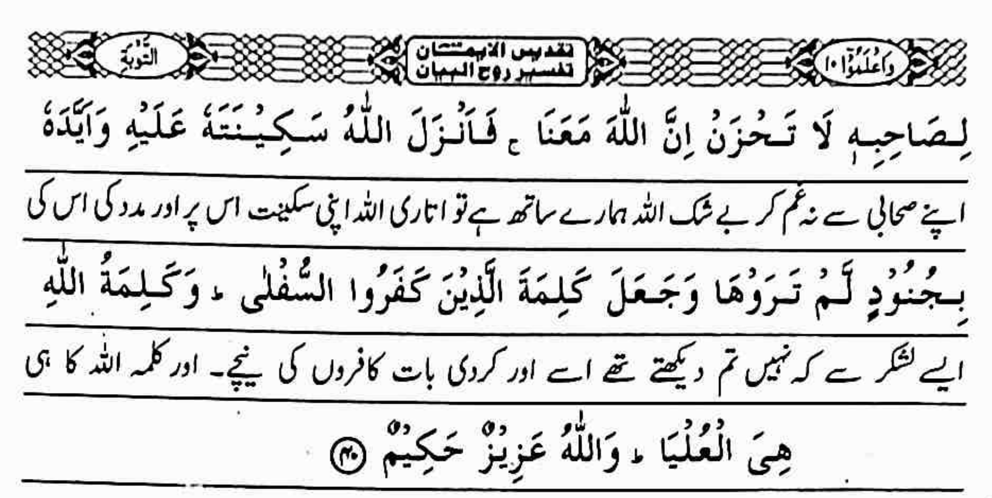
جب نکالا اسے کافروں نے (مکہ سے) دوسرا دو میں جب وہ دونوں غار میں تھے جب وہ کہتے تھے

(آیت نمبر ۳۹) یہ یاد رکھو۔ اب اگر جہاد کیلئے تم نہ نکلے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ایسا دردناک عذاب دے گا جو تمہارے جسم اور دلوں کو گھیر کر تمہیں تباہ و برباد کر دے گا۔ یا قحط سالی اور دشمن کے غلبہ سے ہلاک کر دے گا اور تمہارے بجائے ایک اور قوم کو لے آئیگا یعنی اللہ تعالیٰ اپنے ایسے فرمانبردار بندے لے آئے گا جو آخرت کو دنیا پر ترجیح دیں گے اور یاد رکھو تم جہاد نہ کر کے اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں دے سکتے کیونکہ وہ تو ہر چیز سے بے پرواہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ یعنی وہ تمہیں ہلاک کرنے اور تمہاری جگہ دوسری قوم لانے پر قادر ہے۔

فائدہ: بے کار بیٹھنے سے انسان کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ لہذا انسان پر لازم ہے کہ دینی کاموں میں مشغول رہے دنیوی کاموں میں صرف رزق حلال کمانے میں مشغول ہو اور باقی وقت اخروی امور کیلئے اعمال صالحہ میں مشغول رہے۔ **فائدہ**: حرکت میں برکت ہے۔ لہذا انسان کو چاہئے کہ وہ متحرک رہے۔ **حدیث شریف**: میں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ جہاد کے لئے صبح یا شام کو نکلنا دنیا کی تمام نعمتوں سے افضل ہے (بخاری شریف اور مسلم شریف)۔ اس لئے کہ دنیا کی تمام نعمتیں فانی ہیں اور آخرت کی نعمتیں ہمیشہ کیلئے باقی ہیں۔

سبق: عقل مند وہی ہے جو اپنی زندگی اطاعت الٰہی میں بسر کرے اور اس سے مقصد صرف رضاء الٰہی ہو اور اس کیلئے خوب محنت کرے انشاء اللہ کامیاب ہوگا۔

(آیت نمبر ۴۰) اے مسلمانو۔ اگر تم میرے رسول کی مدد کیلئے نہ نکلے اور تبوک نہ گئے تو اس سے کیا فرق پڑے گا۔ یاد رکھو۔ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے رسول کی مدد اس سے پہلے بھی کی اور اب بھی مدد فرمائے گا۔ جیسے وہ وقت یاد کرو۔ جب کافروں نے مکہ سے انہیں نکالا۔ اگرچہ ہجرت کا حکم تو من جانب اللہ تھا۔ لیکن اس کا سبب کفار بنے۔



لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ

اپنے صحابی سے نہ غم کر بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اتاری اللہ اپنی سکینت اس پر اور مدد کی اس کی

بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ

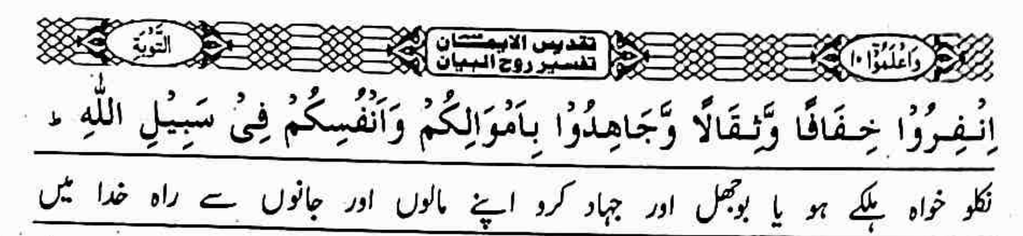
ایسے لشکر سے کہ نہیں تم دیکھتے تھے اسے اور کردی بات کافروں کی نیچے۔ اور کلمہ اللہ کا ہی

هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾

بلند ہوا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۴۰) **فائدہ:** اس موقع پر کفار نے حضور ﷺ کو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مارنا (قتل) چاہتے تھے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے دارالندوہ میں ٹاپ کلاس کے غنڈے اور چوٹی کے کافروں کو جمع کر کے میٹنگ کی۔ جس میں ابلیس خاص طور پر شریک ہوا۔ اسے پوچھا گیا آپ کون ہیں۔ تو اس نے کہا میں نجد کا شیخ ہوں۔ خصوصی طور پر میں اس میٹنگ میں شرکت کیلئے آیا ہوں۔ بالآخر طے پایا کہ حضور ﷺ کو قتل کیا جائے۔ اس پر شیطان نے مہر تصدیق ثبت کی۔ پھر رات کو حضور کے گھر کا تمام کافروں نے محاصرہ کیا کہ جوں ہی باہر نکلیں گے۔ ہم انہیں قتل کر دیں گے۔ ان کی تعداد سو سے زیادہ تھی۔ حضور ﷺ سورۂ یاسین تلاوت کرتے ہوئے ان کے درمیان سے نکل گئے اور اپنے بستر پر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو لٹا دیا اور جناب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیکر غار ثور تک گئے کفار نے حضور ﷺ کا غار ثور تک پیچھا بھی کیا۔ مگر ان کے تمام مکر وفریب اللہ تعالیٰ نے خاک میں ملا دیئے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ وہ واقعہ بتا کر فرماتا ہے۔ کہ میں اگر ان سو کافروں کے گروہ سے اپنے محبوب کو بچا سکتا ہوں۔ تو میں ہزاروں سے بھی بچا سکتا ہوں۔ آگے فرمایا کہ وہ وقت یاد کرو جب دونوں غار میں تھے تو دو میں سے دوسرے نے کہا یعنی جب حضور ﷺ اپنے صحابی ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرما رہے تھے۔ غم نہ کر بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے وہ ہماری مدد فرمائے گا۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت خاص سے سکینہ اتاری کہ جس سے قلب کو سکون ملا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو قوت بخشی ایسے لشکر کے ذریعے کہ جنہیں وہ نہیں دیکھ رہے تھے اور کافروں کی بات کو رب تعالیٰ نے نیچے کر دیا اور انہیں مغلوب کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی بات ہی اونچی رہی۔ یعنی شرک ہمیشہ کیلئے ذلیل ہوا اور کلمہ توحید ہمیشہ کیلئے بلند ہوا اور اللہ تعالیٰ ہی غالب حکمت والا ہے۔



انْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ

نکلو خواہ ہلکے ہو یا بوجھل اور جہاد کرو اپنے مالوں اور جانوں سے راہ خدا میں

ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

یہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر ہوتم جانتے

(آیت نمبر ۴۱) اے مسلمانو۔ تبوک کی طرف نکل پڑو۔ خواہ ہلکے ہو یا بوجھل۔ جوان ہو یا بوڑھے۔ بیمار ہو یا تندرست۔ سوار ہو یا پیدل جنگی سامان ہے یا نہیں۔ الغرض غزوۂ تبوک تک ہر ایک کو جانا ہوگا اور ہر حال میں وہاں پہنچو۔ یہاں تک کہ نابینا صحابی عبداللہ بن ام مکتوم بھی اجازت لیکر ساتھ ہو گئے۔ لیکن اللہ نے حکم نازل فرمایا کہ نابینا آدمی جنگ میں حاضر نہ ہوتو بھی کوئی حرج نہیں۔

آگے فرمایا کہ تم مالوں اور جانوں سے جہاد کرو۔ یہی جہاد سب سے افضل واعلیٰ ہے۔

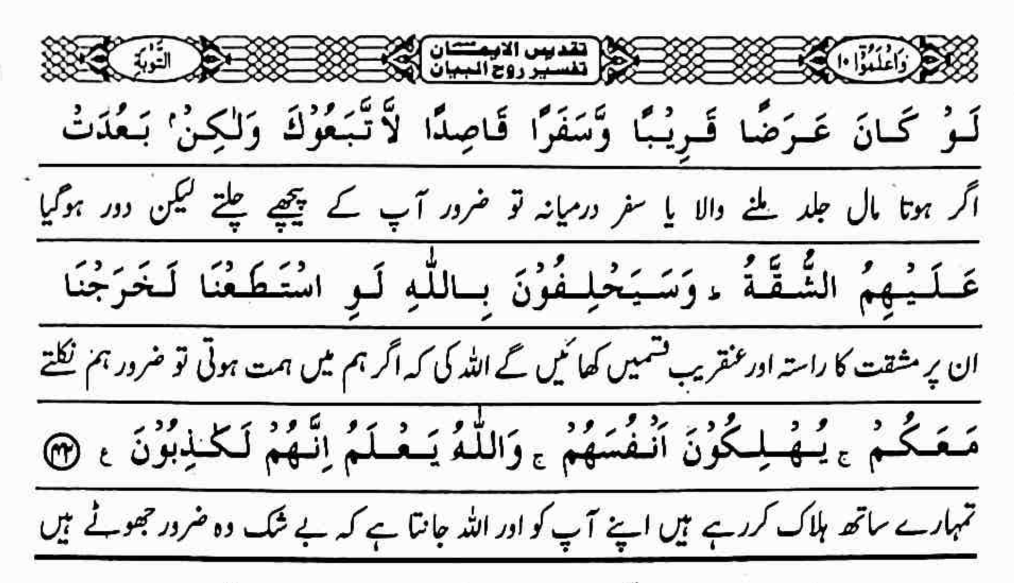
فائدہ :علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ سبیل اللہ سے مراد یہ لیتے ہیں کہ جو راستہ جنت تک یا قرب الٰہی یا رضاء الٰہی تک پہنچاتا ہو۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اس میں دنیوی کوئی غرض ولالچ نہ ہو۔ **حدیث شریف** :حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سب سے افضل لوگ کون سے ہیں۔ تو فرمایا کہ جو جان اور مال سے جہاد کرتے ہیں۔ (بخاری شریف)

آگے فرمایا کہ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ یعنی جہاد پر جانا نہ جانے سے کہیں بہتر ہے۔

فائدہ :اس جہاد سے دنیوی بہتری یہ ہے کہ فتح ونصرت اور دشمن پر غلبہ رہے گا۔ دشمن کے علاقوں پر قبضہ اور مال غنیمت ملے گا اور آخرت میں بے حساب اجر وثواب اور جنت ملے گی۔

آگے فرمایا کہ تم جان لو کہ اس جہاد میں دارین کی بھلائی نصیب ہوتی ہے۔

حضرت ابوطلحہ کا جذبہ جہاد: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بچوں سے ایک دن فرمایا کہ میرا جنگی سامان تیار کرو۔ میں جنگ میں جانا چاہتا ہوں۔ بچوں نے کہا کہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پھر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں کئی جنگیں لڑیں۔ ابھی تک آپ کا جہاد سے جی نہیں بھرا۔ اب آپ بوڑھے ہوگئے ہیں۔ اب آرام کریں۔ بہرحال آپ تیار ہو کر جنگ پر چلے گئے۔ کشتی پر سوار ہوئے کہ فوراً موت آ گئی۔ سات دن تک کشتی میں لاش رہی۔ نہ خراب ہوئی نہ بدبو پیدا ہوئی۔ ساتویں دن کنارے پر پہنچے اور وہیں دفن ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی ان پر لاکھوں رحمتیں ہوں۔ کس قدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جذبہ جہاد تھا۔ کہ بڑھاپے میں بھی ختم نہیں ہوا۔



لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ

اگر ہوتا مال جلد ملنے والا یا سفر درمیانہ تو ضرور آپ کے پیچھے چلتے لیکن دور ہوگیا

عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا

ان پر مشقت کا راستہ اور عنقریب قسمیں کھائیں گے اللہ کی کہ اگر ہم میں ہمت ہوتی تو ضرور ہم نکلتے

مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ؏ ﴿۴۲﴾

تمہارے ساتھ ہلاک کررہے ہیں اپنے آپ کو اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۴۱) **انبیاء واولیاء کی شان:** مذکور واقعہ لکھنے کے بعد علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انبیاء، اولیاء اور شہداء کے پاک جسم زمین میں خراب ہو کر متغیر نہیں ہوتے۔ نہ ان کے پاک جسموں سے عفونت بدبو وغیرہ آتی ہے۔ نہ وہ پھٹتے ہیں۔ ان کے روح بدن کیلئے اکسیر کا حکم رکھتے ہیں۔

(آیت نمبر ۴۲) اگر مال جلد حاصل ہوتا یا سفر درمیانہ ہوتا پھر تو یہ لوگ ضرور آپ کے پیچھے چلتے۔

شانِ نزول: غزوۂ تبوک کے اعلان پر لوگ تین گروہ ہوگئے۔ (۱) پکے سچے تو حکم سنتے ہی تیار ہوگئے اور حضور ﷺ کے ساتھ چل پڑے (۲) ڈھیلے اور کمزور مسلمان پس و پیش کرنے لگے کل جائیں گے پرسوں چلے جائیں گے۔ (۳) منافق قسم کے لوگ غیر معقول عذر بنا کر جہاد پر جانے سے رک گئے۔

یہ آیت ان ہی کے حق میں نازل ہوئی کہ انہیں اگر مال غنیمت ملنے والا ہوتا یا کم از کم سفر ہی تھوڑا ہوتا۔ پھر تو مال کی لالچ میں ضرور ساتھ چل پڑتے۔ لیکن اب مسافت کی مشقت دیکھ کر کئی طرح کے بہانے بنارہے ہیں اور میرے محبوب عنقریب جب آپ اس جنگ سے واپس آئیں گے تو یہی لوگ جھوٹی قسمیں کھا کر یہ کہیں گے کہ اگر ہمیں جنگ کا طریقہ آتا۔ یا ہمارے پاس جنگی سامان ہوتا یا صحت وغیرہ ہوتی تو ہم تمہارے ساتھ جنگ پر جانے کیلئے ضرور نکل جاتے۔ لیکن وہ جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے آپ کو ہلاک کرتے ہیں۔ جھوٹی قسموں والا ہمیشہ تباہ ہوتا ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جھوٹی قسم علاقوں کو ویران کردیتی ہے۔ (الکافی وعقاب الاعمال) یعنی جو بندہ دنیا کے مال حاصل کرنے کیلئے جھوٹی قسم کھائے۔ اسے ذلت وخواری کا سامنا کرنا پڑے گا۔ نہ اس کے پاس مال رہے گا۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا

معاف کیا اللہ نے آپ کو کیوں اجازت دی آپ نے ان کو جب تک کہ واضح نہ ہوا آپ کیلئے وہ جو سچے ہیں

وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾

اور آپ جان لیتے جھوٹوں کو بھی

(بقیہ آیت نمبر۴۲) نہ جاہ وجلال رہتا ہے۔ اور کچھ نہ ہو تو اس کے کاروبار میں برکات ختم ہو جاتی ہیں جو کچھ کمائے گا۔ اس سے نہ دنیوی نفع نہ اخروی نفع پائے گا۔

آگے فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ منافق پکے جھوٹے ہیں جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمیں طاقت نہیں یا جنگ کا طریقہ نہیں آتا۔ یا صحت کی خرابی کا عذر کرتے ہیں بالکل جھوٹے ہیں۔

(آیت نمبر۴۳) اللہ تعالیٰ نے آپ کو اے محبوب معاف کر دیا۔ آپ ان منافقین کو اور جھوٹے عذر بہانے والوں کو جہاد پر نہ جانے کی کیوں اجازت دیتے ہیں۔

شانِ رسول ﷺ: حضور ﷺ کا کسی کو جنگ میں شریک نہ ہونے کی اجازت دینا۔ یہ کوئی خطا نہیں ہے۔ اس کو خطا سمجھنا بھی بہت بڑی خطا ہے۔ اسے زیادہ سے زیادہ ترک اولیٰ یا خلاف اولیٰ کہہ سکتے ہیں۔ اس لئے کہ اگلا جملہ اس کی تائید کر رہا ہے کہ محبوب آپ اگر اجازت نہ دیتے تو منافقین کا حال یہاں کھل جاتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی تسلی بھی فرمادی کہ ہم نے تمہیں معاف کر دیا۔ اگلے پچھلے معاملات تو پہلے ہی معاف کر دیئے تھے۔ اب اس پر مہر لگادی (کچھ بھی کرو تمہیں معافی ہے)۔

نکتہ: "لم اذنت لهم" ڈانٹ کا کلمہ نہیں۔ جنہیں یہ نظر آتا ہے۔ انہیں "عفا الله عنك" کیوں نظر نہیں آتا۔ یہ بھی اصل میں محبت کا ایک انداز ہے۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امتی کو ایسے مقام پر خاموش رہنا چاہئے۔ (جو یہاں حرف گیریاں کر رہے ہیں گویا وہ امتی نہیں ہیں)۔ **فائدہ**: ایسی کلام سے یقین ہو جاتا ہے۔ کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ حضور کا بنایا ہوا نہیں ہے۔ آگے فرمایا کہ اے محبوب آپ ان کو اجازت نہ دیتے تو آپ پر سچے لوگوں کا حال بھی واضح ہو جاتا۔ جنہوں نے جانی مالی کمزوری کا کوئی عذر پیش نہیں کیا اور آپ جھوٹے لوگوں کو بھی جان جاتے کہ انہوں نے جھوٹے موٹے عذر بنائے ہیں۔ **فائدہ**: اب معنی یہ ہوگا کہ اے محبوب آپ انہیں اجازت بخشنے میں ذرا توقف فرماتے تاکہ منافقین کا سارا پول آپ پر کھل جاتا۔

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا

نہیں اجازت مانگیں گے آپ سے جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور روز آخرت پر کہ جہاد کریں گے

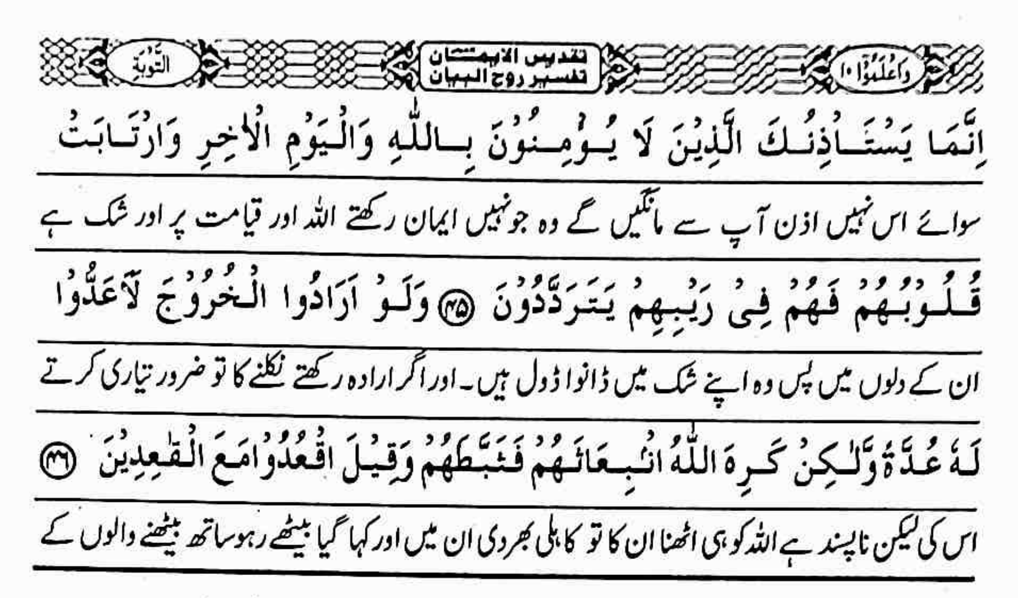
بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾

اپنے مالوں اور جانوں سے — اور اللہ جاننے والا ہے پرہیز گاروں کو

(بقیہ آیت نمبر۴۳) **فائدہ:** اس میں اشارہ ہے کہ جو بندہ دنیا کی زیب وزینت کا طالب ہے۔اسے دنیا کے اسباب وافر حاصل ہوں گے اور جو حق کا طالب اور وصل حق کا عاشق ہے۔اسے دنیا کی کوئی چیز موافق نہیں آئے گی۔ **حدیث** میں ہے کہ جنت کو دکھوں سے ڈھانپ دیا گیا اور جہنم کو خواہشات نفسانی سے ڈھانپ دیا گیا ہے۔ (مجموع الفتاویٰ) افسوس ہے کہ لوگ ہزاروں روپے خرچ کر کے جہنم کا داخلہ لے لیتے ہیں مگر ایک درہم سے جنت نہیں خریدتے۔قیامت کے دن اللہ ایک جہنمی شخص سے فرمائے گا۔کہ اگر تیرے پاس دنیا بھر کی دولت ہو۔تو میری راہ میں دے دے گا۔تو وہ کہے گا۔دے دوں گا۔تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔دنیا میں تو ایک معمولی چیز تو نے نہ دی۔اب سارا دینے کیلئے تیار ہو گیا۔ **سبق:** دانا وہی ہے جو غور وفکر کر کے افضل و برتر فعل پر عمل کرنے کی کوشش کرے۔

(آیت نمبر۴۴) وہ لوگ آپ سے جہاد میں نہ جانے کی رخصت نہیں مانگیں گے جن کا اللہ اور قیامت پر ایمان ویقین ہے۔ بلکہ وہ تو جان ومال سے جہاد کرتے ہیں۔وہ تو جہاد پر جانے کے بہانے تلاش کرتے ہیں۔عذر کر کے جہاد کیلئے نہ نکلنا اور طرح طرح کے بہانے بنانا منافقت کا یہ بہت بڑا ثبوت ہے۔ **فائدہ:** جیسے جہاد سے کترانا اور جہاد پر نہ جانے کی اجازت لینا بے ایمانی کی دلیل ہے۔اسی طرح جہاد کیلئے پوری کوشش سے جانا ایمان کی علت اور دلیل ہے۔آگے فرمایا اور اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کو جانتا ہے۔یعنی جو لوگ پورے اخلاص کے ساتھ جنگ کی تیاری کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کے متعلق گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ متقین میں سے ہیں اور ان کیلئے بہت بڑا اجر ہے۔

حضرت شقیق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو تمام دینوں پر غالب کیا تو صرف جہاد کی برکت سے جو شخص اپنے زمانے میں کسی طرح بھی جہاد میں شرکت کرتا ہے تو گویا اس نے اس سے پہلے کے تمام جہادوں میں شرکت کی۔(یاد رہے جہاد چند سر پھروں کے فساد پھیلانے کا نام نہیں جیسے آج کل دہشت گردوں نے فساد کا نام جہاد رکھا ہوا ہے۔بلکہ قوم وملت کی بقاء کیلئے بادشاہ وقت کے حکم سے جو جہاد شروع کیا جائے وہ جہاد ہے۔(آج کل جو دہشت گردوں نے پوری دنیا میں بدامنی پھیلا رکھی ہے۔یہ جہاد نہیں بلکہ نرا فساد ہے۔)



إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَارْتَابَتْ

سوائے اس نہیں اذن آپ سے مانگیں گے وہ جونہیں ایمان رکھتے اللہ اور قیامت پر اور شک ہے

قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ ﴿٤٥﴾ وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا

ان کے دلوں میں پس وہ اپنے شک میں ڈانوا ڈول ہیں۔ اور اگر ارادہ رکھتے نکلنے کا تو ضرور تیاری کرتے

لَهُ عُدَّةً وَلَٰكِنْ كَرِهَ اللَّهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيلَ اقْعُدُوا مَعَ الْقَاعِدِينَ ﴿٤٦﴾

اس کی لیکن ناپسند ہے اللہ کو ہی اٹھنا ان کا تو کاہلی بھردی ان میں اور کہا گیا بیٹھے رہو ساتھ بیٹھنے والوں کے

(آیت نمبر ۴۵) سوائے اس کے نہیں جہاد پر نہ جانے کی اجازت آپ سے وہی لوگ لیتے ہیں۔ جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ نہ قیامت پر۔ **فائدہ:** جنگ سے گریز کرنا دور نبوی میں منافقت کی علامت تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ جنگ تبوک میں نہ جانے کی اجازت مانگنے والوں کی تعداد انتالیس تھی۔

آگے فرمایا کہ ان کے دلوں میں شک ہے۔ **مسئلہ:** معلوم ہوا کہ ضروریات دین میں شک کرنے والا مومن نہیں ہوسکتا۔ آگے فرمایا کہ وہ اس شک میں حیران و پریشان ہیں۔ حق پر قائم رہنا اور ثابت قدمی دانشمندی کی علامت ہے۔ منافق کو اللہ اور اس کے رسول کے بارے ہمیشہ شک ہی رہا۔

(آیت نمبر ۴۶) اور اگر جہاد کیلئے جانے کا ان کا کوئی ارادہ ہوتا تو ضرور اس کیلئے وہ کوئی تیاری کرتے۔

فائدہ: کچھ منافقین نے حضور ﷺ سے یوں معذرت کی کہ ہمیں دیر سے علم ہوا ورنہ ہم ضرور جنگ میں شریک ہوتے لیکن اب ہم کوئی تیاری نہ کرسکے۔ اب وقت بہت کم ہے۔ اتنے کم وقت میں تیار ہونا ہمارے لئے بہت مشکل ہے۔ کیونکہ زادراہ کی ضرورت ہے۔ اسلحہ اور دیگر اشیاء اکٹھی کرنی تھوڑے وقت میں خاصا مشکل ہے۔ لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کا جہاد کیلئے نکلنا ہی ناپسند تھا۔ اس لئے کہ ان کے جنگ میں شریک ہونے میں بھی کئی قسم کے مفاسد کا احتمال تھا۔ اس لئے انہیں کہا گیا کہ اور بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ تم بھی بیٹھ جاؤ۔ جیسے اور لولے لنگڑے۔ اندھے۔ عورتیں اور بچے پیچھے رہ گئے تم بھی ان کے ساتھ رہ جاؤ۔

فائدہ: اس آیت میں معذرت کرنے والوں کی مذمت کی گئی۔ اور آگے اللہ تعالیٰ نے خود ہی کراہت کی وجہ بیان فرمادی۔ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے۔ منافق جس جہاد میں بھی گئے۔ ان کی نحوست سے مسلمانوں کو اس جہاد میں پریشانی ہی اٹھانی پڑی۔ جیسے جنگ احد میں۔

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَاوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ

اگر نکل بھی پڑتے تم میں تو نہ بڑھاتے تمہارا مگر نقصان اور ضرور ڈالتے تمہارے اندر

يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾

تلاش کر کے فتنہ فساد اور تم میں جاسوس موجود ہیں ان کے۔ اور اللہ جانتا ہے ظالموں کو۔

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ

البتہ تحقیق انہوں نے چاہا تھا فتنہ اس سے پہلے بھی اور الٹی پلٹیں آپ کیلئے کئی تدبیریں یہاں تک کہ آ گیا حق

وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور ظاہر ہوا حکم اللہ کا اور انہیں ناگوار ہوا۔

(آیت نمبر ۴۷) اور اگر وہ (منافق) تمہارے ساتھ چلے جاتے۔ تو وہ تمہارے لئے شر اور فساد کو ہی بڑھاتے۔ مثلاً وہ وہاں بزدلی دکھاتے۔ بلکہ باقی مسلمانوں کو بھی کفار سے ڈراتے۔ یا مسلمانوں کی کافروں کے سامنے چغلیاں کھاتے اور ہوسکتا ہے مسلمانوں کو ہی آپس میں لڑا دیتے جیسے انہوں نے یہ کام پہلے بھی کئی دفعہ کیا ہے اس سے دین کو بھی نقصان پہنچتا۔ فتنہ ڈالنے کے تو وہ ماسٹر ہیں۔

رد شیعہ: بعض شیعہ یہ کہتے ہیں کہ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی منافقین کے ہم نوا ہو گئے۔ یہ ان کا خیال بالکل غلط ہے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر الزام تراشی ہے۔ صحابہ پر الزام تراشی شیعہ قوم کا اہم مشغلہ ہے۔

آگے فرمایا کہ تمہارے ساتھ جا کر وہ ضرور تمہارے درمیان سواریوں کو دوڑا کر عجلت کرتے۔ اور کافروں تک تمہاری باتیں پہنچانے میں جلدی کرتے۔ اس سے ان کا مقصد تم میں فتنہ ڈالنا ہے۔ اس طرح وہ کلمہ حق میں افتراق کا موجب بنتے اور تمہارے اندر ان کے باقاعدہ چغلخور موجود ہیں۔ جو تمہاری باتیں ان تک پہنچاتے ہیں۔ اس جملے کا دوسرا معنی یہ بھی ہے کہ تم میں کچھ کمزور دل وہ بھی ہیں کہ وہ ان منافقوں کی باتیں سن کر ان پر عمل کر لیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو جاننے والا ہے۔ وہ ان کے ظاہر و باطن سب کو جانتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے ان کا ماضی حال اور مستقبل کچھ بھی چھپا نہیں اور ان کے اعمال اقوال اور احوال سب کو وہ جانتا ہے۔

(آیت نمبر ۴۸) البتہ تحقیق ان منافقین نے تو فتنہ ہی چاہا تھا۔ یعنی انہوں نے تو چاہا تھا کہ مسلمانوں کے حالات بگڑ جائیں اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ ہو جائیں۔ یعنی اس غزوۂ تبوک سے پہلے بھی انہوں نے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ

اور ان میں وہ ہے جو کہتا ہے اجازت دیں مجھے اور نہ فتنہ میں ڈالیں مجھے خبردار فتنہ میں

سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾

تو پڑ چکے اور بے شک جہنم گھیرنے والی ہے کافروں کو

(بقیہ آیت نمبر ۴۸) غزوہ احد میں یہ کردار ادا کیا تھا۔ چنانچہ منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی اپنے ساتھ تین سو منافق ساتھیوں کو لے کر جنگ احد سے بھاگ گیا تھا۔ اور حضور ﷺ کے ساتھ صرف سات سو مجاہدین رہ گئے تھے۔ اس بے ایمان ابن ابی نے اس موقع پر غداری کی اور جہاد سے واپس لوٹ گیا تھا۔ اسی طرح غزوۂ خندق کے موقع پر بھی ان لوگوں نے یہودیوں اور کفار کا بھرپور ساتھ دیا۔ ایک اور موقع پر بارہ منافقوں نے مل کر حضور ﷺ کو شہید کرنے کا پروگرام بنایا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو وقت سے پہلے ہی مطلع فرمادیا۔ اور حضور ﷺ ان کے شر سے بچ گئے۔ اس لئے آگے فرمایا کہ ان منافقوں نے آپ کیلئے طرح طرح کے حیلے کر کے آپ کے دینی معاملات کو ختم کرنے کی پوری کوشش کی۔ لیکن ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کی تائید و نصرت آ گئی اور اللہ تعالیٰ کا حکم ظاہر ہو گیا۔ یعنی دین الٰہی غالب ہوا۔ اور مسلمانوں کی عزت اور شان و شوکت میں اضافہ ہو گیا۔ اس حال میں کہ منافق اس غلبے اور سربلندی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ وہی ہوتا ہے۔

(آیت نمبر ۴۹) ان منافقوں میں سے وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہمیں اجازت دیں اور فتنہ میں نہ ڈالیں۔

شانِ نزول : یہ آیت کریمہ جد بن قیس منافق کے متعلق نازل ہوئی۔ جب اسے حضور ﷺ نے جنگ میں شریک ہونے کی دعوت دی۔ تو وہ کہنے لگا مجھے گھر ہی رہنے دیجئے اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالیں۔ اس لئے کہ وہاں روم کی حسینہ جمیلہ عورتیں ہونگی اور میں انہیں دیکھ کر ان کے حسن و جمال میں مبتلاء ہو جاؤنگا۔ میں ان کی محبت میں اور عشق میں پہلے مشہور ہوں۔ یعنی میری بدبختی کی یہ حالت ہے۔ کہ خوبصورت عورت دیکھ کر میں رہ نہیں سکتا۔

حضور ﷺ کا ارشاد: جد بن قیس کی بات سن کر حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تو عذر قبول کر لیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا عذر قبول نہیں کیا۔ لہذا اب وہ ایک بہت بڑے فتنے میں مبتلا ہوگا۔ یا یہ منافق سب فتنہ میں پڑیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ خبردار اچھی طرح جان لو۔ یہ لوگ مکمل طور پر فتنہ میں پڑنے والے ہیں۔ کیونکہ سب سے بڑے فتنے کا مقام جہنم ہے اور یہ اس میں پڑنے والے ہیں۔

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا

اگر پہنچے آپ کو اچھائی تو انہیں بری لگتی ہے اور اگر پہنچے آپ کو کوئی مصیبت تو کہتے ہیں

قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿٥٠﴾

تحقیق نکال لیا ہم نے اپنا کام پہلے ہی اور مڑتے ہیں اس حال میں کہ وہ خوشیاں مناتے ہیں

فائدہ: یعنی ان کا جنگ میں شریک نہ ہونا بہت بڑا جرم ہے۔اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی نافرمانی دوسرا بڑا جرم۔تیسری بات یہ کہ ان کی منافقت مکمل طور پر کھل کر سامنے آ گئی۔یعنی وہ سمجھ رہے ہیں کہ جنگ پہ جانا فتنہ ہوگا۔ حالانکہ وہ اس جنگ میں شریک نہ ہو کر کئی بڑے فتنوں میں مبتلا ہوں گے اور بے شک جہنم کافروں کو گھیرنے والی ہے۔ اس میں تنبیہ ہے کہ یہ منافق جہنم میں داخل ہوں گے اور وہ جہنم انہیں چاروں طرف سے گھیرے گی۔ گویا ان کفار ومنافقین کو اس وقت بھی ان کے کفر و گناہوں نے انہیں گھیرے میں لے رکھا ہے۔

ایثار کی مثال: ابوجہم فرماتے ہیں کہ جنگ تبوک کے بعد میں چچازاد بھائی کی تلاش میں نکلا۔ میں نے انہیں ایک جگہ نزع کی حالت میں دیکھا۔ تو ان کیلئے میں فوراً پانی لے کر آیا۔ اتنے میں قریب سے آواز آئی۔ پیاس۔ میرے چچازاد نے اشارہ کیا کہ پہلے اسے پلاؤ۔ میں نے دیکھا وہ ہشام بن العاص ہیں۔ میں پانی جب ان کے قریب لے کر گیا۔ تو قریب سے ایک آواز آئی پیاس۔ تو انہوں نے اس طرف جانے کا اشارہ کیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو ان کا دم نکل چکا تھا۔ واپس آیا۔ ہشام بھی فوت ہو چکے تھے۔ آخرکار چچازاد کے پاس آیا۔ ان کو دیکھا تو وہ بھی واصل بحق ہو چکے تھے۔ یہ ان مسلمانوں کی ایثار کی یہ زبردست مثال ہے۔ کہ زندگی کے آخری لمحات میں بھی اپنی فکر نہیں دوسرے بھائیوں کے بچنے کی فکر تھی۔ کہ اس کی زندگی بچ جائے۔

سبق: مسلمان پر لازم ہے کہ اپنے رب کی راہ میں سب کچھ قربان کر دے۔ یہی سب سے بڑا جہاد ہے۔ اسی سے رضاء مولیٰ نصیب ہوتی ہے۔ اور آخرت کی کامیابی بھی ملتی ہے۔

(آیت نمبر ۵۰) اے محبوب اگر تمہیں کسی جنگ میں اچھائی (فتح و نصرت یا مال غنیمت) ملے جیسے بدر میں بہت کچھ ملا تو انہیں یہ بات بہت بری لگتی ہے۔ یعنی اس سے ان منافقوں کا دل بڑا دھکتا ہے۔ اس لئے کہ وہ آپ کے دشمن ہیں۔ لہٰذا انہیں آپ کی ہر کامیابی پر حسد اور جلن ہوتی ہے۔ لیکن آپ کو اگر کسی غزوے میں کوئی مصیبۃ آ جائے۔

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ

فرمادو ہرگز نہیں پہنچا ہمیں مگر جولکھ دیا اللہ نے ہمارے لئے۔ وہی ہمارا مالک ہے اور اوپر اللہ کے

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿٥١﴾

بھروسہ کرنا چاہئے مومنوں کو

(بقیہ آیت نمبر ۵۰) جیسے غزوۂ احد میں مسلمانوں پر کچھ تکلیف آئی تو یہ منافق چونکہ کفار کو دیکھ کر بھاگ آئے تھے۔ اب بھاگنے کا نام لینے کے بجائے کہنے لگے۔ ہمیں اس شکست کا پہلے ہی علم تھا۔ اس لئے ہم احتیاط کر کے پہلے ہی وہاں سے نکل گئے۔

نبی کا ادب لازم ہے: اگر کوئی شخص کہے کہ نبی کو بھی شکست ہوئی۔ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اس پر توبہ لازم ہے ورنہ اسے قتل کیا جائے۔ اس لئے کہ اس نے نبی پر عیب لگایا اور نبی ہر نقص اور عیب سے پاک ہوتا ہے۔ ہمارے حضور ﷺ کی وجہ سے تو مسلمان ہر میدان میں کامیاب رہے (احد میں شکست کچھ دیر کیلئے جو ہوئی وہ بھی نبی پاک ﷺ کے حکم کی مخالفت کی وجہ سے ہوئی۔ ورنہ فتح تو پہلے حملے میں ہی ہو گئی تھی۔ صرف چند مسلمانوں کے درہ خالی کرنے کی اور حضور ﷺ کے حکم کے خلاف کرنے کی وجہ سے وہ بھی کفار کے مسلمانوں پر اچانک حملے نے نقصان پہنچایا)۔ آگے فرمایا کہ وہ منہ موڑ کر چل دیئے اور اس عمل پر وہ خوش ہیں۔ یعنی جنگ پر نہ جانے یا جا کر واپس لوٹ آنے پر وہ خوش ہیں۔ اس بات سے منافق اپنے آپ کو دوراندیش سمجھتے تھے کہ ہم نے حالات دیکھ کر مسلمانوں سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اگر ان کا ساتھ دیتے تو ہم بھی مارے جاتے۔

(آیت نمبر ۵۱) منافق جس بات پر خوش ہو رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سوچ کو باطل فرما کر اپنے نبی پاک ﷺ کو فرمایا کہ اے محبوب ان کو فرمادو کہ ہمیں کوئی مصیبت نہیں پہنچتی مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں ہمارے لئے لکھ دی ہے۔ **فائدہ:** اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں جولکھ دیا۔ وہی ہوگا وہ محکم اور مبرم ہے خیر وشر میں اور شدۃ وفرحت کے بارے میں جو بھی لکھا ہوگا۔ وہی ہوگا۔ ہمارا اسی پر بھروسہ ہے۔ وہی ہمارا حامی و ناصر اور تمام معاملات کو چلانے والا ہے۔ لہٰذا اللہ وحدہ لاشریک پر ہی مسلمان بھروسہ کرتے ہیں۔ اور اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے توکل کا معنی ہے۔ سب امور اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا اور بندہ کے لائق ہے کہ اس کے ہر فعل پر راضی ہو۔ **حدیث شریف:** بندہ اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا۔ جب تک اس کا یہ عقیدہ نہ ہو کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا ہے وہ ضرور اس تک پہنچے گا اور جو نہیں لکھا وہ نہیں ملے گا۔

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ

فرما دو نہیں انتظار کررہے تم ہم سے مگر ایک دو اچھائیوں سے۔ اور ہم بھی انتظار میں ہیں

بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ

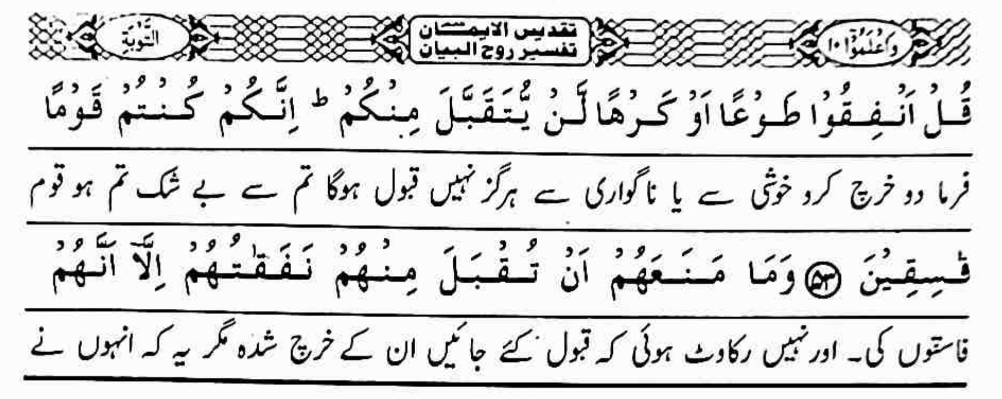
تمہاری کہ پہنچائے گا اللہ عذاب اپنی طرف سے یا ہمارے ہاتھوں سے

فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾

تو تم بھی دیکھو بے شک ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار میں ہیں

(آیت نمبر۵۲) اے میرے محبوب آپ ان منافقوں کو فرمادیں کہ تم اور تو کوئی انتظار نہیں کررہے۔ مگر دو اچھائیوں میں سے ایک کا یا دو انجاموں میں سے ایک انجام کا۔ **فائدہ:** اس آیت کریمہ میں منافقین کے گمان کی حقیقت حال کو مزید واضح کیا گیا۔ اس لئے کہ ان کا گمان یہ تھا کہ مسلمانوں کو جنگ میں جانے سے نقصان ہوگا۔ جبکہ حقیقت حال یہ ہے۔ مسلمان جب جہاد پہ جاتا ہے تو اسے دو انعاموں میں سے ایک نہ ایک اعلیٰ چیز ضرور نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد سے یا غنیمت ملتی ہے یا شہادت۔ اب منافقوں سے پوچھتے ہیں۔ تمہیں گھر بیٹھے رہنے کیا ملا۔ مسلمانوں کو تو جہاد پر جانے سے غنیمت یا شہادت نصیب ہوئی اور تمہیں گھر میں بیٹھ کر محرومی ہی ملی (ع: نہ رب ہی ملا نہ وصال صنم۔۔۔۔ نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے) لہذا اے منافقو تمہاری سمجھ داری یہی تھی جو تمہیں نصیب ہوئی۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو بندہ خالص ایمان اور رب کی رضا اور پیارے رسول ﷺ کی تصدیق کیلئے راہ خدا میں جہاد کیلئے نکلے۔ تو اللہ جل شانہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا اور اگر صحیح سلامت گھر میں لوٹ آئے۔ تب بھی اجر وثواب کہ وہ مال غنیمت کے ساتھ آئے گا (مسلم شریف کتاب الامارۃ)۔ آگے فرمایا کہ اے منافقو تم ہمارے مرنے کے منتظر ہو اور ہم بھی تمہارے برے انجام کے منتظر ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی جناب سے عذاب میں مبتلا کرے گا۔ جیسے پہلی امتوں کی نافرمانیوں پر عذاب بھیجا اور انہیں تباہ وبرباد کردیا۔ کسی پر گرج پڑی تو کوئی زلزلے میں اور کوئی قوم زمین میں دھنسی۔ یہ سب عذاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتے رہے۔ آگے فرمایا۔ یا پھر تو ہمارے ہاتھوں سے یعنی تمہارے کفر کی وجہ تمہیں ہم قتل کریں گے۔ یا اللہ تعالیٰ اپنے عذاب سے پہلی نافرمان قوموں کی طرح تمہیں تباہ کرے گا۔ لہذا اب تم ہمارے انجام کا اور اپنے انجام کا انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کرتے ہیں یعنی تم ہمارا انجام دیکھنا اور ہم تمہارا انجام دیکھیں گے۔



قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ط اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا

فرما دو خرچ کرو خوشی سے یا ناگواری سے ہرگز نہیں قبول ہوگا تم سے بے شک تم ہو قوم

فٰسِقِيْنَ ﴿٥٣﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ

فاسقوں کی۔ اور نہیں رکاوٹ ہوئی کہ قبول کئے جائیں ان کے خرچ شدہ مگر یہ کہ انہوں نے

(بقیہ آیت نمبر۵۲) **حدیث قدسی**: حضور ﷺ نے فرمایا۔ ارشاد خداوندی ہے کہ جو میرے ولی کو اذیت دیتا ہے۔ وہ میرے ساتھ جنگ کرتا ہے۔ (ریاض الصالحین) ولی سے مراد فرمانبردار مومن ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا حامی وناصر ہوتا ہے۔ گویا ولی کا دشمن اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے۔ کیونکہ ولی کی توہین کرنے والا منافق ہوتا ہے۔ اس کا انجام بلاکت ہے۔ منافق تو ایسا ہوتا ہے: ع: کہ کعبہ کا حج بھی گنگا کا شنان بھی۔۔۔۔ راضی رہے اللہ، خوش رہے شیطان بھی۔ **حدیث شریف** میں ہے کہ جو دو منہ رکھتا ہے۔ وہ سب لوگوں میں شریر ہے۔ یعنی منافق ہے اور وہ مذبذب ہے۔ نہ ادھر نہ ادھر اور دو منہ والے کو جہنم میں دو لگام میں ڈالی جائیں گی۔ (رواہ البخاری ومسلم)

(آیت نمبر۵۳) اے محبوب فرمادیں۔ ان منافقوں سے جنہوں نے جہاد میں جانے سے انکار کیا اور کہا کہ ہم تو نہیں جاسکتے۔ ان کو بتادیں کہ تم اے منافقو جو بھی خرچ کرو گے۔ دل کی خوشی سے یا ناخوشی سے یہ بات یاد رکھو کہ تمہارا کوئی خرچ قبول نہیں کیا جائیگا۔ پہلے تو حضور ﷺ ہی قبول نہیں کریں گے۔ اگر انہوں نے اپنی رحیمی کی وجہ سے قبول کر بھی لیا اللہ تعالیٰ تو ہرگز قبول نہیں کرے گا۔ لہذا اس پر اجر و ثواب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ **اتفاقیہ**: جد بن قیس کا بیٹا پکا سچا مومن تھا جب جد نے اپنی معذرت اس انداز سے پیش کی تو بیٹے نے کہا کہ ابا تو نے تو اپنی منافقت ظاہر کردی۔ مجھے یقین ہے کہ تمہاری اس بات پر آیات کا نزول ہوا تو تمہاری جگ میں رسوائی ہوگی تو اس نے بیٹے کو جوتا دے مارا۔ چند دن بعد آیات کا نزول بھی ہوگیا۔ تو پھر بیٹے نے کہا کہ میں نے کہا تھا کہ تمہاری منافقت کا اظہار قرآنی آیات کے نزول سے ہوگا۔ تو اس نے بیٹے سے کہا۔ چپ ہو جا تو تو محمد سے بھی سخت ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ بعد میں جد بن قیس صحیح اور پکا مسلمان ہوگیا تھا۔

(آیت نمبر۵۴) ان کے نفقے کو کسی نے قبول ہونے سے نہیں روکا۔ مگر صرف اس وجہ سے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ نماز باجماعت ادا کرنے نہیں آتے۔ اگر آتے بھی ہیں تو بڑی سستی سے کیونکہ وہ نماز کو بوجھ سمجھتے ہیں۔ اسی لئے بھی وہ اس سے کراہت کرتے ہیں۔

كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى

کفر کیا اللہ اور اس کے رسول سے اور نہیں آتے نماز کو مگر وہ ہارے دل سے

وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿٥٤﴾ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ

اور نہیں خرچ کرتے مگر وہ ناگواری سے۔ پس نہ تعجب میں ڈالیں آپ کو ان کے مال اور نہ اولاد ان کی

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿٥٥﴾

بے شک چاہتا ہے اللہ کہ سزا دے ان کو اس کی زندگانی دنیا میں اور نکالے ان کی جان بحالت کفر

اسی طرح جب وہ کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو وہ بھی ناپسندیدہ دل سے۔ ابن الشیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبادات میں ثواب رغبت اور شوق کی وجہ سے ملتا ہے۔ رغبت اور شوق ایمان سے ملتا ہے اور منافق ایمان سے ہی خالی ہے عبادت کا شوق کیسے ہو۔ (یعنی عبادات دل کی خوشی کے ساتھ ہوں تو پھر قبول ہوتی ہیں)۔

فائدہ: آیت میں عبادات کے اندر سستی کی مذمت کی گئی ہے۔ ابوبکر الخوارزمی فرماتے ہیں کہ سست لوگوں کے ساتھ کبھی نہ رہنا۔ بہت سارے نیک لوگ فسادیوں کے ساتھ بیٹھنے سے فسادی بن گئے۔ احمق کی بے وقوفی عقلمند میں جلد اثر کر جاتی ہے۔ انگارہ پر راکھ آ جائے۔ تو وہ بھی جلد بجھ جاتا ہے۔

(آیت نمبر ۵۵) تمہیں ان کے مال اور اولاد تعجب میں نہ ڈالیں۔ یہاں ظاہراً تو حضور ﷺ کو خطاب ہے۔ لیکن حقیقتاً مسلمانوں کو کہا جا رہا ہے کہ ان منافقوں کو مال وغیرہ چند روز کیلئے دیا گیا ہے۔ لیکن اس پر تعجب کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ بروز قیامت یہی ان کیلئے وبال ہوگا۔ سوائے اس کے نہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہی ان کے مال و اسباب کے ذریعے انہیں عذاب دینے کا ارادہ کیا ہے اور ان کی جانیں بحالت کفر ہی نکلیں گی۔ اس لئے کہ دنیا میں کفر پر رہے اور مال و جان میں ہی مشغول رہے۔ توبہ کی توفیق ہی نہ ملی اور مرتے وقت مال و اولاد انہیں کفر پر مرنے سے نہ بچا سکے گا۔

فتنہ کیا ہے؟: حضور ﷺ نے فرمایا۔ ہر امت کیلئے کوئی نہ کوئی فتنہ ہوا۔ میری امت کا فتنہ مال ہے۔ (ترمذی شریف)۔ **فائدہ:** مال ہونا بھی فتنہ اور مال نہ ہونا بھی فتنہ ہے۔ مال ہو اور ریاکاری کیلئے دیا جائے یا دے کر احسان جتایا جائے یا جس کو دیا اس کو تکلیف دی جائے تو یہ سب فتنہ ہے۔

فائدہ: مولانا روم فرماتے ہیں جو چیز رشد و ہدایت اور دین سے محروم کرے وہ شیء اس کے لئے فتنہ ہے۔

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ

اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ بے شک وہ تم سے ہیں حالانکہ نہیں وہ تم سے لیکن وہ

قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿٥٦﴾ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا

قوم ہے ڈرپوک۔ اگر پائیں کوئی پناہ یا کوئی غار یا سمانے کی جگہ تو مڑ جائیں

اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿٥٧﴾

اس کی طرف وہ رسیاں تڑاتے۔

(آیت نمبر ۵٦) اور یہ منافق اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تم میں سے (مسلمان) ہیں۔ حالانکہ اپنے قلبی کفر کی بناء پر وہ تم سے نہیں۔ یعنی مسلمان نہیں ہیں۔ لیکن وہ ایک ڈرپوک قوم ہیں۔ انہیں پکا ڈر ہے کہ تم ان سے مشرکوں والا حال کرو گے۔ اس لحاظ سے وہ گویا تقیہ کر کے بلکہ جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے اسلام کا اظہار کر رہے ہیں۔ (جیسے آج کل بھی کئی فرقوں والے جب تک کمزور ہوتے ہیں سنیوں کے ساتھ ملے رہتے ہیں۔ جب ان کی کچھ طاقت بن جاتی ہے۔ الگ ہو جاتے ہیں اور پھر سنیوں کو آنکھیں دکھاتے ہیں)۔

(آیت نمبر ۵۷) اگر وہ کوئی جائے پناہ پالیں۔ یعنی پہاڑوں یا قلعوں یا جزیروں میں انہیں کوئی مضبوط اور محفوظ جگہ مل جائے۔ جہاں پناہ لے سکیں یا ایسی غاریں مل جائیں جو پہاڑوں میں ہوں یا ایسے گڑھے ہی مل جائیں جہاں سر چھپا سکیں تاکہ انہیں کسی قسم کا بیرونی خطرہ نہ رہے۔ یعنی ان مذکورہ جگہوں کی طرح کوئی ٹھکانہ ملے تو اسی کی طرف چل دیں اور وہ دوڑتے ہوئے اس طرف مڑ جائیں تیز رفتار گھوڑے کی طرح وہاں پہنچیں۔ تاکہ انہیں کوئی روک بھی نہ سکے۔ ابھی تو وہ تمہارے ساتھ اس وقت مجبور ہو کر ہی گذارہ کر رہے ہیں۔ ورنہ تم انہیں ذرہ نہیں بھاتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ تم انہیں ایک لمحہ کیلئے بھی نظر نہ آ ؤ۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ مومن کا اور منافق کا ایک ساتھ گذارہ مشکل ہے۔ (قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں پاک اور پلید کو اکٹھا نہیں رہنے دونگا۔ پاک سے مراد مومن اور پلید سے مراد منافق ہے۔ آل عمران آیت ۱۷۹)۔ یعنی چاہتے وہ بھی نہیں کہ تمہارے ساتھ رہیں اور چاہتا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بھی نہیں کہ اب مسلمان اور منافق اکھٹے رہیں۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے سب منافقوں کو ان کا نام لے لے کر مسجد سے نکال دیا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا

اوران میں سے وہ ہیں جو طعنے دیتے ہیں آپ کو صدقے بانٹنے میں پس اگر دیئے جائیں اس سے تو راضی ہیں

وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿٥٨﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ

اور اگر نہ دیئے جائیں اس سے تو پھر وہ ناراض ہو جاتے ہیں اور اگر وہ راضی رہتے اس پر جو دیا ان کو

اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗۤ ۙ

اللہ اور اس کے رسول نے اور کہتے کافی ہے ہمیں اللہ اب دے گا ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول بھی

اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿٥٩﴾

بے شک ہم طرف اللہ کے رغبت کرنے والے ہیں

(آیت نمبر ۵۸) ان میں سی بعض منافقین صدقات کے متعلق آپ کو طعنے دیتے ہیں۔ یعنی جب آپ زکوۃ یا صدقات غریبوں میں تقسیم کر رہے ہوتے ہیں تو یہ منافق بے ایمان ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ دیکھو یہ نبی ان چرواہوں میں زکوۃ تقسیم کر کے سمجھتا ہے کہ میں نے عدل وانصاف کیا ہے۔ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ ایسے بے ادبوں سے بچائے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ منافقین خود اتنے لالچی ہیں۔ اگر وہی دنیوی مال ان کے حرص کے مطابق انہیں دیا جائے۔ پھر تو خوش ہوتے ہیں اور بڑی تعریف کرتے ہیں اور اگر ان کی مرضی کے مطابق انہیں نہ ملے۔ یا ان کی مراد سے کم ملے تو پھر اس وقت ناراض ہو جاتے ہیں۔ یعنی انہیں دنیا کی اتنی حرص ہے کہ نہ ملنے پر صبر نہیں کر سکتے بلکہ جھگڑے لڑائی پر اتر آتے ہیں۔

(آیت نمبر ۵۹) اور اگر وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی عطا پر راضی ہو جاتے۔ یعنی انہیں پیارے رسول ﷺ نے جو دیا۔ اسے خوشی سے قبول کرتے خواہ تھوڑا ہی دیتے اس پر وہ راضی ہوتے تو ان کے لئے بہت بہتر ہوتا۔

فائدہ: سب عطیات اصل میں تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں۔ یہاں نام خدا برکت کیلئے ہے اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ رسول کا دینا درحقیقت اللہ تعالیٰ کا ہی دینا ہے کیونکہ حضور ﷺ جو کچھ بھی دیتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی رضا سے دیتے ہیں۔ لہذا اس پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے اور انہیں کہنا چاہئے کہ جو کچھ ہمیں اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ نے دیا وہی کافی ہے۔ یعنی جو اس نے ہمارے مقدر میں کیا ہے۔ وہی کافی ہے۔ اس لئے کہ جو کچھ ہمیں مل رہا ہے۔ وہ محض اس کا فضل وکرم ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡعٰمِلِيۡنَ عَلَيۡهَا وَالۡمُؤَلَّفَةِ

سوائے اس کے نہیں صدقات محتاجوں اور ناداروں اور کارندوں پر اور الفت ڈالی گئی اسلام کی

قُلُوۡبُهُمۡ وَفِى الرِّقَابِ وَالۡغٰرِمِيۡنَ وَفِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ ؕ

جن کے دلوں میں اور گردنیں آزاد کرانے میں اور قرضداروں کو اور راہ خدا میں اور مسافروں کو

فَرِيۡضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۶۰﴾

یہ مقرر ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۵۹) ہماری اس میں کیا کمائی ہے اور یہ بھی انہیں کہنا چاہئے تھا۔ کہ عنقریب اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے مزید عطیات بھی عطا فرمائے گا۔ اللہ اپنی جناب سے اور اس کا رسول اس کی عطا سے عنایت فرمائیں گے۔ بے شک ہم اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ ہمیں اپنے فضل وکرم سے بے پرواہ کردے گا۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ اللہ کے پیارے رسول ﷺ کی تقسیم پر راضی رہنا صد برکات کا موجب ہے اور اس پر ناراض ہونا ہزاروں نحوستوں کا موجب ہے۔ ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کی لکھی تقدیر پر راضی رہتا ہے۔ وہ ہر قسم کے رنج وغم اور حزن وملال سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

مقولہ ہے کہ جب یہ عقیدہ ہو جائے کہ تقدیر برحق ہے تو پھر اس پر ناراض ہونا حماقت ہی ہے۔

سبق: عقل مند وہی ہے۔ جو اللہ پر توکل رکھے اور کہے کہ جو اللہ نے مجھے دیا وہی مجھے کافی ہے۔ میری دین ودنیا کی سب ضرورتیں وہی پوری کرے گا۔

(آیت نمبر ۶۰) سوائے اس کے نہیں۔ صدقات کی تمام اقسام فقیروں اور مسکینوں کیلئے ہیں۔

فائدہ: شرعی اصطلاح میں فقیر اسے کہا جاتا ہے۔ جس کے پاس مال ہو لیکن نصاب سے کم ہو اور مسکین وہ ہے۔ جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔ یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے اور جو زکوٰۃ صدقات جمع کرنے والے ہیں۔ **مسئلہ**: زکوٰۃ اکٹھی کرنے والے کو زکوٰۃ سے ہی تنخواہ وغیرہ دی جائے گی۔ خواہ جمع کرنے والا غنی ہو یا ہاشمی ہو۔ کیونکہ وہ اس کی محنت کی مزدوری ہے۔ یا تنخواہ ہے۔ وہ حاکم اپنی صوابدید پر مقرر کرلے۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ

اور ان میں وہ ہیں جو ایذاء دیتے ہیں نبی پاک کو اور کہتے ہیں وہ تو کان ہیں فرمادو کان بھلے میں ہیں

لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ

تمہارے لئے وہ مانتے ہیں اللہ کی اور یقین رکھتے ہیں مومنوں کی باتوں پر بھی اور سراپا رحمت ہیں ان کیلئے جو

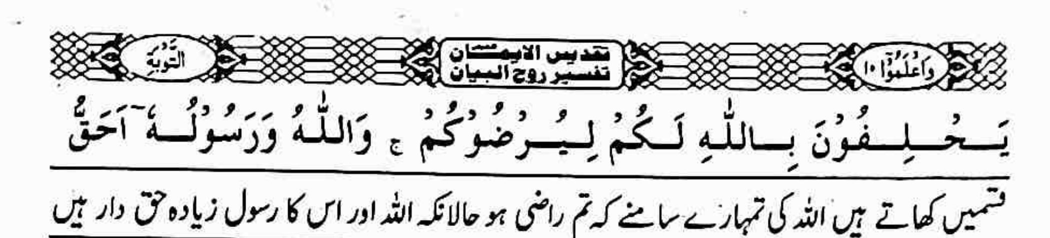
اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦١﴾

ایمان لائے تم میں سے اور جو ایذاء پہنچاتے ہیں رسول خدا کو ان کیلئے عذاب ہے دردناک

(بقیہ آیت نمبر ۶۰) آگے فرمایا کہ تالیف قلوب یعنی جن لوگوں نے اسلام قبول کیا لیکن لالچی لوگ ہیں۔ ان کا ڈر ہے کہ واپس نہ چلے جائیں۔ ان کو بھی زکوٰۃ دی جاتی تھی۔ لیکن اب ایسے لوگوں کو زکوٰۃ وغیرہ نہ دی جائے۔

آگے فرمایا۔ وہ غلام جو مکاتب ہے۔ اسے آزاد کرنے کیلئے دی جائے اور قرض دار جنہوں نے کسی مجبوری کے تحت قرضہ لیا۔ لیکن ادا کرنے کی ہمت نہیں اسے بھی زکوٰۃ دی جائے اور اللہ کی راہ میں جو مجاہد غریب جو غربت کی وجہ سے جہاد میں نہیں جا سکتا۔ اس نے اسلحہ یا سواری لینی ہے۔ ایسے غازیوں کو بھی زکوٰۃ دینا جائز ہے اور مسافر کو بھی جو گھر سے دور ہے۔ مباح سفر میں ہے۔ اور اس کے پاس سفر مکمل کرنے کا خرچ نہیں اسے بھی زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام اصناف کیلئے زکوٰۃ جائز رکھی۔ البتہ مؤلفہ قلوب والوں کا حصہ صحابہ کے اجماع سے ساقط ہے۔ کیونکہ اب اسلام پھیل چکا ہے۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے احوال اور استحقاق کو جانتا ہے اور تمام امور اپنی حکمت بالغہ سے پوری فرماتا ہے۔
مسئلہ: اگر عالم دین محتاج ہے بال بچے دار ہے۔ تنخواہ سے گذارہ نہیں ہوتا تو اسے زکوٰۃ دینا بہت افضل ہے۔

(آیت نمبر ۶۱) اور ان منافقوں سے وہ بھی ہیں۔ جو نبی پاک ﷺ کو ایذا دیتے ہیں۔ جیسے جلاس بن سوید اور اس کے ساتھی جو ایسی ایسی باتیں کرتے جن سے انسان کو دکھ پہنچے اور جب انہیں کہا جائے کہ ان کے متعلق ایسی باتیں نہ کرو۔ یہ باتیں ان تک پہنچ جائیں گی۔ تو منافق اس کے جواب میں یوں کہتے۔ وہ تو نرے کان ہیں۔ یعنی وہ ہر بات کو سن لیتے ہیں۔ کوئی کچھ بھی کہے وہ اس کی بات بھی سنتے ہیں، ہم جب ان کے پاس جائیں گے تو وہ ہماری بات بھی سن لیں گے اور مان لیں گے۔ یعنی وہ ہر بات سننے والے ہیں۔ یعنی جیسے کان ہر طرح کی آواز سن لیتا ہے۔ اسی طرح یہ نبی بھی گویا معاذ اللہ وہ ایسے بھولے بھالے ہیں کہ جب کوئی انہیں ہمارے خلاف کوئی بات کہے گا تو وہ بھی سن لیں گے اور ناراض ہونگے لیکن جب ہم جا کر جھوٹی قسمیں کھائیں گے تو ہماری باتیں بھی مان لیں گے۔



يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُولُهٗٓ اَحَقُّ

قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی تمہارے سامنے کہ تم راضی ہو حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق دار ہیں

اَنْ يُّرْضُوهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾

کہ انہیں وہ راضی کریں اگر ہیں مومن۔

(بقیہ آیت نمبر۶۱) علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے۔ آپ کو ان منافقوں کی سب شرارتوں کا علم تھا۔ لیکن آپ ان کی برائیوں کو ظاہر نہیں فرماتے تھے۔ ان کے سامنے حلم اور کرم سے پیش آتے تھے۔ لیکن یہ منافقوں کا خیال تھا کہ حضور ﷺ کو بالکل کوئی علم نہیں۔ کہ ہم اندر سے ان کے مخالف ہیں۔

آگے فرمایا۔ اے محبوب آپ فرمادیں کہ ان کانوں میں تمہارے لئے خیر ہے۔ اس لئے کہ یہ تمہارے عذر سن کر قبول کر لیتے ہیں۔ یہ ان کے کرم اور حسن خلق کی علامت ہے ان کانوں کے خیر ہونے کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ آگے فرمایا کہ وہ ایمان والون کی باتیں بھی مانتے ہیں اور ان کی تصدیق بھی کرتے ہیں۔ اس لئے کہ نبی پاک ﷺ کو یقین ہے کہ اہل ایمان کی باتوں میں صدق واخلاص ہوتا ہے۔ وہ جو بھی خبر دے گا۔ وہ بالکل سچی ہوگی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نبی کے کان سب کیلئے خیر ہیں۔ اس لئے کہ وہ سراپا رحمۃ ہیں۔ ان کیلئے بھی جو صدق دل سے ایمان لائے اور ان کیلئے بھی جنہوں نے تم میں سے ایمان ظاہر کیا۔ یعنی (منافقین) چونکہ انہوں نے صرف ایمان کا سہارا لیا تا کہ ہمارا مال جان بچ جائے۔ لیکن حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہیں۔ اس لئے ان کا پردہ فاش نہیں کیا۔

آگے فرمایا کہ جو لوگ رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں۔ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اس لئے کہ حضور ﷺ تو ان پر رحمت واحسان کرتے ہیں۔ اور وہ اس کا بدلہ دکھ اور تکلیف سے دیتے ہیں۔ ایسے درندوں کے لئے ایسا ہی عذاب ہونا چاہئے۔

(آیت نمبر۶۲) عنقریب وہ تمہارے سامنے قسمیں کھا کر مکر جائیں گے تا کہ تم راضی ہو جاؤ۔

شانِ نزول : منافقین کی یہ عادت تھی کہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدم موجودگی میں برائی کرتے اور پھر مسلمانوں کے سامنے آکر قسمیں کھا کر مکر جاتے یا معذرت کر لیتے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ یہ بے ایمان قسمیں کھاتے ہیں۔ تا کہ تم راضی ہو جاؤ۔ حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق دار ہیں کہ انہیں وہ راضی کریں۔ یعنی کفر سے پکی توبہ کریں اور یہ طعن وتشنیع بند کریں اور نبی کریم کی موجودگی اور عدم موجودگی میں ان کی تعظیم وتوقیر میں پوری کوشش کریں۔ "یرضوہ" میں ضمیر واحد اس لئے لائی کہ رسول ﷺ کی رضا میں اللہ کی رضا ہے۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ

کیا نہیں جانتے کہ بے شک جو مخالفت کرے گا اللہ اور اس کے رسول کی بے شک اس کیلئے آگ ہے

جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٣﴾

جہنم کی ہمیشہ رہے گا اس میں یہ ہے رسوائی بڑی۔

(بقیہ آیت نمبر ۶۲) **فائدہ**: چونکہ وہ ایذا بھی رسول کو پہنچاتے۔ رسول کو ایذا دینا اللہ کو ایذا دینا ہے۔ جس طرح رسول کی رضا میں اللہ کی رضا ہے۔ یعنی رسول خدا ﷺ راضی تو اللہ تعالیٰ بھی راضی۔

اس لئے آگے فرمایا کہ اگر وہ سچے مومن ہیں تو ان پر فرض ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی صحیح طور پر اطاعت بجالائیں اور اطاعت رسول بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔

(آیت نمبر ۶۳) کیا ان منافقوں کو معلوم نہیں ہے کہ نبوت کی عظمت گھٹانے کا انجام کیا ہے تو انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے۔ یعنی ان کی مقرر کردہ حدود سے آگے بڑھے گا تو بے شک ایسے کم بخت کیلئے جہنم کی سخت آگ ہی ہے۔ جس میں ہمیشہ ہمیشہ جلتا رہے گا۔ اس جیسی بری ذلت اور رسوائی اور کوئی نہیں۔ **فائدہ**: اس ذلت اور خواری کا سبب ان کی منافقت ہے اور اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے احکام کی مخالفت ہے۔ لہٰذا ان کیلئے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں ان کے لئے عذاب جحیم و عظیم ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جتنی مجھے اذیت دی گئی۔ اتنی کسی نبی کو اذیت نہیں دی گئی۔ (مستدرک)۔ **فائدہ**: انبیاء کرام علیہم السلام کیلئے اذیتیں ان کے تصفیہ قلب کا ذریعہ بنیں۔ اسی طرح اولیاء کرام کیلئے دشمنوں کی طرف سے تکالیف ان کیلئے تصفیہ قلب اور بلندی درجات کا سبب بنیں۔

امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما میں سے ایک کو زہر سے اور دوسرے بھائی کو خنجر سے شہید کیا گیا۔ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت کی قدرت رکھتے تھے۔ اگر اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے تو ان کی یہ اتنی بڑی مصیبت ٹل جاتی، لیکن دیکھا کہ ان کے کمالات ان کی شہادت میں ہیں۔ اس لئے شفاعت نہ کی۔

سبق: عقلمند پر جس طرح اطاعت ضروری ہے۔ اسی طرح منافقوں اور مخالفوں کی اذیتوں پر صبر بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ صابرین اور متقین کے ساتھ ہے۔



يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ

ڈرتے ہیں منافق کہ کہیں اتر پڑے گی ان کے متعلق کوئی سورۃ جو بتادے گی جو کچھ ان کے دلوں میں ہے

قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾

فرمادو ہنس لو بے شک اللہ ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم ڈرتے ہو۔

(آیت نمبر ۶۴) ان منافقوں کو کھٹکا لگا رہتا ہے کہ ابھی اترے گی ان کے خلاف کوئی سورۃ جو مسلمانوں کو پتہ چل جائے گا کہ ان کے دلوں میں کیا ہے۔ یعنی منافقوں کے دلوں میں جو کفر اور نفاق ہے۔ اس کا پردہ فاش ہو گیا تو سخت شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔ یعنی منافقوں کو ہر وقت خطرہ رہتا ہے کہ ان کے متعلق کوئی سورۃ اتری تو ان کے اندرونی خیالات عوام کو پتہ چل جائیں گے چونکہ انہیں حضور ﷺ کی نبوت ورسالت پر شک تھا اور شکی آدمی کو ہر وقت یہ چرکا لگا رہتا ہے کہ میرا کہیں پول کھل نہ جائے۔

فائدہ: ابو مسلم فرماتے ہیں کہ وہ اس گھبراہٹ کا اظہار بطور استہزاء ٹھٹھہ مزاح کے کرتے تھے۔ اور آپس میں کہتے کہ ڈرتے رہو ہو سکتا ہے محمد ﷺ پر کوئی ایسی وحی نازل ہوگئی تو بڑی شرمساری اور رسوائی اٹھانی پڑے گی۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب انہیں فرمادیں کہ تم یہ ٹھٹھہ مخول کرلو۔ لیکن اس کے بعد اس کی سزا بھگتنے کی بھی تیاری کر لو اور وہ دنیا میں رسوائی آخرت میں عذاب عظیم ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کو نکال کر ظاہر کرنے والا ہے۔ جس سے تم ڈرتے ہو۔ یعنی تمہاری منافقت کا بھانڈہ پھوٹنے والا ہے۔ جس سے تمہاری سخت رسوائی ہوگی۔

مسئلہ: اللہ کے کسی رسول ﷺ سے ٹھٹھہ مزاح یا قرآن مجید کی کسی آیت پر مزاح کرنا کفر ہے۔ ذلیل کرنے کیلئے کسی مسلمان سے استہزاء گناہ کبیرہ ہے۔ تین آدمیوں سے ٹھٹھہ منافقت ہے: (۱) بزرگ سفید ریش سے۔ (۲) عالم دین سے۔ (۳) نیک دل بادشاہ یا حاکم سے۔ **فائدہ**: استہزاء یہ ہے کہ کسی کی حقارت اس کے عیوب ظاہر کرکے قولاً یا فعلاً یا اشارے سی بھی استہزاء ہوتا ہے۔ کبھی کسی کی کلام پر کبھی اس کے کام پر۔ بہر صورت کسی کو حقیر جان کر استہزاء کرنا بالا جماع حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا کہ استہزاء کرنے والوں کیلئے جنت کا دروازہ کھلے گا کہا جائے گا۔ آؤ اس میں داخل ہو جاؤ۔ جب وہ اس دروازہ کے قریب آئیں گے تو دروازہ بند ہو جائیگا۔ پھر دوسرے دروازے سے آواز آئے گی۔ ادھر جائیں۔ غم واندوہ کے مارے ہوئے جب وہاں جائیں گے تو وہ بھی بند ہو جائیگا۔ ایمان والے دیکھ کر ہنس پڑیں گے۔ یہ ان کو اس استہزاء کی سزا ہوگی۔ جو دنیا میں مسلمانوں کو دیکھ کر تمسخر اڑایا کرتے تھے۔ (اخرج البیہقی عن حسن بصری)

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ

اور اگر تو پوچھے ان سے تو ضرور کہیں گے سوائے اس کے نہیں ہم تو تھے ہنسی اور کھیل میں فرما دو کیا اللہ اور اس کی آیتوں

وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ

اور اس کے رسول سے ہی ہو تم مزاح کرتے ہو۔ نہ بہانے بناؤ تحقیق کفر کیا تم نے بعد ایمان کے

اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٦٦﴾

اگر ہم معاف کریں ایک گروہ کو تم سے تو عذاب دیں گی دوسرے گروہ کو اس لئے کہ وہ ہیں مجرم

(آیت نمبر ٦٥) اے محبوب اگر آپ ان سے پوچھیں کہ تم کیوں مسلمانوں سے ٹھٹھہ مخول کرتے تھے۔ تو ضرور جواب میں کہیں گے۔ سوائے اس کے نہیں۔ ہم تو ویسے ہی دل لگی کر رہے تھے۔ بچوں کی طرح ہنس کھیل رہے تھے۔

شانِ نزول: تبوک کی طرف جاتے ہوئے راستے میں وہ کہنے لگے کہ یہ لوگ روم پر غالب آنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ پھر اس پر مل کر خوب تمسخر اڑاتے۔ نبی کریم ﷺ کو علم ہوا۔ تو آپ نے بلا کر پوچھا کہ تم نے یہ باتیں کی ہیں تو وہ کہنے لگے کہ ہم سفر طے کرنے کیلئے دل لگی سے ایسی باتیں کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب آپ ان کو بتا دیں کیا تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات اور اس کا رسول ﷺ ہی ٹھٹھہ مزاخ کیلئے ملے ہیں کہ ان سے تم ٹھٹھہ مزاخ کرتے ہو۔ اب تو تمہارا جھوٹ بالکل واضح ہو گیا ہے۔ لہٰذا تمہیں ہرگز معاف نہیں کیا جائیگا۔

(آیت نمبر ٦٦) اب عذر معذرت مت کرو۔ اس لئے کہ اب تم اس بے ادبی کے بعد کافر ہو چکے۔

مسئلہ: معلوم ہوا رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کفر ہے۔ اس لئے فرمایا کہ تم نے اپنے ایمان کا اظہار کرنے کے بعد میرے رسول ﷺ پر طعن کر کے اسے ایذاء دی جس کی وجہ سے تم بلا شبہ کافر ہو گئے۔

فائدہ: منافقین کا ایمان صرف اقراری اور اظہاری تھا۔ تصدیق قلبی حاصل نہیں تھی۔ اس لئے ان کے ایمان کو اظہاری ایمان کہا گیا۔ یعنی اوپر اوپر سے ایمان وہ بھی گستاخی کر کے ضائع کر دیا۔

آگے فرمایا کہ اگر ہم تمہارے ایک گروہ کو معاف کر دیں۔ اس لئے کہ انہوں نے استہزاء تو نہیں کی لیکن وہ استہزاء سن کر خوش ہو رہے تھے۔ اب وہ توبہ کرتے ہیں۔ لیکن دوسرے گروہ کو تو ہم ضرور سزا دیں گے۔ اس لئے کہ انہوں نے ایک تو جرم کیا۔ استہزاء والا اور دوسرا اس پر اصرار کیا۔ یعنی اس جرم کو کئی بار کیا۔ تیسری بات یہ کہ توبہ کا نام تک نہیں لیا۔ نہ اپنی غلطی اور قصور سے آئندہ بچنے کا ذکر تک کیا۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ

منافق مرد اور اور منافق عورتیں آپس میں ایک ہی ہیں حکم دیتے ہیں برائی کا

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ

اور روکتے ہیں نیکی سے (مال خرچ کرنے سے) بند کرتے ہیں مٹھی بھلایا اللہ کو تو ہم نے بھی چھوڑ دیا۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٦٧﴾

بے شک منافق ہی فاسق ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر٦٦) **مسئلہ**: معلوم ہوا کہ کلمہ پڑھنے نماز یں پڑھنے کے باوجود اگر دل میں حضور ﷺ کا اعزاز واحترام نہیں تو ان کا ایمان ہی نہیں۔ **مسئلہ**: کسی ایک نبی کے بارے میں شک ہو کہ معلوم نہیں کہ مثلاً آدم علیہ السلام نبی تھے یا نہیں وہ اسی وقت کافر ہو جائیگا۔ **مرزائی کافر ھیں**: اسی طرح جو یہ کہے کہ حضور ﷺ کے بعد ہو سکتا ہے کہ کوئی نبی آ سکتا ہو۔ ایسا شک بھی آتے ہی کافر ہو جائے گا۔ چہ جائیکہ وہ اپنی نبوة کا اعلان کرے۔

صحابہ اور اہل بیت ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔: حضرت زید سواری پر تھے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی رکاب کو ہاتھ سے درست کیا تو زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے حضور کے چچا کے بیٹے ایسا کیوں کر رہے ہو۔ انہوں نے فرمایا ہمیں حضور ﷺ نے یہی حکم دیا ہے کہ بزرگوں کا ادب کرو تو حضرت زید نے ان کا ہاتھ پکڑ کر بوسہ دیا اور کہا ہمیں بھی اس کام کا حکم دیا گیا ہے کہ ہم حضور کے خاندان والوں سے ایسا کریں۔

(آیت نمبر٦٧) منافق مرد اور منافق عورتیں سب منافقت اور اسلام سے دوری میں ایک ہی جیسے ہیں۔ یعنی جسم ان کے الگ الگ ہیں۔ منافقت میں ایک ہی سوچ کے مالک ہیں۔ گویا یکجان ہیں وہ برائی یعنی کفر اور گناہوں کا حکم دیتے ہیں۔ اور نیکی یعنی ایمان اور اطاعت خداوندی سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے اور صدقہ خیرات دینے سے روکتے ہیں۔ یعنی پرلے درجے کے بخیل اور کنجوس ہیں۔ یا یہ معنی ہے کہ اپنے ہاتھوں کو دعا کرنے سے روکتے ہیں۔ یعنی دعا بھی نہیں کرتے (ایسے منافق آج کے زمانے میں بھی بہت ہیں)

آگے فرمایا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھی بھلا دیا۔ یعنی اس کی یاد سے بالکل غافل ہو گئے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کو تو انہوں نے چھوڑ ہی دیا۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ

وعدہ ہے اللہ کا منافق مردوں اور عورتوں سے اور کافروں سے بھی آگ کا جہنم کا ہمیشہ رہیں گے جس میں

هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۙ ﴿٦٨﴾

وہی کافی ہے انہیں اور لعنت ہے ان پر اللہ کی اور ان کے لئے عذاب ہے قائم رہنے والا

(بقیہ آیت نمبر ۶۸) **فائدہ**: یہاں "نَسُوْا" بمعنی ترک ہے یعنی وہ اللہ کو بھولے نہیں۔ کیونکہ بھولنے کی سزا نہیں ہوتی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ دیا۔ یہ فعل ان کا اختیاری ہے۔ اس لئے یہ عمل قابل مواخذہ ہے۔

آگے فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں چھوڑ دیا یعنی ان پر فضل وکرم اور احسان کرنا چھوڑ دیا۔ اور بتادیا کہ بے شک منافق ہی فاسق ہیں۔ یعنی پورے سرکش ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے باغی ہیں جو ان کی اطاعت سے نکل گئے۔

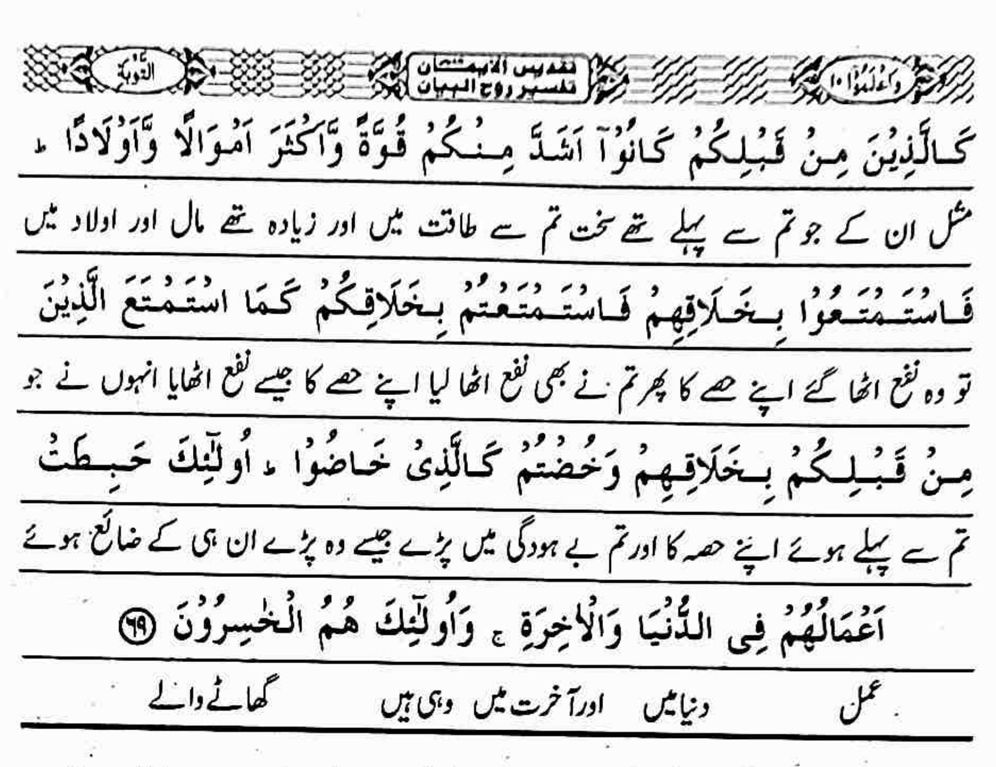
(آیت نمبر ۶۸) منافق مردوں اور عورتوں سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔

فائدہ: اگرچہ وعدہ کا اطلاق امور خیر پر ہوتا ہے۔ یعنی کسی نفع مند چیز کے ملنے کی وقوع سے پہلے ہی خبر دینا۔ لیکن کبھی شر کے پہنچنے سے پہلے بھی اسے استعمال کیا جاتا ہے۔ زیادہ تر خیر کیلئے الوعد اور شر کیلئے الوعید استعمال ہوتا ہے۔ یہاں معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں کو جہنم کا ڈر سناتا ہے۔

فائدہ: منافق بھی اگرچہ کافر ہی ہوتے ہیں۔ صرف فرق یہ ہے۔ منافق کفر چھپاتے ہیں اور کافر اعلانیہ کفر کرتے ہیں تو ان دونوں کیلئے جہنم ہے۔ جہنم گڑھے کو کہا جاتا ہے۔ جس میں آگ ہی آگ بھری ہوگی۔

حکایت: ایک مرتبہ حضور ﷺ بمعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیٹھے تھے کہ ایک بہت ہی ڈراؤنی آواز پیدا ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ جہنم کے کنارے سے گرنے والے پتھر کی آواز ہے۔ جو اوپر سے نیچے ستر سال میں پہنچا (اس سے اندازا لگایا جائے کہ جہنم کی گہرائی کتنی ہے) اس روز سے وصال مبارک تک کبھی پھر حضور کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

آگے فرمایا کہ وہ کافر اور منافق ہمیشہ اس جہنم میں رہیں گے جو انہیں سزا اور عذاب دینے کیلئے کافی ہوگی اور ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی۔ یعنی اللہ کی رحمت سے دوری اور ذلت اور رسوائی الگ ہوگی۔ اور فرمایا کہ ان پر عذاب ہوگا جو دائمی ہوگا کبھی ختم نہیں ہوگا۔ خلود اور مقیم سے مراد تاکید ہے یعنی نہ ختم ہونے والا عذاب۔



كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ

مثل ان کے جو تم سے پہلے تھے سخت تم سے طاقت میں اور زیادہ تھے مال اور اولاد میں

فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ

تو وہ نفع اٹھا گئے اپنے حصے کا پھر تم نے بھی نفع اٹھا لیا اپنے حصے کا جیسے نفع اٹھایا انہوں نے جو

مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ

تم سے پہلے ہوئے اپنے حصہ کا اور تم بے ہودگی میں پڑے جیسے وہ پڑے ان ہی کے ضائع ہوئے

اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾

عمل دنیا میں اور آخرت میں وہی ہیں گھاٹے والے

(آیت نمبر ۶۹) بالکل ان لوگوں کی طرح جو تم سے پہلے ہو گذرے۔ یعنی ہلاک ہونے والی قومیں جو تم سے زیادہ قوت والے جسم اور طاقت میں تم سے بہت سخت تھے جو مال و اولاد میں بھی تم سے زیادہ تھے۔ انہوں نے اپنے حصے کا نفع اٹھایا۔ لہذا نفع اٹھالو اور پھر ان کے نفع اٹھانے کی طرح تم بھی نفع اٹھالو۔ گویا تم بالکل ان ہی کے نقش قدم پر چل گئے اور تم بھی باطل کاموں میں پڑے جیسے وہ باطل باتوں میں پڑے تھے۔

آگے فرمایا کہ یہ کفار موجودہ اور سابقہ کفار جن سے مشابہت دی گئی اور جن کے برے اوصاف بیان ہوئے۔ ان سب کے اعمال ضائع ہو گئے۔ یعنی کوئی نیک عمل کیا بھی تھا۔ یا صدقہ خیرات کیا وہ سب ضائع ہو گیا۔ انہیں اس پر کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا۔ نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ اور یہی لوگ بہت بڑے خسارے میں پڑنے والے ہیں کیونکہ خسارے کے سارے اسباب ان میں پائے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ انہیں نفع ہونا تو در کنار انہوں نے کفر کر کے راس المال ہی اپنا ضائع کر دیا۔ اس لئے یہ سب سے بڑے خسارے میں پڑے ہیں۔

اسی لئے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے بڑے بازار میں مراتب اعمال کے مطابق ہوں گے۔ جو جیسا سامان لائے گا۔ ویسا مرتبہ پائے گا اور اس وقت اگر اعمال نہ ہوئے تو سخت شرمسار ہوگا۔

اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۬ۙ وَقَوْمِ

کیا نہیں آئیں ان تک خبریں ان سے پہلے لوگوں کی قوم نوح اور عاد اور ثمود اور قوم

اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ

ابراہیم کی اور مدین والے اور بستیاں جو الٹ دی گئیں لائے ان کے پاس رسول واضح دلائل

فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾

پھر نہیں ہے کہ اللہ ظلم کرے ان پر لیکن تھے وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے

(آیت نمبر ۷۰) کیا ان منافقوں کے پاس ان سے پہلے کے گذرے ہوئے لوگوں کی خبریں نہیں آئیں۔ یعنی کیا ان کو پتہ نہیں کہ پہلے لوگوں پر کیا بیتی۔ کہ جب انہوں نے اپنے اپنے وقت کے انبیاء کرام علیہم السلام کی مخالفت کی تو ان پر سخت سے سخت عذاب آئے۔ لہذا اب انہیں چاہئے کہ سابقہ امتوں کے حالات سے عبرت پکڑیں اور خوف خدا کریں کہ کہیں ان پر بھی وہ عذاب نہ آجائے کہ جس میں قوم نوح غرقاب ہوئی۔ اور قوم عاد جو سخت آندھی سے تباہ ہوئی۔ اسی طرح قوم ثمود جو گرجدار دھماکے سے اور زلزلے سے ملیامیٹ ہوئی اور ابراہیم علیہ السلام سے مقابلہ کرنے والا نمرود ایک مچھر سے ذلیل ہو کر مرا۔ اسی طرح مدین والے یعنی شعیب علیہ السلام کی قوم بادلوں کے سائیوں میں سے نکلنے والی آگ نے جلا کر راکھ کر دیا۔

فائدہ: مدین ابراہیم علیہ السلام کے ایک صاحبزادے کا نام تھا۔ ان کے نام پر اس شہر کا نام رکھا گیا اور موتفکات سے لوط علیہ السلام کی بستیاں مراد ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے ایک پر کے ساتھ چھ لاکھ کی بستیوں کو اٹھایا اور زمین و آسمان کے درمیان لے جا کر انہیں الٹ دیا۔ جس سے وہ اوپر کی نیچے ہو گئیں۔ ان تمام مذکورہ قوموں کے پاس رسول آئے۔ اور واضح دلائل اور معجزات لے کر آئے۔ مگر ان بدبختوں نے ان کی ایک نہ سنی لہذا اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کیا۔

آگے فرمایا کہ اللہ کی عادت مبارک ایسی نہیں کہ وہ ان پر ظلم کرے۔ جیسے لوگ ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں۔ لیکن وہ خود ہی گناہوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ ایسے ایسے جرم جیسے کفر اور بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کر کے گویا خود وہ عذاب کو دعوت دیتے تھے۔

حکایت: ایک بزرگ نے اپنی لونڈی کو ایک جگہ بٹھایا اور کسی کام کو چلے گئے اور کہا کہ میرے واپس آنے تک یہیں بیٹھنا۔ واپس آ کر دیکھا تو وہ وہاں نہ تھی۔ دور ایک کنارے پر بیٹھی ہوئی تھی۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں جو حکم کرتے ہیں نیکی کا

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ

اور روکتے ہیں برائی سے اور قائم کرتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور فرمانبرداری کرتے ہیں

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾

اللہ اور اس کے رسول کی۔ یہی ہیں عنقریب رحم فرمائے گا اللہ ان پر بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۷۰) تو اس بزرگ نے غصے سے پوچھا کہ جہاں بٹھایا تھا۔ وہاں سے کیوں چلی آئی تو اس نے کہا کہ جہاں آپ نے بٹھایا۔ وہاں لوگ ذکر الٰہی سے محروم تھے۔ میں ڈر گئی کہ کہیں میں بھی ان کی نحوست کی وجہ سے عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔

حدیث شریف: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ممبر پر جلوہ افروز تھے۔ دوران وعظ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی ہم تو بڑا حیا کرتے ہیں تو فرمایا کہ حیا کا مطلب یہ ہے کہ بندہ ہمہ وقت موت اپنے بالکل قریب سمجھے۔ اپنے پیٹ اور سر کی حفاظت کرے۔ یعنی نہ پیٹ میں لقمہ حرام جانے دے۔ نہ دماغ میں غلط تصورات کو جگہ دے۔ زبان پر زیادہ ذکر خدا کا ہو۔ اور یہ یقین کرے کہ ایک دن یہ جسم مٹی میں بالکل مٹی ہو جائیگا اور دنیا کی زیب و زینت پر توجہ نہ دے۔ (ترمذی و طبرانی)

(آیت نمبر ۷۱) اور مومن مرد اور مومنہ عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ یعنی وہ توحید پر متفق ہونے کی وجہ سے حق پر ہیں اور دین و دنیا میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور ان کے مرشد حضرات ان کی تربیت و تزکیہ نفس کر کے دوسرے بعض لوگوں کو بلند مراتب تک پہنچاتے ہیں۔ یعنی جو پیر و مرشد خاص اللہ والے ہیں۔

(روح البیان ج ۱ ص ۱۹۲)

آگے فرمایا کہ وہ ایک دوسرے کو نیکی کا حکم دیتے ہیں۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کو یاد خدا اور طلب خدا میں لگاتے ہیں اور ہر طرح کی برائی سے روکتے ہیں کیونکہ برائیوں اور گناہوں سے بندہ اپنے آقا سے دور ہو جاتا ہے اور وہ نماز قائم کرتے ہیں۔ یعنی ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔ اس میں دنیوی مشاغل بھی

انہیں حائل نہیں ہوتے۔ چنانچہ ایک مقام پر ان کی یوں شان بیان ہوئی کہ وہ ایسے مردان خدا ہیں کہ کوئی کاروبار انہیں یادالٰہی سے غافل نہیں کرتا۔ صوفیاء لوگ انہیں اہل دل کہتے ہیں اور فرمایا کہ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ صوفیاء کے نزدیک زکوٰۃ واجبہ یہ ہے کہ جو بھی ضروری حاجت کے علاوہ ہو وہ سب راہ خدا میں لٹا دیتے ہیں اور وہ تزکیہ نفس کرتے ہوئے دنیا کی محبت دل سے نکال دیتے ہیں۔

آگے فرمایا کہ وہ تمام احکام میں اللہ تعالیٰ اور اس رسول ﷺ کی اطاعت بجالاتے ہیں۔ یہ اہل ایمان کی تعریف کی گئی ہے۔ منافقین کے مقابلے میں یعنی منافقین ظاہری طور پر نماز وزکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ لیکن وہ حقیقی طور پر مخلص ہو کر اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی اطاعت نہیں کرتے بلکہ وہ نفس وخواہشات کی اطاعت کرتے ہیں۔ ان کے مدنظر دنیوی مقاصد ہوتے ہیں اور مومنین کے مدنظر رضاالٰہی ہوتی ہے۔

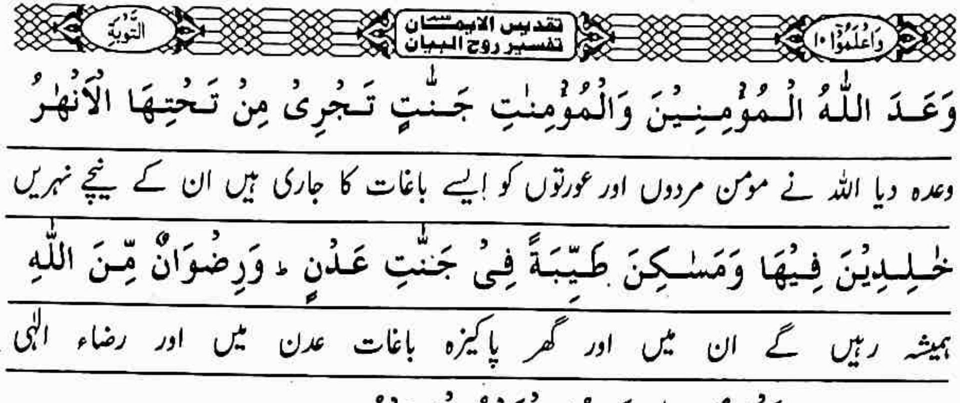
آگے فرمایا کہ یہ ہی لوگ ہیں کہ جن پر عنقریب اللہ تعالیٰ رحم فرمائے گا۔ یعنی دنیا میں ان کی تائید ونصرت اور آخرت میں عذاب سے نجات دے گا۔

پانچ انعام: یعنی پانچ مقامات پر اللہ تعالیٰ ان پر اپنا خاص لطف وکرم فرمائے گا۔:

۱۔ سکرات موت کے وقت یعنی روح نکلنے میں آسانی ہوگی۔
۲۔ عذاب قبر سے محفوظ ہوں گے۔
۳۔ اعمالنامہ دائیں ہاتھ میں ملے گا۔ اس وقت حسرت وندامت سے بچ جائے گا۔
۴۔ میزان کے وقت عمل بھاری ہونگے۔
۵۔ بارگاہ خداوندی میں حاضری کے وقت سوال وجواب میں آسانی ہوگی۔

پانچ نمازوں والے کامیاب ہیں:

حدیث شریف میں ہے کہ جو صبح کی نماز باجماعت پڑھے۔ اس پر موت آسان ہوگی جو ظہر کی نماز باجماعت پڑھے اس سے عذاب قبر نہیں ہوگا۔ اسی طرح جو عصر کی نماز ادا کرے اس کو منکر نکیر کا ڈر نہیں ہوگا اور جو مغرب کی نماز پڑھے۔ اس کو اعمال تولنے کے وقت کوئی کمی نہیں ہوگی اور اور جو عشاء کی نماز پڑھے وہ پل صراط سے آسانی کے ساتھ گذر جائے گا۔ **فائدہ** : گویا پانچوں نمازیں باجماعت ادا کرنے والا اللہ تعالیٰ سے بہت بڑے انعامات پائے گا۔



وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

وعدہ دیا اللہ نے مومن مردوں اور عورتوں کو ایسے باغات کا جاری ہیں ان کے نیچے نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ

ہمیشہ رہیں گے ان میں اور گھر پاکیزہ باغات عدن میں اور رضاء الٰہی

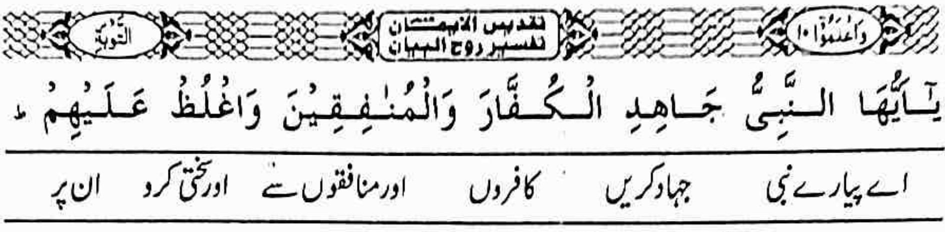
اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ؏ ﴿۷۲﴾

سب سے بڑی ہے یہ ہی ہے کامیابی بڑی

(آیت نمبر ۷۲) اللہ تعالیٰ کا مومن مردوں اور عورتوں سے وعدہ ہے کہ انہیں جنت میں درجات نصیب ہوں گے۔ جن میں نہریں جاری ہوں گی۔ پانی۔ شراب طہور۔ شہد اور دودھ کی نہریں ہوں گی۔ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ بے مثال محلات جو اتنے پاکیزہ اور خوبصورت ہوں گے۔ کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھے۔ نہ کسی کان نے سنے۔ جنہیں دیکھ کر دل خوش ہوگا۔ اور دنیا کی ساری تکالیف کو انسان بھول جائیگا۔

حدیث شریف میں ہے کہ موتیوں اور زبرجد اور یاقوت احمر کے بنے ہوئے محلات ہوں گے۔ اور وہ جنت عدن میں ہوں گے۔ جنت عدن تمام جنتوں سے زیادہ پررونق مقام پر ہوگا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جنت اللہ تعالیٰ کا وہ بنایا ہوا گھر ہے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا۔ نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی کے خیال میں اس کا تصور کبھی آیا (احیاء العلوم)۔ اس میں (۱) انبیاء کرام علیہم السلام (۲) صدیقین۔ (۳) شہداء ہوں گے۔ ایسے گھر میں جانے والوں کو مبارک ہو۔ اس جنت کو اس لئے بھی فضیلت ملی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بلاواسطہ اپنے دست قدرت سے بنایا اور حضور ﷺ کا مقام وسیلہ بھی وہاں ہی ہے۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی معمولی سی رضا بھی جنت سے بہت بڑی ہے اور یہی چیز تمام سعادتوں کا مبداء اور تمام کمالات کا منشاء ہے۔

فائدہ: عارفین کی عبادات وطاعات کا اصل مقصد رضاء الٰہی ہوتا ہے۔ اس لئے اسے کہا گیا کہ یہ ہی سب سے بڑی کامیابی ہے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی کامیابی بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ بلکہ دنیا کی تمام نعمتیں آخرت کی کسی ایک نعمت کے ایک ذرے کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ **سبق**: عقل مند وہی ہے جو دنیا سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف متوجہ ہو۔ تا کہ اسے آخرت کی سعادت حاصل ہو۔



يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ

اے پیارے نبی جہاد کریں کافروں اور منافقوں سے اورسختی کرو ان پر

وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾

ٹھکانہ ان کا جہنم ہے اور بری ہے لوٹنے کی جگہ۔

(آیت نمبر۷۳) اے پیارے نبی ﷺ۔ کفار سے کھل مکھلا جہاد کرو اور انہیں حق پر لانے کی پوری کوشش کرو۔ اسی طرح منافقین کو دلائل سے اور ان پر حدود قائم کرنے سے جہاد کرو اور کفار کے ساتھ تلوار سے جہاد کرو اور منافقین چونکہ اسلام کا اظہار کرتے ہیں۔ اگر چہ ان کے دلوں میں کفر ہوتا ہے۔ لیکن ہم شریعت کے ظاہری احکام پر عمل کرتے ہیں۔ اس لئے ان سے صرف حجۃ اور دلیل سے جہاد کرتے ہیں۔

آگے فرمایا کہ ان پر سختی کیجئے۔ یعنی ان کافروں اور منافقوں کے معاملہ میں نرمی کے بجائے ان پر سختی کریں۔ آگے فرمایا کہ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔ جہاں کفار اور منافقین کو ڈالا جائیگا۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے ایک صحابی سے فرمایا کہ میں تجھے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں۔ اس لئے کہ وہ سب اعمال کا اصل ہے (ریاض الصالحین و مشکوٰۃ)۔ **فائدہ**: تقویٰ اصل میں خوف الٰہی کا نام ہے۔ جب تقویٰ آ جائے تو خود بخود نیک عمل کی طرف رغبت ہو جاتی ہے اور برے افعال سے نفرت ہونے لگتی ہے۔

آگے فرمایا کہ تم پر جہاد کرنا اس لئے بھی لازم ہے کہ میری امت کیلئے یہی رہبانیت ہے۔

فائدہ: رہانیت یہ ہے کہ سب مخلوق سے الگ رہ کر اور دنیا کی تمام زیب و زینت کو چھوڑ کر اللہ کی عبادت میں مصروف ہو جانا۔ یہ پہلی امتوں میں تھا۔ حضور ﷺ نے اس امت کیلئے رہبانیت کو ختم فرمادیا اور اس کے بجائے جہاد کو لازم فرمادیا۔ کیونکہ جس طرح رہبانیت میں ہمہ وقت عبادت ہوتی ہے۔ اسی طرح جہاد میں چوبیس گھنٹے نیکیوں کا میٹر آن رہتا ہے۔

پانچ چیزیں لازم پکڑو: امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ عنہم پانچ باتوں پر ہمیشہ پابند رہے: (۱) نماز باجماعت۔ (۲) اتباع سنت۔ (۳) قرآن کی تلاوت۔ (۴) تعمیر مساجد۔ (۵) اور جہاد فی سبیل اللہ۔ ایک اور **حدیث** میں فرمایا کہ بہتر مرد وہ ہیں جو جہاد کرتے ہیں اور عورتوں کا جہاد یہ ہے کہ وہ گھروں میں رہ کر بچوں کی اچھی تربیت کریں۔ تو انہیں اللہ تعالیٰ گھر بیٹھے ہی جہاد کا ثواب عطا فرمائے گا۔ (بخاری، کتاب الجہاد)

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ

قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ نہیں کہا انہوں نے اور البتہ تحقیق کہی ہے انہوں نے بات کفر والی اور کفر کیا بعد

اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ

اسلام لانے کے اور چاہا جو نہ پاسکے۔ اور نہیں برا لگا انہیں مگر یہ کہ غنی کیا ان کو اللہ اور اس کے رسول نے

مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ

اپنے فضل سے۔ پس اگر وہ توبہ کرلیں ہوگا بہتر ان کیلئے۔ اور اگر مڑ جائیں تو عذاب دے گا ان کو اللہ

عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِى الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾

عذاب دردناک دنیا میں اور آخرت میں اور نہیں ہوگا ان کا زمین میں کوئی حمایتی اور نہ مددگار

(بقیہ آیت نمبر۷۳) ترک جہاد پر وعید:

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تم جہاد چھوڑ کر دنیا کے کاموں یعنی جانور پالنے اور کھیتی باڑی کرنے میں لگ جاؤ گے تو پھر تم پر ذلت وخواری مسلط کردی جائے گی (رواہ احمد وابوداؤد)۔ یعنی دشمن تم پر غالب آجائے گا اور وہ تمہیں ذلیل ورسوا کردے گا۔ (جیسے آج کررہا ہے کافر ہتھیار بناتے رہے اور مسلمان خواہشات وشہوات میں لگے رہے۔ اب وہ کافر جیسے چاہتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں۔ ذلیل کرلیتے ہیں۔ (کبھی عراق کو کبھی ایران کو کبھی یمن اور کبھی شام کو)۔ **فائدہ:** اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ترک جہاد کرکے دنیا کے کاموں میں لگ جانا بہت بڑا جرم اور گناہ ہے۔

(آیت نمبر۷۴) یہ منافق قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے وہ کچھ نہیں کیا جو آپ تک پہنچایا گیا۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ حضور ﷺ غزوۂ تبوک میں دو ماہ تک ٹھہرے۔ اس مدت میں آیات کا نزول ہوتا رہا اور منافقین جو جہاد میں شریک نہیں ہوئے۔ ان کی روزانہ جوت پرشاد ہوتی رہی یعنی ان کی مذمت قرآن میں اترتی رہی۔ ایک منافق جو شریک جہاد تھا۔ جلاس بن سوید نے کہا کہ جو کچھ محمد ﷺ کہہ رہے۔ اگر یہ حق ہے تو پھر ہم تو گدھے ہوئے۔ حضرت عامر انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ واقعی تم گدھے ہو۔ حضور ﷺ نے جو فرمایا۔ وہ برحق ہے۔ یہ گفتگو حضور ﷺ تک پہنچی آپ نے جلاس کو بلا کر پوچھا۔ تو اس نے قسم کھالی کہ میں نے کوئی بات نہیں کی تو حضرت

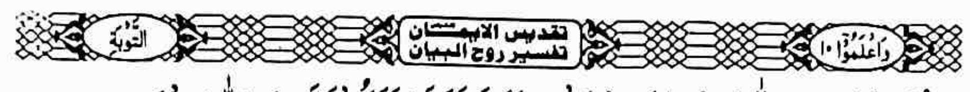
عامر نے دعا کہ یا اللہ اپنی طرف سے اس واقعہ کی تصدیق نازل فرما تا کہ اس جلاس کا جھوٹ ظاہر ہو۔ حضور ﷺ نے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا۔ آمین۔ اتنے میں آیت کریمہ نازل ہوئی کہ ان منافقوں نے یہ کفریہ کلمہ کہا ہے اور انہوں نے اسلام ظاہر کرنے کے بعد اپنے دل میں چھپے ہوئے کفر کو ظاہر کیا اور یہ واہی بے ایمان ہیں کہ جنہوں نے حضور ﷺ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن اس تک ان کی ہمت نہ ہو سکی۔ یعنی ان کا منصوبہ کامیاب نہ ہوا۔

واقعہ: منافقین میں سے پندرہ افراد نے یہ منصوبہ تیار کیا کہ جب حضور ﷺ واپس آئیں تو راستے میں ہی انہیں شہید کر دیا جائے۔ ان میں طے پایا کہ جب حضور ﷺ کی اونٹنی عقبہ وادی (جو تبوک اور مدینہ شریف کے درمیان ہے) میں پہنچے تو اسے پکڑ کر وادی میں لے جاؤ اور حضور ﷺ کو شہید کر دو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے منصوبے سے حضور ﷺ کو مطلع کر دیا۔ جب حضور ﷺ عقبہ کے قریب پہنچے تو آپ نے باقی لشکر کو حکم دیا کہ وہ وادی کی طرف چلیں۔ اور خود حضرت عمار اور حضرت حذیفہ کے ساتھ عقبہ کے راستے پر چل پڑے۔ حضرت حذیفہ نے پلٹ کر دیکھا کہ کچھ منافقین آ رہے ہیں تو انہوں نے منافقین کو للکارا چونکہ رات تھی پہچان تو نہ سکے۔ لیکن سمجھ گئے کہ یہ کسی شرارت کیلئے آ رہے ہیں۔ حضرت حذیفہ بن یمان کے للکارنے سے وہ بھاگ گئے۔ حضور ﷺ نے پوچھا کہ کیا تم نے ان کو پہچان لیا؟ عرض کی پہچان تو نہیں سکا کیونکہ رات کا اندھیرا بھی تھا اور انہوں نے منہ چھپائے ہوئے تھے۔ لیکن آپ لشکر کے ساتھ کیوں نہ چلے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ جبریل مجھے آگاہ کر دیا تھا کہ ان بے ایمانوں نے میرے قتل کا منصوبہ بنایا ہے تو انہوں نے عرض کی اگر آپ نام بتا دیں تو ہم آج ہی ان کو قتل کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ چونکہ وہ بظاہر مسلمان بنے ہوئے ہیں یہ کیا تو لوگ کہیں گے کہ محمد اپنے کلمہ پڑھنے والوں کو بھی قتل کرتے ہیں۔ لیکن حضور ﷺ نے ان کے لئے بددعا فرمائی اور وہ دبیلہ بیماری سے مر گئے۔

فائدہ: دبیلہ ایک بیماری ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ اندر آگ لگی ہے اور کندھوں سے شعلے نکلتے ہیں۔ آگے فرمایا کہ انہیں نہیں برا لگا۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے مسلمانوں کو مال و دولت سے غنی کر دیا۔

فائدہ: حضور ﷺ کے ساتھ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے مدینہ شریف میں آئے۔ تو اس وقت یہ سخت تنگدست تھے مالی حالت ان کی نہایت کمزور تھی۔ اب وہ مکانوں جائیدادوں کے مالک اور مال غنیمت کی کثرت سے ان کے حالات بہت بہتر ہو گئے۔ تو یہ منافقین مسلمانوں کی روز افزوں ترقی سے اندر اندر غیظ و غضب میں جلنے لگے تو فرمایا کہ اب بھی اگر وہ اپنے نفاق سے توبہ کر لیں تو ان کیلئے دونوں جہاں میں بہتری ہو گی۔

فائدہ: مروی ہے کہ جلاس نے آ کر عرض کی۔ حضور میری توبہ قبول فرمائیں۔ یہ پھر پکا مسلمان ہوا۔ اس کی تصدیق عامر بن قیس نے کی۔ آخر زندگی تک وہ اس پر قائم رہا۔



وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنۡ اٰتٰنَا مِنۡ فَضۡلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ﴿۷۵﴾

اوران میں سے ہے جس نے وعدہ کیا اللہ سے کہ اگر دیا ہمیں اپنے فضل سے تو ضرور ہم صدقہ کریں گے اور ضرور رہوں گے نیکو کاروں سے

(بقیہ آیت نمبر ۷۴) آگے فرمایا کہ اگر وہ توبہ سے منہ پھیر لیں اور اپنے کفر و نفاق پر بضد ہوں تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا۔ دنیا میں قتل وقید سے اور آخرت میں دردناک عذاب جہنم سے اور پھر زمین میں ان کا کوئی حمایتی اور مددگار نہیں ہوگا۔ جو انہیں عذاب الٰہی سے بچا سکے۔

مسئلہ: معلوم ہوا کہ گناہ گار کی نجات استغفار میں ہے دنیا میں خواہ کتنے بڑے عہدے پر چلا جائے۔

فائدہ: دانا کا کہنا ہے کہ جنت میں داخلہ تین باتوں کی وجہ سے ہے: (۱) کلمہ شہادت (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) سے۔ (۲) گناہ کے بعد استغفار سے۔ (۳) اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید سے۔

حکایت: محمد بن جعفر فرماتے ہیں کہ میں بادشاہ کے ساتھ کشتی پر سوار تھا۔ بادشاہ نے کہہ دیا۔ اللہ وحدہ لاشریک ہے تو میں بھی تو وحدہ لاشریک ہوں۔ میں نے کہا فوراً توبہ کر ورنہ ابھی غرق ہو جائے گا۔ تم واحد کہاں ہو تم دو ہو۔: (۱) جسم۔ (۲) روح دو سے پیدا ہوئے: (۱) ماں۔ (۲) اور باپ۔ دو میں رہتے ہو: (۱) دن۔ (۲) اور رات دو کے ذریعے زندہ ہو: (۱) خورد۔ (۲) اور نوش۔ آئندہ ایسی بات نہ کرنا۔ واحد ہونا صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو عبادت کے لائق ہے اور کوئی بھی نہ اس کی ذات میں شریک ہے۔ نہ صفات میں۔ نہ پیر نہ ولی نہ نبی سب اس ذات کے محتاج ہیں۔

(آیت نمبر ۷۵) ان منافقین میں ایک ایسا بھی تھا کہ جس نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے فضل وکرم سے مال ودولت دیا تو ہم ضرور اپنے مال سے زکوٰۃ وصدقات دیں گے اور ہم ضرور بہ ضرور نیک لوگوں سے ہوں گے۔ **شان نزول**: یہ آیت ثعلبہ بن بلتعہ کے حق میں نازل ہوئی۔ جو بہت بڑا عابد تھا۔ ہر وقت مسجد میں رہنے کی وجہ سے لوگ اسے مسجد کی کبوتری کہتے تھے۔ بہت ہی سجدوں کی وجہ سے ماتھے پر داغ بھی پڑ گیا تھا۔ غربت کا یہ عالم کہ پورے گھر میں ایک قمیص تھی۔ یہ نماز پڑھ کر گھر جاتے۔ پھر بیوی وہی قمیص پہن کر نماز پڑھتی۔ ایک دن عرض کی۔ حضور (ﷺ) دعا فرمائیں۔ میں مال دار ہو جاؤں۔ تو آپ نے فرمایا۔ ثعلبہ تیرے لئے مال اچھا نہیں ہے۔ اس تھوڑے مال پر اللہ کا شکر کر۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ زیادہ مال پر شکر ادا نہ ہو سکے۔ لیکن ثعلبہ جب بھی حاضر ہوتا یہی بات عرض کرتا کہ مال مل گیا تو میرے حالات بھی بہتر ہو جائیں گے۔ اور میں سب کے حقوق بھی ادا کروں گا۔ بالآخر حضور ﷺ نے دعا فرما دی۔ نبی دعا کرے۔ پھر تو قبول ہونے میں دیر لگتی ہی نہیں۔

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾

پھر جب دیا ان کو اپنے فضل سے تو بخل کیا ساتھ اس کے اور منہ پھیر لیا اور وہ ہیں ہی منہ پھیرنے والے

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِىْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ

تو اس کے پیچھے رکھ دیا نفاق ان کے دلوں میں اس دن تک کہ ملیں گے اس کو بوجہ اس کے جو خلاف کیا اللہ سے

مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾

جو وعدہ کیا اس سے اور بوجہ اس کے جو تھے جھوٹ بولتے

(بقیہ آیت نمبر ۷۵) اور اس کا مال دنوں میں بڑھتے بڑھتے اتنا بڑھا کہ پانچوں وقت اسے مسجد میں حاضر ہونا مشکل ہو گیا۔ پھر مدینہ شریف میں اس کے مال کی گنجائش ہی نہ رہی اور وہ جنگل میں چلا گیا۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے زکوٰۃ کا حکم آیا تو حضور ﷺ نے ثعلبہ کے پاس آدمی بھیجا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر زکوٰۃ فرض کی۔ لہذا تم اپنے مال میں سے زکوٰۃ ادا کرو۔ جب زکوٰۃ لینے والا ثعلبہ کے پاس گیا اور اسے حکم خدا اور رسول سنایا۔ تو اس نے کہا یہ کیا ٹیکس لگا دیا گیا ہے۔ وصول کرنے والے سے کہا۔ جاؤ میں ابھی غور و فکر کرلوں پھر دیکھوں گا۔

(آیت نمبر ۷۶) جب اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے فضل سے مال عطا فرمایا تو اس نے بخل کیا۔ ابھی زکوٰۃ وصول کرنے والا واپس نہیں آیا تو پہلے ہی حضور ﷺ نے فرما دیا تھا۔ ثعلبہ پر افسوس یہ جملہ دو بار دوہرایا۔ آگے فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے وعدے سے اور اطاعت سے پھر گیا۔ اور یہ لوگ ہیں ہی منہ پھیرنے والے۔

ثعلبہ کا انجام: بعد میں ثعلبہ صدقہ کا مال لے کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا مگر حضور ﷺ نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے قبول کرنے سے روک دیا ہے تو وہ اپنے سر پر خاک ڈالتا ہوا واپس ہوا پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی آیا۔ انہوں نے بھی قبول نہ کیا۔ پھر دور فاروق رضی اللہ عنہ میں بھی میں آیا۔ انہوں نے بھی قبول نہ کیا۔ چونکہ اس نے زکوٰۃ کو چٹی اور ٹیکس کہا تھا۔

(آیت نمبر ۷۷) آگے فرمایا کہ چونکہ ان کے پیچھے نفاق لگ گیا۔ یعنی عقیدہ منافقت کا اپنا لیا اور آگے اس کی علت کو بھی بیان فرما دیا کہ وعدہ کی خلاف ورزی بھی اصل میں منافقت ہے۔ کیونکہ یہ چار پکی نشانیاں ہیں۔ بات بات میں جھوٹ بولے گا۔ وعدہ خلافی کرے گا۔ امانت میں خیانت کریگا۔ جھگڑا ہو تو گالیاں نکالے گا۔ (مشکوٰۃ شریف)

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿٧٨﴾

کیا نہیں وہ جانتے کہ بے شک اللہ جانتا ہے بھید ان کے اور سرگوشیاں ان کی اور بے شک اللہ بہت زیادہ جاننے والا ہے غیبوں کو

(بقیہ آیت نمبر ۷۷) **فائدہ**: معلوم ہوا جو اللہ کا حق ادا نہ کرے۔ اس کا نتیجہ برا ہوتا ہے۔ جیسے ثعلبہ کا انجام برا ہوا (اللہ بچائے) شیطان کے ایک سجدہ نہ کرنے سے اس کی اسی ہزار سال کی عبادت ضائع ہوگئی اور لعنت ہمیشہ کی گلے میں پڑ گئی اس طرح جنہوں نے اللہ سے وعدہ کیا پھر اس کے خلاف کیا۔ یعنی وعدہ کیا تھا کہ مال ملا تو صدقہ خیرات کریں گے اللہ تعالیٰ نے مال بے حساب دیا اور وہ منکر ہو گئے یعنی وعدہ پورا نہ کیا۔ یہ سزا اس وجہ سے کہ انہوں نے جھٹلایا یعنی ان منافقوں نے یہ عزم کر رکھا تھا کہ وہ نبی کی ہر بات کو جھٹلائیں گے اور مخالفت کریں گے۔

(آیت نمبر ۷۸) کیا وہ نہیں جانتے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا تھا کہ مال اللہ کی راہ میں لگائیں گے اور نیک کام کریں گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ تو جانتا ہے ان کی چھپی باتیں اور ان کے ارادوں کو کہ وہ ہمارے احکام کی خلاف ورزی کریں گے اور جو وہ چھپ کر سرگوشیاں کرتے ہیں یعنی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مشورے کرتے ہیں۔ ان سب باتوں کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے اس لئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ سب عیبوں کو جاننے والا ہے۔ یعنی اس سے ان منافقوں کی کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔

مسئلہ: کسی نے قربت کیلئے یعنی اللہ کی رضا کیلئے منت مانی مثلاً کہا کہ اللہ نے ہزار درہم دیا۔ تو پانچ سو اللہ کی راہ میں دونگا۔ جب ہزار درہم اسے مل جائیں تو اس میں سے پانچ سو درھم دینے اس پر لازم ہیں۔

مسئلہ: اور اگر گناہ کی منت مانی کہ فلاں کو نہیں ملوں گا۔ یا فلاں کو قتل کرونگا۔ اس پر لازم ہے کہ فوراً قسم توڑے اور اس کا کفارہ ادا کرے۔

قسم کا کفارہ: غلام آزاد کرنا یا دس مسکینوں کو کھانا۔ یا ان کو کپڑے دینا ورنہ تین روزے رکھنا۔

منافقت: جھوٹ بولنا۔ وعدہ خلافی کرنا۔ امانت میں خیانت کرنا۔ منافقت کی علامات سے ہیں اور جس میں یہ ساری باتیں ہوں وہ پکا منافق ہے اور اگر ان میں ایک پائی جائے تو اس میں نفاق کی ایک نشانی ہے۔ (مشکوٰۃ)

مومن: سچائی اور اطاعت خدا اور رسول یہ مومن ہونے کی نشانی ہے۔

اللہ اور رسول کے ناپسندیدہ::

تین شخص ہیں: (۱) بخیل۔ (۲) تکبر کرنے والا۔ (۳) اور بہت زیادہ کھانے والا۔

الَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ

وہ لوگ جو عیب لگاتے ہیں دل کی خوشی سے دینے والے مسلمانوں کو خیرات میں اور جو نہیں پاتے

اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٩﴾

مگر محنت اپنی تو ہنسی بناتے ہیں ان کی ہنسی کا بدلہ اللہ دیگا ان کو اور ان کیلئے عذاب ہے دردناک

(آیت نمبر۷۹) وہ لوگ جو صدقہ دینے والے مسلمانوں کو طعنے مار کر عیب لگاتے ہیں یعنی جب کوئی مسلمان صدقات وخیرات کرتے ہیں۔

شان نزول : حضور ﷺ نے مسلمانوں کو جنگ تبوک کے موقع پر راہ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب دی۔تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ گھر کا سارا ہی مال لیکر حاضر ہوگئے۔جس کی مالیت چار ہزار درہم سے زیادہ تھی۔یہ دیکھ کر حضور ﷺ نے پوچھا کہ اے صدیق کیا گھر والوں کیلئے بھی کچھ چھوڑا ہے؟ عرض کی گھر والوں کیلئے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ چھوڑ آیا ہوں۔اتنے میں جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی گھر سے مال لے آئے ان سے پوچھا گیا کہ گھر والوں کیلئے کتنا مال چھوڑ آئے۔عرض کی آدھا مال گھر چھوڑ آیا ہوں۔حضور ﷺ نے فرمایا۔صدیق وفاروق رضی اللہ عنہما کی شان میں بھی یہی فرق ہے **شان عثمان غنی** یہ ہے کہ انہوں نے اس موقع پر دس ہزار دینار جنگی ضروریات کیلئے اور ایک ہزار دینار حضور ﷺ کی خدمت میں نذرانہ۔تین سو اونٹ بمعہ جنگی ساز وسامان اور پچاس گھوڑے۔حضور ﷺ نے فرمایا۔اے اللہ میں عثمان سے راضی ہوں تو بھی راضی ہوجا۔(ایک روایت میں ہے فرمایا آج کے بعد عثمان کی جو مرضی ہے کرے۔کوئی چیز عثمان کو نقصان نہیں دے سکتی) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف چار ہزار درہم لائے علی ہذاالقیاس ہر صحابی اپنی قدر سے بڑھ کر مال پیش کررہا تھا۔بعض وہ بھی تھے جنہوں سے سیر دو سیر کھجوریں پیش کیں۔اس لئے فرمایا کہ کچھ وہ لوگ بھی ہیں جو صرف اپنی محنت مزدوری کر کے جو ملا وہ لے آئے تو منافقین دیکھتے اگر کوئی زیادہ لے کے آتا تو کہتے یہ ریاکاری ہے اور اگر کوئی تھوڑا لیکر آتا تو اس پر کہتے اتنے تھوڑے پر اللہ کو راضی کرتا ہے(پنجابی میں اس کی مثال ہے اگوں چک تے پچھوں لت) یعنی منافقین اہل ایمان کا مال دیکھ کر تمسخر اڑاتے تھے۔ ابو عقیل انصاری رضی اللہ عنہ ایک سیر کھجوریں لیکر حاضر ہوئے اور عرض کی حضور میرے پاس یہی کچھ ہے اسے قبول فرمائیں تو حضور ﷺ نے انہیں بھی صدقہ کے مال میں ڈال دیا گویا قبول کرلیا تو اس پر منافقین ہنسنے لگے۔تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان ہنسے والوں کو سزا ملے گی اللہ تعالیٰ تو مسخری کرنے سے پاک ہے یعنی مسلمانوں کا تمسخر اڑانے والوں کو تمسخر کرنے کی سزا دے گا اور ان منافقوں کیلئے دردناک عذاب ہوگا۔ان کے کفر ونفاق کی وجہ سے۔

اِسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ ؕ اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ سَبۡعِيۡنَ مَرَّةً

بخشش مانگو ان کیلئے یا نہ بخشش مانگو اگر بخشش چاہو ان کیلئے ستر بار بھی

فَلَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ؕ

تو ہرگز نہیں بخشے گا اللہ ان کو یہ اس لئے کہ انہوں نے کفر کیا اللہ اور اس کے رسول سے

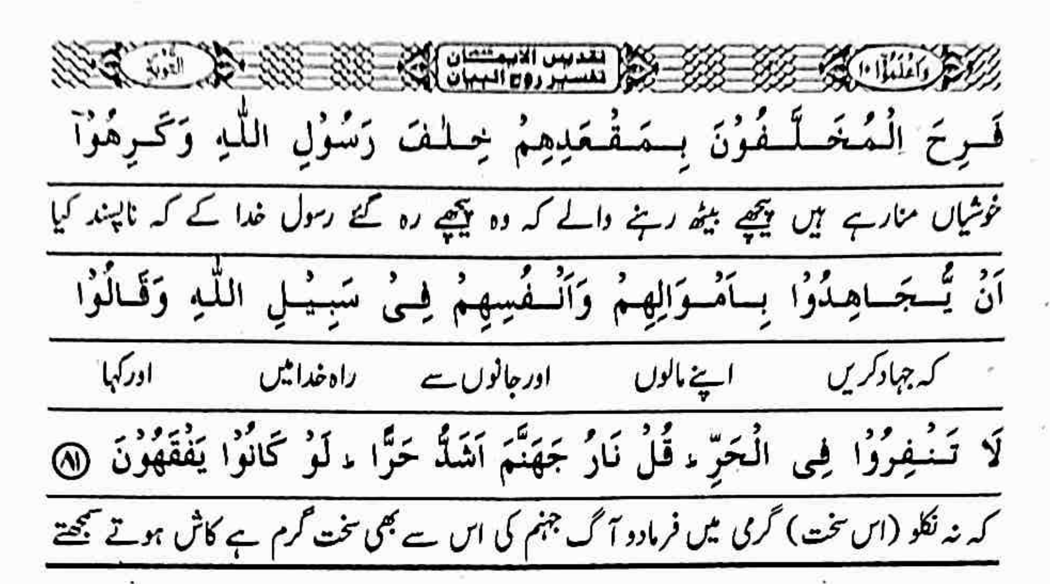
وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ ع ۸۰

اور اللہ نہیں ہدایت دیتا قوم فاسقوں کو۔

(آیت نمبر ۸۰) اے محبوب آپ ان منافقوں کیلئے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں یہاں تک کہ اگر آپ ان کیلئے ستر بار بھی مغفرت کی دعا کریں۔ تو ہرگز اللہ تعالیٰ انہیں نہیں بخشے گا۔

فائدہ: حضور ﷺ کی عادت کریمہ تھی کہ جو بھی کلمہ گو آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر بخشش کی دعا کیلئے عرض کرتا۔ تو آپ اس کیلئے بخشش کی دعا فرما دیتے۔ یہاں تک کہ منافق بھی آ کر عرض کرتے تو آپ ان کے ظاہری طور پر اسلام لانے کی وجہ سے قطع نظر اس کی اندرونی معاملے کے آپ ان کے لئے بخشش کی دعا فرما دیتے۔ بلکہ ان منافقوں میں سے کوئی مر جاتا تو اس کے وارثوں میں سے کوئی اس کی دعا کیلئے عرض کرتا۔ تو آپ دعا فرما دیتے۔ اس وجہ سے کہ اس نے ظاہراً کلمہ پڑھا ہوا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اب حکم دے دیا کہ ان کیلئے استغفار کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہاں تک کہ آپ ان کیلئے ستر بار بھی استغفار کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں نہیں بخشے گا۔ اس لئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہیں اور کافر کی بخشش ناممکن ہے۔

وہابیہ کا رد: جو لوگ کہتے ہیں کہ اس آیت سے حضور ﷺ کا عدم اختیار ثابت ہوتا ہے ان کا بھی رد ہو گیا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں تمہاری دعا قبول نہیں کروں گا۔ بلکہ یہ فرمایا کہ میں ان کو نہیں بخشوں گا۔ جو میرے بھی منکر اور تیرے بھی منکر ہیں۔ یعنی عدم بخشش کی بنیاد ان کا کفر ہے۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ منافقین کی بخشش کا خانہ ہی بند کر دیا گیا ہے اور ان منافقوں کا کفر بھی حد سے تجاوز کر چکا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ اس لئے کہ ہدایت ایسے لوگوں کی حکمت خداوندی کے تقاضوں ہی کے خلاف ہے۔ چونکہ انہوں نے اس سے پہلے ہدایت کو قبول نہیں کیا۔ لہذا اب ان کے نصیب میں ہدایت ہو ہی نہیں سکتی۔



فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا

خوشیاں منا رہے ہیں پیچھے بیٹھ رہنے والے کہ وہ پیچھے رہ گئے رسول خدا کے کہ ناپسند کیا

اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا

کہ جہاد کریں — اپنے مالوں — اور جانوں سے — راہ خدا میں — اور کہا

لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿٨١﴾

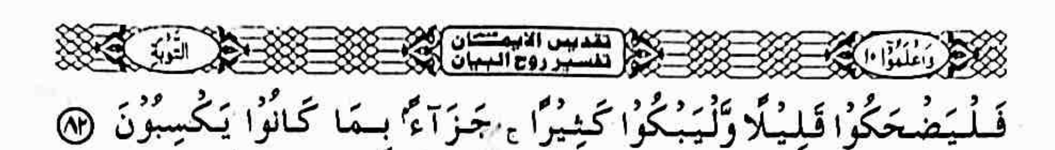
کہ نہ نکلو (اس سخت) گرمی میں فرمادو آگ جہنم کی اس سے بھی سخت گرم ہے کاش ہوتے سمجھتے

(آیت نمبر ۸۱) خوش ہوئے تبوک کے موقع پر پیچھے رہ جانے والے منافق۔ یعنی مدینہ شریف میں ہی بیٹھ رہنے والے اس بات پر خوش ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جنگ پر چلے گئے اور ہم عذر بہانے کر کے نہیں گئے اور گھر میں آرام سے رہیں گے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مالوں اور جانوں سے جہاد کرنے کو ناپسند کیا۔ گویا انہوں نے آرام کو طاعت الٰہی پر ترجیح دی۔ اس لئے کہ ان کے دل میں کفر اور منافقت تھی۔

نکتہ: یعنی اس موقع پر مسلمانوں نے جان مال خرچ کئے اور منافقوں نے جان مال بچایا۔ مسلمان اللہ کی رضا کے طالب اور منافق بخل اور آرام کے طالب۔ بلکہ مسلمانوں کو بھی انہوں نے مشورہ کے طور پر کہا کہ گرمی سخت ہے۔ اس میں کہیں نہ نکلو۔ ورنہ گرمی میں مرجاؤ گے یا بیمار ہو جاؤ گے۔

فائدہ: یہاں منافقین کی تین عادتیں بیان ہوئیں۔ جو ان کے کفر و گمراہی کی علامات ہیں: (۱) جنگ پر نہ جانے کی خوشی۔ (۲) جہاد سے کراہت۔ (۳) اور دوسروں کو بھی جہاد سے روکنا۔ یہ مسلمانوں کے امتحان کا وقت تھا کہ گرمی بھی سخت تھی ادھر کھجوریں بھی پک چکی تھیں۔ جس پر سارے سال کا گذران تھا۔

عجیب واقعہ: ابوخیثمہ صحابی رسول حضور ﷺ کے ساتھ جنگ تبوک میں نہ جا سکے۔ دوسرے یا تیسرے روز یہ باغ میں گئے تو بیوی نے ٹھنڈا پانی اور پر تکلف کھانا پیش کیا۔ ابوخیثمہ نے ایک نگاہ درختوں کے ٹھنڈے سائے اور پر تکلف کھانے اور ٹھنڈے پانی پر ڈالی اور کہا افسوس رسول خدا تو سخت گرمی میں ہوں اور ابوخیثمہ تو ٹھنڈے پانی پیئے اور پر تکلف کھانے کھائے اور درختوں کے سائیوں میں بیویوں کے پاس بیٹھے۔ بس پھر تمام اشیاء دھری کی دھری رہ گئیں اور بیویوں سے فرمایا اب رسول اللہ کا دیدار کئے بغیر واپس گھر میں آنا حرام ہے۔ اونٹنی فوراً تیار کی اور اپنے تیر و تلوار تھام کر سیدھے تبوک میں پہنچ گئے اور حضور ﷺ نے دور سے دیکھ کر فرمایا ابوخیثمہ آ رہا ہے۔



فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾

تو ہنسو کم اور روؤ زیادہ بدلہ ہے اس کا جو تھے کماتے

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ

پھر اگر لوٹائے اللہ آپ کو طرف ایک گروہ کے ان میں سے پھر وہ اجازت مانگیں آپ سے (جہاد کو) نکلنے کی تو فرما دو

(بقیہ آیت نمبر۸۱) **فائدہ**: منافقین کہنے لگے۔ گرمی سخت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ محبوب ان سے کہہ دو۔ جہنم کی گرمی اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔ دنیوی گرمی سے ڈرتے ہو جہنم کی گرمی سے کیوں نہیں ڈرتے۔ کاش وہ یہ سمجھ جاتے کہ واقعی جہنم کی گرمی زیادہ سخت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے ستر گنا زیادہ سخت ہے۔

(آیت نمبر۸۲) جنگ تبوک سے پیچھے رہنے والوں کو چاہئے کہ ہنسیں تھوڑا کہ یہ دنیا بہت ہی تھوڑی ہے اور روئیں زیادہ۔ ورنہ جہنم میں زیادہ رونا پڑے گا۔ جہنم تو بطور سزا کے ہے۔ ان کیلئے جو دنیا میں برے عمل کماتے تھے۔ یعنی گناہ کرتے تھے۔ **حدیث شریف**: منافق جہنم میں اس دنیا کی عمر کے برابر روتا رہے گا۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ منافقین کو بروز قیامت غم ہی ہوگا۔ خوشی نصیب نہ ہوگی۔ کیونکہ دنیا میں انہوں نے مسلمانوں کی پریشانی پر خوشی کر لی ہوگی۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ کا گذر ایک قوم پر ہوا جو بہت ہنس رہے تھے۔ آپ نے سلام کے بعد فرمایا۔ لذتیں مٹانے والی موت کو زیادہ یاد کرو۔ (بخاری)

حکایت: حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نوجوان کو ہنستے ہوئے دیکھ کر فرمایا۔ پل صراط عبور کر لیا ہے؟ اس نے کہا نہیں فرمایا معلوم ہو گیا ہے آپ کو کہ جنت میں جاؤ گے یا دوزخ میں تو اس نے کہا نہیں تو فرمایا پھر یہ ہنسا کس وجہ سے ہے۔ پھر وہ نوجوان کبھی ہنستے نہیں دیکھا گیا۔

(آیت نمبر۸۳) جب اللہ تعالیٰ آپ کو تبوک سے واپس ایک گروہ کے پاس لائے۔ یعنی ان منافقوں کے پاس جو عذر بہانے بنا کر یا کسی وجہ سے مدینہ شریف میں رہ گئے تھے۔ تو اے محبوب اب وہ آپ سے اگلی کسی جنگ میں جانے کیلئے اجازت چاہیں گے تو آپ ان سے فرما دیں کہ اب میرے ساتھ ہرگز نہ نکلو۔ یعنی انہیں بالکل ساتھ جانے کی اجازت نہ دیں اور ان سے فرمائیں کہ ہمارے ساتھ مل کر دشمن سے جنگ نہ کرو۔ اس لئے کہ اس سے پہلے تم جنگ پر نہ جانے سے بہت خوش ہوئے۔ لہذا اب تم پیچھے بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔

لَنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ

ہرگز نہ چلو میرے ساتھ کبھی بھی اور ہرگز مت لڑو میرے ساتھ ملکر دشمن سے بے شک تم نے پسند کیا

بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ

بیٹھ رہنے کو پہلی مرتبہ تو اب بیٹھے رہو ساتھ پیچھے رہ جانے والوں کے۔ اور نہ نماز پڑھنا اوپر کسی ایک کے

مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ

ان میں سے جو مرے کبھی بھی اور نہ کھڑے ہوں اوپر اس کی قبر کے۔ کہ بے شک وہ منکر ہیں اللہ

وَ رَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾

اوراس کے رسول کے اور مرے اس حال میں کہ وہ فاسق تھے

یعنی عورتوں اور بچوں کی دیکھ بھال کرو۔

فائدہ: علماء کرام فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کبھی کسی جہاد کے موقع پر منافقین کونہیں بلایا گیا۔ ان کا نام مجاہدین کی فہرست سے نکال دیا گیا۔ یہ ان کیلئے سزا تھی۔ کیونکہ انہوں نے نہ صرف جنگ پر جانے سے انکار کیا۔ بلکہ حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کی اور مسلمانوں کو جہاد پر جانے سے روکا۔

(آیت نمبر ۸۴) اے محبوب ان منافقوں سے اگر کوئی مرجائے تو آپ ان کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں کبھی بھی اور نہ اس کی قبر پر دعا وغیرہ کیلئے کھڑے ہوں۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ کی عادت مبارک تھی۔ میت کو دفنانے کے بعد اہل قبر کیلئے خصوصی دعا فرماتے (مشکوٰۃ)۔ لیکن اب اللہ تعالیٰ نے منافق کی قبر پر دعا سے منع کیا۔ اس لئے وہ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہیں یعنی نہ ان کی قبر پر جائیں نہ دعا بخشش کی ان کیلئے کریں۔ اس لئے کہ وہ اس بخشش کے قابل نہیں۔ کیونکہ وہ اس حال میں مرے کہ وہ فاسق ہیں یعنی کافر ہیں۔

واقعہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ منافقوں کا سردار ابن ابی جب مرگیا۔ اس کا بیٹا عبداللہ جو پکا مومن صحابی رسول تھا۔ اس نے عرض کی میرا والد فوت ہوگیا۔ آپ جنازہ پڑھادیں۔ اگر آپ تشریف نہ لے گئے تو میری ذلت ہوگی۔ کوئی بھی جنازے پر نہ جائے گا۔ آپ اس کی دل جوئی کیلئے تیار ہوگئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ آپ اللہ کے دشمن کی نماز جنازہ پڑھاتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بخشش بھی نہیں کرنی۔

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا

اور نہ آپ کو تعجب ہو ان کے مالوں اور ان کی اولاد پر بے شک چاہتا ہے اللہ تعالیٰ یہ کہ عذاب دے ان کو اس کا

فِى الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿٨٥﴾

دنیا میں اور نکالے جائیں ان کی اس حال میں کہ وہ کافر ہوں

(بقیہ آیت نمبر۸۴) جبکہ آپ کو اس کا سارا کردار بھی معلوم ہے ابھی آپ نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی تھی۔ کہ اتنے میں جبریل امین بھی یہ آیت کریمہ لے کر آ گئے اور آپ نے اسے قمیص اس لئے عطا فرمائی کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ جب بدر سے قیدی ہو کر آئے۔ تو ان کے بدن پر قمیص نہ تھی اس ابن ابی نے انہیں اپنی قمیص دی تھی۔ اب اس موقع پر حضور ﷺ نے اپنی قمیص اسے دے کر بدلہ اتارا تھا۔ لیکن ساتھ ہی فرمایا کہ اس کے کفر کی وجہ سے اسے قمیص کوئی فائدہ نہیں دے گی۔ اس اخلاق نبوی کو دیکھ کر ایک ہزار منافق پکے مسلمان ہو گئے۔

(آیت نمبر۸۵) اے محبوب آپ کو ان کے مال اور اولاد تعجب میں نہ ڈالے۔ یعنی منافقین کا کثرت اموال اور کثرت اولاد تعجب کا موجب نہ بنے۔ اگر چہ اموال نفوس کے بقا کا سبب ہیں اور اولاد صرف نوع کی بقاء کا سبب ہے۔ لیکن یہ دونوں چیزیں فانی ہیں اور انہیں غلط استعمال کرنے پر یہ جہنم لے جانے والے ہیں۔ اس لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان منافقوں کو مال اور اولاد دے۔ تا کہ یہ مال اولاد کی وجہ سے دنیا میں خوب نفع اٹھائیں اور اس مال کی وجہ سے انہیں دنیا میں ہی دکھوں اور مصیبتوں کے عذاب میں مبتلا کرے اور ان کی روحیں بھی کفر کی حالت میں نکلیں۔ اور پھر انجام پر نظر نہ کرنے کی وجہ سے ایسے غافل ہوں کہ مرنے سے پہلے انہیں توبہ کی توفیق ہی نہ ملے۔

ایک فقیر کا قول ہے کہ دولت مندوں جیسا کم بخت کوئی نہیں کہ مال واسباب جمع کرنے کیلئے بے حساب مشقتیں اور مصیبتیں اٹھاتے ہیں اور مال کی وجہ سے کئی قسم کی پریشانیوں میں مبتلا رہتے ہیں اور مرتے وقت بھی مال و دولت کی حسرتیں لے کر دنیا سے جاتے ہیں۔ اور آخرت میں حساب و کتاب کی پریشانی الگ اٹھائیں گے۔ چونکہ انسان مال واولاد کا زیادہ حریص رہتا ہے۔ اس لئے کہ اس جملہ کو دوبارہ پھر لایا کہ انسان فطرتی طور پر مال واسباب کا ہی متمنی رہتا ہے۔ **فائدہ**: مال واولاد اگر چہ مومن کیلئے نعمت ہیں۔ لیکن یہی منافق کیلئے عذاب الٰہی کا سبب ہیں۔ اسلئے وہ مال واولاد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے۔ **حدیث شریف** میں ہے کہ دنیا شہوات ولذات سے پر ہے۔ اس لئے اے بندگان خدا کہیں یہ شہوات ولذات دنیا تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں۔ اس لئے کہ جس کو آخرت کا انجام اچھا نصیب نہیں ہوا۔ اسے دنیا کے منافع کا کیا فائدہ۔

وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ

اور جب اتری کوئی سورۃ کہ ایمان لاؤ اللہ پر اور جہاد کرو ساتھ رسول کے تو رخصت مانگتے ہیں آپ سے

اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوْا بِاَنْ

مال والے ان میں سے اور کہتے ہیں ہمیں چھوڑ جائیں تا کہ ہوں ساتھ پیچھے بیٹھنے والوں کے۔ وہ اسی پر خوش ہوئے کہ

يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾

ہوئے ساتھ پیچھے بیٹھنے والیوں کے اور مہر لگائی گئی اوپر دلوں ان کے تو وہ نہیں سمجھتے

(آیت نمبر ۸۶) اور جب قرآن پاک کی کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے پیارے رسول ﷺ کے ساتھ ہو کر دین کی عزت اور کلمہ کی سر بلندی کیلئے جہاد کرو تو جو منافقین مال والے ہیں۔ وہ آپ سے جلد اجازت لے لیتے ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس مال واسباب وافر مقدار میں ہوتا ہے اور جانی مالی قدرت بھی انہیں حاصل ہوتی ہے۔ پھر بھی وہ جہاد پر جانے سے بہانے بنا کر جان چھڑاتے ہیں۔

آگے فرمایا کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہیں چھوڑ جائیں۔ ہم پیچھے بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ رہیں گے۔

(آیت نمبر ۸۷) وہ اسی پر خوش ہیں کہ وہ پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ ہوں جو جنگ پر نہ جا سکیں اور گھروں میں بیٹھی ہیں۔ یہ منافق مرد میدان کے بجائے زن خانہ بننا چاہتے ہیں۔ اور اس پر راضی ہیں اور انہیں خالفہ سے اس لئے بھی تعبیر کیا کہ انہیں جب اہم امور کی طرف بلایا گیا تو یہ اس کیلئے تیار نہ ہوئے۔ جیسے عورتیں کہیں نہیں جاتیں۔ ان کی بھی حیثیت یہ ہے کہ بھلائی ان کے مقدر میں ہی نہیں۔

آگے فرمایا کہ ان کے دلوں پر مہر ماردی گئی۔ دل پر مہر لگانے کی خصوصیت اس لئے ہے کہ فہم وادراک کا اصل محل دل ہے اور یہی مرکز ہے۔ اس پر بھی مہر لگ گئی تو پھر وہ کسی کام کا نہ رہا۔ اس لئے آگے فرمایا کہ اب وہ کچھ نہیں سمجھتے کہ اللہ پر ایمان کیا چیز ہے اور اس کے احکام کی اطاعت کیا ہے اور نواہی سے بچنا کیا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی رفاقت اور جہاد میں ان کے ساتھ شرکت کے کیا فوائد ہیں اور مذکورہ باتوں کی مخالفت سے نقصان کتنا ہوگا۔ یہ باتیں اب انہیں سمجھ نہیں آئیں گی۔ البتہ جب آنکھ بند ہو جائے گی پھر سب کچھ سمجھ آ جائیگا لیکن پھر کچھ کر نہیں سکیں گے۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ

لیکن رسول نے اور جو ایمان لائے اس کے ساتھ جہاد کیا مالوں اور جانوں سے

وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ

اور ان کیلئے ہی سب بھلائیاں ہیں اور وہ ہی کامیاب ہیں۔ تیار کئے اللہ نے ان کیلئے

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ؏ ﴿۸۹﴾

باغات جاری ہیں ان میں نہریں ہمیشہ ہونگے ان میں یہ کامیابی ہے بڑی

(آیت نمبر ۸۸) لیکن رسول اللہ ﷺ اور آپ پر ایمان لانے والے جو اللہ پر ایمان لائے وہ آپ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے۔ یہاں معیت بمعنی موافقت ہے۔ جیسے بلقیس نے کہا تھا۔ اسلمت مع سلیمان۔ اس کا معنی ہے۔ میں سلیمان جیسا ایمان لائی۔ اسی طرح یہاں بھی معنی ہوگا کہ صحابہ حضور کے موافق ایمان لائے اور حضور ﷺ کی معیت میں ہی مالوں اور جانوں سے جہاد کیا۔ یعنی مال وجان قربان کئے۔ اس لئے ان منافقین کی مخالفت کرنے اور جہاد پر نہ جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ نہ جہاد کے معاملے میں کوئی نقص ہوا۔ اس لئے کہ جہاد میں شرکت کرنے والے ان سے ہزار ہا درجے بہتر لوگ حضور کی بارگاہ میں موجود تھے۔ جن کی نیت خالص تھی اور وہ اعلیٰ اعتقاد والے تھے۔

آگے فرمایا کہ ایسے ہی لوگ جو مذکورہ اوصاف کے مالک ہیں ان کیلئے دونوں جہانوں کے منافع ہیں یعنی نصرت غنیمت انہیں دنیا میں حاصل ہوئی۔ جنت اور کرامت آخرت میں نصیب ہوئی۔ ہوسکتا ہے خیرات سے مراد حوریں ہوں جیسے صورۃ رحمٰن میں حوروں کے متعلق فرمایا (خیرات حسان) حسین وجمیل حوریں یا خیرات سے مراد عابدین کی حسنات یعنی اعمال صالحہ ہیں۔

آگے فرمایا کہ یہی لوگ ہیں جو اپنے مقاصد میں کامیاب ہیں۔ یعنی دنیا کی فانی نعمتوں اور دنیوی اسباب رکھنے والے اللہ کے نزدیک کامیاب نہیں جو جلد فنا ہو جائیں مگر یہ لوگ کامیاب ہیں جن پر کبھی فنا نہ آئے۔

(آیت نمبر ۸۹) تیار کر رکھی ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی ایسی عالی شان جنتیں۔ جن میں پھلدار درخت ہونگے۔ جن میں نہریں جاری ہوں گی۔ جو محلات کے نیچے سے ہوتی ہوئی باغات میں جائیں گی۔ **حدیث شریف**: جنت میں دودھ۔ خالص پانی۔ شہد اور پاک شراب کی نہریں جاری ہونگی۔ بعض کا خیال ہے۔ نہر ایک ہی ہوگی۔ اس میں یہ چاروں چیزیں رواں دواں ہوں گی۔ (جامع ترمذی)

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ

اور آئے بہانے بنانے والے دیہاتی کہ دی جائے اجازت ان کو اور بیٹھے رہے جنہوں نے جھوٹ بولا اللہ

وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾

اور اس کے رسول سے عنقریب پہنچے گا ان کو جنہوں نے کفر کیا عذاب دردناک

(بقیہ آیت نمبر ۸۹) لیکن آپس میں مکس نہیں ہونگی۔ بعض کا خیال ہے کہ نہر ایک ہی ہے جو بندہ جس چیز کا ذائقہ چاہے گا۔ وہی اس کے پیالے میں آ جائیگا۔ رنگ اور ذائقے کے لحاظ سے وہ شکل وصورت وہی اختیار کرے گا۔ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یعنی ان جنتوں میں ہمیشہ کا رہنا ان کیلئے مقرر ہو چکا ہوگا۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ فلاں فلاں نعمتیں میں نے اپنے بندوں کیلئے تیار کر رکھی ہیں۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جنت کے سو درجے ہیں۔ اس سے بھی گنتی مراد نہیں بلکہ کثرت مراد ہے یعنی جنت کے۔ بے حساب درجے ہیں۔ جیسے سیڑھیوں کی منزلیں ہوتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کیلئے تیار کر رکھے ہیں۔ یعنی نمازی۔ غازی۔ حاجی حضرات اس سے مراد ہیں۔ یا وہ لوگ جو اپنے نفس سے جہاد کرتے ہیں۔ اللہ کی رضا کیلئے اور فرمایا کہ ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے۔ جتنا زمین وآسمان کے درمیان ہے اور اللہ تعالیٰ کے قریب تر وہ جنت ہے کہ جس میں جنت کی ہر نعمت موجود ہے اور جو تمام جنتوں کے بالکل سنٹر میں ہے اور سب سے اعلیٰ ہے اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ جنت ساتوں آسمانوں سے اوپر ہے جس کے اوپر عرش الٰہی ہے۔ (رواہ ترمذی)

(آیت نمبر ۹۰) اور عذر بہانے کرنے والے دیہاتی لوگ آئے۔ تاکہ انہیں جہاد پر نہ جانے کی اجازت ملے۔

فائدہ: معذرت سچی بھی ہوسکتی ہے اور جھوٹی بھی یعنی انسان اپنی معذوری کا اظہار کرے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ واقعی معذور ہے یا نہیں۔

فائدہ: ان عذر معذرت کرنے والوں میں زیادہ تر بنی اسد اور غطفان کے لوگ تھے۔ جنہوں نے تبوک کی طرف تیاری کے وقت جہاد پر نہ جانے کی حضور ﷺ سے اجازت چاہی کہ ہم لوگ معاشی طور پر تنگدست اور عیالدار ہیں۔ ہم میں جنگ کی بھی ہمت نہیں ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ معذرت کرنے والے عامر بن طفیل کے قبیلے کا گروہ تھے۔

انہوں نے یہ عذر پیش کیا کہ ہم اگر جنگ میں چلے گئے تو ہمارے مخالف قبیلے طے وغیرہ ہمارے بال بچوں اور مال پر حملہ کر کے سب کچھ لوٹ کر لے جائیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تمہاری ضرورت نہیں۔ مجھے میرا اللہ ہی کافی ہے۔

فائدہ: علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عذر بہانے بنانے والے زیادہ تر جھوٹے ہوتے ہیں۔ اسی سے ان کی منافقت کا ثبوت ملتا ہے۔ اس لئے کہ جو شخص سستی اور کاہلی کی بناء پر جہاد میں نہیں جاتا اور معذرت کر کے گھر رہ جاتا ہے۔ وہ کافر تو نہیں ہوتا۔ لیکن فاسقوں میں ضرور شامل ہو جاتا ہے۔ اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے۔ وہ تھوڑی ہے۔

آگے فرمایا کہ انہوں نے آکر آپ سے معذرت اس لئے کی تاکہ آپ ان کو اجازت دیں۔ وہ یاد رکھیں جو جنگ سے کترا کر گھر میں بیٹھ گئے۔ انہوں نے اصل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو جھٹلایا ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد وہ بادیہ نشین منافقین ہیں جو نہ جنگ میں حاضر ہوئے نہ عذر معذرت کی۔ نہ نبی کریم ﷺ سے اجازت طلب کی۔ یعنی ہٹ دھرمی سے گھروں میں چھپ رہے۔ ایسے لوگ آج کل کی طرح اسلام کے بڑے دعویدار بنتے ہیں اور جب موقع آجائے جان مال خرچ کرنے کا تو کتراتے ہیں ایسے لوگ حقیقت میں اللہ رسول کو جھٹلاتے ہیں۔ یہاں سے مراد یہی لوگ ہیں۔ جو بلا عذر بغیر کسی وجہ کے جنگ پر نہ گئے۔ ان کے متعلق فرمایا کہ عنقریب انہیں پہنچے گا دردناک عذاب۔

فائدہ: یعنی سارے ہی جھوٹے نہیں۔ کچھ سچے پکے ایمان والے بھی ہیں۔ جن کا عذر بھی صحیح ہے۔ وہ مراد نہیں یہاں سے مراد وہ ہیں جو جان بوجھ کر سستی اور کاہلی کی وجہ سے جنگ میں شریک نہیں ہوئے۔ انہیں دردناک عذاب دنیا میں قتل و قید کی شکل میں اور آخرت میں جہنم کی آگ سے ہوگا۔

معذوروں کی تین قسم ہیں:

۱۔ **معذورون**: یہ وہ لوگ ہیں جو غلطی کا ارتکاب کرنے کے بعد اپنے گناہ سے توبہ کر کے سچے پکے مسلمان ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت حاصل کرنے کی کوشش کی۔

۲۔ **قاعدون**: جھوٹے جو نہ کھل کے ایمان لائے۔ نہ حضور ﷺ کے ساتھ جہاد میں شرکت کی۔ دل میں کفر چھپائے رکھا۔ یہ لوگ منافق ہیں ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔

۳۔ **مخلصین**: جو پکے سچے اندر باہر سے مومن جنہوں نے جہاد میں شرکت سے عذر بھی کیا تو وہ عذر معقول تھا۔ وہ حقیقت میں معذور تھے۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں وضاحت فرمائی۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ

نہیں ہے اوپر کمزوروں کے اور نہ اوپر بیماروں اور نہ اوپر ان کے جو نہیں پائے وہ

مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ

جو خرچ کریں کوئی حرج جب خیرخواہ ہوں اللہ اور رسول کے نہیں ہے اوپر نیکی کرنے والوں کے لئے

مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۙ ﴿۹۱﴾

کوئی گرفت اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

(آیت نمبر۹۱) کمزور جو لولے لنگڑے یا بوڑھے ہیں ایسے لوگوں پر کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح بیماروں پر کوئی حرج ہے اور نہ ان پر کوئی حرج ہے جو اپنی غربت کی بناء پر اتنا مال و دولت نہیں رکھتے جو جہاد کیلئے خرچ کریں۔ جیسے جہینہ۔ مزینہ اور بنی عذرہ کے لوگ۔ اگر ایسے لوگ جنگ پر نہ جاسکیں تو ان پر کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی خیرخواہی کریں۔ یعنی اگر وہ جنگ پر نہیں جاسکے۔ تو یہ تو وہ کر سکتے ہیں کہ دل میں اسلام اور مسلمانوں کی خیرخواہی رکھیں۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا دین نام ہی خیرخواہی کا ہے (رواہ مسلم)۔ بعض نے معنی کیا کہ اسلام کا دار و مدار ہی نصیحت پر ہے۔ اس لئے کہ خیرخواہی دین کا ستون ہے۔

فائدہ: حضور ﷺ نے تاکیداً تین بار فرمایا۔ دین نصیحت کا نام ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم متوجہ ہوئے اور پوچھا۔ یارسول اللہ یہ خیرخواہی کس کیلئے ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۱۔ اللہ کیلئے: یعنی دین میں اللہ کیلئے خلوص اور سچے دل سے اس پر ایمان لانا۔ جن باتوں کا اس نے حکم دیا ان کو بجالانا۔

۲۔ اس کے رسول ﷺ کیلئے: یعنی جو احکام وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے۔ ان کی تصدیق اور ان پر عمل کرنا اور آپ کی سنت کو زندہ رکھنا اور اس کی پیروی کرنا۔

۳۔ اور اس کی کتاب یعنی قرآن مجید کے ساتھ خیرخواہی یہ ہے کہ اس پر ایمان لانا اور یقین کرنا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کے محکمات پر عمل اور متشابہات پر یعنی متشابہ آیات پر ایمان رکھنا۔ کہ وہ اللہ کی طرف سے۔

۴۔ اور مسلمانوں کے اماموں کیلئے یہ ہے کہ ان کے جائز احکام کو ماننا۔

۵۔ اور عام مسلمانوں کی خیرخواہی کا یہ مطلب ہے کہ حتی الامکان انہیں نقصان سے بچانا اور ان کو فائدہ پہنچانے والے کاموں میں کوشش کرنا۔

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ

اور نہ اوپر ان کے جب آئیں آپ کے پاس کہ آپ انہیں سواری دیں آپ نے کہا نہیں میں پاتا جو سوار کروں تمہیں

عَلَيْهِ ۖ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾

اس پر مڑتے ہوئے ان کی آنکھیں بہاتی ہیں آنسو اس غم میں کہ نہ پایا انہوں نے جو خرچ کریں

(بقیہ آیت نمبر۹۱) آگے فرمایا احسان کرنے والوں پر کوئی گرفت نہیں۔یعنی انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی قسم کی ڈانٹ ڈپٹ نہیں ہوگی۔اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔یعنی جن کا عذر صحیح ہے انہیں اللہ تعالیٰ بخش دے گا۔

(آیت نمبر۹۲) اور نہ ہی محسنین پر کوئی گناہ اور نہ ہی ان لوگوں پر کوئی گناہ ہے کہ جو سواری مانگنے آپ کے پاس آئے کہ کوئی سواری وغیرہ مل جائے تو ہم بھی آپ کے ساتھ جائیں۔یہ تقریباً سات حضرات تھے:

۱۔ معقل بن یسار ۲۔ صخر بن الخطب
۳۔ عبداللہ بن کعب ۴۔ سالم بن عمیرہ
۵۔ ثعلبہ بن غنمہ ۶۔ عبداللہ بن مغفل
۷۔ عیبہ بن زید

ان لوگوں نے آکر عرض کی کہ ہم نے منت مانی تھی کہ اس جہاد میں ہم شریک ہوں گے۔آپ ہمیں سواریاں دیں تاکہ ہم بھی شریک ہوں اور منت پوری کریں۔حضور ﷺ نے فرمایا۔ہمارے پاس تو سواریاں ختم ہو گئیں تو وہ روتے ہوئے واپس لوٹے۔یعنی انہیں صرف سواری نہیں بلکہ جنگی سامان اور نفقہ بھی چاہئے تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے محبوب تم نے کہا کہ میں نہیں پاتا وہ چیز جس پر تمہیں سوار کروں۔ان الفاظ میں وہ لطف اور شیرینی تھی کہ ان کا دل ٹھنڈا ہو گیا تو جب وہ واپس ہوئے تو ان کی آنکھوں سے آنسوں جاری تھے۔اس وجہ سے وہ غمزدہ تھے کہ کیوں کہ وہ چیز نہ پاسکے جو وہ خرچ کریں۔اس لئے کہ اب وہ سوچ رہے تھے کہ یہاں سے نہ ہوئی ہے۔تو اب پھر اور کہاں سے کوئی چیز ملے گی۔

فائدہ: امام شعبی فرماتے ہیں کہ ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے انہیں سواریاں زادراہ اور جنگی اسباب مہیا کردیئے۔پھر یہ لوگ بھی شریک جہاد ہو گئے تھے۔

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا

سوائے اس کے نہیں گرفت اوپر ان کے جو اجازت مانگتے ہیں آپ سے اور وہ مال دار بھی ہیں خوش ہیں کہ ہوں گے

مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

ساتھ پیچھے رہنے والیوں کے اور مہر لگائی اللہ نے اوپر ان کے دلوں کے پھر وہ نہیں جانتے

(آیت نمبر ۹۳) سوائے اس کے نہیں پکڑ ان لوگوں کو ہے جو جنگ میں نہ جانے کیلئے آپ سے اجازت کے طالب ہیں۔ حالانکہ وہ دولت مند ہیں اور ہر طرح کا جنگی ساز و سامان بھی وہ اپنے پاس رکھتے ہیں اور صحت مند بھی ہیں۔ لیکن وہ اس پر راضی خوش ہیں کہ وہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ رہیں۔ یعنی اپنی ذلت کو انہوں نے خود ہی پسند کیا۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔ یعنی اب انہیں یہ سعادتیں ملنے کی توفیق ہی نہیں ملے گی۔ تو وہ کچھ نہیں جانتے یعنی اپنے انجام سے وہ بے خبر ہیں۔ انہیں چاہئے تھا کہ آخرت کے معاملے کو پسند کرتے۔ لیکن انہوں نے جلدی والے معاملے یعنی دنیا کو پسند کر لیا۔

نکتہ: ارسطو کہتا ہے۔ ترقی کی طرف چڑھنا مشکل ہے اور تنزل کی طرف آنا آسان ہے یعنی بے وقوف آدمی کو پتہ نہیں ہے حالانکہ ترقی ترقی ہی ہوتی ہے اور تنزل تنزل ہے۔ لیکن بے وقوفوں کو پتہ نہیں کس گڑھے میں گرے۔

حدیث شریف میں ہے کہ بروز قیامت اللہ تعالیٰ کے قریب وہ ہوگا۔ جس نے دین کی خاطر دنیا میں دکھ سہے۔

فائدہ: دانا کہتا ہے کہ غم خوشی کا پیش خیمہ ہے یعنی اگر غم آیا تو یقین کرے کہ اب خوشی بہت قریب آ گئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تنگی کے بعد آسانی ہے۔ جگر مراد آبادی کہتا ہے

ع طول شب فراق سے نہ گھبرا اے جگر ایسی بھی کوئی شام ہے جس کی سحر نہ ہو

سبق: بلندی اور بزرگی۔ تقوی اور طہارت میں ہے ہمیں چاہئے کہ ہم راحت کو مجاہدہ پر اور خوشی کو رونے پر اور سرور کو غم پر قربان کریں۔

ختم: مورخہ ۲ جنوری ۲۰۱۵ء بمطابق ۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ بروز سوموار

صبح بوقت طلوع آفتاب

لہ الحمد فی الاولیٰ والآخرۃ

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ

بہانے بنائیں گے تم سے جب تم لوٹو گے ان کی طرف۔ آپ کہہ دیں نہ بہانے بناؤ ہرگز نہیں مانیں گے

لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ

تم سے تحقیق ہمیں آگاہ کر دیا اللہ نے تمہاری خبروں سے اور جلد دیکھے گا اللہ تمہاری عمل اور اس کا رسول بھی پھر

تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾

تم پھرو گے طرف اس کے جو جاننے والا غیب اور ظاہر کا ہے پھر بتائے گا تمہیں جو جو تھے تم عمل کرتے

(آیت نمبر ۹۴) منافقین کے عذر بہانوں کا بیان ہے اور یہ خطاب حضور ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو ہے کہ جو لوگ جنگ میں شریک نہیں ہوئے۔ جن کی تعداد اسی (۸۰) سے کچھ اوپر تھی۔ کاشفی اس آیت کا یوں ترجمہ کرتے ہیں کہ اے پیارے حبیب آپ سے یہ منافقین معذرت کریں گے جب تم غزوۂ تبوک سے واپس مدینہ میں پہنچو گے۔

فائدہ: (الیہم) کالفظ اس لئے فرمایا کہ منافقین حضور ﷺ کے مدینہ شریف میں پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں آ کر معذرت کرنے لگیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب آپ انہیں فرمادیں کہ اے منافقو اب عذر بہانے مت کرو۔ ہم تمہارے بہانوں کو نہیں مانتے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہارے حالات سے بذریعہ وحی خبردار کر دیا ہے کہ جو جو تم نے اپنے دلوں میں شر وفساد کے پروگرام بنا رکھے ہیں۔ ان کو ہم نے جان لیا ہے۔ اب عنقریب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ تمہارا کام دیکھیں گے کہ تم کفر ونفاق سے توبہ کرتے ہو۔ یا اس پر قائم رہتے ہو۔

فائدہ: اس آیت میں انہیں کفر ونفاق سے توبہ کا مطالبہ کر کے چند روز تک انہیں مہلت دینے کا وعدہ دیا گیا ہے۔

آگے فرمایا کہ پھر تم بروز قیامت اس ذات کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو غائب وحاضر کو جاننے والا ہے۔

فائدہ: غیب سے مراد وہ اشیاء جو بندوں کی نظروں سے غیب ہیں اور شہادت سے مراد وہ اشیاء جو بندوں کو معلوم ہیں۔ آگے فرمایا کہ وہ تمہیں بتائے گا۔ یعنی تم قیامت کے دن اس کے ہاں حاضر ہو گے اور اس کے سامنے کھڑے ہو کر دنیا کی زندگی کا حساب دو گے۔ اس وقت وہ تمہیں بتائے گا۔ تمہارے دنیا کے وہ برے کردار جو تم کیا کرتے تھے۔ **فائدہ:** خبر دینے سے مراد بدلہ دینا ہے چونکہ وہ لوگ دنیا میں اعمال اور ان کی حقیقت سے بے خبر تھے۔ ان اعمال کا ارتکاب تو انہوں نے کیا۔ لیکن ان کی اصل صورت انہیں معلوم نہ تھی۔

سَيَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَكُمۡ اِذَا انۡقَلَبۡتُمۡ اِلَيۡهِمۡ لِتُعۡرِضُوۡا عَنۡهُمۡ ؕ فَاَعۡرِضُوۡا

اب قسمیں کھائیں گے اللہ کی تمہارے سامنے جب تم پلٹ کر جاؤ گے ان کی طرف۔ تا کہ تم منہ پھیرو ان سے تو منہ پھیر ہی لو

عَنۡهُمۡ ؕ اِنَّهُمۡ رِجۡسٌ وَّمَاۡوٰٮهُمۡ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۹۵﴾

ان سے۔ بے شک وہ پلید ہیں اور ٹھکانہ ان کا جہنم ہے سزا ہے اس کی جو تھے وہ کماتے

(بقیہ آیت نمبر۹۴) لہذا اب قیامت کے دن ان کی اصل صورتیں ان پر کھل جائیں گی۔ اس لئے ان کو اب سزا دیتے وقت ان کے اعمال کی صورتیں دکھا کر ان کی گذشتہ کارگذاریوں سے انہیں خبردار کیا جائیگا۔

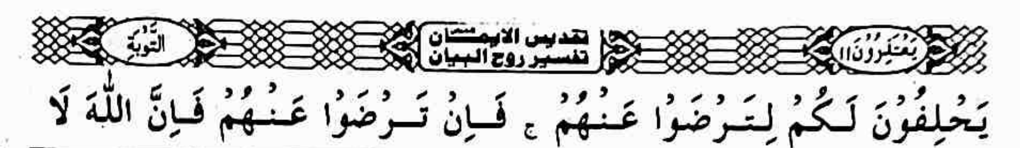
(آیت نمبر۹۵) اب ان کے عذروں کی تاکید کو واضح کیا جارہا ہے کہ وہ معذرت کرتے وقت قسمیں کھا کھا کر تمہیں کہیں گے کہ خدا کی قسم جنگ میں حاضر ہونے کی ہم میں ہمت ہی نہ تھی۔ بہ خدا اگر ہمیں طاقت ہوتی تو ہم جنگ سے کبھی بھی غیر حاضر نہ ہوتے۔ آگے فرمایا کہ یہ اس وقت ہوگا کہ جب تم لوٹ کر ان کے پاس پہنچو گے۔

فائدہ: اس سے جد بن قیس اور معتب بن قشیر اور ان کے دوسرے ساتھی مراد ہیں۔

آگے فرمایا کہ یہ عذر و معذرت اس لئے وہ کریں گے تا کہ تم ان سے درگذر کرو۔ کہ تم انہیں کسی طرح لعنت ملامت نہ کرو اور ان کی تحقیر و تذلیل نہ کرو اور ان سے منہ پھیر لو۔ لہذا اے مسلمانو اب تم ان سے منہ پھیر لو یعنی ان سے درگذر ہی کرو۔ لیکن خوش ہو کر نہیں۔ بلکہ غصے اور رنج کے ساتھ ان سے الگ ہو جاؤ۔ اس لئے کہ وہ بیشک پلید ہے۔ ان سے ایسے اجتناب کرو جیسے بدبودار چیز سے بچتے ہو کیونکہ یہ منافق بدبودار چیز کی طرح ہیں اس لئے کہ یہ اندر سے غلاظت کے ساتھ بھرے ہوئے ہیں۔ **فائدہ:** تجربہ شاہد ہے کہ بدمذہب اور بدعقیدہ سے بدبو آتی ہے۔ مسلمان کو ان سے ضرور نفرت ہی کرنی چاہئے۔

فائدہ: تبیان میں ہے کہ منافقین اس لئے نجس ہیں کہ ان کے کردار گندے ہیں جو ظاہری صفائی کر کے پاک وصاف نہیں ہو سکتے یعنی سچے دل سے توبہ تائب نہیں ہوتے۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ یعنی ان سے اجتناب کا اصل سبب یہی ہے کہ وہ جہنمی ہیں لہذا ایسے لوگوں کی اصلاح ملامت وغیرہ سے بھی ناممکن ہے۔

آگے فرمایا کہ یہ سزا ان کے اعمال کی جزا ہے جو جو وہ دنیا میں کرتوت کرتے تھے۔



يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا

قسمیں کھائیں گے تم سے کہ تم راضی ہو جاؤ تو اگر تم راضی ہو گئے ان سے پس بے شک اللہ تعالیٰ نہیں

يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٩٦﴾

راضی اس قوم سے جو فاسق ہیں۔

(آیت نمبر ۹۶) وہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں اس لئے کھاتے ہیں تاکہ تم ان کی جھوٹی موٹی قسمیں سن کر ان سے راضی ہو جاؤ اور ان سے سابقہ طریقے کے مطابق رعایت ومحبت جاری رکھو۔لیکن اے مسلمانو یاد رکھو اگر تم ان سے راضی ہو بھی گئے تو اللہ تعالیٰ تو ایسے فاسقوں سے کبھی راضی نہیں ہوگا۔اس لئے کہ وہ کفر میں پورے طور پر منہمک ہیں۔لہٰذا ان کے ساتھ تمہاری رضامندی سے لازمی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ان سے راضی ہو جائے لہٰذا صرف تمہاری رضا ان کو کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔اس لئے کہ تمہاری رضا ان کو اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب سے نہیں بچا سکتی۔خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منافقین کے ساتھ صلح مندی سے منع کیا ہے اور فرمایا کہ ان کے بہانوں اور جھوٹی قسموں کا کوئی اعتبار نہ کرو۔**منافقین سے قطع تعلق**: حضور ﷺ نے غزوۂ تبوک سے واپسی پر اعلان فرمایا دیا کہ خبردار منافقین کے ساتھ میل جول اور بات چیت اور بیٹھنا اٹھنا بالکل بند کردو۔**مسئلہ**: اس سے معلوم ہوا کہ منافقین اور بے باکی سے کبیرہ گناہ کرنے والوں سے میل جول نہیں رکھنا چاہئے۔جب تک کہ وہ اپنی غلط کاریوں سے سچی توبہ نہ کرلیں۔کیونکہ ان کی صحبت سے ایمان ضائع ہوتا ہے۔

امام زین العابدین کی نصائح: آپ نے صاحبزادہ امام باقر علیہ السلام کو پانچ شخصوں کی صحبت سے بچنے کا حکم دیا۔حتیٰ کہ وہ جس راستے پر چلتے ہوں تم اس راستے سے ہی الگ ہو جانا۔یعنی ان میں سے کسی کے ساتھ دوستی نہ رکھنا:

۱۔ فاسق سے کہ وہ تجھے ایک لقمہ کے عوض بھی بیچنے سے دریغ نہیں کریگا۔صاحبزادے نے عرض کی کہ وہ اتنا لالچی ہوتا ہے تو فرمایا لقمہ بھی میں نے کہہ دیا۔وہ اس سے بھی زیادہ خسیس چیزوں پر تمہیں بیچ ڈالے گا۔

۲۔ بخیل سے دوستی نہ کرنا کہ وہ تیری ضروریات کو پورا نہیں ہونے دے گا۔

۳۔ جھوٹے آدمی سے بچنا کہ وہ تیرے قریبی عزیزوں کو تجھ سے دور کردے گا۔

۴۔ بے وقوف سے بچنا کہ وہ تجھے فائدہ پہنچاتے پہنچاتے ایسے نقصان میں ڈال دے گا کہ پھر تلافی نہ ہو سکے گی۔

۵۔ قطع رحمی والے سے بھی دوستی نہ کرنا کہ قرآن میں ایسے شخص پر تین جگہ لعنت کی گئی ہے۔

اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ كُفۡرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجۡدَرُ اَلَّا يَعۡلَمُوۡا حُدُوۡدَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ

دیہاتی سخت ہیں کفر میں اور نفاق میں اور اسی قابل ہیں کہ نہ جانیں وہ حدیں جو اتاریں اللہ نے

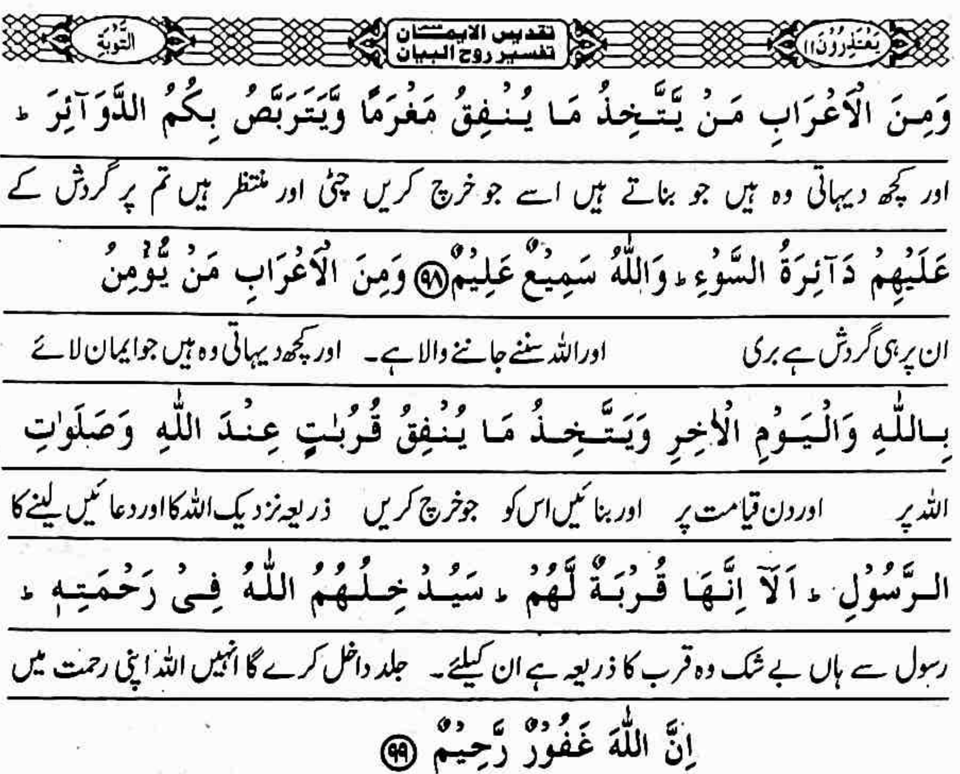
عَلٰى رَسُوۡلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۹۷﴾

اوپر اپنے رسول کے۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۹۶) **مسئلہ**: ان آیات سے معلوم ہوا کہ اپنی بات کا وزن بنانے کیلئے جھوٹی قسم کھانا انتہائی قابل مذمت ہے بلکہ متقی آدمی تو سچی قسم بھی جلدی جلدی نہیں اٹھاتا۔ بہرحال قسمیں کھانے سے بچنا چاہئے تاکہ دل میں اللہ کا احترام رہے۔ **فائدہ**: اشد ضرورت کے وقت قسم اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مسئلہ: ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ منافقین نجس اور خبیث ہیں اور پلید لوگوں کے اعمال بھی خبیث ہی ہوتے ہیں اور ان کے اوصاف مذموم ہوتے ہیں اس لئے مسلمانوں کو ان سے دور رہنے کا حکم دیا گیا۔

(آیت نمبر ۹۷) اعراب اعرابی کی جمع ہے جیسے یہود یہودی کی جمع ہے۔ یعنی دیہاتی لوگ کفر اور منافقت میں پڑے پکے ہوتے ہیں کیونکہ ان کی عادات جانوروں میں رہ رہ کر ان کی طرح ہو جاتی ہیں۔ انہیں کسی کی طاعت کرنا نہیں آتی اور ان کے دل سخت ہوتے ہیں۔ فخر و غرور غصے اور طیش والے ہوتے ہیں۔ چونکہ نہ کوئی ادب سکھانے والا ہے نہ وہ اہل علم کے پاس بیٹھتے ہیں۔ نہ قرآن سنا نہ رسول کا وعظ سنا۔ وہ ان لوگوں کی طرح کیسے ہو سکتے ہیں۔ جو صبح وشام اہل علم کی صحبت میں بیٹھتے ہیں۔ کتاب وسنت کا وعظ سنتے ہیں۔ امام کاشفی فرماتے ہیں۔ اس سے مراد بنوتمیم بنو اسد اور غطفان یا مدینہ کے گرد ونواح والے لوگ ہیں۔ آگے فرمایا کہ وہ اسی لائق ہیں کہ وہ نہ جانیں حدیں اللہ تعالیٰ کی۔ یعنی وہ عبادات اور شرائع جو اللہ تعالیٰ نے اتاریں اپنے رسول پر۔ ان کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتے۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ علم والا حکمت والا ہے۔ یعنی وہ لوگوں کے ظاہری باطنی تمام احوال کو جاننے والا اور ہر ایک کا کام حکمت سے کرنے والا ہے۔



وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ

اور کچھ دیہاتی وہ ہیں جو بناتے ہیں اسے جو خرچ کریں چٹی اور منتظر ہیں تم پر گردش کے

عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٩٨﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ

ان پر ہی گردش ہے بری اور اللہ سننے جاننے والا ہے۔ اور کچھ دیہاتی وہ ہیں جو ایمان لائے

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ

اللہ پر اور دن قیامت پر اور بنائیں اس کو جو خرچ کریں ذریعہ نزدیک اللہ کا اور دعائیں لینے کا

الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ

رسول سے ہاں بے شک وہ قرب کا ذریعہ ہے ان کیلئے۔ جلد داخل کرے گا انہیں اللہ اپنی رحمت میں

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩٩﴾

بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

(آیت نمبر ۹۸) اور ان دیہاتیوں میں سے وہ لوگ بھی ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینے کو وہ ٹیکس سمجھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے۔ نہ ہی آخرت میں ثواب ملنے کی امید رکھتے ہیں۔ نہ عذاب سے ڈرتے ہیں۔ لہذا وہ ہر خرچے کو ٹیکس ہی کی طرح سمجھتے ہیں اور اے مسلمانو وہ تو تمہاری گردش ایام کے انتظار میں ہیں کہ تمہارے حالات کب بگڑتے ہیں۔ آگے فرمایا مسلمانوں پر تو گردش نہیں آئیگی البتہ ان پر گردش آنے والی ہے۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے اقوال سننے والا ہے اور ان کے تمام چھپے ہوئے بھیدوں کو جاننے والا ہے۔

(آیت نمبر ۹۹) اور بعض دیہاتی وہ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔ یعنی پکے مسلمان ہیں۔ **فائدہ:** تبیان میں ہے کہ اس سے قبیلہ اسد، جہینہ، اسلم اور غفار کے لوگ مراد ہیں جو مسلمان ہوئے۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔

حکایت :ایک دیہاتی نے پچھلی آیت سنی تو پریشان ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے تو ہماری ہجو بیان کردی۔ جب یہ آیت سنی تو خوش ہوکر کہا "ھجانا اللہ ثم مدحنا" یعنی اللہ نے ہماری ہجو بھی کی اور پھر مدح بھی کردی۔ آگے فرمایا کہ وہ ایمان والے جو راہ خدا میں مال خرچ کرتے ہیں تو اسے اللہ تعالیٰ کی قربتوں اور نزدیکیوں کا سبب جانتے ہیں۔ یہاں قربات سے وہ ذرائع مراد ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔

فائدہ :حدادی فرماتے ہیں کہ بعض دیہاتی وہ نیک لوگ تھے جو جہاد کے موقع پر خوب مال خرچ کرتے تھے تاکہ اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں انہیں بڑے مراتب سے نوازا اور ثواب عطا فرمایا۔
فائدہ :قربات سے اصل میں اس **حدیث قدسی** کی طرف اشارہ ہے جس میں فرمایا کہ بندہ جب ایک بالشت میرے قریب آتا ہے تو میں ایک گز اس کے قریب ہوجاتا ہوں۔ (بخاری، ریاض الصالحین)

آگے فرمایا کہ وہ اپنا مال خرچ کرکے رسول اکرم ﷺ کی دعائیں حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا ہمارے حق میں ہماری نجات کا ذریعہ ہوگی۔

فائدہ :حضور ﷺ کی عادت مبارک بھی یہی تھی کہ جب بھی کوئی آپ کے پاس صدقہ کا مال لے کر آتا تو آپ صدقہ دینے والوں کیلئے خیر و برکت کی دعا فرمایا کرتے تھے۔

مسئلہ :صدقہ لینے والے کو چاہئے کہ صدقہ دینے والے کیلئے دعا کردے تاکہ سنت پر عمل ہوجائے۔ حضور ﷺ نے ابو اوفی سے صدقہ لیکر فرمایا "اللھم صل علی آل ابی اوفی" (اے اللہ آل ابی اوفی پر رحمت فرما) لیکن صلوٰۃ لفظ کے ساتھ دعا کرنا یہ صرف حضور کا خاصہ ہے اور کوئی بھی اس طرح دعا نہیں کرسکتا۔ اس لئے کہ حضور ﷺ جسے جو بھی مرتبہ یا فضیلت دینا چاہیں دے سکتے ہیں۔

آگے فرمایا کہ خبردار یہ خرچہ کرنا ان کا خود بخود ہی ان کے قربت کا سبب بن جاتا ہے۔ یعنی جب وہ مال اللہ کی راہ میں خرچ کریں گے تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بھی انہیں اپنا قرب خاص عطا فرمائے گا۔ لہٰذا خرچہ کرنے والوں کو خرچ کے بعد رحمت خداوندی کی پوری پوری امید ہونی چاہئے۔ آگے فرمایا کہ عنقریب انہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمالیا کہ وہ انہیں اپنے آغوش رحمت میں جلد لے لے گا۔ امام کاشفی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں داخل فرمائے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ

آگے نکلنے والے پہلے مہاجرین اور انصار سے اور جنہوں نے پیروی کی ان کی

بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

بھلائی سے راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے۔ اور تیار کئے ان کیلئے باغات کہ جاری ہیں

تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

اس میں نہریں ہمیشہ رہیں گے اس میں ۔ یہ کامیابی ہے بہت بڑی۔

(آیت نمبر ۱۰۰) مہاجرین میں وہ لوگ جو ایمان لانے میں پہل کر گئے۔

فائدہ: یہاں سے مراد وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جو اعلان نبوت کے بعد جلد ایمان لائے۔ دونوں قبلوں کیطرف منہ کر کے نمازیں پڑھیں اور تمام جہادوں میں شرکت کی۔ **فائدہ**: سب سے پہلے ایمان قبول کرنے والی خوش نصیب سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔ یہی جمہور کا مذہب ہے اور پھر مہاجرین حضرات میں جو پہلے پہلے ایمان لائے اسی طرح انصار میں بیعت عقبہ اولیٰ والے سات حضرات مراد ہیں۔ جن کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی ملاقات ہوئی۔ اس کے بعد دوسری مرتبہ بیعت عقبہ ثانیہ والے ستر افراد تھے۔ یہی لوگ ایمان لانے میں پہل کرنے والے ہیں۔ **نکتہ**: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے میں سبقت کرنے والوں کی تعریف فرمائی ہے کیونکہ قاعدہ یہی ہے۔ الفضل للمتقدم کہ فضیلت اور مرتبہ پہل کرنے والے کو ملتا ہے۔

آگے فرمایا اور وہ لوگ بھی جنہوں نے احسان کے ساتھ ان کی پیروی کی۔ **فائدہ**: یہاں احسان سے ہر اچھی عادت مراد ہے اور یہاں سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو مہاجرین و انصار کے بعد ایمان لائے کیونکہ مہاجرین و انصار ایمان میں سبقت کرنے والے ہیں۔ باقی مسلمان ان کی اتباع کرنے والے ہیں۔ تابعین سے مراد جنہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع کی۔ پھر تبع تابعین پھر قیامت تک آنے والے مسلمان ہیں جنہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح سچی تابعداری کی تو اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہے خواہ سابقین ہوں یا تابعین۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان سے راضی ہو کر ان کی تمام طاعات کو قبول فرما لیا ہے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر راضی اور خوش ہیں۔ تو ایسے لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ نے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں کہ جن میں نہریں جاری ہیں۔ جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ''ابدا'' یعنی ایسی ہمیشگی جس کی کوئی انتہا نہیں۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ؔ مَرَدُوْا

اور کچھ تمہارے اردگرد گنوار ہیں جو منافق ہیں اور کچھ رہنے والے مدینہ بھی جو پختہ ہیں

عَلَى النِّفَاقِ ۣ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ

اوپر نفاق کے۔ نہیں جانتے تم انہیں ہم جانتے ہیں انہیں۔ جلد ہم عذاب دیں گے انہیں دوبار پھر

يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۚ ﴿١٠١﴾

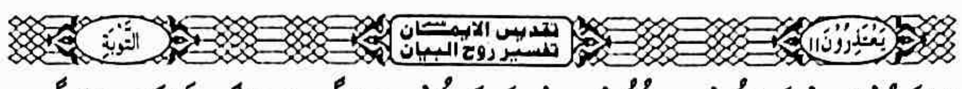
پھیرے جائیں گے طرف عذاب بڑے کے۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۰۰) مراد طویل زمانہ ہے اور یہ فضل الٰہی جس کا ابھی پچھلی آیت میں بیان ہوا۔ اس میں ان کی اتباع کرنے والے لوگوں کیلئے بہت بڑی کامیابی ہے کہ ایسی کامیابی کا اور کہیں تصور بھی نہیں ہوسکتا۔

اسلام کا آغاز: اعلان نبوت کے بعد جن چند افراد نے اسلام قبول کیا۔ ان پر ظلم وستم کے پہاڑ گرائے گئے لیکن مسلمان اپنے عزم وہمت میں چٹان سے بھی زیادہ سخت ہوگئے پھر مسلمانوں نے کفار کے ظلم وستم سے تنگ آ کر پہلی مرتبہ ہجرت حبشہ کی طرف کی جن میں اسی (۸۰) افراد تھے۔ اس کے بعد پھر مکمل طور پر دوسری ہجرت مدینہ شریف کی طرف ہوئی۔ جہاں انصار نے مسلمانوں کی مدد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس لئے انہیں انصار کہا گیا کیونکہ نصرت کے معنی مدد اور انصار بمعنی مدد کرنے والے۔

ترتیب خلافت کے لحاظ سے افضلیت پر اجماع: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کہ سب سے افضل صدیق اکبر پھر فاروق اعظم پھر عثمان غنی پھر مولا علی رضی اللہ عنہم ہیں۔ اس کے بعد عشرہ مبشرہ کو فضیلت حاصل ہے۔ پھر بدر والے پھر احد والے پھر حدیبیہ والے رضی اللہ عنہم یاد رہے "سابقون الاولون"۔ (۱)۔ یا تو وہ لوگ مراد ہیں جن کو عنایت ازلی حاصل ہے۔ (۲)۔ یا وہ جنہوں نے سب سے پہلے "بلیٰ" کہا۔ (۳)۔ یا جنہوں نے سب سے پہلے ایمان لایا۔

(آیت نمبر ۱۰۱) تمہارے اردگرد یعنی مدینہ شریف کے باہر چاروں طرف رہنے والے دیہاتی جو منافق ہیں جو مدینہ کے گرد بستے ہیں جو منافقت کے خوگر ہوگئے ہیں جو ہر وقت منافقت ہی کرتے رہتے ہیں۔ یعنی وہ مدینہ کے اندر نہیں رہ سکتے اس لئے کہ **حدیث شریف** میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ شریر لوگوں کو اس طرح باہر پھینک دیتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے زنگ کو نکال دیتی ہے (مشکوٰۃ شریف)۔ آگے فرمایا کہ تم ان کی منافقانہ چالوں کو نہیں جانتے کیونکہ وہ منافقت میں بڑے ماہر ہیں۔ البتہ ہم ان کو بھی اور ان کے پراسرار ارادوں کو بھی جانتے ہیں۔



وَاٰخَرُوۡنَ اعۡتَرَفُوۡا بِذُنُوۡبِهِمۡ خَلَطُوۡا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ

اور بھی ہیں جواقراری ہیں اپنے گناہوں کے ملاڈالے عمل اچھے اور کچھ برے

عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّتُوۡبَ عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۰۲﴾

ہوسکتا ہے اللہ مہربانی کردے ان پر بے شک اللہ بخشنے والامہربان ہے

(بقیہ آیت نمبرا۱۰) یعنی ان کی سب ہیرا پھیری جانتے ہیں۔ جلدان کو ہم ڈبل عذاب دیں گے (یہ ابتداء کی بات ہے پھرتو وہ وقت آیا) عین جمعہ کے دن جمعہ کا خطبہ دیتے ہوئے حضور ﷺ نے تمام منافقوں کے نام لیکر فرمایا او فلاں اوفلاں میری مجلس سے نکل جاتو منافق ہے اس طرح آپ نے تمام منافقوں کومسجد نبوی سے نکال دیا یہ عذاب اول تھا۔ دوسرا عذاب انہیں قبر میں دیا جائیگا۔ آگے فرمایا پھر قبر کے عذاب کے بعد وہ بہت بڑے عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے۔ اس سے مراد جہنم کا عذاب ہے (کیونکہ منافقین کے متعلق ارشاد فرمایا کہ وہ جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے اور **حدیث شریف** میں ہے کہ نچلا درجہ جہنم کا اتنا سخت ہے کہ اوپر والا حصہ ہرروز اللہ تعالیٰ سے اس نچلے حصے میں نہ ملنے کے متعلق ستر بار پناہ مانگتا ہے، مشکوٰۃ) یعنی وہ کہتا ہے۔ کہ یا اللہ مجھے اس کے ساتھ نہ ملانا۔

(آیت نمبر۱۰۲) اہل مدینہ کے گرد کچھ اور بھی ایسے لوگ ہیں کہ جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا جو جنگ میں نہیں گئے اور منافقین کے ساتھ پیچھے رہے۔ اپنی جان کو عزیز سمجھا۔ اس گناہ پر وہ پشیمان ہو کر اب وہ سچے دل سے توبہ کرتے ہیں۔ انہوں نے سچ سچ بتادیا۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے سزا کیلئے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا۔ جب حضور ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور انہیں بندھا ہوا دیکھا۔ معلوم ہوا کہ یہ جنگ تبوک میں نہ جانے والے حضرات ہیں۔ انہوں نے معافی ملنے تک کیلئے اپنے آپ کو باندھ لیا ہے تو انہیں دیکھ کر حضور ﷺ نے فرمایا کہ اب میں بھی حکم الٰہی آنے تک انہیں نہیں کھولوں گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کا عذر قبول فرمایا کہ ان لوگوں نے اس سے پہلے جنگوں میں شریک ہو کر نیک عمل کئے اور اب انہوں نے اس جنگ میں شریک نہ ہو کر برا عمل کیا لیکن اب انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا ہے اور اپنے کئے پر نادم ہو گئے ہیں۔

نکتہ: حدادی فرماتے ہیں کہ وہ ایک ایک دفعہ جنگ میں حاضر ہوئے جو نیک عمل کیا۔ دوسری دفعہ غیر حاضر ہو کر برا عمل کیا اور انہوں نے دونوں عمل آپس میں ملالئے تو آگے فرمایا قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرلے۔ چونکہ گناہوں پر اعتراف کر لینا ہی توبہ ہے اور اگلا جملہ (بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والامہربان ہے) ہی بتارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کو معاف فرما کر ان پر اپنا فضل واحسان فرمایا ہے۔ گویا توبہ کی قبولیت کا وعدہ دیا گیا ہے اور کریموں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ گداگر کو ناامید نہیں کرتے۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ

اے محبوب لیں کچھ ان کے مالوں سے زکوٰۃ پھر صاف اور پاک کریں ان کو اس کے ساتھ دعا کریں ان پر بے شک

صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾

آپ کی دعا باعث سکون ہے ان کیلئے اور اللہ سننے جاننے والا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۱۰۲) **قبولیت کا نسخہ:** جو چاہے کہ اس کی توبہ یقیناً قبول ہو۔ وہ گڑ گڑا کر اور خوب رو کر استغفار اور دعا کرے اور اول و آخر درود شریف پڑھے تو اور زیادہ اچھا ہے جیسے آدم علیہ السلام خوب روئے تو ان کی توبہ قبول ہو گئی۔

شفیع نبی: ہمارے پیارے آقا ﷺ سب کے شفیع ہیں۔ آدم علیہ السلام نے ایک طویل زمانہ رونے کے بعد ہمارے حضور ﷺ کے نام کا وسیلہ پیش کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی خطا معاف کر دی۔

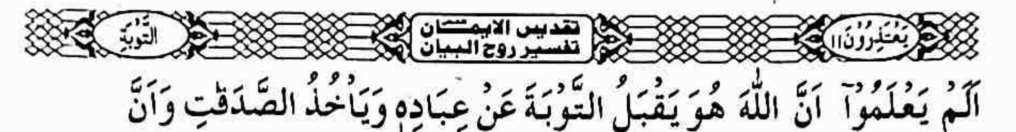
(آیت نمبر ۱۰۳) اے محبوب ان کے مالوں کو لے لیجئے یعنی جو وہ صدقہ پیش کرتے ہیں اس کو پاک وصاف کر دیں۔ جو خطا ان سے جنگ میں نہ جانے کی وجہ سے ہو گئی اور ان کا تزکیہ فرما دیں یعنی ان کے صدقہ کے مال قبول فرمائیں تا کہ ان کی نیکیاں قبول ہو کر بہت زیادہ ہو جائیں۔

واقعہ: مروی ہے کہ جب ان کی توبہ قبول ہو گئی تو انہوں نے گھروں سے مال لا کر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا کہ اس مال نے ہمیں جنگ میں شریک نہ ہونے دیا۔ اب آپ جیسے چاہیں اسے خرچ کریں تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تو اسے نہیں لیتا۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی کہ اے محبوب ان سے مال لے لیں۔ تا کہ ان کی توبہ بھی مکمل ہو اور جنگ میں شریک نہ ہونے کا کفارہ بھی ادا ہو جائے۔ **فائدہ:** بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ یہ زکوٰۃ کی فرضیت کے موقع پر نازل ہوئی۔ اس کا کسی واقعہ سے کوئی تعلق نہیں۔ گویا یہ حکم دیا گیا ہے کہ امیروں سے مال لیکر غریبوں کو دیا جائے۔

نکتہ: زکوٰۃ سے ہی بندے کی صداقت کا پتہ چلتا ہے کہ وہ عبادت میں سچا ہے یا نہیں۔

مسئلہ: زکوٰۃ کی فرضیت تب ساقط ہوتی ہے کہ جب زکوٰۃ ادا کرتے وقت نیت کی جائے۔ آگے فرمایا کہ اے محبوب ان سے مال لیکر اس پر خیر و برکت کی دعا و استغفار کر دیں اس لئے کہ آپ کی دعا ان کے دلوں کو سکون اور اطمینان پہنچاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان معترفین کی دعاؤں کو سننے والا اور ان کی پریشانی کو جاننے والا ہے۔

مسئلہ: کافی میں ہے کہ اس سے نماز جنازہ کا ثبوت ملتا ہے۔ میت خواہ نیک ہو یا گناہ گار ہو۔



اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ

کیا نہیں معلوم ان کو کہ بے شک اللہ ہی قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں سے اور لیتا ہے صدقے اور بے شک

اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ

اللہ ہی بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ اور کہہ دیں عمل کئے جاؤ پھر دیکھے گا اللہ عمل تمہارے اور اس کا رسول

وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ

اور مسلمان بھی اور جلد پھرو گے طرف جاننے والے غیب اور حاضر کی (بارگاہ میں) پھر وہ تمہیں بتائے گا

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ ج

جو جو تھے تم کرتے تھے

(آیت نمبر ۱۰۴) کیا یہ توبہ کرنے والے نہیں جانتے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور ان کے گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔ امام حدادی فرماتے ہیں کہ توبہ کی قبولیت سے ہی ثواب مل جاتا ہے اور ان کے صدقوں کو بھی وہ قبول فرماتا ہے۔ یعنی رسول کا یا اماموں کا صدقہ کا مال لینا دراصل اللہ تعالیٰ کا لینا ہی مراد ہے۔ علامہ بیضاوی کہتے ہیں۔ رسول کا لینا اللہ تعالیٰ کا ہی قبول کرنا ہے۔ آگے فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ یعنی جو توبہ قبول ہونے کے بعد مرے۔ اسے بہت بڑا انعام مل گیا۔

(آیت نمبر ۱۰۵) اے محبوب جن کی توبہ قبول ہوگئی ان سے فرمادیں کہ اب تم نیک اعمال کئے جاؤ۔ عنقریب تمہارے اعمال کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول دیکھیں گے۔ خواہ کوئی بندہ کسی بند پتھر میں بھی عبادت کرے گا۔ وہ بھی باہر آجائیگی کیونکہ اللہ تعالیٰ سے کسی کا کوئی عمل مخفی نہیں ہے۔ خواہ وہ عمل اچھا ہے۔ یا برا۔ آگے فرمایا کہ عنقریب تم پھیرے جاؤ گے۔ یعنی مرنے کے بعد ضرور جاؤ گے اس ذات کی طرف جو ظاہر پوشیدہ سب کو جانتا ہے۔

فائدہ : ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جو بھی اعمال چھپ کر کرو یا ظاہر کرو وہ سب جانتا ہے اور ان اعمال کے مطابق ہی تمہیں بدلہ دے گا اور وہ تمہیں بتائے گا جو جو دنیا میں تم عمل کرتے ہو۔ **تنبیہ** : ان غافلوں کیلئے جو اپنے انجام سے بے خبر تھے۔ **سبق** : صاحب عقل پر ضروری ہے کہ وہ اعمال صالحہ کی پوری کوشش کریں اور برے افعال واعمال سے بچیں تاکہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ اور مومنوں کے سامنے قیامت کے دن رسوا نہ ہوں۔

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ

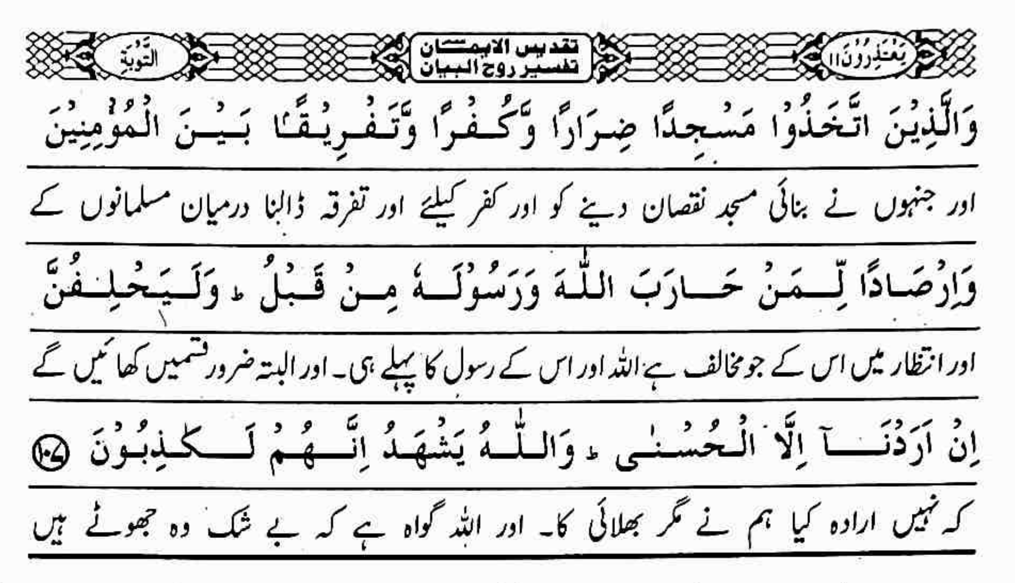
جو روکے گئے حکم خدا کیلئے یا عذاب دے انہیں اور یا توبہ قبول کرے ان کی

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾

اور اللہ علم والا حکمت والا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۱۰۵) **مسئلہ**: مستحب یہ ہے کہ میت کو غسل اس کا کوئی قریبی دے مثلاً بھائی باپ یا بیٹا۔ البتہ ان میں سے اگر کسی کو بھی غسل دینے کا طریقہ نہ آتا ہو تو پھر کوئی بھی نیک آدمی غسل دے۔ **مسئلہ**: میت کو غسل کسی باپردہ جگہ میں دیا جائے۔ جہاں عام لوگوں کی نگاہ نہ پڑے۔ **مسئلہ**: پیدا ہونے کے بعد بچے نے آواز نکالی۔ یا زندگی محسوس کی گئی تو اس کا نام بھی رکھا جائے اور اسے غسل بھی دیا جائے البتہ پیدا ہی مردہ حالت میں ہوا تو مختار یہی ہے کہ اسے کپڑے میں لپیٹ کر دفنا دیا جائے اس کا جنازہ نہیں ہے۔ **مسئلہ**: مرے ہوئے کافر کو غسل نہ دیا جائے۔ **مسئلہ**: مکروہ اوقات میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ سوائے ضرورت شدیدہ کے۔ **مسئلہ**: نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہیں۔ پہلی تکبیر کے بعد ثناء اور دوسری تکبیر کے بعد درود اور تیسری تکبیر کے بعد میت کیلئے دعا اور چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ کھول دیئے جائیں اور پھر سلام پھیر دیا جائے۔ صرف پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ کانوں تک اٹھائے۔ **مسئلہ**: نماز جنازہ کے درمیان شریک ہونے والا اسلام سے پہلے تکبیریں پوری کرے۔ **مسئلہ**: نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ ثناء کی جگہ پڑھ سکتے ہیں۔ **مسئلہ**: کئی میتوں کیلئے ایک ہی دفعہ جنازہ کافی ہے۔ **مسئلہ**: ابن الملک کہتے ہیں کہ نماز وصدقہ کا ثواب مردے کو بخشا جائے تو اسے پہنچ جاتا ہے۔ یہ جائز ہے۔ عبادات سے نفلی عبادات مراد ہیں۔ اور میت پر زکوٰۃ فرض تھی یا حج فرض تھا۔ تو اس کی طرف سے ادا کیا جائے تو جائز ہے۔ **اسقاط**: میت نے مرنے سے پہلے وصیت کی کہ میرے ذمہ اتنی نمازیں یا روزے ہیں اور ان کی طرف سے کفارہ ادا کر دینا تو یہ جائز ہے اور اس کے تہائی مال سے وہ کفارہ دیا جائے وہ ایک نصف صاع یعنی سوا دو سیر دانے گندم کے فی نماز یا روزہ ادا کرے۔

(آیت نمبر ۱۰۶) سابقہ مذکور دیہاتیوں کے علاوہ بھی کچھ اور لوگ ہیں جو جہاد میں جانے سے کتراتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کو پیچھے ڈالتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق حکم نازل فرمائے گا۔ اگر وہ اپنے اسی حال پر رہے اور توبہ وغیرہ نہ کی۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ اپنی منافقت پر قائم ہیں اور اسلام کیلئے مخلص نہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ عذاب دے گا۔ اور اگر انہوں نے نیت خالص سے توبہ کر لی تو ان کی توبہ قبول ہے پھر اللہ تعالیٰ ان پر مہربانی فرمائے گا۔ **فائدہ**: یاد رہے ''اما'' یہاں شک کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ شک وغیرہ سے پاک ہے اور وہ سب کچھ دیکھ سن رہا ہے یہ تردد بندوں کیلئے ہے اور بندوں کا معاملہ خوف اور امید کے درمیان ہے۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے احوال کو جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ یعنی ہر کام اپنی حکمت اور بندوں کی مصلحت کے مطابق فرماتا ہے۔



وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

اور جنہوں نے بنائی مسجد نقصان دینے کو اور کفر کیلئے اور تفرقہ ڈالنا درمیان مسلمانوں کے

وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ

اور انتظار میں اس کے جو مخالف ہے اللہ اور اس کے رسول کا پہلے ہی۔ اور البتہ ضرور قسمیں کھائیں گے

اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿١٠٧﴾

کہ نہیں ارادہ کیا ہم نے مگر بھلائی کا۔ اور اللہ گواہ ہے کہ بے شک وہ جھوٹے ہیں

(آیت نمبر ۱۰۷) اور جن لوگوں نے مسجد ضرار بنائی یعنی مسجد قباء کے مقابلے میں ایک مسجد بنائی۔

مسجد قباء کی ابتداء: حضور ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے جب مدینہ شریف میں تشریف لائے تو مسجد قباء والی جگہ پر چند دن قیام فرمایا اس مقام پر گرمی کی شدت دیکھ کر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور ﷺ کے آرام کیلئے کوئی جگہ بنائی جائے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ مسجد بنادی جائے۔ اس میں نماز پڑھیں گے اور آرام بھی کرلیں گے لہذا وہاں ایک مسجد تیار ہوگئی۔ اسلام میں یہ سب سے پہلی مسجد تھی۔ جس میں نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پورے اطمینان سے نماز ادا کی۔

مسجد قباء کی فضیلت: مسجد قباء میں حضور ﷺ ہر ہفتہ کے دن تشریف لاتے۔ کبھی پیدل کبھی سوار ہوتے۔

حدیث شریف: جو بندہ وضو کرکے مسجد قباء میں دو رکعت نماز ادا کرے۔ اسے حج اور عمرے کا ثواب ہوگا (مشکوٰۃ شریف)۔ مسجد قباء کی تعمیر میں خود نبی کریم ﷺ نے بھی حصہ لیا۔ بلکہ سنگ بنیاد بھی آپ نے ہی رکھا۔

مسجد ضرار بنانے کی وجہ: جب مسجد قبا مکمل تیار ہوگئی اور اس جگہ کی بڑی شان بن گئی۔ بنوعمرو بن عوف کی برادری والوں کو سخت جلن ہوئی۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو بدظن کرنے کی کوشش کی۔ جب وہاں بات نہ بنی۔ جب ان کو اور کوئی بہانہ نہ ملا۔ تو انہوں نے مسجد کی شان گھٹانے کیلئے ہر طرف مشہور کردیا کہ اس جگہ بنوعمر کے گدھے باندھے جاتے تھے۔ یہاں نماز وغیرہ پڑھنا صحیح نہیں ہے۔ اگرچہ پہلے وہ عام سی جگہ تھی لیکن اب تو وہ اللہ اور اس کے رسول کی پسندیدہ جگہ ہوگئی تھی اور جسے اللہ شان بخش دے کون روک سکتا ہے تو بنوغنم کے لوگوں نے اس اوچھے عذر سے لوگوں کو لڑانے اور مسلمانوں میں فتنہ وفساد پھیلانے کی غرض سے ایک الگ مسجد بنالی اور ابو عامر راہب کو اس میں امام بھی مقرر کردیا۔ قرآن میں اس مسجد کو مسجد ضرار کا نام دیا گیا۔

لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ

نہ کھڑے ہونا اس مسجد میں کبھی بھی البتہ وہ مسجد کہ بنیاد رکھی گئی تقوے پر پہلے ہی دن سے وہ زیادہ حقدار ہے کہ تم کھڑے ہو

فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

اس میں مرد ہیں کہ جو پسند کرتے ہیں کہ وہ پاک ہوں اور اللہ پسند کرتے ہیں بہت پاک رہنے والوں کو

(بقیہ آیت نمبر ۱۰۷) **مسجد ضرار کا خاتمہ:**

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے وحشی (قاتل امیر حمزہ رضی اللہ عنہ) کو بلا کر فرمایا کہ ایک جماعت ساتھ لے جاؤ اور اس مسجد کو گرا دو۔ چنانچہ وہ وہاں مغرب کے بعد پہنچے اور پہنچتے ہی اس مسجد کو آگ لگا دی اور تمام دیواریں بھی گرا دیں۔ پھر شہر کی ساری گندگی وہاں ڈالی جاتی۔ اس جگہ کی نحوست کا یہ عالم ہوا کہ ایک صحابی نے وہاں مکان بنا کر رہائش رکھی جب تک وہ وہاں رہے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ ابو عامر بانی مسجد ضرار بھی سفر کے دوران ذلت سے مرا۔

(آیت نمبر ۱۰۸) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ محبوب آپ ان منافقین کی مسجد میں کبھی نہ جائیں نہ اس میں نماز پڑھنے کیلئے کھڑے ہوں۔ چونکہ اس مسجد کے بنانے والوں کی نیت ہی کھوٹی تھی۔

مسجد قباء کی فضیلت: البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد اول دن سے ہی تقوے پر رکھی گئی۔ یعنی اس کا سنگ بنیاد حضور ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھا۔ جس کی تعمیر میں تمام اصحاب خصوصاً خلفاء راشدین نے حصہ لیا۔

تبیان میں ہے کہ اس کی بنیاد کی تکمیل اللہ کی اطاعت ہے اور حدادی کہتے ہیں۔ تقوے کی بنیاد کا مطلب ہے کہ اللہ کی رضا کیلئے بنائی گئی۔ **فائدہ:** بعض مفسرین کے نزدیک اس سے مسجد نبوی مراد ہے لیکن سیاق وسباق اور بیان کے مطابق مسجد ضرار کے بالمقابل بیان سے ظاہر ہوا کہ اس سے مراد مسجد قبا ہے۔

آگے فرمایا کہ زیادہ مناسب یہی ہے کہ اے محبوب آپ اس میں نماز پڑھیں یعنی مسجد ضرار کے بجائے مسجد قباء میں نماز ادا فرمائیں۔ اس سے مسجد قباء کی مزید فضیلت معلوم ہوئی۔

آگے فرمایا کہ اس میں بہت سارے مرد یعنی انصار ایسے ہیں کہ وہ نجاستوں اور ہر قسم کی غلاظتوں سے پاک وصاف رہتے ہیں۔ وہ نجاستیں بدنی ہوں یا عملی۔ وہ ان سے پاک وصاف رہنا پسند کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بھی پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے اور انہیں اپنا قرب عطا فرماتا ہے جیسے کوئی محبّ اپنے محبوب کو قریب سے قریب تر کرتا ہے۔

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ

تو کیا جس کی بنیاد تیار ہوئی تقوے پر اللہ کی طرف سے اور اس کی رضا پر وہ بہتر ہے یا جس کی بنیاد

بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ

بنی ہی ہے اوپر کنارے گڑھے گرنے والے کے پھر گر ہی گئی جو آگ میں ہے جہنم کی۔ اور اللہ

لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾

نہیں راہ دکھاتا اس قوم کو جو ظالم ہے ۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۰۸) **حدیث شریف**: حضور ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مسجد قباء میں تشریف لے گئے۔ وہاں چند حضرات موجود تھے جن کو دیکھ کر فرمایا تم اہل ایمان ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ایمان کی تعریف فرمائی ہے (احیاء العلوم)۔ بتاؤ تم قضاء حاجت کے بعد کیا کرتے ہو۔ انہوں نے عرض کی۔ ہم ڈھیلے استعمال کرتے ہیں پھر پانی سے استنجا کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے تمہاری طہارت کے متعلق قرآن میں تعریف فرمائی۔ (یہاں طہارت اور جنبی کے متعلق بہت مسائل لکھے گئے (فیوض الرحمٰن کتاب میں دیکھ لیں۔)

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ **حدیث شریف** میں حضور ﷺ نے فرمایا پیشاب سے بچو کیونکہ قبر کا عذاب زیادہ تر پیشاب کے چھینٹوں سے ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

(آیت نمبر ۱۰۹) تو کیا پس جس نے اپنی مسجد کی بنیاد مضبوط تقوے پر رکھی ہو۔

فائدہ: اس آیت میں مسجد قباء کے مکینوں کی مسجد ضرار والوں پر افضلیت بیان کرنا مقصود ہے۔

آگے فرمایا کہ اس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقوے پر اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی پر رکھی ہے۔ وہ بہتر ہے۔

فائدہ: چونکہ مسجد ضرار والوں نے اپنی مسجد کو مسجد قباء کے برابر سمجھ لیا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان دونوں میں افضل کون سی مسجد ہے۔ کس میں عبادت کا ثواب زیادہ ہے۔ یعنی ان دونوں میں سے ایک وہ ہے کہ جسے تیار کرتے وقت صرف خوف خدا اور اس کی رضا کی طلب تھی یعنی مسجد قباء اور دوسری وہ جس کی بنیاد ہی کفر اور نفاق اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کے ارادے سے رکھی گئی۔ یعنی دینی امور کو کمزور کرنے کا انہوں نے یہ بہت آسان طریقہ نکالا تو فرمایا کہ وہ بہتر ہے جس کی بنیاد تقوے اور رضاء الٰہی پر ہے۔

لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ

ہمیشہ ان کی تعمیر جسے انہوں نے بنایا کھٹکتی رہے گی ان کے دلوں میں مگر یہ کہ ٹکڑے ہوجائیں

قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١١٠﴾

ان کے دل اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے

(بقیہ آیت نمبر۱۰۹) یا وہ جس کی بنیاد ہی گرنے والے گڑھے کے کنارے پر رکھی اور پھر وہ جہنم میں ہی گر پڑا۔ بلکہ اس کا معنی یوں ہوگا کہ وہ مسجد خود بھی اور بنانے والوں کو بھی لیکر جہنم میں گری۔

فائدہ: حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ جب مسجد ضرار کی جگہ کھودی گئی تو اس سے آگ کا دھواں نکلتا رہا۔ اسی طرح جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے۔ امام حدادی بھی فرماتے ہیں کہ جیسے پانی کے کنارے پر جو بنیاد ہوگی۔ وہ ضرور اس میں گرے گی۔ اسی طرح جو مسجد منافقین نے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کی نیت سے بنائی۔ وہ بھی گویا جہنم کے کنارے پر ہے۔ اس سے آگ ہی نکلے گی اور وہ گر کر سیدھی جہنم میں ہی جائے گی۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یعنی جو اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ ان امور کی طرف راہنمائی نہیں کرتا۔ جو انہیں نجات کی راہ دکھائیں یا جن سے اس کی اصلاح ہو سکے۔ اگرچہ رشد وہدایت کے راستے ہمہ وقت کھلے ہیں۔ جب کوئی چاہے ان پر چل سکتا ہے۔ لیکن ظالموں کا ان کی طرف رجوع ہی نہیں ہوتا۔

(آیت نمبر۱۱۰) ان کی بنیاد ہمیشہ کیلئے نہایت ہی کمزور ہوگی اور بالکل بے کار ہوگی اس کا خوف انہیں لگا ہی رہے گا کہ چند دنوں بعد ہی خود وہ کھوکھلی ہو کر خود بخود گر جائے گی۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان منافقوں کے دلوں میں دین اسلام کے بارے میں وہ شک ہے جو کبھی ان سے جدا نہیں ہوسکتا۔

فائدہ: اس آیت میں منافقوں کے طور طریقے بتائے گئے کہ انہوں نے مسلمانوں سے الگ مسجد کیوں بنائی؟ اصل بات یہ ہے کہ انہوں نے یہ بنائی ہی اسی لئے ہے کہ اس مسجد میں بیٹھ کر مسلمانوں کو کمزور کرنے کے طریقے نکالیں گے مکر وفریب اور ان کے متعلق دغا بازیاں سوچیں گے اور کھل کر اپنے کفر وشرک کی باتیں کریں گے اور

مسلمانوں کے خلاف آئندہ کے لائحہ عمل اس میں تیار کریں اور مسلمانوں کے اسرار و رموز جو اِدھر اُدھر سے سن کر آتے پھر یہاں ان کے متعلق چہ میگویاں کرتے۔ اس طرح گویا وہ دین واسلام کے متعلق شبہات کا اضافہ کرتے اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں ان کی مسجد کا حال بیان کیا کہ چونکہ ان منافقوں کے دلوں میں شر وفساد ہے۔ اس لئے کہ وہ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرتے ہیں۔ اس لئے یہ مسجد ضرار کے حکم میں آ گئی۔ اس لئے اس کے گرانے کا حکم دیا گیا۔ اگر وہ شر وفساد نہ کرتے تو اسے گرایا نہ جاتا۔

آگے فرمایا مگر یہ کہ ان کے دل ٹکڑے ہو کر کٹ جائیں یعنی ظاہراً اگرچہ ان کے دل صحیح سالم ہیں لیکن شکوک وشبہات سے بھرے ہوئے ہیں۔ اب حال یہ ہے کہ یہ شکوک وشبہات مرتے دم تک ان کے دلوں سے نہیں نکلیں گے۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے یعنی ان کی مسجد بنانے کی غرض کو بھی جانتا ہے اور تمام کاموں کی حکمتوں کو بھی وہ جانتا ہے کہ مسجد ضرار کو گرانے اور ان منافقوں کو ظاہر کرنے میں کیا کیا حکمتیں ہیں۔

مسجد ضرار گرانے میں حکمتیں:

۱۔ اعمال میں عقائد کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ جیسے دیوار کی مضبوطی بنیاد سے ہے بلکہ اعمال صالح کی قبولیت ہی اعتقاد صحیحہ پر ہے جو تقرب الٰہی کا موجب بھی ہیں اور اسی سے دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

سبق: عقل مند وہی ہے جو اپنے دین کی بنیاد عقیدۂ صحیحہ اور اخلاص وتقویٰ پر رکھے۔

۲۔ منافقین نے ظاہراً تو مسجد ہی بنائی تھی کہ اس میں نماز پڑھی جائے لیکن حسد میں آ کر گویا انہوں نے اسے گندگی اور غلاظت کا مرکز تیار کر لیا تھا۔ اس لئے کہ اس میں مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے تھے۔ اس لئے اسے گرانا ضروری تھا تا کہ اس کی گندگی کو دور پھینک دیا جائے۔ اس مسجد سے منافقین نے چند روز فائدہ تو اٹھایا لیکن بعد میں گویا وہ جہنم کے نچلے گڑھے میں ڈال دیئے گئے۔

نکتہ: جیسے منافقین کی مجلس میں بیٹھنے سے دل بدبختی سے لبریز ہو جاتا ہے۔ اسی طرح صدیقین اور عارفین کی مجلس میں بیٹھنے والوں کا دل پاک وصاف ہو جاتا ہے اور دلوں میں نور آ جاتا ہے۔

۳۔ منافقوں نے مسجد بناتے وقت مکر وفریب اور مسلمانوں کو نقصان دہی کا پروگرام بنایا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی گرفت کا

خیال نہیں کیا۔ اس لئے کہ جب انہوں نے مسجد ضرار بنائی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی پاک ﷺ کو آگاہ کر دیا کہ ان کا دلی ارادہ کیا ہے تو اس سے انہیں انتہائی ذلت وخواری حاصل ہوئی۔

۴۔ جو اصلی اور ازلی طور پر بد بخت ہو وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے غیظ وغضب کا نشانہ بنتا ہے اور ہر امر الٰہی سے انکاری ہوتا ہے۔

سبق :عقل مند وہی ہے کہ جو دنیا کی ذلت اور رسوائی سر پہ اٹھا لے۔ مگر آخرت کے معاملے میں سرخروئی حاصل کرنے کیلئے جان کی بازی لگا دے۔ اس لئے کہ دنیا کی ذلت وخواری چند روزہ ہے اور آخرت کی ذلت دائمی ہے۔ جسے برداشت کرنا مشکل ہے۔

۵۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمارے حضور ﷺ ایسے رحمۃ للعالمین ہیں کہ امت کو جہنم سے بچانے کی ہر وقت فکر میں رہتے ہیں۔ اگر مسجد ضرار کو گرا کر ختم نہ کیا جاتا تو کچھ عرصہ بعد وہی جگہ اہل اسلام کے لئے آفت عظیم بن جاتی۔ یعنی جہنم میں جانے کا موجب بن جاتی۔ اس کے ذریعے سے بے شمار صحیح مسلمان لوگ بھی گمراہی میں مبتلا ہو جاتے اور دین میں بہت بڑا فتنہ کھڑا ہو جاتا۔ جس کی لپیٹ میں کئی مسلمان بھی آ جاتے اور وہ بھی جہنم میں چلے جاتے۔

فائدہ :اس سے معلوم ہوا کہ اہل شر اور فسادی لوگوں کی جلد سرکوبی کی جائے اور ان کی عزت وعظمت کو پامال کیا جائے اور عوام کو ان سے بچایا جائے اور جہاں تک ممکن ہو۔ فسادیوں کو گھروں سے نکال کر دور کیا جائے اور ان کی آبادیوں کو ہی ممکن ہو تو مسمار کیا جائے۔ تاکہ فتنہ اور شر ختم ہو۔

مسئلہ :اگر کوئی مسافر خانہ بنائے تو وہ اسی کے قبضہ میں رہے گا۔ جب تک اس میں کوئی امر خلاف شرع نہ ہو۔ اگر وہاں فسق وفجور یا شراب خوری شروع ہو جائے تو وہ اس سے چھین لیا جائے۔

مسئلہ :اسی طرح خانقاہ اس کے بانیوں سے وہ نہیں چھینی جائے گی لیکن اگر وہاں فسق وفجور شروع ہو جائے تو ان سے چھینی جا سکتی ہے۔ (جیسے بعض جگہ شراب نوشی اور فحاشی اور مجرے شروع ہو جاتے ہیں)۔ بلکہ دیکھے گئے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ

بے شک اللہ نے خرید لیں مسلمانوں کی جانیں اور ان کے مال بدلے میں بے شک ان کی جنت ہے

يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا

لڑیں راہ مولا میں پھر ماریں اور مریں ۔ وعدہ ہے اس پر سچا

فِى التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا

توراۃ اور انجیل اور قرآن میں ۔ اور کون زیادہ پکا ہے اپنے وعدے میں اللہ سے بڑھ کر اب خوشی مناؤ

بِبَيْعِكُمُ الَّذِىْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١١١﴾

اپنے سودے کی جو تم نے سودا کیا اس سے اور یہی ہے کامیابی بڑی۔

(آیت نمبر ۱۱۱) بے شک اللہ تعالیٰ نے خرید لیا مومنوں سے ۔ ان کے مال اور جانیں۔

شان نزول: جب مدینہ شریف سے آئے ہوئے ستر افراد نے مکہ مکرمہ میں لیلہ عقبہ کے پاس حضور ﷺ سے بیعت کی ۔ تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ اپنے رب کیلئے جو چاہیں ہم سے شرائط لگالیں ۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا ۔ شرط یہ ہے کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا ۔ صرف اسی کی عبادت کرنا اور میری حفاظت کرنا جیسے تم اپنے مال و جان کی حفاظت کرتے ہو انصار نے عرض کی اگر ہم ان شرائط پر پورے اترے تو ہمیں کیا ملے گا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں جنت عطا فرمائے گا ۔ تو انہوں نے کہا ہم اس بیع سے پیچھے نہیں ہٹیں گے اس میں بہت نفع ہے ۔ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے مال اور جان خرید لئے لہذا وہ اپنے نفسوں کو جہاد کیلئے تیار رکھیں ۔ یہاں نفس سے مراد انسانی بدن جو مٹی کا ڈھانچہ ہے اور روح کمالات حاصل کرنے کا آلہ ہے اور لہذا جان و مال راہ مولا میں مومن خرچ کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں اس کے معاوضہ میں جنت عطا فرمائے گا ۔ جان و مال خرچ کر کے وہ جنت کے مستحق ہو جائیں گے ۔

فائدہ :اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو طاعت بدنیہ اور مالیہ کا عوض دینے میں لطف و کرم فرمایا ہے اور اس عطیہ پر انہیں رغبت اور حرص دی ۔

فـائـده: اشتری کے لفظ سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے جان و مال کو قبول کرلیا گیا ہے اوران کے عوض میں انہیں جنت بھی عطا فرمادی ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ مشتری یعنی خریدار ہے اور مسلمان بیچنے والے اوران کے جان و مال مبیع ہے اوراس کا ثمن جنت کو قرار دیا ہے۔

نکتہ: گویا مسلمانوں کا جان و مال اصل اور جنت کا حصول اس کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ اے ابن آدم اپنی جان کی قدر و منزلت کا اندازا اس بات سے لگا کہ تیرے نفس کا عوض اللہ تعالیٰ نے جنت کے سوا کسی چیز کو نہیں بنایا۔ کتنی بڑی انسان کی یہ عزت افزائی کی گئی کہ اور کوئی چیز اس کے سوا اس قابل ہی نہ سمجھی۔ اس لئے اے انسان تو اس سے غافل نہ ہو۔

حکایت عجیب: تفسیر کبیر میں ہے۔ بروز قیامت شیطان کہے گا۔ شرع میں تو یہ ہے کہ مشتری عیب دار مال واپس کرتا ہے ان بندوں کے مال و جان دونوں عیب دار ہیں۔ گندا اور عیب دار مال خریدنا تو تیری شان کے لائق نہیں لہٰذا اس مسئلہ کے مطابق ان کے جان و مال انہیں واپس کئے جائیں تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ بدبخت تو شرعی مسئلہ سے پوری طرح واقف نہیں ہے۔ شرعی مسئلہ میں تمام مذاہب کا اتفاق ہے کہ مشتری اگر بائع سے عیب دار مال بھی اپنی مہربانی سے لے لے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ وہ بیع ہو جاتی ہے۔ میرے بندوں کے جان و مال بے شک گندے ہیں۔ لیکن میں نے اپنے فضل و کرم سے خرید لئے ہیں۔ اور سودا بھی ہو چکا ہے۔ اب وہ توڑا نہیں جا سکتا تو شیطان انتہائی ذلیل و بے آبرو ہو کر نکل جائے گا۔

آگے فرمایا کہ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں۔ یعنی جنت کے بدلے اپنی جان کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور محض رضاء الٰہی کیلئے وہ جان و مال نثار کرتے ہیں۔

فـائـده: امام حدادی فرماتے ہیں کہ یہاں خرید و فروخت کی وجہ بھی بیان کردی گئی کہ وہ محض رضاء مولا میں جہاد کرتے ہیں۔ آگے فرمایا پھر اس لڑائی میں کبھی وہ دشمن کو قتل کررہے ہوتے ہیں۔ اس وقت وہ غازی کہلاتے ہیں اور کبھی دشمن کے ہاتھوں قتل ہو کر وہ شہید کہلاتے ہیں۔ اس پر انہیں جنت عطا ہوتی ہے۔

فائدہ: مومن دشمن خدا کو مار کر غازی بنتا ہے اور مال غنیمت حاصل کرتا ہے اور اپنی جان قربان کر کے شہید کا درجہ پاتا ہے تو اسے جنت نصیب ہوتی ہے۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جہاد فی سبیل اللہ پر جنت کا وعدہ بخشا ہوا ہے اور وہ وعدہ سچا اور برحق ہے اور باقی ہے جس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ وہ وعدہ مذکور تورات اور انجیل میں اسی طرح ہے جیسا کہ قرآن میں مذکور اور ثابت ہے کہ رسول پاک ﷺ کی امت میں ان لوگوں کیلئے جنت کا وعدہ ہو چکا ہے۔ جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور اس وعدے کا ذکر قرآن میں آ گیا۔ جیسا تورات اور انجیل میں آیا تھا۔

آگے فرمایا اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر وعدہ پورا کرنے والا اور کون ہوسکتا ہے۔اس لئے کہ اسے وعدہ پورا کرنے کی پوری قدرت حاصل ہے۔مخلوق وعدہ وفائی میں بعض دفعہ پوری نہیں اترتی اس لئے کہ ان میں بعض عاجز ہوتے ہیں۔ البتہ اگر توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہو تو ہر حال میں وعدہ پورا کرنا چاہئے۔

آگے فرمایا کہ جب تمہارا عقیدہ پختہ ہوگیا ہے کہ اللہ تعالیٰ یقیناً اپنے وعدے کو پورا فرمائے گا تو تم خوب خوشی مناؤ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور جنت عطا فرمائے گا کہ یہ بیع تمہاری بہت اچھی ہوگئی ہے۔

فائدہ: حدادی فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اے لوگو اس بیع پر تم جتنی خوشی مناؤ کم ہے۔اس لئے کہ تمہارے جان و مال کا خریدار اللہ تعالیٰ ہے اور وہ تمہیں اس کے بدلے جنت عطا فرمائے گا۔خوشی اس بات کی کہ نہ ایسا کوئی خریدار ہوا۔نہ کسی کو ایسا ثمن ملا ہے۔اسی لئے آگے فرمایا کہ تم یہ دیکھو کہ تم نے بیع کس ذات کے ساتھ کی ہے۔ یعنی مبیع اور ثمن پہلے بھی اللہ ہی کے تھے۔اس کے باوجود اس ذات نے محض اپنے فضل و کرم سے خرید کر تمہیں اپنی جنت کا مالک بھی بنا دیا ہے۔یہی تو سب سے بڑی کامیابی ہے۔یعنی اس سے بڑی کوئی اور کامیابی نہیں ہوسکتی۔

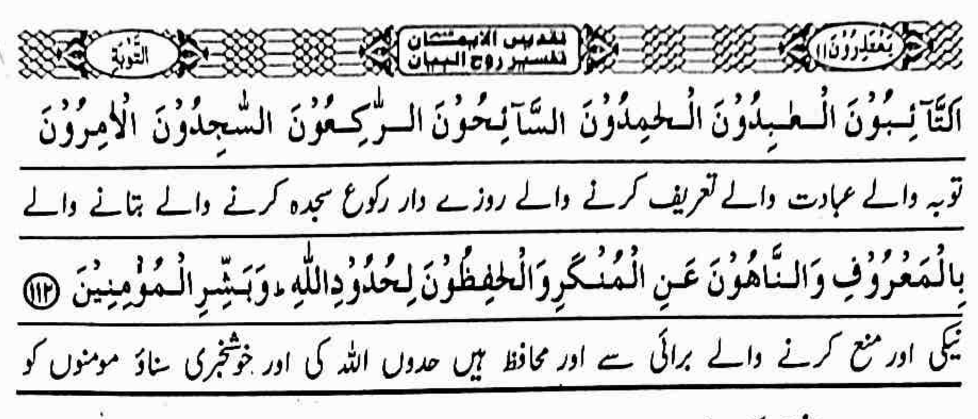
ع: جان دی دی ہوئی اسی کی تھی — حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا!

فائدہ: حدادی فرماتے ہیں کہ عظیم کامیابی اس لئے کہ بہت بڑی نجات اور بہت بڑا اجر و ثواب حاصل ہوگیا۔بلکہ فانی دے کر باقی کو حاصل کرلیا۔ادنیٰ دیکر اعلیٰ کو لے لیا۔

شہید کا مقام:

۱۔ شہید کو اللہ تعالیٰ فوراً اعلیٰ زندگی عطا فرما دیتا ہے۔
۲۔ شہید کی روح سبز پرندوں میں رکھی جاتی ہے وہ جنت میں جہاں چاہے چلا جاتا ہے۔
۳۔ شہید کے تمام صغیرہ کبیرہ گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔
۴۔ شہید اپنے گھرانے کے ستر افراد کو بغیر حساب و کتاب کے جنت میں لے جائے گا۔
۵۔ شہید قیامت کی بڑی گھبراہٹ سے محفوظ ہوگا۔
۶۔ شہید کو نہ موت کی تلخی ہوگی نہ آخرت کے خطرات کا ڈر۔

نوٹ: مزید جہاد کے فضائل اور مجاہدین کے واقعات اس مقام پر اصل کتاب میں دیکھے جاسکتے ہیں)



اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ

توبہ والے عبادت والے تعریف کرنے والے روزے دار رکوع سجدہ کرنے والے بتانے والے

بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

نیکی اور منع کرنے والے برائی سے اور محافظ ہیں حدوں اللہ کی اور خوشخبری سناؤ مومنوں کو

(آیت نمبر۱۱۲) **جنتی لوگوں کی فہرست:**

یعنی ان مجاہدین کی طرح جنت میں جانے والے وہ ہیں جوتوبہ کرنے والے ہیں۔جنہیں جہاد کا موقع نہیں مل سکا۔مگر وہ اپنے دل میں جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ رکھتے ہیں۔

فائدہ :لغت میں توبہ کا معنی رجوع اور اصطلاح شریعت میں گناہوں سے نیکی کی طرف لوٹ آنے کا نام توبہ ہے۔یعنی جنہوں نے شرک اور منافقت سے بلکہ ہر قسم کے گناہ سے توبہ کی۔

مسئلہ :گناہ سے توبہ واجب ہے جتنا بھی جلد ہو سکے توبہ کرلے۔فرمایا توبہ کے بعد عبادت گذار بندے جو خلوص سے عبادت کرتے ہیں۔اوراس پر زندگی کے آخری لمحے تک قائم رہتے ہیں۔

امام اعظم کی عبادت: منقول ہے کہ بیس سال لگاتار امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پوری رات عبادت کرتے رہے (بعض روایات میں چالیس سال کا ذکر بھی آیا ہے) (دن کے وقت طلباء کو پڑھانا) اور رات بھر عبادت میں مشغول رہنا۔بستر تو جوانی میں ہی اٹھادیا تھا اور بارگاہ الٰہی کے آداب کا یہ عالم کہ کبھی پاؤں پھیلا کرنہیں بیٹھے۔

تنبیہ:اللہ تعالیٰ کا انتہائی مبغوض بندہ وہ ہے جس کے پاس وقت ہواور وہ عبادت نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کی تعریف کرنے والے اور اس کے جملہ صفات واسماء مبارکہ پر تعریف کرنے والے۔اہل وعیال کی مصیبت پر صبر کرنے کو بھی حمد ہی کہتے ہیں۔سب سے بڑی نعمت توحید کے بعد دین اسلام کامل جانا ہے۔

سائحون یعنی روزے رکھنے والے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کی (ساحت) روزے رکھنا ہے۔

فائدہ :روزہ نفس کی ریاضت کا نام ہے۔جس کی وجہ سے انسان غلط کاموں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور ملک وملکوت کے غیبی اسرار کا واقف ہو جاتا ہے۔

فائدہ: حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ سائحون سے مراد وہ لوگ ہیں جو رزق حلال سے روزہ رکھتے ہیں اور حرام کے قریب بھی نہیں جاتے۔ حضرت عطاء فرماتے ہیں سائحون سے مراد مجاہد فی سبیل اللہ ہیں۔ (۳) حضرت عکرمہ فرماتے ہیں سائحون سے مراد دین حاصل کرنے والے طلباء ہیں۔

۵۔ نماز میں رکوع سجدہ کرنے والے: باقی ارکان کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ رکوع سجود نماز میں اصل ہیں۔ نماز کی ہیئت کا اظہار انہی دو ارکان سے ہوتا ہے۔

٦۔ ایمان واطاعت کا حکم دینے والے۔

۷۔ اور گناہوں یعنی شرک اور دیگر گناہوں سے روکنے والے۔

فائدہ: حدادی فرماتے ہیں۔ یہاں معروف سے مراد سنت اور منکر سے مراد بدعت ہے۔

بدعت کی تعریف:

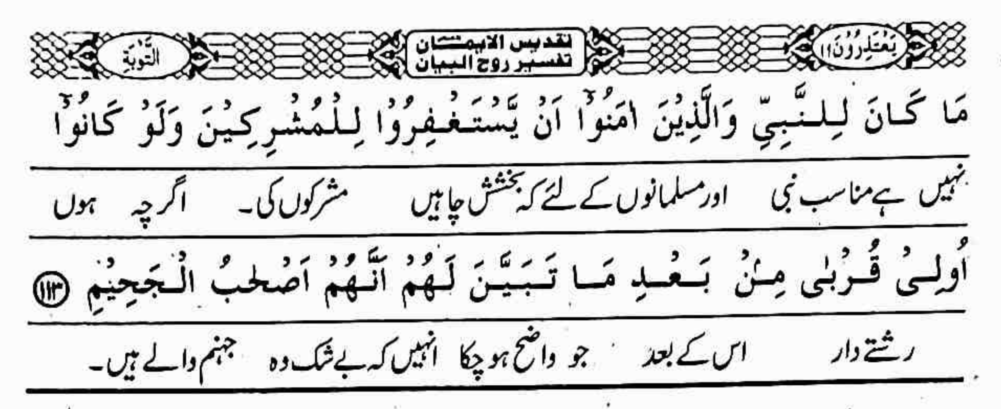
"کل بدعة ضلالة" کے تحت ابن الملک فرماتے ہیں۔ بدعت سیئہ یہ ہے کہ سیدھی راہ چھوڑ کر غلط راستے پر چلے۔ سیدھی راہ سے مراد شریعت ہے۔ البتہ اس سے بدعت حسنہ جدا ہے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "نعمة البدعة هذه" یہ کیسی اچھی بدعت ہے۔

علماء فرماتے ہیں: بدعات کی پانچ اقسام ہیں: (۱) بدعت واجبہ۔ (۲) بدعت مندوبہ۔ (۳) بدعت مباحہ۔ (۴) بدعت مکروہ۔ (۵) بدعت حرام۔

امام قشیری فرماتے ہیں "آمرون" سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے اور ناہون سے مراد۔ غیر اللہ کے تعلق سے روکنے والے۔

۸۔ اور اللہ تعالیٰ کی حدوں کی حفاظت کرنے والے۔ یعنی بندوں کا جو رب تعالیٰ کے ساتھ شریعت واحکام کا معاہدہ ہوا ہے۔ اس کی حفاظت کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کا حکم دیتے ہیں اور وہ احکام شریعت سے سرمو بھی انحراف نہیں کرتے۔

فائدہ: احکام شرعیہ تکلیفیہ بے شمار ہیں۔ آیت مذکورہ میں ان میں سے بعض کا ذکر ہوا ہے۔



مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿١١٣﴾

نہیں ہے مناسب نبی اور مسلمانوں کے لئے کہ بخشش چاہیں مشرکوں کی۔ اگرچہ ہوں رشتے دار اس کے بعد جو واضح ہو چکا انہیں کہ بے شک وہ جہنم والے ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۱۲) آگے فرمایا۔ اے محبوب مومنوں کو خوش خبری سنا دیں۔ جس چیز کی خوشخبری دینی تھی۔ اس کا ذکر اس لئے نہیں کہ وہاں کی نعمتیں انسانی احاطہ عقل سے باہر ہیں اور سب سے بلند مرتبہ دار السلام کی بشارت کا دیدار الٰہی ہے۔ اس لئے کسی خاص چیز کا ذکر نہیں کیا۔

(آیت نمبر ۱۱۳) نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کیلئے مناسب نہیں کہ وہ مشرکوں کیلئے بخشش کی دعا کریں۔ اگرچہ وہ مشرکین ان کے قریبی رشتہ دار ہوں۔ اس کے بعد کہ ان پر واضح ہو چکا کہ ان کے مشرک رشتے دار جہنمی ہیں اور جن کا خاتمہ کفر پر ہوا۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام پر جب واضح ہو گیا کہ آزر اللہ تعالیٰ کا پکا دشمن ہے۔ تو پھر اس کیلئے بخشش کی دعا مانگنے سے رک گئے جیسا کہ اگلی آیت میں وضاحت آ رہی ہے۔ (حالانکہ ان کی مشہور دعا جو ہر نماز کے آخر میں پڑھی جاتی ہے۔ (ربنا اغفر لی) والی قرآن میں آ گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ آزر چچا تھا۔ اس کیلئے بخشش کی دعا ختم کی۔ اور تارخ والد تھے۔ ان کے لئے دعا ابھی تک جاری ہے۔

حضرت ابوطالب کی موت: حضرت ابوطالب کی وفات کے وقت تمام بڑے بڑے کفار ان کے گھر جمع ہوئے اور حضور ﷺ بھی تشریف لے آئے۔ حضور ﷺ نے اپنے چچا حضرت ابوطالب کو فرمایا کہ آپ کلمہ شریف پڑھ لیں۔ میں بارگاہ خداوندی میں آپ کے ایمان کی گواہی دونگا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر مجھے برادری کی طرف سے ننگ و عار کا ڈر نہ ہوتا تو میں ضرور کلمہ پڑھ لیتا۔ اس کے بعد حضور ﷺ واپس تشریف لے آئے۔ (حضرت ابوطالب کے اسلام لانے میں اختلاف ہے۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ اس مسئلہ پر خاموش رہا جائے۔ تا کہ حضور ﷺ کو اس سے اذیت نہ ہو) تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں ان کی بخشش کیلئے دعا مانگتا رہوں گا اور آپ ان کی بخشش کی دعا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ (اگرچہ بہت سارے علماء کرام نے ان کے ایمان کو ثابت کیا ہے جیسے پیر کرم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ یا دیگر بزرگان دین نے۔ بہرحال اس معاملہ میں خاموشی بہتر ہے اس لئے کہ اس بارے میں نہ ہم سے قبر میں پوچھا جائیگا نہ قیامت میں)۔

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ج فَلَمَّا

اور نہ تھی بخشش کی دعا ابراہیم کی اپنے باپ کیلئے مگر اس وعدے کی وجہ سے جو اس سے کیا پھر جب

تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ط اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿١١٤﴾

واضح ہوا انہیں کہ وہ پکا دشمن ہے اللہ کا تو ہٹ گئے اس سے بے شک ابراہیم آہیں بھرنے والے تحمل والے ہیں

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ

اور نہیں ہے اللہ کہ گمراہ کرے کسی قوم کو بعد اس کے جب ہدایت دی ان کو یہاں تک واضح بتائے ان کو

مَّا يَتَّقُوْنَ ط اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١١٥﴾

کہ کس سے وہ بچیں بے شک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

(آیت نمبر ۱۱۴) اور نہیں تھی استغفار ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ کیلئے مگر اس وعدے کی بناء پر کہ جو انہوں نے آزر سے وعدہ لیا تھا کہ میں تیری لئے بخشش کی دعا کروں گا چونکہ آپ کی امید تھی کہ شاید وہ ایمان لے آئے۔

آگے فرمایا کہ پھر جب ابراہیم علیہ السلام کو بذریعہ وحی واضح ہوا کہ اب اس کے ایمان لانے کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے وحی سے بتا دیا کہ وہ کفر پر ہی مرے گا۔ اس لئے کہ بے شک وہ اللہ کا دشمن ہے اور یہ بات اس کی موت کے وقت معلوم ہوئی تو پھر ابراہیم علیہ السلام اس سے الگ ہو گئے یعنی پھر اس کی بخشش کی دعا کرنے سے رک گئے اور فرما دیا کہ میں اب اس کیلئے کوئی بخشش کی دعا نہیں کروں گا۔ آگے فرمایا کہ بے شک ابراہیم علیہ السلام بہت زیادہ آہیں بھرنے والے ہیں کہ آزر کے ایمان نہ لانے پر بہت افسوس کرتے تھے۔ یہ ان کے کمال رأفت ورحمت کی دلیل ہے۔ یعنی آپ کو اس کے حال سے یا اس کے کفر وشرک سے از حد ملال تھا۔ اس لئے آپ اس پر آہیں بھرتے تھے اور آپ حلیم یعنی بہت زیادہ بردبار بھی تھے۔ کفار کی طرف سے ملنے والے دکھوں تکلیفوں اور اذیتوں پر صبر کرنے والے تھے۔ آزر کی طرف سے آپ کو جتنی بھی آپ پر تکالیف اور مصائب آئے۔ چونکہ وہ انتہائی تندخو، سنگ دل اور بد اخلاق تھا۔ اور حضرت ابراہیم ﷺ کو کہتا تھا کہ میں تجھے پتھر مار مار کر ہلاک کر دوں گا۔ یا شہر بدر کر دوں گا وغیرہ وغیرہ تو آپ اس کی طرف سے ملنے والی تکالیف پر صبر بھی کرتے اور اس کے لئے دعائیں بھی کیا کرتے تھے۔

(آیت نمبر ۱۱۵) اللہ تعالیٰ کی عادت مبارک یہ نہیں ہے کہ کسی کو ویسے ہی گمراہ کر دے۔ اسے اسلام کی طرف ہدایت دینے کے بعد یہاں تک کہ ان پر واضح وحی یا کسی اور دلیل سے واضح کر دیا جائے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ

بے شک اللہ ہی کی بادشاہی آسمانوں اور زمین میں ہے زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور نہیں تمہارا

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿١١٦﴾

سوائے اللہ کے کوئی حمایتی اور نہ مددگار۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۱۵) اور وہ ممنوعات دین سے بچنے کی پوری پوری کوشش کرتے ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے منع کردہ امور سے باز آتے ہوں۔

مسئلہ: معلوم ہوا۔ عقل مند بھی اتنی بات کا ہی مکلف ہے کہ جہاں تک اس کے عقل کی رسائی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے ہر ایک چیز کو یعنی ان امور کو بھی جہاں تک بندوں کے عقل کی رسائی ہے۔ **حدیث شریف**: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بروز قیامت دور جاہلیت کے لوگوں کو لایا جائیگا تو وہ آتے ہی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں گے۔ اے الہ العالمین۔ ہمارے پاس کوئی نبی اور رسول نہیں آیا تھا۔ اگر کوئی نبی یا رسول ہمارے پاس آتا تو ہم ضرور تیری فرمانبرداری کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا اب میں تمہیں کوئی حکم دوں۔ تو تم مان لو گے تو وہ کہیں گے کہ ہم ضرور مانیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ جاؤ سیدھے جہنم میں وہ دوزخ کے قریب جا کر واپس آ جائیں گے۔ واپس آ کر کہیں گے وہاں تو داخل ہونا بہت مشکل ہے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تم نے دنیا میں بھی اپنے عقل پر چلنا تھا۔ میرے کہنے پر نہیں۔ لہذا اب تمہیں جہنم میں ہی جانا ہوگا۔ لہذا انہیں دھکیل کر جہنم میں ڈال دیا جائیگا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ پہلے ہی حکم پر جہنم میں چلے جاتے تو ان کیلئے جہنم بھی ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جاتی۔ (ع: لیکن عقل والوں کو کہاں حاصل ہے جنوں۔۔۔ عشق والے ہیں جو ہر چیز لٹا دیتے ہیں) (اخرجہ بزاز)۔ **فائدہ**: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضور ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے کے لوگ امتحان میں کامیاب ہو کر جنت میں جائیں گے اور امید ہے کہ حضرت عبد المطلب بھی ان ہی لوگوں میں سے ہوں گے۔

(آیت نمبر ۱۱۶) بے شک اللہ تعالیٰ کا ہی ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ مردوں کو زندہ کر دیتا ہے اور زندوں کو موت دے دیتا ہے۔ یعنی زمین کو یا جسموں کو یا مراد ہے دلوں کو زندگی اور موت وہی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا نہ کوئی حمایتی ہے نہ مددگار۔

فائدہ: گذشتہ آیت میں فرمایا۔ مشرکین خواہ قریبی ہی ہوں۔ ان کیلئے بخشش کی دعا نہ مانگی جائے۔ یعنی بالکل ان سے دست بردار ہو جائیں تو وہم ہوا کہ پھر مشرکین ہمیں تکلیف پہنچائیں گے۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ

البتہ تحقیق مہربان ہوا اللہ اوپر نبی کے اور مہاجرین اور انصار کے جنہوں نے پیروی کی اس کی

فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ

اس زمانے میں جو تنگی کا تھا اس کے بعد جب قریب تھا کہ پھر جاتے دل ایک جماعت کے ان سے پھر

تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۙ ﴿١١٧﴾

اپنی توجہ کی ان پر۔ بے شک وہ ان پر شفقت والا مہربان ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۱۶) یا ہمارے ساتھ میل جول چھوڑ دیں گے تو کاروبار کیسے چلے گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بے فکر رہو۔ تمام کائنات تو میرے ہاتھ میں ہے۔ یہاں تک کہ سب کی زندگی اور موت بھی میرے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے ان سے الگ ہو کر صرف میرے ہو جائیں۔

حضور ﷺ کی والدہ نے زندہ ہو کر اسلام قبول کیا: صحیح روایات کے مطابق نبی کریم ﷺ کے والدین جنتی ہیں علماء نے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ حجۃ الوداع سے فارغ ہو کر جب مدینہ شریف جا رہے تھے تو راستے میں ابوا کے مقام پر اپنی والدہ ماجدہ کی قبر مبارک کے پاس سے گذرے تو دعا فرمائی کہ اے اللہ میری اماں جان کو زندہ فرما۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور آپ کی والدہ ماجدہ زندہ ہوئیں اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوئیں پھر روح واپس ہو گئی۔ آپ والدہ ماجدہ کی قبر مبارک کی طرف جاتے ہوئے رو رہے تھے اور واپسی پر خوش تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پوچھنے پر آپ نے یہ بات انہیں بتائی۔ کہ والدہ ماجدہ نے زندہ ہو کر کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئیں۔

فائدہ: اگرچہ اس حدیث پر بعض لوگوں نے جرح وطعن بھی کیا ہے لیکن حفاظ حدیث نے اس کو نقل کیا۔ واللہ اعلم

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ بے شمار انبیاء واولیاء نے مردے زندہ کئے اس پر قرآن وحدیث سے گواہ ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی عظیم مرتبت کی وجہ سے اگر والدین کو زندہ کر کے مسلمان کیا ہو تو پھر کیا اشکال ہے۔

(آیت نمبر ۱۱۷) البتہ تحقیق مہربانی فرمائی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور مہاجرین وانصار پر۔ جنہوں نے اپنے نبی ﷺ کی پیروی کی انتہائی تنگی کے زمانہ میں۔ یعنی جب گرمی بھی اپنے پورے شباب پر تھی اور مالی حالت بھی بہت پریشان کن تھی۔ اس کے باوجود جان نثاروں نے نبی کریم ﷺ کا بھرپور ساتھ دیا۔

ایک وہم کا ازالہ: آیت کے ظاہر سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ سے کوئی غلطی ہوئی ہوگی تو اس پر توبہ کی قبولیت بیان ہوئی۔ عقیدہ اہل سنت یہ ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام ہر قسم کے صغائر و کبائر سے معصوم ہوتے ہیں۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت سے وہ اجازت مراد ہے جو جنگ پر جانے سے پہلے منافقین کو دی۔ لیکن اس سے مراد خطا لینا بھی نبوت کے ساتھ دشمنی کی دلیل ہے۔ اس لئے کہ اس سے انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت و عظمت پر دھبہ آتا ہے۔ اس لئے اس کا معنی یہ ہوگا کہ افضل سے فاضل کی طرف جھکنا۔ یہ معنی انبیاء کرام علیہم السلام کیلئے موجب ملامت نہیں ہے چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے مخصوص اور مقرب ترین لوگ ہوتے ہیں اس لئے ان کی طرف غلط چیز کی نسبت کرنا اپنے ایمان کو ضائع کرنا ہے۔

توبہ نعمت اور رحمت ہے۔ اول حضور ﷺ پر پھر آپ کی امت پر۔ اللہ تعالیٰ کی جو بھی نعمت اتری وہ صدقہ ہے نبی کریم ﷺ کا۔ اس لحاظ سے یہ نعمت حضور ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ملی جو مہاجرین و انصار ہیں۔ **مہاجرین** وہ لوگ ہیں جنہوں نے مکہ مکرمہ سے حضور کے ساتھ مدینہ شریف کی طرف ہجرت کی۔ **انصار** سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے مہاجرین کی ہر طرح سے مدد کی۔ یہ انصار نام ان کا اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول ﷺ نے رکھا۔ قرآن پاک کے نازل ہونے سے پہلے ان کو کوئی انصار نہیں کہتا تھا۔

حدیث شریف: انصار سے محبت ایمان کی علامت ہے اور انصار سے بغض نفاق کی علامت ہے۔ حدیث حضور فرماتے ہیں کہ ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار سے ہوتا۔ (بخاری و مسلم)

آگے فرمایا کہ مہاجرین و انصار نے حضور ﷺ کی صحیح اتباع کی۔ یعنی حضور ﷺ کے ہر حکم پر چلنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی خصوصاً دکھوں کی اس گھڑی میں۔ یعنی غزوہ تبوک کے موقع پر جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت مشقت اٹھانا پڑی۔ موسم بھی سخت گرمی کا تھا۔ سواریاں بھی پاس نہ تھیں خوراک کی بھی بہت کمی تھی۔ دن رات میں صرف ایک کھجور کھانے کو ملتی تھی۔ پانی کی بھی سخت قلت تھی۔

حکایت: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ گرمی سے کلیجے منہ کو آ رہے تھے۔

فائدہ: یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر غزوۂ تبوک کی طرف جا رہے تھے۔

آگے فرمایا۔ اس کے بعد کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل ٹیڑھے ہو گئے تھے۔ یعنی اس سخت مشکل موقع پر (اگر آج کا مسلمان ہوتا تو حضور ﷺ کو وہیں چھوڑ کر بھاگ جاتا)۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اجر و ثواب کی امید پر صبر کیا اور جو ان کے دل میں خیال گذرا اس پر اظہار ندامت کیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ اس لئے آگے فوراً فرمایا کہ اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ یعنی ان سے جو غلطی سرزد ہوئی۔ وہ معاف فرما دیں۔

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا

اور اوپر تین کے جو پیچھے کئے گئے یہاں تک کہ جب تنگ ہوگئی ان پر زمین باوجود

رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ

اپنی وسعت کے اور تنگ ہوگئے اوپر اپنی جانوں کے اور یقین کیا کہ نہیں کوئی جائے پناہ اللہ سے مگر

اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ع ﴿۱۱۸﴾

اسی کی طرف پھر توبہ قبول ہوئی ان کی تاکہ وہ توبہ پر رہیں بے شک اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے

(بقیہ آیت نمبر ۱۱۷) توبہ کا لفظ دوبارہ اس لئے لایا گیا۔ تاکہ معلوم ہو کہ ان کی توبہ کی قبولیت اس وجہ سے ہوئی کہ انہوں نے جنگ کی انتہائی سختی کو جوانمردی سے برداشت کیا۔ آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان پر شفقت فرمانے والا مہربان ہے۔

حضور ﷺ کا معجزہ: مروی ہے کہ غزوہ تبوک میں جب گرمی کی شدت سے سب لوگ پیاس سے نڈھال تھے تو لوگوں نے پیاس کی شکایت کی حضور ﷺ نے فرمایا کہ لوٹا لاؤ۔ خادم نے لوٹا لایا۔ جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ آپ نے اس میں ہاتھ مبارک ڈالا۔ جب باہر نکالا تو پانچوں انگلیوں سے چشمے ابلنے لگے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی خوب پیا۔ سواریوں کو پلایا۔ پانی کے تمام برتن بھی بھر لئے۔ بارہ ہزار گھوڑے پندرہ ہزار اونٹ اور تیس ہزار جنگی بہادروں میں سے سب نے پیا۔ مگر پانی ابھی اسی طرح جاری وساری تھا۔ "ذالك فضل الله يوتيه من يشاء"۔

(آیت نمبر ۱۱۸) اور ان تینوں پر مہربانی فرما کر اللہ تعالیٰ نے جن کی توبہ قبول کی جو غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے: (۱) کعب بن مالک۔ (۲) مرارہ بن الربیع العنبری۔ (۳) اور ہلال بن امیہ انصاری رضی اللہ عنہم۔ ان ناموں کا پہلا حرف ملایا جائے تو مکہ بن جاتا ہے۔ اور عذر بھی ان کو کوئی نہیں تھا۔ پیچھے رہنے کا خیال بھی نہیں لیکن آج جائیں گے کل چلے جائیں گے۔ یوں آج کل کرتے کرتے نہ جاسکے۔ تینوں جلیل القدر بزرگ تھے۔ حضرت کعب بیعت عقبہ والوں میں سے تھے اور دوسرے دونوں حضرات بدری صحابہ میں سے تھے۔

حضرت کعب کی کہانی: وہ خود بیان فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو میں نے حاضر ہو کر سلام عرض کیا۔ آپ نے رنجش بھرے انداز سے جواب دیا اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ کاش تو

غزوۂ تبوک سے غیر حاضر نہ ہوتا۔ نیز فرمایا کہ میں کعب کی فضیلت اور اسلام کو جانتا ہوں کہ وہ پکا اور سچا مسلمان ہے۔

واقعہ: حضور ﷺ نے مجھ سے غیر حاضری کی وجہ پوچھی تو میں نے سچ بتادیا کہ کوئی عذر نہیں تھا۔ صرف سستی اور کاہلی کی وجہ سے حاضر نہ ہوسکا۔ تو فرمایا کہ میری مجلس سے نکل جا۔ تیرا فیصلہ اللہ تعالیٰ خود فرمائے گا اور میرے دوسرے دونوں ساتھیوں سے بھی یہی فرمایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی ہم سے سلام کلام کرنے سے منع فرمایا۔ لہذا اب یہ حالت تھی کہ ہلال اور مرارہ تو غم سے نڈھال ہوکر گھر میں ہی بیٹھ گئے اور کعب نماز مسجد میں ادا کرتے اور بازار میں بھی آتے جاتے مگر کوئی بھی ان کے ساتھ نہیں بولتا تھا تو کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس صورتحال سے ہمارے دل بہت تنگ ہوگئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہاں تک کہ جب ان پر زمین باوجود اپنی کشادگی کے تنگ ہوگئی۔ چونکہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی پاک ﷺ کے حکم پر ہم سے بائیکاٹ کر دیا تھا کہ نہ کوئی ہم سے بولتا نہ ہمارے سلام کا کوئی جواب دیتا تھا۔ حضرت کعب فرماتے ہیں کہ ہمیں خطرہ لاحق ہوگیا تھا کہ اگر ہم اسی حالت میں مر گئے تو نماز جنازہ بھی ہمارا کوئی نہیں پڑھے گا، نہ نبی پاک ﷺ پڑھائیں گے نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پڑھیں گے۔

آگے فرمایا اس فرط غم اور وحشت سے اپنی جانوں سے بھی تنگ آگئے کہ تمام خوشیاں ختم ہوگئی تھیں۔ کہیں کوئی مونس نظر نہیں آرہا تھا۔ جس کو سلام کرتے وہ بھی دور بھاگ جاتا تھا۔

کافر بادشاہ کا پیغام حضرت کعب کے نام: حضرت کعب فرماتے ہیں کہ ایک تاجر مدینہ شریف میں آیا اور لوگوں سے میرے متعلق پوچھا۔ لوگوں نے میری طرف اشارہ کرکے بتایا تو وہ مجھے ملا۔ اور غسان کے بادشاہ کا خط مجھے دیا۔ وہ بادشاہ ابوشمر کے نام سے مشہور تھا۔ خط میں لکھا تھا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارے ساتھی (نبی کریم ﷺ) نے تم پر ظلم ڈھا رکھا ہے تم کوئی معمولی آدمی نہیں ہو تم ہمارے پاس آؤ۔ ہم تمہیں پورے عزت واکرام کے ساتھ نوازیں گے۔ کعب فرماتے ہیں کہ میں خط پڑھ کر سخت دل تنگ ہوا کہ میری اب یہ حالت ہے کہ کافر بھی مجھ سے کفر کی امید لگا بیٹھے ہیں۔ میں نے وہ خط جو ریشمی کپڑے میں لپٹا تھا۔ سیدھا جاکر تنور میں ڈال کر جلا دیا (فرماتے ہیں)۔ اسی حالت میں ہمارے چالیس روز گذر گئے۔ اسی دن ایک قاصد نے آکر بتایا کہ حضور ﷺ نے حکم دیا ہے کہ اپنی بیویوں سے الگ ہوجاؤ۔ یہ حکم ہم تینوں کیلئے ہوا۔ فرماتے ہیں اس کے بعد میں نے اپنی اہلیہ سے کہا تو اپنے میکے چلی جا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے۔ اسی حالت میں ہمارے پچاس دن گذر گئے کہ ہمارے ساتھ بائیکاٹ جاری رہا۔ پہلے کم از کم گھر میں تو کوئی ہم سے بولتا تھا۔ اب یہ بھی پابندی ہوگئی۔ جس سے از حد تکلیف ہوئی کیونکہ خاندان میں قریبی رشتہ دار بھی ہمیں دیکھ کر ہم سے دور ہوجاتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دن میں نے اپنے چچازاد بھائی ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو سلام دیا تو اس نے بھی مجھے سلام کا جواب نہ دیا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

اے ایمان والو ڈرواللہ سے اور ہو جاؤ ساتھ سچوں کے

(بقیہ آیت نمبر ۱۱۸) خوشی کی گھڑی:

بالآخر وہ خوشی کی گھڑی آ گئی۔ جس کا انتظار تھا۔ فرماتے ہیں پچاسویں دن میں (سلع) پہاڑ پر نماز صبح ادا کر رہا تھا کہ پکارنے والا اونچے آواز سے کہہ رہا تھا کہ اے کعب مبارک ہو۔ فرماتے ہیں میں سنتے ہی سجدہ میں گر گیا۔ یہ آواز لگانے والا حمزہ بن عمرو الاسلمی تھا۔ میں نے انتہائی خوشی سے اپنے کپڑے اتار کر انعام میں اس کو دے دیئے اور معذرت بھی کی کہ میرے پاس اس کے علاوہ کچھ اور بھی ہوتا تو وہ بھی تجھے دے دیتا۔ لہٰذا ان دو کپڑوں کو ہی قبول فرمائیں اس کے بعد اپنے چچازاد بھائی ابوقتادہ سے دو کپڑے ادھار لے کر پہنے۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ مہاجرین میں سے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ جو پورے پرتپاک طریقے سے دوڑ کر میری طرف آئے اور مجھے مبارک باد دی جسے میں کبھی بھول نہیں سکتا۔ یہ طلحہ وہ ہیں۔ جن کا حضور ﷺ نے میرے ساتھ بھائی چارہ کر دیا تھا۔

بہرحال جب میں مسجد شریف میں داخل ہوا۔ تو نبی کریم ﷺ کا چہرہ مبارک خوشی سے چمکتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ہمیشہ جب حضور ﷺ خوشی کی حالت میں ہوتے تو آپ کا چہرہ مبارک اس قدر روشن ہوتا کہ اس سے نور جھڑتا تھا۔ گویا آپ کا چہرہ مبارک چاند کا ٹکڑا ہے۔ فرماتے ہیں۔ پھر میں حضور ﷺ کے قدموں میں قریب ہو کر بیٹھا۔ حضور ﷺ نے خوش خبری بھی سنائی۔ میں نے عرض کی۔ یارسول اللہ جس مال کی وجہ سے میں شریک جنگ نہ ہو سکا۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ مال میں اللہ کی راہ میں دے دوں۔ فرمایا کہ کچھ مال اپنے پاس بھی رکھو۔ اس میں تمہاری بھلائی ہے۔

(آیت نمبر ۱۱۹) اے ایمان والو۔ جو سچے دل اور خالص دل کے ساتھ ایمان لائے ہو۔ جن کاموں میں اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ ان پر عمل کر کے اس سے ڈرو اور ہر معاملہ میں سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔ یعنی حق بات کرو۔ اور اسی پر عمل کرو۔ یہاں مع الصادقین دو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ "من الصادقین" یا "فی الصادقین" یعنی سچوں سے یا سچوں میں ہو جاؤ۔ **فائدہ**: اس آیت میں سچائی کی فضیلت اور سچائی کی ترغیب بھی بیان ہوئی۔ اور اولیاء اللہ کی شان بھی بیان ہوئی۔ **حدیث شریف**: بروز قیامت تاجر لوگ فاجروں میں اٹھیں گے۔ مگر وہ لوگ جنہوں نے پرہیزگاری اور سچائی اختیار کی۔ (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب البیوع)

فائدہ: تاجر کو فاجر اس لئے کہا کہ تاجر لوگ اکثر اوقات خرید و فروخت میں جھوٹی قسمیں کھا جاتے ہیں۔ کھرا کھوٹا ملا کر بیچ دیتے ہیں۔ اور سودی کاروبار کر لیتے ہیں اور **حدیث شریف** کے آخر میں فرمایا کہ الا من اتقی۔

یعنی وہ تاجر فاجر نہیں جو جھوٹ سے پرہیز کرے۔ اور لین دین کے معاملات میں اللہ سے ڈرے اور سچائی کو اپنا شعار بناتے ہیں۔ **حدیث شریف** میں ہے کہ بہترین کاروبار تجارت ہے۔ بشرطیکہ اس میں تاجر جھوٹ نہ بولیں اور امانت میں خیانت نہ کریں اور وعدہ خلافی سے بچیں اور خریدار کی برائی نہ کریں اور اپنی چیز بیچتے وقت اپنے مال کی جھوٹی تعریف نہ کریں اور جسے قرض دیں اسے خواہ مخواہ تنگ نہ کریں (اداب للبیھقی)۔ **فائدہ**: بہرحال سچائی سب سے اعلیٰ چیز ہے۔ شرع میں س کی بڑی تعریف بیان ہوئی۔ سچا آدمی دنیا و آخرت میں قابل تعریف ہے۔

سچائی کی قدر و قیمت: احمد بن الحواری نے ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی کہ بنی اسرائیل کی عمریں آٹھ آٹھ سو سال تک ہوئیں۔ لیکن عجیب بات یہ ہے۔ کہ بنی اسرائیل نے اتنی لمبی عمریں پانے کے باوجود وہ اعلیٰ مراتب حاصل نہ کر سکے۔ اگر ہم سچے دل اور سچی نیت سے عبادت کریں تو ہم ان سے زیادہ ثواب حاصل کریں۔ حضور ﷺ کی امت کے برابر مراتب اور کمالات کوئی بھی امت حاصل نہیں کر سکی۔

فائدہ : امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ منہاج العابدین میں فرماتے ہیں کہ اس امت میں بعض وہ لوگ ہیں جو یہ مراتب ستر سال میں بعض وہی مراتب بیس سال میں بعض دس سال میں اور بعض ایسے ہیں جو صرف ایک سال کی محنت میں حاصل کر لیتے ہیں۔ جس کی عبادت میں اخلاص زیادہ اس کے مراتب بھی زیادہ ہوتے ہیں۔

حکایت : رابعہ بصریہ بوڑھی ہوئیں تو مالک انہیں بیچنے بازار لے گیا۔ سارے بازار میں کوئی خریدار نہ ملا۔ آخر کار ایک خریدار نے انتہائی تھوڑی رقم سے خریدا اور انہیں آزاد کر دیا۔ تو آپ عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئیں۔ صرف ایک سال میں اتنا بڑا کمال حاصل کر لیا کہ بڑے بڑے لوگ علماء و اولیاء کرام ان کی زیارت کو آتے تھے۔

صادق اور صدیق میں فرق: علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے پیر و مرشد نے ایک خط میں لکھا کہ سچائی کو اپنا معمول بناؤ۔ اس لئے کہ سچائی اخلاص پیدا کرتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کی تمام حرکات و سکنات صرف اللہ کیلئے ہو جاتی ہیں۔ صدق میں بال برابر بھی حظ نفسانی داخل ہو گیا تو تمام صدق و خلوص ضائع ہو گیا۔ صدق و اخلاص کے مراتب تو بے شمار ہیں۔ ان میں کچھ درج ذیل ہیں۔

صادق: بعض امور میں پورا صدق و اخلاص ظاہر کرتا ہے اور بعض امور میں اس سے کمی ہو جاتی ہے اور **صدیق** وہ ہوتا ہے جو صدق کے تمام مراتب کا جامع ہو۔ نیز **صادق** جو خطوظ نفس کی تمام ملاوٹوں سے پاک ہو اور **صدیق** وہ جو غیریت کی ملاوٹ سے پاک ہو۔

آگے علامہ فرماتے ہیں کہ صادقین سے مراد مرشدین کرام ہیں جو مریدین کو واصل باللہ بناتے ہیں۔

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا

نہیں مناسب تھا مدینہ والوں کو اور جو ان کے اردگرد والے دیہاتی ہیں کہ پیچھے رہتے

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

رسول خدا سے اور نہ پیارا جانتے اپنی جانوں کو ان کی جان سے۔ یہ اس لئے کہ بے شک

لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ

نہیں پہنچی انہیں پیاس اور نہ تکلیف اور نہ بھوک راہ خدا میں اور نہیں رکھتے

مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ

قدم کہ جس سے غصہ چڑھے کافروں کو اور نہیں پہنچاتے دشمن کو کوئی نقصان مگر لکھا جاتا ہے ان کے لئے اس پر

عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۙ ﴿۱۲۰﴾

عمل نیک ۔ بے شک اللہ نہیں ضائع کرتا اجر احسان والوں کا۔

(آیت نمبر ۱۲۰) اہل مدینہ اور گردونواح والے مسلمانوں کیلئے مناسب نہیں ہے۔

فائدہ: مدینہ سے مراد وہ مبارک شہر جو نبی کریم ﷺ کا دارالہجرۃ ہے۔ **فائدہ**: دنیا میں کوئی ایسا شہر نہیں جس کی شان مکہ مکرمہ یا مدینہ شریف کے برابر ہو۔ بعض علماء کرام نے مدینہ شریف کے سو سے زیادہ نام لکھے ہیں۔ جیسے مولانا ناز اہد الحسینی دیوبندی نے اپنے ماہانہ رسالہ میں ان کا تفصیل سے ذکر کیا۔ مدینہ شریف کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ اس کی مٹی خاک شفا ہے۔ ہر بیماری کیلئے (خصوصاً کوڑھ اور برص کی بیماری کیلئے)۔ ایک خصوصیت یہ کہ یہ شہر دنیا کے تمام شہروں کے بعد اور قیامت آنے سے چالیس سال پہلے ویران ہوگا۔ آگے فرمایا کہ اسی طرح جو مدینہ شریف کے اردگرد رہنے والے بادیہ نشین ہیں۔ ان کیلئے مناسب نہیں ہے۔ جیسے قبائل مزینہ، جہینہ، اشجع اور غفار وغیرہم ہیں کہ یہ لوگ نبی کریم ﷺ کے قریب رہتے ہوئے بھی نبی کریم ﷺ کا ساتھ نہ دیں اور جنگ تبوک پر نہ جائیں کہ نبی کریم ﷺ تو ہر قسم کی تکالیف کے باوجود جنگ پر چلے جائیں اور یہ لوگ پیچھے رہ جائیں جبکہ انہیں جنگ کی ترغیب بھی دی گئی۔ اور جنگی ضروریات کی کمی بھی نہیں رہی پھر بھی وہ نبی کریم ﷺ کی رفاقت سے محروم رہ جائیں۔

وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا

اور نہیں خرچ کرتے کوئی چھوٹی چیز اور نہ بڑی اور نہیں عبور کرتے کوئی وادی

اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢١﴾

مگر لکھا جاتا ہے ان کیلئے اجر تا کہ جزائے خیر دے ان کو اللہ زیادہ اچھی اس سے جو تھے وہ عمل کرتے

(بقیہ آیت نمبر ۱۲۰) آگے فرمایا کہ اپنے آپ کو گرمی اور جنگ کی تکلیف سے بچانے کی سعی کر کے حضور ﷺ سے روگردانی نہ کرو۔ بلکہ تم پر تو لازم ہے کہ تم حضور ﷺ کے ساتھ ہو کر کفار کے مقابلے کیلئے سینہ سپر ہو جاؤ۔

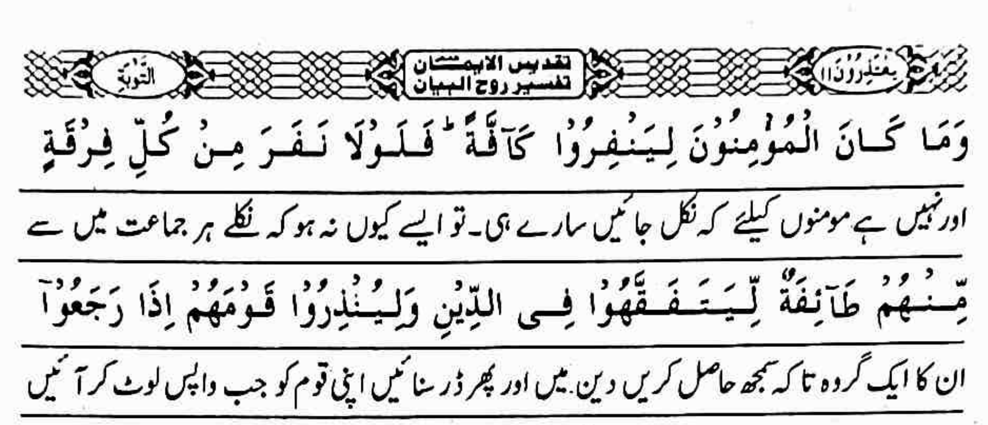
فائدہ: حدادی فرماتے ہیں کہ امت کو چاہئے کہ وہ اپنی جانوں کو نبی کی جان پر قربان کریں۔ اپنی جانوں کو نبی ﷺ کیلئے ڈھال بنائیں۔ یہ نبی پاک ﷺ کے حقوق واجبہ سے ہے کہ امت ان پر اپنی جانیں قربان کرے۔ اس لئے کہ امت کو ان کے طفیل راہ حق ملا۔ اور ان کے ہی طفیل دولت ایمان سے نوازے گئے۔

آگے فرمایا کہ یہ اس وجہ سے کہ جب سے انہیں رسول اللہ ﷺ کی رفاقت کا شرف ملا۔ اس وقت سے اللہ کی راہ میں نہ بھوک آئی نہ پیاس اور نہ انہوں نے گھوڑوں اور اونٹوں پر سفر کاٹے۔ جس سے کافروں کو جلن ہو۔ کیونکہ جہاں سے بھی مسلمان گذرتے۔ کفار غم وغصہ سے پیچ وتاب کھاتے ہیں کیونکہ یہ فطرتی بات ہے کہ دشمن مخالف کے پاس سے جب گزر جائے تو اسے رنج ہوتا ہے۔ خصوصاً مخالف جب کامیاب جارہا ہو۔ آگے فرمایا کہ وہ مسلمان نہیں پاتے اس دشمن سے کوئی مصیبت مگر اس حال میں کہ ان کیلئے ہر ہر قدم پر نیک عمل لکھ دیا جاتا ہے۔

فائدہ: کاشفی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مذکورہ امور سے جو بھی مشکل امر پہنچے گا۔ وہ ثواب کے مستحق ہوں گے۔ بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہر تکلیف پر نیکی کو ستر گنا بڑھا کر اجر دیا جاتا ہے۔

آگے فرمایا کہ بے شک اللہ احسان والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا بلکہ ان پر اپنا احسان عظیم فرماتا ہے۔

(آیت نمبر ۱۲۱) اور وہ جہاد میں کوئی چھوٹی چیز خرچ کرتے ہیں مثل کھجور وغیرہ کے اور نہ کوئی بڑی چیز خرچ کرتے ہیں۔ جیسے حضرت عثمان اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما نے جیش العسرۃ کے وقت خرچ کیا (اس کی تفصیل پچھلے پارے میں گذر گئی)۔ اور نہ مسلمان کافروں کی کسی وادی کو عبور کرتے ہیں مگر ان کے صحیفوں میں نیک اعمال درج ہو جاتے ہیں۔ یعنی جنگ کیلئے آنے جانے اور اس میں مال وغیرہ خرچ کرنے پر اجر لکھا جاتا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ ان کے نیک اعمال کی ان کو اچھی جزاء دے۔



وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ

اور نہیں ہے مومنوں کیلئے کہ نکل جائیں سارے ہی۔ تو ایسے کیوں نہ ہو کہ نکلے ہر جماعت میں سے

مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا

ان کا ایک گروہ تا کہ سمجھ حاصل کریں دین میں اور پھر ڈر سنائیں اپنی قوم کو جب واپس لوٹ کر آئیں

اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ع ﴿۱۲۲﴾

ان کی طرف تا کہ وہ بچ جائیں۔

(بقیہ آیت نمبر۱۲۱) **جہاد کی فضیلت** : جہاد کے وہ فضائل ہیں جو دوسرے اعمال میں نہیں پائے جاتے۔
حدیث شریف حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا جہاد میں ایک پل بھر ٹھہرنا ستر سال کے نوافل سے اعلیٰ ہے کیا تمہیں پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بخش کر تمہیں جنت میں داخل فرمائے (ریاض الصالحین ومرقاۃ شرح مشکوٰۃ)۔ جو شخص اونٹنی دوہنے تک جہاد میں حاضر رہے۔ اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ (سنن الدارمی)

(آیت نمبر۱۲۲) اہل ایمان کیلئے یہ بھی مناسب نہیں کہ جہاد وغیرہ کیلئے سارے ہی نکل جائیں۔ یعنی جہاد یا طلب علم کیلئے نہ تو سارے ہی چلے جائیں۔ نہ یہ ہے کہ کوئی بھی نہ جائے۔

قاعدہ: جس ترک فعل پر توبیخ ہو جائے تو اس سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ طلب علم کیلئے جانا واجب ہے۔ یعنی ہر خاندان میں سے کچھ افراد کا دین پڑھنے کیلئے گھر سے نکلنا ضروری ہے۔ آگے فرمایا کہ ایسا کیوں نہ ہوا کہ ہر بڑے گروہ سے یعنی بڑے قبیلہ یا خاندان سے ایک جماعت طلب علم کیلئے نکلتی۔

فائدہ: فرقہ جماعت کی کثرت اور طائفہ افراد کی قلت پر دلالت کرتا ہے۔ اہل لغت کہتے ہیں کہ طائفہ کا اطلاق تین سے اوپر پر ہوتا ہے۔

آگے فرمایا کہ وہ جماعت گھروں سے نکل کر دین میں فقاہت حاصل کریں۔ بلکہ وہ دین حاصل کرنے کیلئے پوری کوشش کریں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا۔ دین گھر میں نہیں ملتا۔ اس کیلئے دردر کی ٹھوکریں کھانی ہی پڑتی ہیں۔

فائدہ: احکام دین کے سمجھنے کو فقاہت کہتے ہیں (اسی سے فقہ بنی ہے)۔ اور علماء اسی سے فقہاء بنے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْیَجِدُوْا

اے اہل ایمان لڑو ان سے جو تمہارے نزدیک کافر ہیں اور چاہئے کہ پائیں

فِیْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۲۳﴾

تم میں سختی۔ اور جان لو بے شک اللہ ساتھ پرہیزگاروں کے ہے

(بقیہ آیت نمبر۱۲۲) آگے فرمایا کہ وہ دین سمجھنے کے بعد جب واپس لوٹ کر اپنے خاندان والوں کے پاس آئیں تو قبیلے اور خاندان والوں کو احکام خداوندی سنائیں۔ اس پر عمل کرنے والوں کو خوشخبری سنائیں اور اس سے منہ پھیرنے والوں کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں۔ یعنی حصول علم سے ان کی غرض مسلمانوں کی راہبری کرنا ہو۔

فائدہ: بشارۃ سے انذار کی اہمیت زیادہ ہے۔ اس لئے صرف انذار کا ذکر کیا۔ نیز اہم کی تصریح سے غیر اہم خود بخود ضمناً مذکور ہو جاتا ہے۔ (امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اگر بچے کو کہا جائے تو پڑھ تجھے سویٹ دیں گے تو بچہ اس قدر محنت سے نہیں پڑھے گا جتنا ڈنڈے سے ڈر کر پڑھے گا)۔ آگے فرمایا کہ شاید تمہارے ڈرانے سے وہ ڈر جائیں۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ دینی علوم کا حصول اور مسلمانوں کو وعظ و نصیحت کرنا فرض کفایہ ہے اس میں طلباء کو۔

تنبیہ: ہے کہ وہ علم حاصل کرتے وقت اپنی نیت کو بھی درست رکھیں۔ یعنی علم پڑھنے سے ان کا مقصد اپنی اصلاح ہو۔ اس کے بعد مسلمانوں کو تبلیغ کریں۔ ان کا مقصد حصول علم سے مرتبہ یا وجاہت یا مال کمانا نہ ہو۔

سبق: طالب علم کو چاہئے کہ اس عالم دین کے پاس پڑھے جو عالم متقی اور پرہیزگار ہو اور وہ (صحیح العقیدہ سنی ہو)۔

امام اعظم کی علمی برتری کی وجہ: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے والد حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے مولائے کائنات علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ کی بارگاہ میں حلوہ پیش کیا تو انہوں نے دعا میں فرمایا۔ اے اللہ ثابت اور ان کی اولاد کو برکات عطا فرما۔ یہ اس دعا کا ثمرہ ہے کہ نعمان بن ثابت امام اعظم بنے۔

(آیت نمبر۱۲۳) اے مسلمانو ان لوگوں سے جنگ کرو۔ جو کافر ہیں اور جو تمہاری نزدیک ہیں وہ کافر جو تمہارے ساتھ قرب کسی طرح کا رکھتے ہیں۔ یا وہ تم سے رشتہ داری رکھتے ہیں۔ مطلب ہے کہ جو کافر نزدیک ہیں ان کا رگڑا پہلے نکالو۔ **مسئلہ**: یہ قرب عام ہے خواہ رشتہ کے لحاظ سے ہو یا مکان کے لحاظ سے۔ تبلیغ اسلام کے لئے بھی یہی حکم ہے۔ آگے فرمایا کہ وہ اپنے اندر تمہارے غصے کو اور سختی کو محسوس کریں یعنی کفار پر سختی اور شدت کرو۔ تاکہ انہیں معلوم ہو کہ تم ان کے دشمن ہو۔

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ

اور جب کوئی اتری سورت تو ان میں سے ہیں جو کہتے ہیں کس کا تم میں بڑھا اس سے ایمان

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿١٢٤﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ

البتہ جو ایمان لائے پس بڑھا ان کا ایمان اور وہ خوش ہوتے ہیں البتہ وہ

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿١٢٥﴾

جن کے دلوں میں بیماری ہے تو بڑھی ان کی پلیدی پر پلیدی اور مرے وہ کفر کی حالت میں

(بقیہ آیت نمبر۱۲۳) آگے فرمایا کہ تم جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے یعنی ان کی وہ مدد اور دستگیری فرماتا ہے۔ متقین کے ساتھ کی قید اس لئے لگائی ہے کہ وہ راہ خدا میں جان ہتھیلی پر رکھ کر گھر سے نکلتے ہیں۔

(آیت نمبر۱۲۴) اور جب قرآن پاک کی کوئی سورت اتاری جاتی ہے۔ (سورت قرآن مجید کے ایک حصے کو کہتے ہیں۔)

فائدہ: آگے فرمایا کہ ان منافقوں میں سے بعض وہ ہیں جو اہل ایمان کی طرف دیکھ کر کہتے ہیں۔ یعنی بطور انکار اور استہزاء کے کہتے ہیں۔ تم میں سے وہ کون ہیں۔ جن کا ایمان اس سورت کی وجہ سے بڑھا ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ آیات سے استہزاء اور انکار منافقت کی پرانی علامت ہے۔ البتہ جو لوگ احکام الٰہی پر ایمان لائے۔ آیات قرآنی اور سورۂ ربانی کا نزول ایمان میں اضافے کا سبب ہیں۔ اس اضافے کا تعلق زمانہ نبوی سے ہے۔ حضور ﷺ کے وصال مبارک کے بعد ایمان نہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے۔ البتہ اس کے درجات میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ **مسئلہ**: ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے۔ اور احسان یہ ہے کہ بندہ بوقت عبادت یوں سمجھے کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ اگر یہ بات دل میں نہ جمے تو یہ تصور کرے کہ وہ تو یقیناً تجھے دیکھ رہا ہے۔ اور آگے فرمایا کہ (مسلمان) نزول قرآن کے وقت خوش ہوتے ہیں کہ اس میں ان کے دینی اور دنیوی منافع ہیں۔

(آیت نمبر۱۲۵) البتہ جن کے دلوں میں کفر اور نفاق کا مرض ہے اور برے عقیدے کا مرض ہے۔

نکتہ: حدادی فرماتے ہیں کہ منافقت کو دل کا مرض اس لئے کہا گیا ہے کہ منافقت حیرت کو کہتے ہیں اور حیرت دل پر اثر کرتی ہے۔ جیسے بدن کی تکلیف کو بدن کی بیماری کہا جاتا ہے۔ اسی طرح منافقت دل کی تکلیف ہے۔

اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِىْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ بے شک وہ فتنے میں ڈالے جاتے ہیں ہر سال میں ایک یا دو مرتبہ پھر

لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَاهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾

نہ تو وہ توبہ کرتے ہیں اور نہ وہ نصیحت حاصل کرتے ہیں ۔

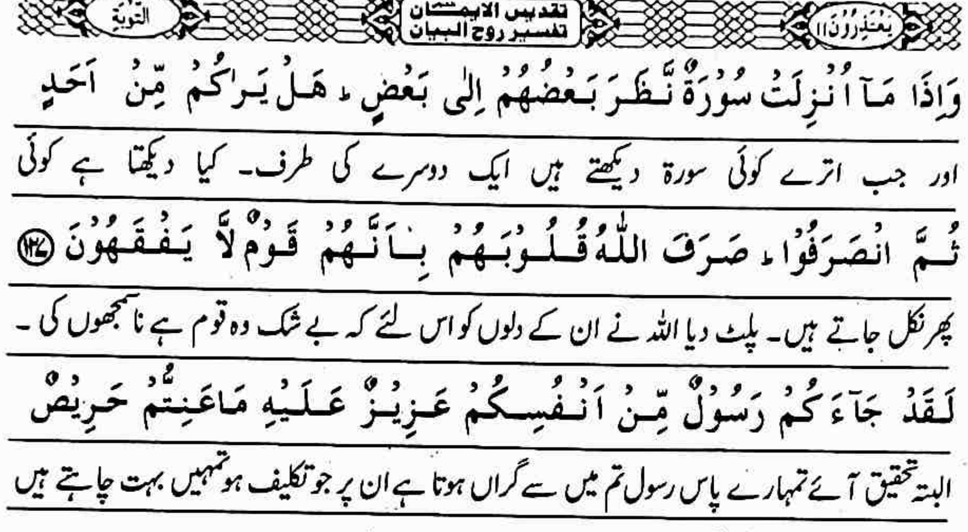
(بقیہ آیت نمبر ۱۲۵) علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بیماری خواہ دل کی ہو یا جسم کی دونوں انسان کی ہلاکت کا سبب بنتی ہیں۔ ظاہری بیماری بدن کی موت کا سبب بنتی ہے۔ اسی طرح باطنی مرض کا انجام بھی روح کی ہلاکت ہے۔ دونوں بیماریوں کا علاج ان کی مناسبت سے کیا جائے۔

آگے فرمایا کہ جن کے دلوں میں مرض ہے۔ جب قرآنی سورتیں اترتی ہیں تو ان کی پہلی پلیدیوں کے ساتھ اور پلیدی مل جاتی ہے۔ پہلے کفر کی پلیدی پھر منافقت کی پلیدی کا مزید اضافہ یعنی ان کے کفر میں اضافہ ہو جاتا ہے اور ان کے باطل عقیدوں اور برے اخلاق میں مزید بگاڑ آ جاتا ہے۔

رجس اور نجس میں فرق: رجس عموماً عقل کی غلاظتوں کیلئے استعمال ہوتا ہے اور نجس طبعی غلاظتوں کیلئے بولا جاتا ہے۔ آگے فرمایا کہ وہ کفر کی حالت پر ہی مرتے ہیں۔ یعنی ان میں کفر ایسا رچ بس جاتا ہے کہ اسی پر ان کو موت آتی ہے۔ یا کفر کی نحوست انہیں اسلام کی طرف آنے ہی نہیں دیتی۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ سورتوں کے نزول میں مسلمانوں کو دو فائدے ملتے ہیں اور کفار کے دو نقصان ہوتے ہیں مسلمانوں کو: (۱) ایمان میں اضافہ۔ (۲) اور جنت کی بشارت ملی اور کفار کے دو نقصان: (۱) پلیدی میں اضافہ (۲) کفر پر موت ہوئی۔

(آیت نمبر ۱۲۶) کیا یہ منافق دیکھتے نہیں کہ ہر سال وہ فتنے میں ڈالے جاتے ہیں۔ کم از کم ایک یا دو مرتبہ یعنی سال میں ان پر کئی دفعہ آفات و بلیات آتی ہیں۔ اور وہ مراض و شدائد میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ان کو چاہئے تو یہ ہے کہ وہ شرارتوں سے باز آئیں اور پکے سچے مسلمان ہو جائیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ توبہ نہیں کرتے اور نہ وہ نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ **فائدہ:** آزمائشیں تو اس لئے آتی ہیں کہ لوگ ڈر کر توبہ کر لیں اسی طرح ان منافقوں پر آئیں تو چاہئے تھا کہ وہ توبہ کرتے۔ لیکن ان کی بدقسمتی کہ انہوں نے نصیحت ہی حاصل نہیں کی نہ ایمان لائے۔



وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ

اور جب اترے کوئی سورۃ دیکھتے ہیں ایک دوسرے کی طرف۔ کیا دیکھتا ہے کوئی

ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

پھر نکل جاتے ہیں۔ پلٹ دیا اللہ نے ان کے دلوں کو اس لئے کہ بے شک وہ قوم ہے ناسمجھوں کی۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ

البتہ تحقیق آئے تمہارے پاس رسول تم میں سے گراں ہوتا ہے ان پر جو تکلیف ہو تمہیں بہت چاہتے ہیں

عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾

تمہیں مسلمانوں پر نہایت شفقت اور رحم والے ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۱۲۶) **فائدہ**: اصل بات یہ ہے کہ ان کے دل ہی مردہ ہیں۔ وہ نصیحت کیا حاصل کریں گے۔ جس کا دل مردہ ہو۔ وہ کبھی اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ نہ کوئی نصیحت اس پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب (انك لاتسمع الموتیٰ) بے شک آپ مردوں کو نہیں سناتے اور دوسری جگہ فرمایا۔ آپ اسے ڈرائیں جو زندہ ہے یہاں مردہ سے مراد کافر اور زندہ سے مراد مسلمان ہے۔

(آیت نمبر ۱۲۷) اور جب بھی کوئی قرآنی سورۃ اترتی ہے تو وہ منافق ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔ نصیحت حاصل کرنے کیلئے نہیں۔ بلکہ انکار اور استہزاء کے طور پر ایک دوسرے کو آنکھ سے اشارہ کر کے ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ کوئی مسلمان ہمیں دیکھ تو نہیں رہا تا کہ ہم محفل سے چھپ کر نکل جائیں اور باہر جا کر خوب ان کی تضحیک کریں۔

آگے فرمایا کہ پھر وہ واپس لوٹ گئے تا کہ ان کی ہنسی مزاح پر مسلمان انہیں ذلیل نہ کریں۔ آگے فرمایا کہ جب وہ ہمارے نبی سے پھرے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ہی پھیر دیا۔ یعنی نبی کریم ﷺ کی مجلس سے اٹھ کر چلے جانا۔ ان کی نحوست کا سبب بن گیا اور ان کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے ایمان سے ہی دور کر دیا۔ آگے فرمایا یہ اس وجہ سے کہ وہ قوم ہی ناسمجھ ہے۔ یعنی نہ ان میں فہم کی صلاحیت ہے اور نہ تدبر کی۔

(آیت نمبر ۱۲۸) اے لوگو تمہارے پاس تشریف لے آئے بڑی شان والے رسول۔

فائدہ: شرع میں رسول وہ انسان ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام اس تک آتے ہیں وہ لوگوں تک پہنچاتا

ہے۔ آگے فرمایا کہ وہ شان والا رسول تم میں سے ہے یعنی جنس آدمی سے ہے۔ نہ وہ فرشتوں سے ہے نہ کسی اور مخلوق سے۔ اس لئے کہ اگر وہ کسی اور مخلوق سے ہوتے۔ یعنی فرشتوں یا جنوں وغیرہ سے ہوتے تو ہم جنس نہ ہونے کی وجہ سے تم ان سے صحیح استفادہ نہ کرسکتے۔ **فائدہ**: رسول کی دو جہتیں ہیں: (۱) جہت تجرد کہ رب تعالیٰ سے فیض لے۔ (۲) جہت تعلق کہ وہ فیض مخلوق تک پہنچائے (انفسکم) کو فاء کے فتح سے بھی پڑھا گیا۔ یعنی تم میں نفیس ترین اور افضل ترین رسول بن کر آئے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے نسب جیسا کوئی نسب نہیں اور آپ کے خاندان جیسا کوئی خاندان نہیں اور رسولوں میں بھی آپ جیسا کوئی رسول نہیں اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تم میں حسب ونسب کے لحاظ سے نفیس ترین ہوں۔ جبریل امین نے بھی کہا میں نے زمین کے مشرق مغرب دیکھے۔ مگر آپ جیسا حسین وجمیل کسی کو نہیں دیکھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کل کائنات کی علت غائی بن گئے۔ یعنی آپ کائنات کی اصل ہیں باقی جملہ مخلوق آپ کے طفیل ہے۔ اس لحاظ سے آپ کا وجود مبارک تمام موجودات کونیہ سے افضل واعلیٰ ہے اور آپ کی روح مقدس اور تمام ارواح سے کامل واکمل ہے۔ نہ آپ کے قبیلے جیسا کوئی قبیلہ ہے۔ نہ آپ کے اصحاب واولاد جیسی کسی کے اصحاب واولاد ہیں۔ **فائدہ**: (لقد جاء کم رسول من انفسکم) اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کیلئے بہترین تحفہ ہے۔ آگے فرمایا کہ اے مسلمانو تمہارا مشقت میں پڑنا ان پر انتہائی گراں ہوتا ہے۔ یعنی تمہارے برے انجام سے وہ خوف زدہ ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی جہنم میں جانے کا سبب ہے اور حضور ﷺ کب یہ برداشت کرتے ہیں کہ ان کا امتی جہنم میں جائے۔ اس وجہ سے آپ پر گراں گذرتا ہے۔ آگے فرمایا وہ رسول تمہارے ایمان اور اصلاح احوال کے بہت حریص ہیں۔ اس لئے کہ حضور ﷺ کی توجہ لوگوں کی ذات پر نہیں۔ بلکہ ان کے ایمان اور نیک احوال پر ہے۔ آگے فرمایا کہ وہ رسول مومنوں پر بڑے شفقت کرنے والے مہربان ہیں۔

فائدہ: حضور ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ آپ لوگوں کی غلطیاں معاف فرمادیا کرتے تھے اور آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ یہ دین متین ہے۔ اسے نرمی کے ساتھ دوسروں تک پہنچاؤ۔ لوگوں کو اس سے نفرت نہ دلاؤ۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ بھی رؤف ورحیم ہے اور حضور ﷺ بھی رؤف ورحیم ہیں۔ حضور ﷺ کی رافت ورحمت اللہ تعالیٰ کی رأفت ورحمت کا عکس ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مسلمانوں کیلئے نرم ہوگئے۔

عجیب تخلیق: حکماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضور ﷺ کی روح تخلیق فرمائی تو آپ کا سر مبارک برکات سے اور آنکھیں حیاء سے اور کان مبارک عبرت سے اور زبان مبارک ذکر سے اور لب مبارک تسبیح سے اور چہرہ اقدس رضا سے اور سینہ مبارک اخلاص سے اور دل پاک رحمت سے اور ہتھیلیاں سخاوت سے اور لعاب دہن جنت کے شہد سے بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کڑوے کنویں میں لعاب دہن ڈالتے تو میٹھا ہوجاتا۔ یعنی اللہ نے آپ کو ان تمام اکمل ترین صفات کے ساتھ پیدا فرمایا۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ﳳ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ

پھر اگر وہ پھر جائیں تو فرمادیں کافی ہے مجھے اللہ تعالیٰ نہیں کوئی سوائے اس کے

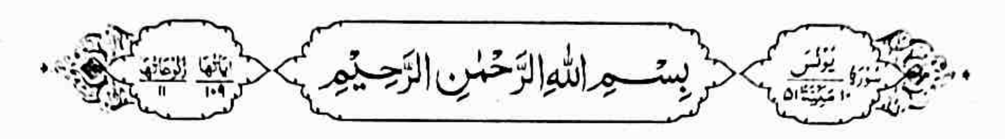
رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ؏ ﴿١٢٩﴾

اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور وہ رب ہے عرش بڑے کا

(آیت نمبر ۱۲۹) پھر اگر وہ پھر گئے۔ یعنی ایمان لانے سے گریز کیا اور آپ کی نصیحت قبول نہ کی۔ تو آپ ان کو فرمادیں کہ مجھے میرا اللہ ہی کافی ہے۔ وہی تمہاری تکالیف سے بچائے گا اور وہی میری مدد فرمائے گا۔ یہ گویا حضور ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ تبلیغ رسالت جاری رکھیں۔ آپ کی قرب الٰہی میں اور مقبولیت میں روز افزوں ترقی ہوگی اور لوگوں کو بتائیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ عرش عظیم کا رب ہے۔ عرش سے بہت بڑا ملک مراد ہے جو دعاؤں کا قبلہ اور فرشتوں کا مرکز ہے۔ جس کے ہزاروں ستون ہیں۔ عرش کی عظمت بتا کر یہ واضح کر دیا کہ جو اتنے بڑے عرش کا مالک ہے۔ وہ مجھے دشمنوں سے بھی بچا سکتا ہے۔ اپنے بندوں کا وہی حامی و ناصر ہے۔ سب کو وہی پناہ دینے والا ہے۔

عرش الٰہی ایوان محمد ہے: بعض محققین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عرش معلیٰ کو صرف اپنے محبوب کی عزت و شرافت کے اظہار کیلئے بنایا۔ جس کے متعلق فرمایا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر بٹھائے گا اور وہ عرش معلیٰ کے نیچے ایک مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ تو بیٹھنے اٹھنے سے پاک ہے۔

سورہ توبہ کی آخری ان دو آیات کی برکت: شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ ابوبکر بن مجاہد محدث رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تشریف لائے۔ تو ابوبکر مجاہد تعظیماً شیخ شبلی کیلئے کھڑے ہوگئے (اور ان کے ماتھے پر بوسہ دیا) شاگردوں نے عرض کی کہ آپ بڑے بڑے وزیروں کیلئے کھڑے نہیں ہوتے۔ اب کیوں کھڑے ہوئے تو فرمایا میں نے وہی کیا۔ جو میں نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں کرتے ہوئے دیکھا۔ ابوبکر بن مجاہد فرماتے ہیں کہ اس واقع کے دو دن بعد مجھے نبی کریم ﷺ کی خواب میں زیارت ہوگئی تو آپ نے فرمایا کہ اے ابوبکر تو نے ایک جنتی شخص کی عزت و تکریم کی۔ اللہ تعالیٰ تجھے خوش و خرم رکھے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ۔ شبلی کو یہ شرف کیسے ملا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ شبلی ہر فرض نماز کے مجھ پر درود پڑھتا ہے پھر یہی دونوں آیات پڑھتا ہے۔ (اختتام سورۂ توبہ: ۱۳ ستمبر ۲۰۱۵ء)



الٓرٰ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ ①

یہ آیتیں کتاب حکمت والی کی ہیں

(آیت نمبر ۱) الٓرٰ: یہ اس صورت کا نام ہے۔علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ حروف کلمات کے اور کلمات جملوں کے اور جملے آیات کے اور آیات سورتوں کی اور سورتیں قرآن پاک کے اجزاء ہیں۔ یہ ایسے ہے جیسے نہریں، ندیاں، نالے اور چھوٹی نالیاں اور قطرات سمندر کے ہی اجزاء ہیں۔ آگے فرماتے ہیں کہ یہ حروف مقطعات معانی اور رموز واسرار پر مشتمل ہیں۔ محقق صوفیاء کرام کے اسرار بھی رموز الٰہی میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کلی:

یہ بات یاد رہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کلی مخلوق کے مقابلے میں ہے۔اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم غیر محدود ہے۔ اور یہ بات حدیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اولین و آخرین کے علوم عطا فرمائے (مشکوۃ شریف) اور یہ بھی تسلیم شدہ بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سابقہ تمام انبیاء کے علوم عطا ہوئے۔اسی کا نام علم کلی ہے تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حروف مقطعات کا بھی علم ملا۔ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا۔ علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ حروف مقطعات کے متعلق محاکمہ کر کے اپنا عقیدہ بیان کرتے ہیں کہ حروف مقطعات کا علم مع لوازم وحقائق کے اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ یا اللہ کے بتانے سے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء کرام جانتے ہیں تو فرمایا کہ یہ آیتیں حکمت والی کتاب سے ہیں۔ یعنی قرآن مجید کی آیات میں ہزارہا حکمتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی ہر آیت میں ہزاروں حکمتیں پنہاں رکھی ہیں۔

نکتہ: ہوسکتا ہے۔ حکیم بمعنی حاکم ہو کہ کتاب ایسی حاکم ہے کہ اس نے سابقہ احکام وشرائع کو منسوخ کر دیا۔ اور اس مکمل کتاب قرآن مجید میں سے کسی بات کو کوئی قانون بھی منسوخ نہیں کرسکتا۔ (الاماشاء اللہ)

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ

کیا لوگوں کو تعجب ہے کہ ہم نے وحی کر دی طرف ایک مرد کے جو ان میں سے ہے۔ کہ ڈرائے عام لوگوں کو

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ

اور خوشخبری سنائے مومنوں کو کہ بے شک ان کیلئے مقام سچا ہے نزدیک ان کے رب کے۔ کہا کافروں نے

اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲﴾

بے شک یہ تو ضرور جادو ہے کھلا ہے

(آیت نمبر۲) کیا لوگوں کو تعجب ہوا۔ الناس سے مراد کفار مکہ ہیں۔ یعنی کفار اس بات سے تعجب کر رہے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان جیسے ایک بشر کو نبی بنا کر بھیجا۔ لیکن انہیں اس پر تعجب کیوں نہیں ہوتا کہ انہوں نے پتھروں، لکڑیوں اور دیگر کئی اشیاء کو خدا بنا رکھا ہے۔ جن کا نہ کوئی مرتبہ ہے۔ نہ مال یا کمال۔ مکہ کے بے وقوفوں نے کہا۔ خدا کو رسول بنانے کیلئے ابوطالب کا یتیم ہی ملا تھا۔ کیا اس کی خدائی میں عزت وشان والا اور کوئی انسان نہ تھا۔ (معاذ اللہ) یہ انہوں نے کمال حماقت اور انتہائی سفاہت سے بات کی۔ یہ سوال تو ان سے بھی ہو سکتا تھا کہ انہوں نے پتھروں اور ڈھیلوں کو خدا بنا لیا۔ انہیں اور کوئی اعلیٰ چیز نہیں ملی تھی۔ چونکہ ان کی نظر مادیات پر تھی اور وہ وحی اور نبوت سے ہی بالکل بے خبر تھے۔ ورنہ حضور ﷺ سے بڑھ کر عزت وعظمت، حسب ونسب اور دیگر کمالات والا کائنات میں اور کون انسان ہو سکتا ہے۔ بلکہ ان اہل مکہ کو حضور ﷺ کے خصائل حمیدہ اور اخلاق کریمانہ کا پورا اعتراف تھا۔ چونکہ وہ دنیا کے مال کے بھوکے تھے۔ اس لئے وہ اس کمی کو دیکھ کر انکار کر بیٹھے۔ آگے فرمایا کہ ہم نے ان میں سے ہی ایک شخص پر وحی کی تا کہ وہ پوری دنیا کے لوگوں کو ڈرائے (انذار کا معنی ہے جہنم کی آگ سے ڈرانا) آگے فرمایا کہ اے میرے نبی خوش خبری سناؤ اہل ایمان کو۔ **نکتہ**: انذار کو بشارت سے پہلے لانے میں حکمت یہ ہے کہ یہ ایک قاعدہ ہے کہ گھر کو گندگیوں سے پہلے صاف کیا جاتا ہے پھر گھر میں خوشبوئیں اور عطریات چھڑکے جاتے ہیں۔ اسی طرح حکیم بدن سے گندا مواد پہلے نکالتا ہے اور پھر اچھی ادویات بعد میں استعمال کرواتا ہے۔ ایسے ہی روحانی طبیب بھی غلط عقائد اور ردی اخلاق پہلے دل سے دور کراتا ہے اور یہ کام انذار سے ہو سکتا ہے۔ تا کہ برے انجام سے ڈر کر دل پاک اور صاف کر لے پھر بشارت کے میٹھے گھونٹ اسے پلاتا ہے۔ تو فرمایا اے محبوب اہل ایمان کو خوشخبری سناؤ کہ ان کا ان کے رب کے ہاں سچائی کا مقام ہے۔ یعنی وہ اپنے نیک اعمال کی وجہ سے آخرت میں بلند درجات کے مستحق ہوں گے۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى

بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پھر استوا کیا

عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ

اوپر عرش کے تدبیر کرتا ہے ہر کام کی۔ نہیں کوئی سفارشی مگر بعد اس کی اجازت کے۔ یہ

اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ③

ہے اللہ جو تمہارا رب ہے پس اس کی بندگی کرو۔ تو کیا نہیں تم نصیحت پکڑو گے۔

(بقیہ آیت نمبر۲) **فائدہ**: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "قدم صدق" یہ ہے کہ حضور ﷺ آگے اور ہم حضور کے پیچھے چل کر جنت میں جائیں گے۔

آگے فرمایا کہ کفار کہتے تھے کہ بے شک یہ کھلا ہوا جادوگر ہے۔ پہلے خود معجزہ مانگا۔ جب معجزہ دیکھ لیا بلکہ جب کافروں نے حضور ﷺ کے معجزات دیکھے تو انہیں جادوگر کہنا شروع کر دیا۔

(آیت نمبر۳) بے شک تمہارا رب تو وہ ہے کہ جس نے زمین وآسمان بنائے چھ دنوں میں۔

فائدہ: یہ خطاب کفار مکہ سے ہے چونکہ اہل عرب اس بات سے ناواقف تھے کہ زمین وآسمان رب تعالیٰ نے بنائے۔ اس لئے بات لفظ "اِنَّ" سے شروع فرمائی۔ چھ دنوں سے مراد چھ وقت ہیں۔ یعنی وقفے وقفے سے بنائے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اس سے کم مدت میں بنا نہیں سکتا۔ وہ تو چودہ طبق ایک لحظہ میں بنا سکتا ہے۔ لیکن انسان کو سبق دیا گیا کہ کام میں دیر لگانا اچھا ہے تا کہ وہ اچھی طرح ہو جائے۔ جلد بازی شیطان کا کام ہے۔ لہٰذا انسان کو ہر کام بڑے آرام اور تسلی سے کرنا چاہئے۔ خواہ جتنا وقت اس پر خرچ ہو جائے جلد بازی اچھا کام نہیں ہے۔

سات کاموں میں جلدی چاہئے: (۱) توبہ کرنے میں۔ (۲) قرض کی ادائیگی میں۔ (۳) نماز کا جب وقت ہو جائے۔ (۴) لڑکی جب بالغ ہو جائے۔ (۵) میت کو دفن کرنے میں۔ (۶) نہانا جب فرض ہو جائے۔ (۷) مہمان کی مہمانی میں۔ باقی کاموں میں دیر بہتر ہے۔ (دنوں کے متعلق تفصیلات دیکھنی ہوں تو بڑی کتاب میں دیکھ لیں یا فیوض الرحمٰن کا مطالعہ کر لیں)۔

آگے فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے عرش پر استویٰ فرمایا۔ (اپنی شان کے مطابق)

اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ

اسی کی طرف لوٹنا ہے تم سب کا وعدہ ہے اللہ کا سچا۔ بے شک اس نے پہلی دفعہ پیدا کیا پھر دوبارہ بھی کرے گا

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ

تاکہ بدلہ دے ایمان والوں کو جوانہوں نے عمل کئے اچھے ساتھ انصاف کے۔ اور جو کافر ہیں ان کے لئے

شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۴﴾

پینے کیلئے کھولتا پانی اور عذاب دردناک ہے بوجہ اس کے کہ تھے وہ کفر کرتے۔

(بقیہ آیت نمبر ۳) **فائدہ:** علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس سے عرش کی عظمت کا علم ہوا اور زمینوں اور آسمانوں پر عرش کی فضیلت کا بیان ہے کہ اس کائنات میں ہر چیز سے اعلیٰ اور بالا عرش الٰہی ہے۔

اول کون: اجسام میں عرش الٰہی کو اوّلیت اور ارواح میں حضور ﷺ کے روح مقدس کو اوّلیت حاصل ہے۔ **نکتہ:** سب سے بڑی مخلوق عرش الٰہی ہے اور استویٰ سے مراد قدرت اور غلبہ اور تصرف ہے اور یہ کلمہ متشابہات سے ہے۔

آگے فرمایا کہ وہ کاموں کی تدبیر فرماتا ہے کیونکہ سارے امور عرش سے نیچے اترتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دعا کے وقت ہاتھ عرش کی طرف اٹھائے جاتے ہیں۔ آگے فرمایا کہ نہیں ہے کوئی سفارش کرنے والا مگر اس کے اذن کے بعد۔ اس جملے میں بت پرستوں کا رد ہے جو کہتے تھے کہ یہ بت ہمارے اللہ کے ہاں سفارشی ہیں۔

فائدہ: یہاں شفاعت کی نفی نہیں ہے بلکہ اس میں شفاعت کا ثبوت ہے۔ البتہ شفاعت وہی کرے گا جسے اللہ اجازت دے گا۔ آگے فرمایا کہ یہ اللہ ہے جو تمہارا رب ہے اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ لہٰذا اسی کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرو۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سوچتے اگر تم معمولی سا بھی غور وفکر کرو۔ تو معلوم ہو جائے گا کہ عبادت کا مستحق صرف اور صرف رب تعالیٰ ہے۔

(آیت نمبر ۴) تم سب کو لوٹ کر اسی کے پاس جانا ہے اور کسی کے پاس نہیں۔ لہٰذا اس کی بارگاہ میں حاضری کی تیاری کر رکھو۔ یہ وعدہ اللہ تعالیٰ کا ہے جو بالکل برحق ہے اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی نے مخلوق کی ابتداء کی۔ اور وقت مقرر پر موت دی پھر دوبارہ ایک دن وہی زندہ کر کے قبروں سے اٹھائے گا۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا

وہی ہے جس نے بنایا سورج کو روشن اور چاند چمکنے والا۔ اور مقرر کیں اس کی منزلیں تا کہ تم جان لو

عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ

گنتی سالوں کی اور حساب۔ نہیں بنایا اللہ نے یہ مگر حق کے ساتھ۔ تفصیل بیان کرتا ہے آیتوں کی

لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ⑤

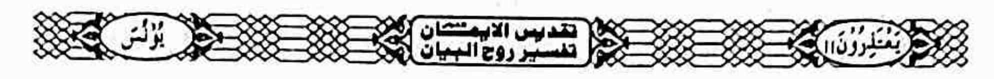
ان لوگوں کیلئے جو جانتے ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر۴) **فائدہ**: انسان کو دنیا میں بھیجا کہ وہ اس کی عبادت کریں اور قیامت کو اس لئے اٹھائے گا تا کہ اس عبادت کی انہیں جزاء دے۔ اس لئے فرمایا کہ تا کہ اللہ اچھا بدلہ دے ان کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کئے۔ یعنی اپنے فضل وکرم سے انہیں صلہ عطا فرمائے۔ انصاف کے ساتھ یعنی نہ صلہ میں کمی ہو نہ عذاب میں زیادتی ہوگی۔ آگے فرمایا کہ جو لوگ کافر ہیں۔ ان کے لئے پینے کا انتہائی سخت گرم پانی ہوگا جس کے پینے سے آنتیں اور دل وجگر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نکل جائیں گے اور اس کے علاوہ بھی کئی طرح کا دردناک عذاب ہوگا۔ یہ ان کے کفر کی وجہ سے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا انکار کیا ہوگا۔

سبق: جو بندہ دنیا میں نیکی کرے گا اس کا اسے آخرت میں اچھا پھل اور بہت اعلیٰ اجر ملے گا اور جو برائی کرے گا وہ ذلت اور خواری کے ساتھ عذاب پائے گا اور وہ ہمیشہ پشیمان ہوتا رہے گا۔

(آیت نمبر۵) اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے کہ جس نے سورج کو روشنی دینے کیلئے بنایا تا کہ پوری دنیا اس سے روشن ہو اور چاند کو بھی نورانی بنایا کہ وہ رات کے وقت چمکتا ہے اور جہان کو روشن کرتا ہے۔

نکتہ: ضیاء سے مراد ذاتی نور ہے جیسے سورج کا نور ذاتی ہے اور جس کی روشنی کسی کی وجہ سے ہو اس پر نور کا لفظ استعمال ہوتا ہے جیسے چاند سورج سے روشنی حاصل کرتا ہے۔ اس لئے اس کی روشنی کو نور کہا جاتا ہے۔ جب اور جتنا سورج کے بالمقابل ہوتا ہے اس وقت اور اتنا حصہ ہی اس کا روشن ہو جاتا ہے۔



سورج افضل یا چاند:

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ چاند سورج سے افضل ہے۔ اس لئے کہ قمر مذکر ہے اور شمس مونث، مذکر کو مؤنث پر افضلیت حاصل ہے۔ اس کے جواب میں علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تانیث حقیقی سے تذکیر افضل ہے۔ تانیث لفظی سے نہیں۔ جیسے طلحہ تانیث لفظی ہے وہ بہر حال تانیث حقیقی سے افضل ہے۔ لہذا سورج چاند سے افضل ہے۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی منزلیں مقرر فرمادیں۔

چاند کی منزلیں: کل اٹھائیس ہیں اور چاند ہر رات کو اپنی مقررہ منزل میں اترتا ہے۔ اٹھائیسویں دن وہ بالکل سورج کے پیچھے آجاتا ہے اسے محاق کہتے ہیں۔ (مزید تفصیلات اصل کتاب میں دیکھ لیں)۔

فائدہ: (انگلینڈ میں چاند کے اختلاف کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ چاند کا پیدا ہونا اور نظر آنا دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ جب وہ سورج کے پیچھے سے باہر نکلتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ چاند پیدا ہو گیا۔ کئی لوگ اسی پر عید کر لیتے ہین۔ لیکن حدیث شریف میں نظر آنا لازم کر دیا گیا اور چاند پیدا ہونے کے بیس گھنٹے بعد نظر آنے کے لائق ہوتا ہے۔

چاند کے قواعد: چاند اور سورج سال میں بارہ مرتبہ اکٹھے ہوتے ہیں۔ قمری سن کے کل (۳۵۴) دن ہوتے ہیں۔ (۲) قمری سال ۳۵۴ دنوں سے کم اور تین سو پچپن دنوں سے زیادہ نہیں ہوتا۔ (۳) حدیث شریف میں ہے کہ کوئی قمری مہینہ ۲۹ سے کم اور ۳۰ دنوں سے زیادہ نہیں ہوتا۔

مسئلہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قمری سن کو زیادہ ترجیح دی ہے۔

آگے فرمایا کہ چاند سورج اس لئے بنائے تاکہ تم گنتی اور حساب معلوم کرلو۔ یعنی رات دن میں گھڑیوں کا حساب معلوم کرلو۔ اور اپنی معاش اور دین کے فرائض حج، روزہ، عید وغیرہ کو صحیح وقت پر ادا کرو۔

آگے فرمایا کہ نہیں پیدا کیا چاند سورج کو مگر حق کے ساتھ یعنی اللہ تعالیٰ کی حکمت کے جتنے تقاضے تھے وہ پورے کئے چونکہ ہمارے دینی اور دنیوی تمام معاملات اور خصوصاً عبادات کا زیادہ تر تعلق قمری سال سے ہے۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آیات کو تفصیل سے بیان فرمادیا ہے۔ وہ آیات جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن یہ آیات ان لوگوں کیلئے مفید ہیں جو اپنے اندر علم رکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں ہزاروں حکمتیں ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جب مخلوق کی آیات میں غور وفکر کیا جائیگا تو وہ آیات یہ بتاتی ہیں کہ کوئی ان کا بنانے والا ہے اور وہ اکیلا ہے۔

إِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

بے شک بدلنے رات اوردن کے اور جو بنایا اللہ نے آسمانوں اور زمین میں

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ﴿٦﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ

ضرور نشانیاں ہیں اس قوم کیلئے جو ڈرتے ہیں۔ بے شک جو نہیں امید رکھتے ہماری ملاقات کی وہ خوش ہیں زندگانی

الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ﴿٧﴾

دنیا پر۔ اور مطمئن ہو گئے اس پر۔ اور وہ بھی جو ہماری آیتوں سے بے خبر ہیں

(آیت نمبر ٦) بے شک رات اور دن کے بدلنے میں ایک آتا ہے تو دوسرا چلا جاتا ہے اور جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں بنایا یعنی چاند۔ سورج۔ ستارے بادل اور ہوائیں وغیرہ اور جو کچھ زمین میں ہے جیسے پہاڑ۔ دریا۔ درخت۔ نہریں۔ جانور۔ انگور۔ پانی وغیرہ ان تمام اشیاء میں نشانیاں ہیں جو بنانے والے کے وجود پر اور اس کے کمال علم وقدرت پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ ان لوگوں کیلئے مفید ہیں جو متقی ہیں۔ اس لئے کہ وہی لوگ ان نشانیوں میں غور وفکر کر کے اپنے رب کو پہچانتے ہیں اور ان آیات پر عمل کرتے ہیں اور اپنے انجام سے بھی خوف زدہ رہتے ہیں۔

مسئلہ: علم نجوم یعنی ستاروں کے علم کو حاصل کرنا اس غرض سے کہ وہ آنے والے حالات بتاتے ہیں کہ بارش کب ہوگی۔ یا آندھی کب ہوگی وغیرہ یا تجارتی امور کو ظاہر کرنے کیلئے پھر تو اس کا سیکھنا بھی حرام ہے۔ لیکن اگر جہت قبلہ معلوم کرنے یا عبادات کا وقت معلوم کرنے کیلئے سیکھتا ہے تو نہ صرف جائز ہے بلکہ ضروری ہے۔

(آیت نمبر ٧) بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ملنے کی امید نہیں رکھتے اس سے قیامت کو اٹھنے یا حساب کیلئے حاضری مراد ہے۔ یعنی جو قیامت کو نہیں مانتے وہ اصل میں اللہ تعالیٰ کی ملاقات نہیں چاہتے۔

فائدہ: عدم رجاء سے مراد عدم عقیدہ ہے۔ یعنی ان کا عقیدہ ہی یہ ہے کہ نہ مرنے کے بعد اٹھنا ہے نہ کوئی عذاب وثواب ہے۔ اس لئے کہ وہ دنیا کی زندگی پر ہی خوش ہیں۔ یعنی اعلیٰ چیز کو چھوڑ کر گھٹیا چیز پر دل لگائے بیٹھے ہیں۔ فانی کو پسند کر لیا اور باقی کو چھوڑ دیا بلکہ اس دنیا پر ہی وہ مطمئن ہو گئے۔

اپنی کوتاہی کی وجہ سے دنیا کی فانی لذتوں اور اس کی زیب وزینت پر خوش ہو گئے۔ اور سمجھتے ہیں کہ ہمیں ہمیشہ یہاں ہی رہنا ہے۔ اس لئے لمبے ارادے اور آرزوئیں اس دنیا سے لگا لیتے ہیں۔

أُولَٰٓئِكَ مَأْوَىٰهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا

ان کا ٹھکانہ آگ ہے اس سبب سے جو تھے وہ کماتے ۔ بے شک جو ایمان لائے اور عمل کئے اچھے

الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ ۚ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهٰرُ

اپنے راہ پر چلائے گا انہیں ان کا رب بوجہ ان کے ایمان کے۔ بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں

فِي جَنّٰتِ النَّعِيمِ ﴿٩﴾

ان باغات میں جو نعمتوں والے ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۷) **تین آدمیوں پر تعجب ہے:** (۱) جس کو یقین ہے کہ جہنم بھڑک رہی ہے پھر بھی وہ ہنستا ہے (۲) جسے یقین ہے کہ موت آنے والی ہے پھر بھی وہ دنیا سے دل لگائے بیٹھا ہے۔ (۳) جسے یقین ہے کہ عبادت سے غفلت جہنم میں لے جانیوالی ہے۔ پھر بھی غفلت میں زندگی گذار رہا ہے۔ آگے فرمایا کہ یہ لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں یعنی وہ ان آیات میں غور و فکر نہیں کرتے۔ ایک تو ان کی ہمتیں ہی پست ہیں۔ دوسرا دنیا کی خواہشات وشہوات اور لذات کے دلدادہ ہیں۔

(آیت نمبر ۸) وہی لوگ ہیں کہ ان کا ٹھکانہ جہنم کی آگ ہے۔ جہاں سے انہیں کبھی چھٹکارا نہیں ملے گا۔ اس وجہ سے کہ وہ دنیا میں ہمیشہ برائیوں میں لگے رہے۔ گناہوں اور برائیوں کے وہ عادی ہو گئے تھے۔ یہ سزا ان کے اپنے کرتوتوں کی انہیں ملی۔ نہ انہوں نے ایمان لایا نہ انہوں نے نیک عمل کئے بلکہ ان کے اعمال نامے میں برے ہی عمل تھے۔

(آیت نمبر ۹) بے شک جو لوگ ایمان لائے۔ یعنی جنہوں نے غفلت نہیں کی اور آیات میں غور و فکر کیا۔ پھر ایمان کے مطابق نیک اعمال بھی کئے اور نیک اعمال اخلاص کے ساتھ صرف رضا الٰہی کیلئے کئے۔ ایسے لوگوں کی اللہ تعالیٰ جنت کی طرف راہ نمائی کرے گا ان کے ایمان کا نور انہیں جنت میں لے جائیگا۔ **حدیث شریف:** جب مومن قبر سے نکلے گا تو اس کے نیک اعمال خوبصورت شکل میں اس کے سامنے آئیں گے اور بتائیں گے کہ ہم تیرے نیک اعمال ہیں۔ پھر وہ اعمال نور اور قائد بن کر اسے جنت میں لے جائیں گے (کتاب التفسیر من البخاری وتفسیر رازی) اور کافر جب قبر سے نکلے گا تو اس کے برے عمل قبیح شکل میں سامنے آ کر کہیں گے۔ ہم تیرے برے عمل ہیں۔ پھر وہ اسے جہنم تک لے جائیں گے۔ آگے فرمایا کہ اس جنت میں ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ نعمتوں والے باغات میں ہونگے۔

دَعْوٰهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰهُمْ

پکار ان کی اس میں ہوگی پاک ہے تو اے اللہ اور تحفہ ان کا اس میں سلام ہوگا اور بعد میں پکاریں گے

اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ؏ ﴿١٠﴾ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ

کہ سب تعریفیں اللہ کیلئے جو رب ہے تمام جہانوں کا۔ اور اگر جلد بھیجتا اللہ لوگوں پر برائی

اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ

جتنی جلدی وہ مانگتے ہیں بھلائی تو کب کا فیصلہ ہو چکا ہوتا ان کی اجل کا۔ تو ہم چھوڑتے ان کو جو نہیں امید کرتے

لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١١﴾

ہمارے ملنے کی وہ اپنی سرکشی میں حیران پھرتے ہیں۔

(آیت نمبر ۱۰) اور اس جنت میں ان کی پکار یہی ہوگی سبحان اللہ۔ **حدیث شریف**: روایات میں آتا ہے کہ جنتی جنت میں جب کسی چیز کی خواہش کرے گا تو کہے گا۔ سبحانك اللهم۔ تو ان کی خواہش کے مطابق جنت کے خدام وغلمان کھانے اور پینے کی چیزیں حاضر کر دیں گے۔ جب وہ کھا پی کر فارغ ہوں گے تو کہیں گے۔ "الحمد لله رب العالمين"۔ **نکتہ**: جنتیوں کی تسبیح وتحمید عبادت کیلئے نہیں۔ بلکہ اس کے کہنے میں انہیں لذت وسرور ملے گا تو وہ لذت حاصل کرنے کیلئے تسبیح تہلیل کہیں گے۔ **فائدہ**: آدم علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی جو پہلا جملہ کہا یعنی جب ان کے بدن میں روح ڈالی گئی تو انہیں چھینک آئی تو اس پر انہوں نے کہا "الحمد لله رب العالمين"۔ لہذا بندے کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں استعمال کر کے اس کی حمد کہے اور اس کا شکریہ ادا کرے۔

(آیت نمبر ۱۱) اگر اللہ تعالیٰ جلدی کرتا لوگوں کیلئے برائی میں جیسے وہ بھلائی حاصل کرنے میں جلدی چاہتے ہیں۔

شان نزول: نظر بن الحارث (جو رسالت کا منکر تھا) نے کہا۔ اے اللہ اگر محمد ﷺ اپنی نبوت کے دعوے میں سچے ہیں تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور ہم پر دردناک عذاب بھیج دے۔ تو اسکے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کافروں کو عذاب دینے میں یوں جلدی کرتا جیسے بھلائی اور رحمت دینے کیلئے جلدی کرتا ہے۔

فائدہ: مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی طرح جلد باز نہیں ہے بلکہ وہ بردبار ہے۔ لوگوں کے گناہوں پر انہیں جلد سزا یا عذاب نہیں دیتا اگر وہ ایسا کرتا۔ تو کب کے ان کے اجل پورے ہو کر وہ ہلاک ہو گئے ہوتے۔

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا

اور جب پہنچے انسان کو تکلیف تو پھر ہمیں پکارتا ہے لیٹے یا بیٹھے یا کھڑے کھڑے۔ پھر جب ہم دور کر دیں

عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ

اس سے اس کی تکلیف تو ایسا چل دیا گویا کبھی نہیں پکارا ہمیں اس نے اپنی تکلیف میں جو اسے پہنچی تھی

كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾

اسی طرح زینت دی گئی حد سے بڑھنے والوں کو جو تھے وہ عمل کرتے۔

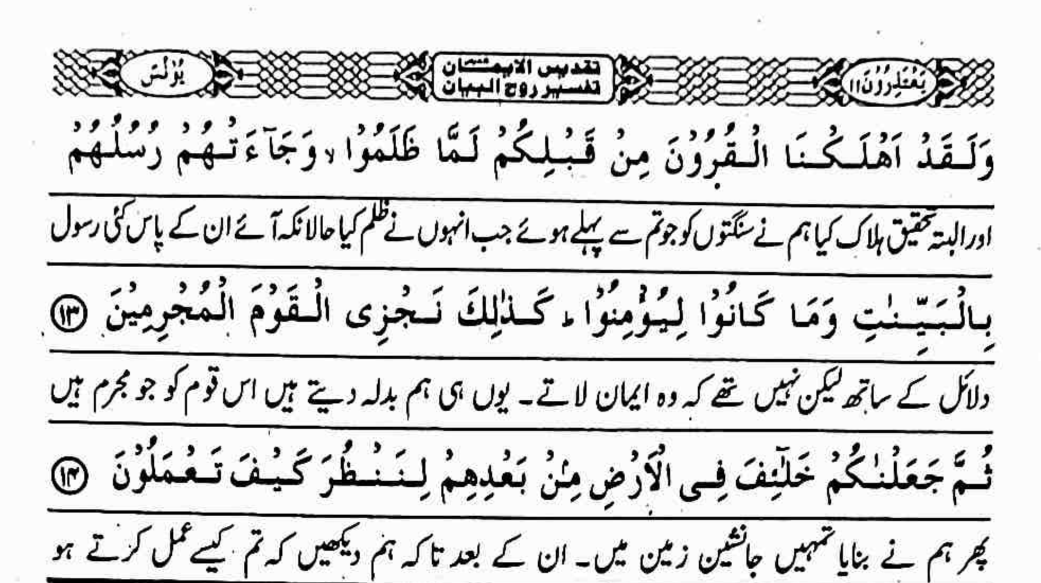
(بقیہ آیت نمبر۱۱) یعنی ایک لحہ بھی ان کو فرصت نہ دیتے اور انہیں تباہ و برباد کر کے عذاب میں مبتلا کر دیتے لیکن ہم انہیں کھلا چھوڑتے ہیں جو ہمیں ملنے کی امید نہیں رکھتے۔ جنہیں آخرت کے جزاء و سزا کی کوئی امید ہی نہیں ہے بلکہ وہ تو قیامت کو اٹھنے کے ہی منکر ہیں اور وہ اپنی سرکشی میں سرگرداں ہیں۔

نکتہ: انہیں جلد عذاب یا موت نہ بھیجنے میں نکتہ یہ ہے کہ انہیں موقع دیا جائے۔ شاید ایمان لے آئیں چنانچہ اس عرصہ میں بہت سارے لوگ مسلمان ہوئے۔

مسئلہ: امام حدادی فرماتے ہیں کہ اس آیت کا حکم عام ہے۔ خواہ کوئی چھوٹا مجرم ہو یا بڑا گناہ گار۔ اسے سزا جلد نہیں ملتی اسے توبہ کا پورا موقع دیا جاتا ہے۔ **مسئلہ**: کسی ماں باپ کی اولاد کے حق میں بددعا قبول نہیں ہوتی۔

(آیت نمبر۱۲) چونکہ بندہ اضطراری حالت میں ان تین حالتوں میں ہی ہوتا ہے۔ جب سخت بیمار ہو تو لیٹا ہوتا ہے۔ کچھ افاقہ ہو تو بیٹھ جاتا ہے۔ مزید ہمت ہو تو کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنے دکھ اور تکلیف کو دور کرنے کیلئے دعائیں مانگتا ہے اور عموماً بندہ یا لیٹا ہو گا یا بیٹھا اور یا کھڑا ہو گا۔ اس لئے درمیان میں لفظ او لایا ہے۔ جب لیٹا ہو تو ظاہر ہے تکلیف زیادہ ہے۔ لہذا اس کا پہلے ذکر کیا۔ بیٹھا ہو تو تکلیف کم ہے لہذا اس کا ذکر بعد میں کیا۔

آگے فرمایا کہ جب ہم اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں اس کی مخلصانہ اور عاجزانہ پکار کو دیکھ کر۔ لیکن جوں دکھ دور ہوا تو یوں گذر جاتا ہے کہ گویا اس نے کبھی کسی تکلیف میں پکارا ہی نہ تھا۔ یا کوئی نہ اسے کوئی دکھ درد ہوا نہ اس نے ہمیں پکارا۔ اسی طرح حد سے بڑھنے والوں کے اعمال ہم خوبصورت کر کے دکھلاتے ہیں۔ یعنی دکھ درد میں تو ہمیں ہر وقت پکارے۔ لیکن جب وہ دکھ درد ہم دور کر دیں تو ہمیں بھول کر اپنی خواہشات پوری کرنے میں لگ جایا ہے۔



وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

اور البتہ تحقیق ہلاک کیا ہم نے سنگتوں کو جو تم سے پہلے ہوئے جب انہوں نے ظلم کیا حالانکہ آئے ان کے پاس کئی رسول

بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٣﴾

دلائل کے ساتھ لیکن نہیں تھے کہ وہ ایمان لاتے۔ یوں ہی ہم بدلہ دیتے ہیں اس قوم کو جو مجرم ہیں

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٤﴾

پھر ہم نے بنایا تمہیں جانشین زمین میں۔ ان کے بعد تا کہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو

(آیت نمبر ۱۳) اور البتہ تحقیق تباہ و برباد کیں ہم نے تم سے پہلے کئی سنگتیں۔ جیسے قوم نوح قوم عاد اور قوم ثمود وغیرہ انہوں نے جب حد سے بڑھ کر ظلم کئے۔

فائدہ: یعنی اے اہل مکہ تم سے پہلے لوگوں کو ہم نے ہلاک کیا۔ جب انہوں نے ہمارے رسولوں کی تکذیب کر کے اپنے آپ پر ظلم کیا جب کہ آئے ان کے پاس ہمارے رسول واضح دلائل لیکر جو ان کی سچائی پر روشن دلیلیں تھیں۔ لیکن پھر بھی وہ ایمان نہیں لائے۔ **فائدہ**: چونکہ انہوں نے کفر کر کے اپنی آپ پر ظلم کیا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی بارگاہ سے دھتکار دیا اور ایمان کی انہیں توفیق نہ ہوئی۔ پھر اس پر ظلم یہ کہ اسی کفر پر ڈٹ گئے۔ لہذا اب مزید انہیں مہلت دینا بے کار تھا۔ اس لئے انہیں ہم نے ہلاک کر دیا۔ آگے فرمایا کہ اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں مجرم قوموں کو۔ یعنی ہر مجرم اپنے کئے کی ایسے ہی سزا پاتا ہے۔

(آیت نمبر ۱۴) پھر ہم نے تمہیں ان پہلی امتوں کا جانشین بنایا تھا تا کہ تمہیں آزمایا جائے۔ چونکہ جزاء وسزا امتحان کے بعد ہوتے ہیں۔ اس لئے فرمایا کہ ہم تو دیکھنا چاہتے تھے کہ تم کیسے کیسے عمل کرتے ہو۔

فائدہ: اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے علم نہیں تھا کہ وہ کیا کرتے لہذا اب وہ دیکھنا چاہتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہے اور روز ازل سے جانتا تھا کہ انہوں نے کیا کیا کرتوت کرنے ہیں۔ اب تو وہ عالم شہادت میں دیکھ رہا ہے۔ تا کہ جیسے ان کے اعمال ہوں ایسا ہی ان کو بدلہ دیا جائے۔ اگر اچھے اعمال ہوں تو اچھا بدلہ دیا جائے اور برے اعمال ہوں تو بری سزا بھی دی جائے۔ **حدیث شریف** میں ہے۔ بے شک دنیا بڑی میٹھی اور خوش منظر ہے۔ دیکھنے والے کے دل کو لبھاتی ہے (ریاض الصالحین باب التقوی)۔ شرح۔ دنیا کی خوبصورتی سی مراد اس کا ساز وسامان ہے اور اس کی زیب وزینت ہے۔ لیکن یہ سب دنیا کا فریب اور دھوکہ ہے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ

اور جب پڑھی جاتیں ان پر ہماری آیتیں واضح تو کہا انہوں نے جو نہیں امید کرتے ہمارے ملنے کی لاؤ

بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ

قرآن علاوہ اس کے یا بدلیں اس کو۔ فرمادو نہیں ہے میرا حق کہ میں اس کو بدلوں۔ اپنی طرف سے

نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ

نہیں ہوں تابع مگر جو وحی کی جاتی ہے مجھے۔ بے شک میں ڈرتا ہوں اگر نافرمانی کی اپنے رب کی

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾

عذاب سے جو دن بڑے میں ہوگا۔

(بقیہ آیت نمبر۱۴) **فائدہ:** فتح القریب میں ہے کہ دنیا کا زیب زیبائش رونق اور لذت طبیعتوں کو میٹھی اور تازہ پھلوں کی طرح لگتی ہے۔ اسی لئے نفس اس کی طرف کشش کرتا ہے لیکن اس کا انجام نہایت ہی خراب اور برا ہوتا ہے اور سخت کڑوا ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں نائب بنایا ہے۔ لیکن حقیقت میں سب کچھ اسی کا ہے۔ صرف کچھ وقت کیلئے اس پر تمہیں تصرف دیا ہے۔ اب وہ دیکھتا ہے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو تا کہ اس کے مطابق تمہیں بدلہ دے۔

سبق: ہر عقل مند پر ضروری ہے کہ وہ گذشتہ قوموں کے حالات سے عبرت حاصل کرے نزول قضا سے پہلے دیکھ لے کہ رب کی رضا کس چیز میں ہے پھر اسی کام کو اختیار کرے۔ جس میں اس کی رضا ہے۔ تا کہ اس کا انجام اچھا ہو۔

(آیت نمبر۱۵) اور جب مشرکین مکہ کے سامنے قرآن کی آیات پڑھی جاتیں۔ جن میں توحید کی حقیقت اور کفر و شرک کے بطلان کا بیان ہوتا تو جن لوگوں کو ہمارے ملنے اور ہمارے دیدار کی امید نہیں (یعنی جو حشر و نشر کے منکر کہتے تھے کہ یہ قرآن جو لائے ہو (یہ تو ہمیں پسند نہیں) لہذا اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آؤ۔ جو ہمیں سند ہو۔ اور

جس کی ترتیب سور اور الفاظ اس کے علاوہ ہوں۔ یعنی جس میں قیامت کا ذکر نہ ہو۔ حساب اور سزا وغیرہ کا بیان نہ ہو۔ اس میں شرک کی ممانعت نہ ہو۔ اور خصوصاً اس میں ہماری مرضی کے مسائل ہوں۔ ہمارے خداؤں کی حقارت نہ بیان کی گئی ہو وہ قرآن لے آ ؤ۔ یا اگر اس علاوہ نہیں لا سکتے تو تم کم از کم اس میں ہماری مرضی کے مطابق کچھ تبدیلی ہی کر دو۔ یعنی وہ آیات نکال دو جن میں ہماری اور ہمارے خداؤں کی مذمت ہے۔ جیسے یہود و نصاریٰ نے بھی تو توراۃ وانجیل میں تبدیلی کر لی۔ انہوں نے اگر لوگوں کی خواہش کے موافق تبدیلی کر لی تو تم بھی ہماری مرضی کے موافق تبدیلی کر دو تو ہم مان لیں گے۔ **فائدہ**: کفار کے اس قول میں بھی بے ایمانی تھی ان کا مقصد تھا کہ اگر انہوں نے ہماری مراد پوری کر دی تو ہم کہیں گے کہ تم تو کہتے تھے کہ خدا کی کلام میں تبدیلی ہو ہی نہیں سکتی۔ اب تم نے تبدیلی کی لہٰذا تم نے تو اللہ تعالیٰ پر افتراء کیا ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا۔

اے محبوب آپ ان کو بتا دیں یہ میرے لئے کیسے ممکن ہے یا مجھ میں اتنی قدرت کہاں ہے کہ میں اپنی طرف سے ہی اس میں تبدیلی کر دوں۔ اور بدل کر تمہاری مرضی کے مطابق کر دوں۔ ع: خود کو بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں۔ **مسئلہ**: معلوم ہوا نہ قرآن تبدیل ہو سکتا ہے۔ نہ اس جیسا دوسرا قرآن لانا کسی کی قدرت میں ہے۔

نکتہ: یہی تو قرآن کا اعجاز (معجزہ) ہے کہ اس کی نظیر لانا تو درکنار اس قرآن کی سورتوں جیسی ایک سورۃ بنانا بھی بہت مشکل ہے۔ (جس طرح قرآن کی نظیر ممتنع ہے۔ اسی طرح امام الانبیاء کی نظیر بھی ممتنع ہے)۔ آگے فرمایا کہ میں نہیں تابعداری کرتا مگر اس وحی کی جو میری طرف کی جاتی ہے۔

نکتہ: جو خود کسی کا تابع فرمان ہے وہ مالک کی اجازت کے بغیر کیسے اس کے حکم میں تصرف کر سکتا ہے۔ یعنی میں تو وہی کرتا ہوں۔ جس کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ آگے فرمایا کہ بے شک میں تو ڈرتا ہوں اس بات سے کہ میں قرآن میں تبدیلی کر کے اپنے رب تعالیٰ کا نافرمان بنوں۔ بہت بڑے دن کے عذاب سے مجھے سخت خوف ہے جو بہت جلد آنے والا ہے۔ **مسئلہ**: بعض لوگ اپنی جہالت کی بناء پر یہ کہہ دیتے ہیں کہ روزہ رکھنا مشکل ہے خواہ مخواہ ہم پر فرض کر دیا گیا۔ یا دوسرے شرعی امور کو یا اسلامی سزاؤں پر کہتے ہیں کہ یہ سزائیں ظالمانہ ہیں تو ایسے لوگ ایسی باتیں کر کے کفر کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ مسلمان کا کام ہے۔ "آمَنَّا وَصَدَّقْنَا" کہ اللہ رسول کی ہر ہر بات کو بلا چوں چرا کے تسلیم کرے کسی بات پر اعتراض نہ کرے۔



قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَیْكُمْ وَلَاۤ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ

فرمادو اگر چاہتا اللہ تو نہ میں اسے تم پر پڑھ سکتا اور نہ تمہیں اس کی خبر ہوتی۔ پس تحقیق میں گذار چکا

فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾

تم میں عمر اس سے پہلے۔ کیا پس نہیں تمہیں عقل۔

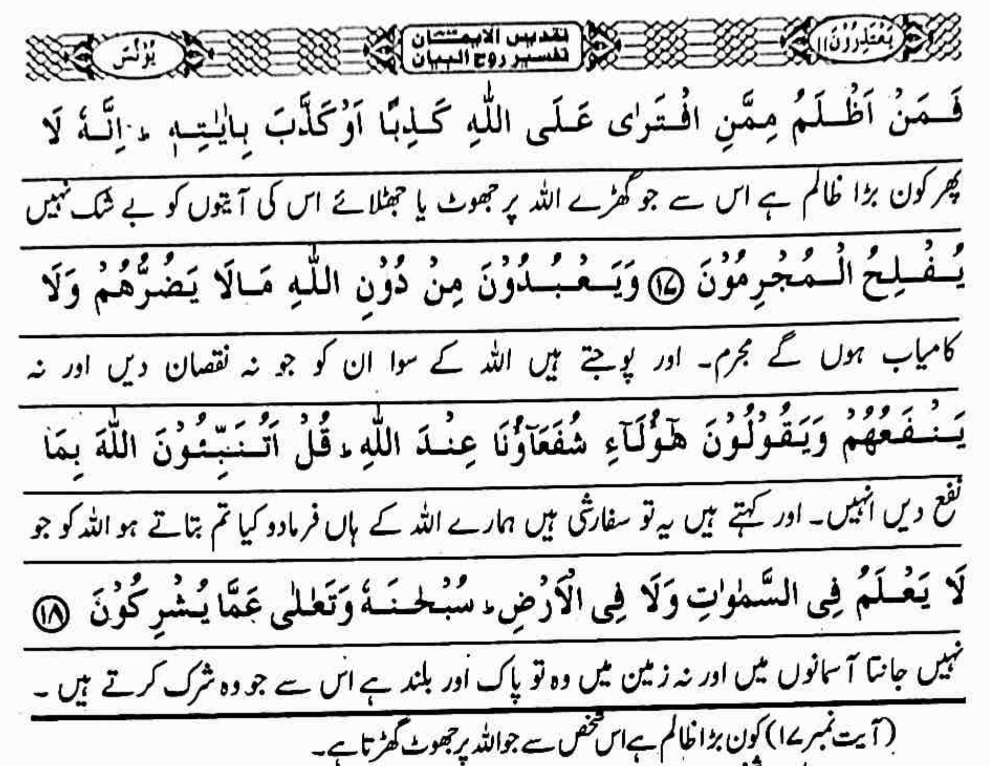
(آیت نمبر ۱۶) اے محبوب آپ ان کو بتادیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو میں یہ آیات قرآنی تم پر نہ پڑھتا اور تم جانتے ہو کہ میں نہ کسی کے پاس پڑھنے گیا نہ کوئی انسان مجھے پڑھانے آیا۔ اگر اب اچانک پڑھنا شروع کر دیا تو یہ مانو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اگر وہ پڑھنے کی قدرت نہ دیتا تو میں نہ پڑھ سکتا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے۔ اور یہ میرا معجزہ ہے۔ کہ جس کے آگے تمہارے عقل عاجز آگئے ہیں۔ کہ تم اس کی نظیر لانے سے قاصر ہو۔

آگے فرمایا کہ نہ ہی میں تمہیں کوئی خبر بتا سکتا۔ اگر اللہ تعالیٰ میری زبان ہی نہ چلاتا تو میں کیسے تمہیں کچھ سناتا یا خبریں بتاتا۔ میں تو تم میں عمر کا ایک حصہ گذار چکا ہوں۔

فائدہ: یعنی اعلان نبوت سے پہلے چالیس سال تمہارے اندر گذارے ہیں۔ تمہارے سامنے نہ کبھی کچھ پڑھا نہ تمہیں کبھی اس قسم کی کوئی خبر دی۔ اب اچانک پڑھنا اور سنانا شروع کر دیا تو مانو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ لہذا تمہیں تو اس پر ایمان لانے میں ذرہ بھی دیر نہیں کرنا چاہیے تھی۔

نبی پاک ﷺ کی ظاہری عمر ۶۳ سال: چالیس سال اعلان نبوۃ کے قبیل سے۔ اور تیرہ سال بعد اعلان نبوۃ مکہ شریف میں گذارے اور دس سال مدینہ طیبہ میں بسر فرمائے اس تمام عرصے میں نہ آپ کسی کے پاس سیکھنے گئے۔ نہ کوئی سکھانے آپ کے پاس آیا اس کے باوجود آپ کی ایسی فصاحت و بلاغت کہ جس کے آگے بڑے بڑے فصیح و بلیغ عرب کے مانے ہوئے شاعر بھی سر جھکانے پر مجبور ہوگئے۔ نہ کوئی نظم والا سامنے آتا ہے نہ کوئی نثر والا مقابلہ سکا ہے اور اصول و فروع کے تمام قواعد پر حاوی آپ کی کلام ہوتی پھر آپ نے اولین و آخرین کے تمام علوم کو واضح بیان کیا تو مجبوراً ماننا پڑے گا کہ یہ سب کچھ من جانب اللہ ہے سب کچھ پڑھانے اور سکھانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے باوجود لقب امی رکھا گیا۔

آگے فرمایا کہ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ یعنی اگر تم معمولی بھی غور و فکر کرتے تو تمہیں معلوم ہو جاتا کہ یہ کلام میرا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔



فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا

پھر کون بڑا ظالم ہے اس سے جو گھڑے اللہ پر جھوٹ یا جھٹلائے اس کی آیتوں کو بے شک نہیں

یُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَضُرُّهُمْ وَلَا

کامیاب ہوں گے مجرم۔ اور پوجتے ہیں اللہ کے سوا ان کو جو نہ نقصان دیں اور نہ

یَنْفَعُهُمْ وَیَقُوْلُوْنَ هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا

نفع دیں انہیں۔ اور کہتے ہیں یہ تو سفارشی ہیں ہمارے اللہ کے ہاں فرمادو کیا تم بتاتے ہو اللہ کو جو

لَا یَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾

نہیں جانتا آسمانوں میں اور نہ زمین میں وہ تو پاک اور بلند ہے اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں ۔

(آیت نمبر ۱۷) کون بڑا ظالم ہے اس شخص سے جو اللہ پر جھوٹ گھڑتا ہے۔

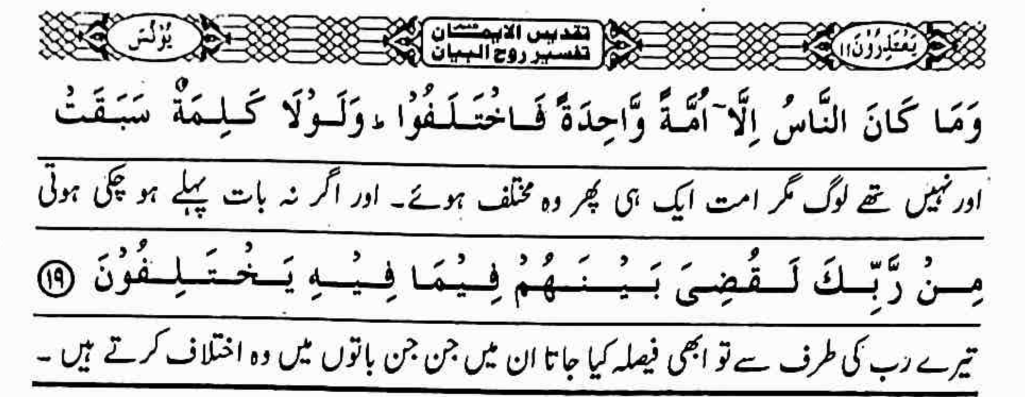
فائدہ : یعنی جو شخص یہ کہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ قرآن خود بنایا ہے اور ہمیں کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے تو اس کے متعلق فرمایا کہ جو شخص خود اپنی کلام کو اللہ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اس جیسا کوئی ظالم نہیں ہے۔ حالانکہ یہ قرآن کلام ربانی ہے اور وحی الٰہی ہے۔ لہذا اے کافرو اس کلام کو اللہ کی کلام مانو اور مجھے نبی برحق مانو۔

آگے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرتا ہے وہ بھی پکا کافر اور مجرم ہے۔ بے شک مجرم کبھی کامیاب نہیں ہوں گے یعنی عذاب الٰہی سے ہرگز نہیں بچ سکتے۔

نجات پانے کا ذریعہ : علماء فرماتے ہیں۔ جس میں یہ تین باتیں ہوں۔ وہ یقیناً نجات پائے گا۔ ان میں سے ایک بھی کم نہ ہو۔ (۱) اسلام جس کے ساتھ ظلم نہ ہو۔ (۲) حلال اور طیب غذا جس کے ساتھ مکروہ نہ ہو۔ (۳) وہ اعمال جن میں صدق اور اخلاص ہو۔ **حدیث شریف** : حضور ﷺ نے فرمایا۔ تین باتیں بہت بڑا افتراء ہیں۔ (۱) جھوٹا خواب بیان کرنا۔ (۲) اپنے آپ کو غیر باپ کی طرف منسوب کرنا۔ (۳) حضور ﷺ کی طرف جھوٹی حدیث منسوب کرنا۔ یعنی حضور ﷺ کی طرف ایسی بات منسوب کرنا جو آپ نے نہ فرمائی ہو۔

تنبیہ : علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عام آدمی پر بہتان تراشی گناہ کبیرہ ہے تو حضور ﷺ یا صحابہ یا اہل بیت کی طرف بہتان کی نسبت کرنے پر کتنی بڑی سزا ہوگی۔ لہذا سوچ سمجھ کر بات کرنی چاہیے۔

(آیت نمبر ۱۸) اور یہ کافر اللہ کے سوا ان کو پوجتے ہیں۔ جو نہ نقصان دے سکیں اور نہ کسی کو کوئی نفع پہنچا سکیں۔



وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ

اور نہیں تھے لوگ مگر امت ایک ہی پھر وہ مختلف ہوئے۔ اور اگر نہ بات پہلے ہو چکی ہوتی

مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

تیرے رب کی طرف سے تو ابھی فیصلہ کیا جاتا ان میں جن جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۸) یعنی بتوں کو پوجتے ہیں جن کو کوئی قدرت حاصل نہیں۔ یعنی اگر کوئی انہیں نہ پوجے تو اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے اور اگر پوجے تو اس کا کچھ سنوار نہیں سکتے۔ کیونکہ وہ محض پتھر ہیں۔ بعض مشرک یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ سے ہماری مشکلات حل کروادیتے ہیں اور بروز قیامت بھی سفارش کر کے اللہ کے عذاب سے بچالیں گے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب ان کو فرمادیں کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو ایسے بتانا چاہتے ہو۔ جیسے وہ کچھ نہیں جانتا اور تم یہ باتیں بتارہے ہو کہ زمین وآسمانوں میں کیا کیا ہے۔

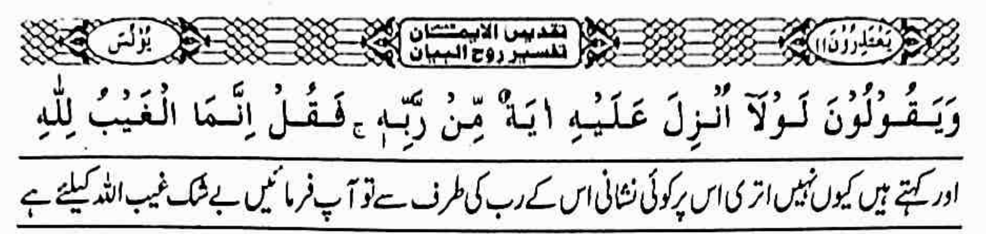
ہم اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ جو شیء اللہ تعالیٰ کے علم میں نہیں اس کا وجود ہی محال بلکہ ممتنع ہے۔

آگے فرمایا کہ وہ ذات پاک اور بلند وبالا ہے۔ اس سے جن کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ یعنی ایسی ذات کی تنزیہہ لازم ہے کہ وہ شریک کی نجاست سے پاک ہے۔ لہذا کسی کو بھی اس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے۔

(آیت نمبر ۱۹) اور نہیں تھے لوگ مگر ایک ہی امت یعنی آدم علیہ السلام سے جناب نوح کے زمانہ تک ایک ہی دین پر قائم تھے۔ اس بعد اختلاف شروع ہوا۔ کچھ اپنی مسلمانی پر قائم رہے اور کچھ بگڑ کر کفر میں چلے گئے اگر تیرے رب کی بات سبقت نہ کر گئی ہوتی۔ **فائدہ:** یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم ازلی (کہ قیامت سے پہلے جہنم کا عذاب نہیں ہوگا) نہ ہو گیا ہوتا یا ان کی موت کا وقت پہلے مقرر نہ کر دیا گیا ہوتا تو ابھی ان کو ہلاک کر دیا جاتا اور ضرور ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ یعنی حق والوں کے علاوہ سب کو تباہ کر دیا گیا ہوتا۔

اتفاق میں برکت ہے: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں تقوے۔ سمع اور طاعت کی وصیت کرتا ہوں۔ اگر تم پر کسی غلام کو بھی امیر بنا دیا جائے تو تم اس کا کہا مانو۔ میرے بعد جو زندہ رہا وہ بہت اختلاف دیکھے گا۔ لہذا میری سنت کو لازم پکڑنا اور میرے خلفاء کے طریقے کو ہرگز نہ چھوڑنا اور آپس میں اختلاف نہ کرنا۔ (مشکوٰۃ شریف)

فائدہ: پہلی دو خلافتوں کے اوقات میں تو امت میں کچھ اتحاد رہا۔ تیسری خلافت کے دور سے اختلاف بڑھا۔ پھر بڑھتا ہی چلا گیا۔



وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ

اور کہتے ہیں کیوں نہیں اتری اس پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے تو آپ فرمائیں بے شک غیب اللہ کیلئے ہے

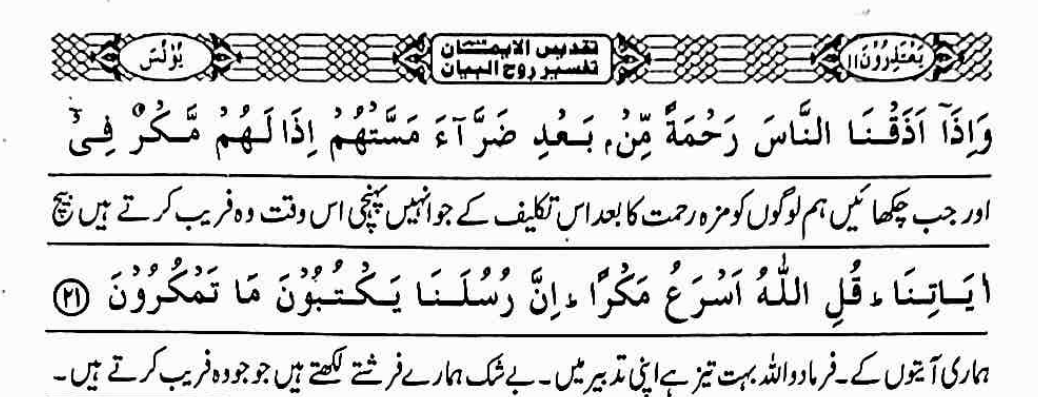
فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿٢٠﴾

انتظار کرو — میں بھی تمہارے ساتھ دیکھنے والوں میں ہوں

(بقیہ آیت نمبر۱۹) **علم نبوی** : واقعی جیسا نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا۔ ویسا ہی ہوا آپ کے وصال مبارک کے بعد بہت سے اختلافات اور فتنے اٹھے۔ لہذا آپ نے فرمایا کہ جب اختلاف بڑھ جائے تو تم سواد اعظم کے ساتھ رہو۔ جو اس سے الگ ہوا وہ آگ میں گیا۔ یاد رہے۔

اختلاف اچھا بھی ہے اور برا بھی: عقائد اور اصول دین میں اختلاف برا ہے اور اعمال اور فروعات میں اختلاف اچھا ہے۔ اسی قسم کے اختلاف کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا۔ میری امت کے اختلاف میں بھی رحمت ہے۔ (اس حدیث میں کلام ہے۔ بعض علماء نے اسے موضوع کہا۔

(آیت نمبر۲۰) کفار مکہ کہتے کہ کیوں نہ نازل ہوئی اس (نبی محمد ﷺ) پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے۔ یعنی کوئی معجزہ (حالانکہ انہوں نے کئی معجزات دیکھے ہوئے تھے)۔ بلکہ شق قمر کا معجزہ خود ان کے مطالبے پر دکھایا گیا تھا) نشانی مانگنے کا مطلب ماننا نہیں تھا۔ بلکہ ان کا مطلب نبی پاک کو پریشان کرنا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک ﷺ کو فرمایا۔ آپ انہیں بتادیں کہ تمام غیبوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اگرچہ غیب وحاضر اس کیلئے برابر ہے۔ لہذا فرمایا کہ غیب خاصہ خداوندی ہے وہ جب چاہے جتنا چاہے۔ کسی کو عطا فرمائے تو یہ آیات بھی اس کے علوم غیبیہ سے ہیں۔ وہ اپنے فضل وکرم سے اتارتا ہے۔ کسی کے کہنے پر نہیں اتارتا۔ بہرحال تم اپنے مطالبے کے مطابق آیات اترنے کا انتظار کرو۔ بے شک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں سے ہوں۔ تاکہ تمہیں بھی معلوم ہو جائے کہ تمہارے مطالبے پر تمہارے ساتھ کیا سلوک ہونا ہے۔ ابھی تک مہلت دینے میں بھی اس کی حکمت ہے اور اگر وہ پکڑنے پر آ جائے تو اس میں بھی وہ دیر نہیں لگاتا۔ **سبق**: اس سے معلوم ہوا کہ کلام الٰہی کا بہت بلند مرتبہ ہے جو اسے حقیر جانے۔ اللہ تعالیٰ اس کی جلد گرفت فرماتا ہے۔ جیسے اس کے ادب کرنے والے کو بہت بڑا اجر وثواب عطا فرماتا ہے، اسی طرح اس کتاب کے منکر کو سزا بھی سخت دیتا ہے۔ لہذا قرآن پاک کو عام کتاب کی طرح نہیں سمجھنا چاہئے۔ (جیسے آج کل کئی لوگ خصوصا سعودیہ میں عام کتاب سمجھ کر اس قرآن کا کوئی ادب نہیں کرتا۔ الا ماشاء اللہ۔ کہ پاؤں میں رکھ دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے)۔



وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ

اور جب چکھائیں ہم لوگوں کو مزہ رحمت کا بعد اس تکلیف کے جو انہیں پہنچی اس وقت وہ فریب کرتے ہیں بیچ

اٰيَاتِنَا ؕ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾

ہماری آیتوں کے۔فرمادو اللہ بہت تیز ہے اپنی تدبیر میں۔بے شک ہمارے فرشتے لکھتے ہیں جو جو وہ فریب کرتے ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۰) آداب قرآن:

۱۔ اسے باوضو ہاتھ لگائے۔
۲۔ اس سے اونچا نہ بیٹھے۔
۳۔ اس کی طرف پیٹھ نہ کرے۔
۴۔ ادب سے ہاتھ لگائے۔
۵۔ پڑھنے کے بعد بلند جگہ رکھ دے۔
۶۔ تلاوت کے دوران کسی سے گفتگو نہ کی جائے

(آیت نمبر ۲۱) اور جب ہم نے لوگوں (اہل مکہ) کو چکھائی رحمت صحت و مال دیا۔(قحط و مرض کی) تکلیف کے بعد جو انہیں پہنچی تھی۔تو پھر ہماری ہی آیات میں وہ مکر و فریب کرنے لگ گئے۔یعنی انہوں نے ہماری آیات میں طعن و تشنیع شروع کر دی۔

فائدہ: مروی ہے کہ اہل مکہ مسلسل سات سال قحط میں رہے۔تباہی اور بربادی کے دھانے تک پہنچ چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان پر رحمت کی بارش اتاری جس سے آبادیاں نئے سرے سے سرسبز و شاداب ہوئیں لیکن وہ سرکش ہو گئے (یعنی پھٹ گئے) اور آیات خداوندی کے منکر ہو گئے اور اللہ کے پیارے رسول ﷺ کے ساتھ بھی ہر طرح کے مکر و فریب کرنے لگ گئے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے کے بجائے کہتے تھے کہ یہ فلاں ستارے کی تاثیر ہے کہ جس کی وجہ سے بارش ہوئی یا گرمی سردی ہوئی۔یہی انہوں نے اپنا عقیدہ بنالیا تھا۔اللہ تعالیٰ کا نام لینے کے بجائے ستاروں کی طرف نسبت کر دیتے۔

عقیدہ: بارش وغیرہ میں ستاروں کی تاثیر ماننا کفر و شرک ہے۔

آگے فرمایا۔اے محبوب آپ ان کو بتادیں کہ اللہ تعالیٰ بھی بہت جلد اپنی خفیہ تدبیر فرمانے والا ہے۔جس کے سامنے تمہارے کسی قسم کے مکر و فریب نہیں چلیں گے۔یعنی تم پر عذاب الٰہی جلد آنے والا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُكُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ ۚ

وہی ہے جو چلاتا ہے تمہیں خشکی میں اور پانی۔ میں یہاں تک کہ جب ہو تم کشتی میں

وَجَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَ

اور چلائیں انہیں ہوائیں اچھی تو خوش ہوتے ہیں اس سے۔ پھر آئی ان پر تیز آندھی اور آلیا

هُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ

ان کو موج نے ہر جگہ سے اور سمجھ گئے کہ بے شک وہ گھیر لئے گئے پھر پکارتے ہیں اللہ کو

مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ لَئِنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۲۲﴾

خالص بندے بن کر۔ کہ اگر تو نے ہمیں نجات دی اس سے تو ضرور ہم ہوں گے شکر کرنے والوں سے

(بقیہ آیت نمبر ۲۱) **فائدہ**: امام مقاتل فرماتے ہیں کہ بدر میں مشرکین مکہ پر عذاب آیا اوران کو تباہ و برباد کر گیا۔ یہ دراصل ان کو آیات خداوندی سے انکار کی ان پر سزا تھی۔

نتیجہ: کفار کا مکر یہ تھا کہ انہوں نے اللہ کے نبی کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر یہ تھی کہ ان کافروں کو تباہ کیا جائے۔ لہذا کافر تو نبی پاک ﷺ کا کچھ بگاڑ نہ سکے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی تدبیر نے کفار کو تباہ کر دیا۔

آگے فرمایا کہ بے شک ہمارے بھیجے ہوئے کراماً کاتبین فرشتے تمہارے مکروں کو لکھ رہے ہیں۔

(آیت نمبر ۲۲) وہ ذات کہ جو تمہیں چلاتا ہے۔ خشکیوں اور سمندروں میں یعنی وہ تمہیں سفر طے کراتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو اور ان کشتیوں کو چلانے والی پاکیزہ اور نرم نرم ہوائیں وہ بھیجتا ہے۔ جو ان کشتیوں کو تمہارے مقاصد کے مطابق چلاتی ہیں جس سے تمہارے دل خوش ہوتے ہیں۔ لیکن اگر اچانک اس پر تیز آندھی آجاتی ہے اور پھر اس پر دریا کی بھی موج آجائے اور وہ موج کشتی کو ہر طرف سے گھیر لے۔ یا یوں بھی کبھی ہوتا ہے کہ پانی میں طغیانی آجاتی ہے۔ یعنی ضروری نہیں ہوا ہی مخالف ہو جائے۔ بلکہ موج کئی طریقے سے آسکتی ہے۔ اسے جدھر سے موقع ملے وہ آجاتی ہے۔ یعنی جب دائیں بائیں آگے پیچھے ہر طرف سے موج گھیر لے۔ اس وقت وہ گمان کرتے ہیں کہ اب وہ گھیرے میں آگئے۔ اور مارے گئے۔

فَلَمَّآ اَنْجٰهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ

پھر جب نجات دی ہم نے انہیں اسی وقت بغاوت کرنے لگے زمین میں ناحق۔ اے لوگو

اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ

سوائے اس کے نہیں تمہاری بغاوت تمہاری جانوں پر پڑے گی نفع اٹھالو زندگی دنیا میں۔ پھر ہماری طرف لوٹنا ہے تمہارا

فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

پھر ہم تمہیں بتائیں گے جو جو تھے تم کرتے۔

(بقیہ آیت نمبر۲۲) یعنی ہلاکت کا وقت آ پہنچا تو اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کو پکارنے لگے۔ اور اس وقت بناوٹی خداؤں کو بھول جاتے ہیں۔ اس وقت کسی بت وغیرہ کا نام نہیں لیتے۔

فائدہ: خلوص للدّین کا تقاضا ہی یہ ہے کہ کسی حال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کیا جائے۔

فائدہ: یہ ان کا ایمان اضطراری تھا۔ یعنی مجبور ہو کر اللہ کا خالص نام لیا۔ یہ بھی انہوں نے اس مجبوری کے وقت قسمیں کھا کر کہا کہ اے اللہ اگر تو نے ہمیں اس طغیانی سے نجات دی تو ہم ضرور تیری نعمتوں کے شکر گذار ہوں گے۔ یعنی تیرے تمام احکامات پر عمل پیرا ہوں گے۔

فائدہ: مشکل ترین سفر میں اگر یا حی و یا قیوم کا ورد کیا جائے۔ خصوصاً بحری سفر کیلئے تو بہت زیادہ مفید ہے۔

(آیت نمبر۲۳) پھر جب اللہ تعالیٰ نے انہیں نجات بخشی اور ان کو دریا کی طغیانی سے بچالیا تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے کے زمین میں فساد مچانے لگ گئے۔ یعنی کوئی زیادہ دیر بھی نہ گذری تھی کہ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب اور شرک کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ پر جرأت کر کے دور دور تک فساد پھیلا دیا اور یہ کام بھی انہوں نے سراسر ناحق کیا۔ ناحق سے مراد یہ ہے کہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ جو عمل کرتے ہیں۔ وہ باطل ہے۔ امام کاشفی نے یہی لکھا ہے۔

آگے فرمایا کہ اے لوگو جو تم بغاوت کرتے ہو۔ تمہاری اس بغاوت کا وبال تمہاری اپنی ذات پر پڑے گا۔ یعنی اس کی سزا صرف تمہیں ہی ملے گی۔ یہ دنیا کی زندگی کا چند روزہ نفع اٹھالو۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ اس دنیا کی تمام لذتیں فانی اور چند روزہ ہیں اور مجرموں کی سزائیں دائمی ہیں۔ آخر کار تم نے لوٹ کر بروز قیامت ہمارے پاس ہی آنا ہے۔ کسی اور کے پاس نہیں پھر ہم تمہیں بتائیں گے کہ تم کیا کیا عمل کرتے رہے۔

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ

سوائے اس کے نہیں مثال زندگی دنیا کی جیسے پانی جو ہم نے اتارا آسمان سے پھر گھنے ہوئے اس سے پودے

الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ

زمین کے اس سے جو کھاتے ہیں لوگ اور چوپائے یہاں تک کہ جب ہوگئی زمین خوبصورت اور آراستہ

وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا

اور سمجھا اس کے مالکوں نے کہ بے شک وہ قادر ہوگئے ہیں اس پر پھر آیا ہمارا حکم رات یا دن کے وقت پھر کر دیا ہم نے

حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾

اسے کاٹی ہوئی گویا کہ نہیں تھا یہاں کل کچھ بھی اسی طرح ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں آیتیں ایسی قوم کیلئے جو غور وفکر کریں

(بقیہ آیت نمبر ۲۳) یعنی دنیا میں تم جو جو بداعمالیاں کرتے تھے۔ اس کی تمہیں پوری پوری سزا دی جائے گی اور سخت ترین سزا دی جائے گی۔ (دریائی اور سمندری سفر کے متعلق تمام مسائل بڑی تفسیر میں دیکھ لیں)۔

(آیت نمبر ۲۴) سوائے اس کے نہیں دنیا کی زندگی کی مثال عجیب ہے۔ جیسے وہ پانی جو ہم نے آسمانوں سے نازل کیا۔ بارش اترنے کے بعد زمین کا سبزہ آپس میں گتھم گتھا ہو جائے۔ اسی سے اناج اور پھل پیدا ہوں۔ جسے انسان بھی کھائیں اور جانور بھی۔ تو اس سبزے سے زمین نے اپنا نقش ونگار سنوارا۔ اور دلہن کی طرح پھلوں اور سبزیوں سے آراستہ اور پیراستہ ہوگئی۔ جیسے دلہن رنگ برنگے لباس میں ملبوس ہو جاتی ہے اور مختلف قسم کی زینت اختیار کر لیتی ہے اور اس زمین کے مالک گمان کرتے ہیں کہ کھیتی پک گئی اور ہم نے اس پر قابو پالیا ہے اب ہم اس کو سنبھال لیں گے کہ اچانک رات کے وقت یا دن چڑھے اس پر ہمارا امر آ گیا۔ یعنی عذاب نے آ کر تباہی مچا دی اور اسے جڑ سے کٹا ہوا کر کے چھوڑ دیا۔ ایسے معلوم ہو رہا تھا کہ گویا کل یہاں تھا ہی کچھ نہیں یعنی کوئی چیز یہاں پیدا ہی نہ ہوئی تھی۔

آگے فرمایا۔ اسی طرح بلکہ اس سے بھی عجیب وغریب طریقے سے آیات قرآنی کو مفصل کر کے بیان کرتے ہیں۔ یعنی یہ وہ آیات ہیں جو حیات دنیوی کے احوال پر متنبہ کرتی ہیں۔ ایسے لوگوں کو جو ان آیات میں تفصیل سے غور وفکر کرتے ہیں۔ ان کے معانی میں غور وفکر کر کے اس میں واقفیت پیدا کرتے ہیں۔ بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ دنیا کی زندگی کو بارش سے تشبیہ دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر ضرورت کے مطابق ہو تو رحمت ہے۔

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾

اور اللہ بلاتا ہے طرف گھر سلامتی کے۔ اور چلاتا ہے جسے چاہے طرف راستے سیدھے کے

(بقیہ آیت نمبر ۲۴) اگر حد سے بڑھ جائے تو زحمت بن کر نقصان دہ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مال دنیا بقدر ضرورت ہو تو مفید ہوتا ہے۔ اگر زیادہ ہو جائے تو انسان کو خواہشات میں لگا کر گناہ کا سبب بن جاتا ہے۔ بلکہ کمینے آدمی کو اگر مال مل جائے پھر تو کم مال والے کو حقارت سے دیکھتا ہے اور اس کے دماغ میں تکبر بھر جاتا ہے۔

فائدہ: بعض بزرگ فرماتے ہیں جیسے پانی ایک جگہ نہیں ٹھہرتا۔ اسی طرح مال دنیا بھی کسی ایک کے پاس نہیں رہتا۔ نہ کسی ایک مالک سے وفا کرتا ہے۔ اسی لئے ایک حدیث میں فرمایا مال ڈھلنے والا سائیہ ہے۔ (مشکوٰۃ)

(آیت نمبر ۲۵) اور اللہ تعالیٰ بلاتے ہیں سلامتی کے گھر کی طرف یعنی جہاں پہ ہر قسم کے مکر و آفت سے سلامتی ہے۔ **فائدہ**: جنت میں اول عطاء، درمیان میں رضا اور آخر میں لقاء یعنی دیدار ہے۔ **حدیث شریف**: ہر روز صبح کے وقت دو فرشتے آواز لگاتے ہیں۔ جس کو جنوں اور انسانوں کے سوا ہر چیز سنتی ہے کہ اے لوگو آؤ اپنے رب کی طرف وہ تمہیں سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔ (مسند امام احمد و تفسیر ابن کثیر)

فائدہ: دارالسلام کا معنی اللہ کا گھر بھی ہے جیسی بیت اللہ کا معنی اللہ کا گھر ہے لیکن بیت اللہ کی طرف اضافت تشریفیہ ہے۔ یہ مراد نہیں ہے کہ معاذ اللہ خدا وہاں رہتا ہے۔ یہ عقیدہ رکھنا کفر ہے۔

فائدہ: بعض مفسرین فرماتے ہیں۔ دارالسلام سے مراد اولیاء اللہ کا ڈیرہ ہے کیونکہ انہیں جنت میں فرشتے سلام کریں گے اور سلام اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم مبارک بھی ہے۔

آگے فرمایا کہ وہ جس کو چاہتا ہے اس کی راہ نمائی فرماتا ہے۔ سیدھی راہ کی طرف وہ راہ جو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتی ہے۔

فائدہ: یا پھر اس سے اسلام اور تقوی کی اصل مراد ہے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ جس بندے کی ہدایت کا ارادہ فرماتے ہیں۔ اس کیلئے ہدایت قبول کرنے کے اسباب مہیا فرما دیتے ہیں اور حق کا راستہ کھل کر اس کے سامنے آ جاتا ہے۔ اور وہ ہدایت پا جاتا ہے۔

فائدہ: حقیقی طور پر داعی تو اللہ تعالیٰ ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء و علماء عظام اللہ تعالیٰ کے نائب بن کر دعوت دیتے ہیں اور دعوت جنت ہے اور تمام انسانوں کو دعوت دی گئی۔ لیکن صرف خوش نصیب لوگوں نے اس دعوت کو قبول کیا۔ اور جنہوں نے دعوت کو قبول کیا وہی جنت میں داخل ہوئے۔

12/12

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ

ان کے لئے جو نیکی کریں بھلائی ہے اور زیادہ ہے۔ اور نہیں چڑھے گی ان کے چہروں پر سیاہی اور نہ ذلت

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾

وہ لوگ جنتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۵) **فائدہ**: کفار امت دعوت ہیں اور مسلمان امت اجابت ہیں) جو بندہ مومن سیدھی راہ پر چل رہا ہے اور نیک اعمال کر رہا ہے اس نے دعوت قبول کر لی۔

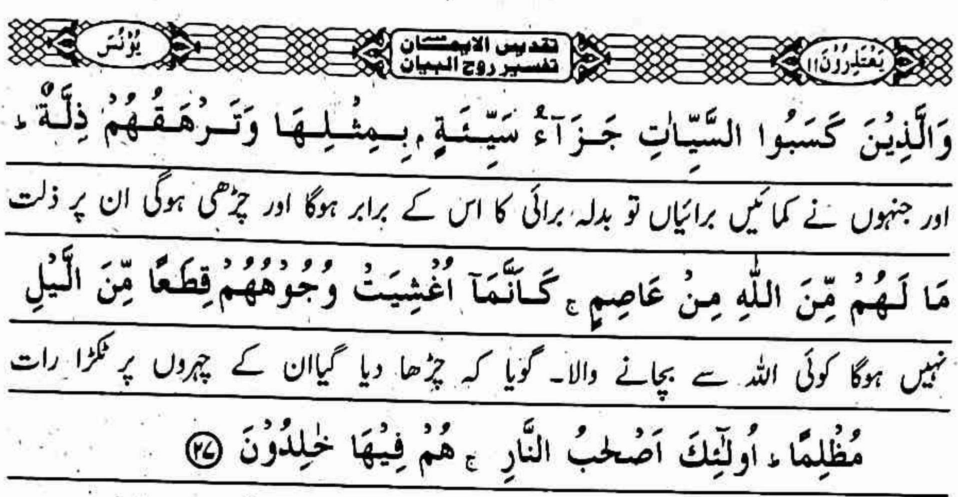
حضور کا علم: حضور ﷺ کو جب علم ازلی کی طرف دعوت دی گئی اور آپ جذبہ الٰہی میں پہنچے تو آپ نے فرمایا میں نے جو ہوا وہ بھی جان لیا اور جو ہوگا وہ بھی جان لیا۔ یاد رہے حضور ﷺ کا یہ علم علم عطائی ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ سکھایا جو آپ نہیں جانتے تھے۔ **فائدہ**: یہ علم بھی حضور ﷺ کو اس وقت نصیب ہوا کہ جب آپ نے کہا۔ لا الہ الا اللہ۔ اگر چہ اس وقت علم اجمالی تھا۔ تفصیلی علم بعد میں عطا ہوا۔

(آیت نمبر ۲۶) ان لوگوں کیلئے جنہوں نے اچھے اور نیک اعمال کئے۔ جن اعمال کی تفسیر خود نبی کریم ﷺ نے یوں فرمائی کہ اللہ کی عبادت یوں کر کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر تو نہیں دیکھ رہا تو یہ یقین کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ **فائدہ**: علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایسی عبادت جس میں حضور قلبی ہو اس وقت تک نصیب نہیں ہوتی۔ جب تک دل کو غیر اللہ سے صاف نہ کر دیا جائے۔

آگے فرمایا نیک اعمال والے کو حسنی یعنی ثواب ملے گا اور اس سے زیادہ بھی ملے گا یعنی اللہ تعالیٰ اس کو ثواب کے علاوہ اپنے فضل سے اور زیادہ دے گا۔ ثواب اعمال کا عوض ہے اور زیادہ اس کا لطف و کرم ہے۔

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ دونوں چیزیں اس کا لطف و کرم ہیں۔ بعض حضرات کا خیال ہے۔ عام سے مراد وہ نیکی جو انسان کرتا ہے اور زیادہ سے مراد وہ جزاء ہے جو سات سو گنا تک بڑھا کر اسے اجر ملتا ہے۔ جمہور محققین فرماتے ہیں۔ الحسنٰی سے مراد جنت ہے اور زیادہ سے مراد دیدار الٰہی ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اہل بہشت سے فرمائے گا۔ تم کیا چاہتے ہو تو وہ کہیں گے۔ یہاں کسی چیز کی تیرے فضل و کرم سے کوئی کمی نہیں۔ اس سے بڑھ کر کیا چاہئے تو نے پہلے ہی بے حساب اور عالی شان نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ تو اس وقت اللہ پاک اپنے حجابات اٹھا دے گا۔ (صحیح مسلم شریف)



وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ ۢ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ

اور جنہوں نے کمائیں برائیاں تو بدلہ برائی کا اس کے برابر ہوگا اور چڑھی ہوگی ان پر ذلت

مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ

نہیں ہوگا کوئی اللہ سے بچانے والا۔ گویا کہ چڑھا دیا گیاان کے چہروں پر ٹکڑا رات

مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٧﴾

اندھیری کا۔ یہی لوگ آگ والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۶) تو سب جنتی اپنے رب کا دیدار کرلیں گے جو سب نعمتوں سے اعلیٰ نعمت ہوگی۔(مسلم۔ ترمذی۔نسائی) آگے فرمایا کہ جنتیوں کے چہروں کو نہیں چھپائے گی سیاہی۔یا تاریکی اور نہ ان پر ذلت وخواری ہوگی۔ یعنی وہ ہر قسم کے خوف وخطرے سے محفوظ ہوجائیں گے۔ان پر کبھی غم وحزن کے آثار نہیں دیکھے جائیں گے بلکہ ہمیشہ ان کے چہرے آرام اور سکون اور سرور سے چمکتے ہوئے نظر آئیں گے۔

آگے فرمایا کہ یہی لوگ جنتی ہیں۔جن کی صفات بیان ہوئیں جو کہ اس جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے کہ نہ انہیں جنت سے نکالا جائے گا اور نہ ان کو دی ہوئی نعمتیں ان سے واپس لی جائیں گی نہ کسی دوسری جگہ ان کو منتقل کیا جائے گا۔

جنت کی سب سے بڑی نعمت: دیدار الٰہی ہوگا جب جنتی دیدار الٰہی کریں گے پھر وہ جنت اور جنت کی سب نعمتوں کو بھول جائیں گے۔یعنی اس دیدار میں ایسی لذت اور سرور ہوگا کہ اس کے برابر جنت کی کسی نعمت میں لذت وسرور نہ ہوگا۔**فائدہ:** اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دیدار الٰہی محال نہیں ہے صرف دیدار کیلئے آنکھ اور جگہ اس جہاں کے علاوہ چاہئے۔(اسی لئے نبی کریم ﷺ کو عرش پر بلا کر دیدار کرایا۔)

(آیت نمبر ۲۷) وہ لوگ جنہوں نے برائیاں کیں۔یعنی شرک وگناہ کبیرہ کئے۔انہیں برائی کی سزا اسی طرح بری ہوگی۔اس سے زیادہ نہ ہوگی۔جیسے نیکی کرنے پر دس گناہ سے سات سو گنا تک ثواب زیادہ ملے گا۔لیکن کفار کیلئے سزا الگ اور ذلت وخواری الگ ان پر سوار ہوگی۔چہروں کی سیاہی سب لوگ دیکھیں گے۔اللہ کے غضب اور عذاب سے کوئی بھی انہیں بچانے والا نہیں ہوگا۔سیاہ چہرے ایسے ہوں گی کہ گویا ان پر سیاہ رات چھا گئی ہے۔یعنی سیاہ کالی رات کی طرح ان کے چہرے کالے سیاہ ہوں گے۔وہ مشرکین اور منافقین ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جہنم کی آگ میں ہوں جلتے رہیں گے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ

اور جس دن ہم انہیں اٹھائیں گے سب کو پھر ہم کہیں گے ان کو جو مشرک تھے اپنی جگہ رہو تم بھی

وَشُرَكَاؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُمْ مَا كُنْتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ﴿٢٨﴾

اور تمہارے شریک بھی۔ پھر جدا کریں گے انہیں اور کہیں گے ان کے شریک نہیں تھے تم ہماری عبادت کرتے۔

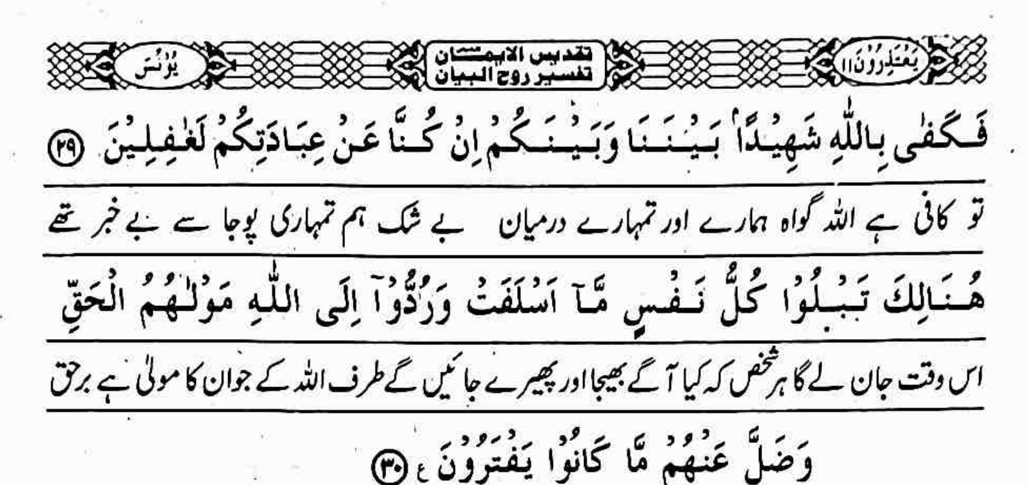
(بقیہ آیت نمبر ۲۷) جزا وسزا نیت کے مطابق:

چونکہ مسلمان کی نیت تا حیات نیکی کرنے کی تھی لہذا وہ ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہے گا اور کافر کی نیت تا حیات کفر وشرک کرنے کی تھی۔ لہذا اسے جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رکھا جائے گا۔ **نکتہ**: کافر یہ سخت کو سزا اس لئے کہ وہ مالک کے حکم کے خلاف اس کی نافرمانی کرتا رہا۔ مومن کو نیک جزا اس لئے کہ وہ اپنے مالک کے حکم پر سر تسلیم خم اس کے احکام پر عمل کرتا رہا۔ (ہم اللہ تعالیٰ سے نیک اعمال کی توفیق چاہتے ہیں۔)

(آیت نمبر ۲۸) جس دن ہم انہیں اٹھائیں گے۔ یعنی اے محبوب وہ دن یاد کریں۔ جب ہم دونوں گروہوں۔ مسلمانوں اور کافروں کو قبروں سے نکال کر میدان محشر میں اکٹھا کریں گے۔ کوئی ایک بھی ان میں سے غیر حاضر نہ ہوگا۔ تو پھر ہم مشرکوں سے کہیں گے کہ مشرکو اپنی جگہ کھڑے رہو۔ پھر دیکھو تمہارا کیا حشر ہوتا ہے۔ تم بھی کھڑے رہو اور تمہارے بنائے ہوئے شریک بھی۔ پھر ہم نے ان میں جدائی ڈال دی یعنی ان مشرکوں اور ان کے معبودان باطلہ کے درمیان جدائی ڈالی۔ جن کی دنیا میں وہ پوجا پاٹ کیا کرتے تھے۔

فائدہ: یعنی دنیا میں جو ان کا آپس میں پیار اور محبت اور جوڑ تھا۔ وہ سب ختم اور ان کے تمام اچھے اعمال بھی ضائع کر دیئے جائیں گے اور ان کی شریکوں سے جتنی امیدیں تھیں وہ خاک میں مل جائیں گی اور وہ کلی طور پر ان سے مایوس ہو جائیں گے۔ دنیا میں جن کو وہ پوجتے رہے۔ وہ ان کی پوجا پاٹ کا صاف انکار کر دیں گے۔

فائدہ: اس سے مراد اگر ذوالعقول ہیں یعنی انبیاء واولیاء پھر تو بات واضح ہے اور اگر اس سے مراد بت ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو بولنے کی قوت عطا کرے گا اور وہ بول کر کہیں گے کہ تم ہماری پوجا نہیں کیا کرتے تھے۔ نہ ہم نے تمہیں کہا تھا۔ تم تو شیطان کے بہکانے سے اپنی خواہشات کے پجاری بنے رہے۔ یعنی وہ مکمل طور پر ان سے برأت کر دیں گے۔ اور صاف کہہ دیں گے۔ کہ تم ہمیں نہیں پوجتے تھے۔



فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿٢٩﴾

تو کافی ہے اللہ گواہ ہمارے اور تمہارے درمیان بے شک ہم تمہاری پوجا سے بے خبر تھے

هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ

اس وقت جان لے گا ہر شخص کہ کیا آگے بھیجا اور پھیرے جائیں گے طرف اللہ کے جو ان کا مولیٰ ہے برحق

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٣٠﴾ ع

اور گم ہو جائیں گے ان سے جو جو تھے دنیا میں گھڑتے۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۸) **فائدہ:** درحقیقت یہ شیطان کی کارستانی ہے کہ وہ لوگوں کو بتوں کی عبادت پر ابھارتا ہے۔ گویا بظاہر وہ بتوں کی اور درحقیقت شیطان کی پوجا کرتے رہے۔

(آیت نمبر ۲۹) آگے فرمایا کہ ان کے معبود کہیں گے۔ کافی ہے اللہ گواہ ہمارے اور تمہارے درمیان اس لئے کہ حقیقت حال کو وہی بہتر جانتا ہے۔ مزید وہ کہیں گے کہ بے شک ہم تمہاری اس پوجا سے ہی دنیا میں بے خبر تھے اور اب ناخوش ہیں۔ اس لئے کہ تمہیں کس نے کہا تھا۔ کہ تم ہماری پوجا کرو۔

(آیت نمبر ۳۰) اس وقت سب معاملہ ظاہر ہو جائیگا اور ہر نفس خواہ مومن ہے یا کافر۔ نیک بخت ہے یا بد بخت۔ جان جائیگا کہ جو اس نے آگے بھیجا۔ یعنی اپنے اعمال کا نفع نقصان دیکھ لیں گے۔ اس کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لوٹا دیئے جائیں گے جو سب کا برحق مالک و مولیٰ ہے۔ اور جو ان کے تمام معاملات کا اور سب مشکلات کا حل کرنے والا ہے۔ آگے فرمایا کہ گم ہو جائیں گے ان سے وہ جنہیں گھڑتے تھے۔ یعنی نہ بت ہوں گے نہ بتخانے نہ وہ معبود جنہیں خدا سمجھ کر پوجتے تھے تاکہ ان سے سفارش کرائیں۔ **سبق:** قیامت کے دن ہر چیز کی حقیقت کھل کر سامنے آ جائے گی تو اہل ایمان کے بھی بعض اعمال عدم قبول کی وجہ سے ختم ہو جائیں گے۔ جب مومنوں کا یہ حال ہے تو کافروں اور مشرکوں کا حال کیا ہوگا۔ **حکایت:** جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے بعد از وصال حال پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ تمام اعمال سب عبادات واذکار پر کاٹا لگا دیا گیا۔ صرف تہجد کی چند رکعات کام دے گئیں۔ **سبق:** اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بہت کم لوگ پذیرائی پائیں گے۔ اس لئے کہ اکثر لوگوں کے عمل ریاء کی وجہ سے ضائع ہو جائیں گے۔ لہذا ہر مومن کو چاہئے۔ کہ اپنے اعمال میں اخلاص پیدا کریں۔ ریاکاری اور خود پسندی سے دور رہیں۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ

فرمادو کون رزق دیتا ہے تمہیں آسمان سے اور زمین سے یا کون مالک ہے کانوں اور آنکھوں کا۔ اور کون

يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ط

نکالتا ہے زندہ مردے سے اور نکالتا ہے مردہ زندہ سے۔ اور کون تدبیریں بناتا ہے کاموں کی

فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ج فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾

تو اب کہیں گے کہ اللہ۔ تو فرماؤ کیا پھر بھی نہیں ڈرتے ہو۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۹) **صوفیاء کا قول**: انسان کا نفس خواہشات کا پجاری ہے۔ اس کی توجہات کا قبلہ ماسوی اللہ۔ یعنی اللہ کے ساتھ اس کا دل نہیں لگتا باقی ہر چیز کے ساتھ لگ جاتا ہے۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں۔ پہاڑ کو ناخن سے کریدنا آسان ہے۔ مگر خواہش نفسانی کو تابع کرنا مشکل ہے۔ جب وہ کسی پر غلبہ پا جائے۔

(آیت نمبر ۳۱) اے میری حبیب فرمادو یعنی ان مشرکوں کو توحید کی حقیقت اور شرک کا بطلان پر حجت قائم کر کے ان کو بتا دیں کہ تمہیں آسمانوں سے اتار کر رزق کون فراہم کرتا ہے۔ یعنی بارش اتار کر زمین سے غلہ نکال کر تمہیں کون عطا کرتا ہے۔ یا کون ہے مالک و مختار کانوں اور آنکھوں کا۔ کوئی دنیا میں ایسا ہے۔ جو اسی طرح کان اور آنکھیں لگا دے اور وہ ہر آفت و بلا سے بھی محفوظ و مامون کر دے۔ (وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ہی ذات ہے۔)

فائدہ: مولا علی فرماتے ہیں۔ پاک ہے وہ جس نے چربی کو دیکھنے ہڈی کو سننے اور گوشت کو بولنے کی طاقت عطا کی۔

آگے فرمایا کہ کون نکال سکتا ہے۔ زندہ مردے سے اور مردے کو زندہ سے یعنی حیوان کو ایک گندے پانی مردہ سے اور حیوان زندہ سے نطفہ مردہ کو یا زندہ چوزہ مردہ انڈے سے اور مردہ انڈہ زندہ مرغی سے کون نکالتا ہے اور کون ہے جو سب کاموں کی تدبیریں کرتا ہے۔ تمام عالمین میں خواہ عالم علوی ہو یا عالم سفلی خواہ عالم روحانی ہو یا جسمانی۔ ان میں تدبیر کرنے والا کون ہے تو فوراً وہ کہیں گے کہ ان تمام امور کا مدبر اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تو پھر جان اور مان لو کہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا صانع اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں ہے تو اے میرے محبوب ان کو واضح طور پر فرما دیں کہ پھر تم اس اللہ کے عذاب سے ڈرتے کیوں نہیں کہ تم اس کا شریک پتھروں کو بنا رہے ہو۔

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿٣٢﴾

تو یہ ہے اللہ جو تمہارا رب ہے سچا۔ پس کیا ہے بعد حق کے سوائے گمراہی کے۔ کہاں پھیرے جاتے ہو

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٣﴾

اسی طرح ثابت ہوگئی بات آپ کے رب کی اوپر ان کے جو فاسق ہیں بے شک وہ نہیں ایمان لاتے

(بقیہ آیت نمبر ۳۱) (سبحان اللہ) اللہ تعالیٰ نے کفار اور مشرکین کی گمراہی کا بطلان کن خوبصورت الفاظ میں اپنے پیارے حبیب علیہ السلام کی زبان مبارک سے کرایا ہے۔ (عقل کا اندھا ہی ہو جو بتوں کو خدا مانے)۔

سبق : سالک (راہ خدا پر چلنے والے) کیلئے لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو تمام قسم کے خیالات سے پاک اور صاف کرے اور کفر و نافرمانی کی میل کچیل کو دھوڈالے۔ بلکہ ہر چھوٹی بڑی شیء کے تعلقات کو منقطع کر دے۔ اس لئے کہ مدد کرنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہی ہے جو قادر بھی ہے اور قوی بھی ہے۔ کسی بزرگ نے کیا خوب کہا کہ مخلوق کا مخلوق سے مدد مانگنا ایسے ہے۔ جیسے ایک قیدی دوسرے قیدی سے کہے کہ تو مجھے قید سے آزاد کرادے۔

آخر میں فرمایا کہ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ اتنی بڑی قدرتوں کا مالک کون ہے اور تم کس کو پوج رہے ہو۔

(آیت نمبر ۳۲) یہ ہے وہ اللہ جو تمہارا برحق رب ہے اور حق کے بعد کیا رہ جاتا ہے۔ سوائے گمراہی کے اور وہ گمراہی بتوں کی پوجا کرنا ہے یعنی اصل چیز توحید ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ جو اللہ کی عبادت نہیں کرتا وہ بھی گمراہ ہے اور جو بتوں کو پوجتا ہے وہ اس سے بھی بڑا گمراہ ہے۔ چونکہ بت پرستی جوارح سے متعلق ہے۔ لیکن اس کی بنیاد گندہ عقیدہ ہے۔ اسی وجہ سے بت پرستی کو گمراہی کہا گیا ہے۔

آگے فرمایا کہ تم کہاں پھیرے جاتے ہو یعنی اے کافرو۔ مشرکو۔ تم توحید کو اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کو چھوڑ کر شرک میں اور بتوں کی پوجا پاٹ میں کہاں مبتلا ہو گئے ہو۔ یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ شرک بھی گمراہی ہے اور بت پرستی بھی گمراہی اور حق سے دوری ہے۔: ع ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی: کیں راہ کہ تو میروی بترکستان است۔ یعنی اے اعرابی مجھے ڈر ہے کہ تو کعبہ تک نہیں پہنچ پائے گا۔ اس لئے کہ جدھر تو جارہا ہے۔ یہ راستہ تو ترکی کی طرف جاتا ہے۔

(آیت نمبر ۳۳) اسی طرح تیرے رب کی بات یعنی اس کا حکم اور فیصلہ سچ ثابت ہو گیا کہ فاسقوں کیلئے عذاب متحقق ہو گیا جو کفر پر سختی سے قائم ہیں کہ اب ان کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ اصل بات یہ ہے کہ بے شک وہ ایمان نہیں لائیں گے یہاں پر اللہ تعالیٰ کے اس کلمہ کی حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ کیوں ان مشرکوں کے لئے عذاب متحقق ہوا ہے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآءِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا

فرمادو کیا کوئی تمہارے شریکوں میں ہے جو پہل کرنے مخلوق کی پھر دوبارہ بنائے۔ فرمادو صرف اللہ نے ابتداء کی

الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾

مخلوق کی پھر دوبارہ بنائیگا پھر کہاں اوندھے جاتے ہو۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۳) اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کا کفران کے لئے نحوست بن کر ان کے لئے آڑ بن گیا ہے جو ان کو ایمان کے قریب بھی نہیں آنے دیتا اور یہی کفران کو عذاب سے قریب کرتا جارہا ہے۔ اسی لئے یہ قاعدہ ہے کہ نتیجے کا دارومدار مقدمات یا اسباب پر ہوتا ہے۔ یعنی اگر زمین میں جوڈالے جائیں تو ان سے گندم پیدا نہیں ہوگی۔ اسی طرح کیکر کا درخت میٹھا پھل نہیں دیتا۔ (بعینہ کفر اختیار کرنے والا بھی جنت میں نہیں جاسکتا)۔

(آیت نمبر ۳۴) اے محبوب آپ ان کو بتادیں کیا تمہارے ان خود ساختہ شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جس نے پہلے مخلوق کو بنایا ہو۔ پھر مارے اور پھر مرنے کے بعد ان کو دوبارہ زندہ کرے کوئی ہے ایسا ہرگز نہیں۔

فائدہ: کفار اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے تو قائل تھے۔ مگر دوبارہ جی اٹھنے کو نہیں مانتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ سے فرمایا کہ آپ ہی ان کفار سے پوچھئے کہ کیا تمہارے ان خداؤں میں (جن کو تم نے خدا) بنا رکھا ہے۔ کوئی ایسا ہے جو دوبارہ زندہ کر دکھائے۔ جب نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو ان کو فرمائیں کہ پھر تم کس طرف پھرتے جارہے ہو۔ یعنی جب یہ بات متحقق ہوگئی کہ مذکورہ دونوں کام تمہارے معبودان باطل نہیں کرسکتے تو پھر تم کیوں سیدھی راہ چھوڑ کر الٹے راستے پر چل پڑے ہو۔

اے محبوب آپ ان کو واضح فرمادیں کہ وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہی ذات ہے۔ پہلی دفعہ بھی وہی پیدا کرتا ہے اور دوبارہ مرنے کے بعد بھی وہی اٹھائے گا۔

فائدہ: بت جن کو پوجا جاتا ہے۔ ان کا نہ پہلی مرتبہ پیدا کرنے میں کوئی حصہ ہے۔ نہ دوبارہ زندہ کرنے میں کوئی حصہ ہے۔ وہ تو خود بندوں کے ہاتھوں سے بنائے گئے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآءِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ط قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ط

فرمادو کیا کوئی تمہارے شریکوں میں ہے جو راہ دکھائے طرف حق کے۔ فرمادو اللہ راہ دکھاتا ہے حق کی

اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ج

کیا پس جو راہ دکھائے حق کی وہ زیادہ حقدار ہے کہ ان کی پیروی کی جائے یا جو خود ہی راہ پر نہیں مگر اسے راہ دکھایا جائے

فَمَالَكُمْ قف كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿٣٥﴾

تمہیں کیا ہوا ۔ کیسے فیصلے کرتے ہو۔

(آیت نمبر ۳۵) اے محبوب ان کافروں سے فرمادیں تمہارے معبودوں میں سے کوئی ہے۔ جو گمراہ کی راہنمائی کرے حق کی طرف۔ خواہ معمولی ہی سی ہو۔ کیونکہ معبود تو وہی ہے جو اپنے بندوں کی حق کی طرف ایسی راہنمائی کرے۔ تا کہ اس کی آخرت سنور جائے۔ لہٰذا اے محبوب آپ ان کو فرمادیں کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے کہ وہ جسے چاہتا ہے۔ حق والی راہ دکھادیتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی میں یہ طاقت نہیں ہے۔ (البتہ انبیاء اور اولیاء یا علماء یا قرآن جو حق کی طرف راہنمائی کرتے ہیں وہ راستہ بتانے میں وسیلہ ہیں) ورنہ حقیقی طور پر ہدایت دینے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ **نکتہ**: انبیاء و اولیاء یا علماء راہ دکھاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ منزل پر پہنچاتا ہے۔

ہدایت کے اسباب: (۱) رسولوں کو بھیجنا۔ (۲) کتابیں اتارنا۔ (۳) نظر صحیح کی توفیق دینا۔ (۴) دلائل کو واضح کرنا۔ (۵) صحیح غور وفکر عطا کرنا۔ چونکہ لوگوں کے عقل وفکر مختلف ہیں۔ اس لئے حق کا تعین کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ بہت سارے لوگ اس کی تعیین میں غلطی کھا گئے۔ سوائے چند لوگوں کے۔ کہ جنہیں راہ حق نصیب ہوا۔ وہ بھی صرف وہ لوگ ہیں کہ جن پر عنایت ازلی ہوئی۔ آگے فرمایا کہ اے کفار بھلا جو حق کی راہ دکھائے جیسے اللہ تعالیٰ نے دکھایا ہے۔ وہ زیادہ حق دار ہے اس کا کہ اس کا حکم مانا جائے۔ یا وہ زیادہ حق دار ہے جو راہ دکھا ہی نہیں سکتا سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنی طرف اسے راہ دکھائے۔ **فائدہ**: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا رد فرمایا جو بتوں کو پوجتے ہیں۔ انہیں بتایا گیا کہ عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وہی معبود برحق ہے۔ پھر دوبارہ فرمایا کہ اے کافرو۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم عجیب وغریب فیصلے کر رہے ہو۔ کہ جو دل میں خیال آیا۔ اسی کو عقیدہ بنالیا۔

وَمَا يَتَّبِعُ اَكۡثَرُهُمۡ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغۡنِىۡ مِنَ الۡحَقِّ شَيۡـًٔا ؕ

اور نہیں چلتے زیادہ تر ان میں مگر گمان پر۔ بے شک گمان نہیں کام دیتا حق کے مقابل کچھ

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِمَا يَفۡعَلُوۡنَ ﴿۳۶﴾ وَمَا كَانَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنُ اَنۡ يُّفۡتَرٰى

بے شک اللہ جانتا ہے جو جو وہ کرر ہے ہیں۔ اور نہیں ہے یہ شان قرآن کی کہ اسے کوئی بنالے

مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلٰـكِنۡ تَصۡدِيۡقَ الَّذِىۡ بَيۡنَ يَدَيۡهِ وَتَفۡصِيۡلَ الۡكِتٰبِ لَا رَيۡبَ

سوائے اللہ تعالیٰ کے لیکن تصدیق ہے اس کی جو پہلے کتب آئیں اور تفصیل ہے لوح محفوظ کی نہیں کوئی شک

فِيۡهِ مِنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۳۷﴾

اس میں کہ یہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔

(آیت نمبر ۳۶) ان کفار کی اکثریت نہیں پیروی کرتی مگر صرف گمان کی۔ یعنی کوئی تحقیق نہیں کرتے جو کچھ باپ دادا سے سن رکھا ہے۔ اس پر وہ قائم ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کی اکثریت تو ایسی ہی تھی۔ مگر ان میں کچھ وہ بھی تھے جو جانتے تھے کہ بت پرستی بری چیز ہے لیکن ضد اور عناد سے وہ ان کے ساتھ ملے ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ بے شک گمان حق کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ یعنی کفار گمان پر اور مسلمان یقین کی راہ پر چلتے ہیں۔

آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو جو وہ کرتے ہیں۔ **فائدہ:** معلوم ہوا کہ شرع کے عقائد وقواعد کا جاننا ضروری ہے۔ عقائد میں کسی کی تقلید جائز نہیں۔ اس میں قرآن وحدیث پر عمل ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو عقل بخشی ہے وہ خود قرآن وحدیث سے راہ حق کی تلاش کرے اور حق وباطل میں امتیاز کرے حق کی اتباع کے مقابلے میں کافر باپ دادا کی تقلید کرنا سخت گمراہی ہے۔

(آیت نمبر ۳۷) اور ایسی بات نہیں ہے کہ یہ قرآن اپنی طرف سے گھڑ لیا جائے جس میں دلائل کے انبار ہیں اور جو حسن نظم میں بے مثال اور بے شمار خوبیوں سے لبریز ہے۔ اس جیسی کلام کیسے کوئی لاسکتا ہے۔ اللہ کے سوا۔ یہ تصدیق کرتا ہے۔ اس کی جو اس کے سامنے ہے۔ یعنی سابقہ آسمانی تمام کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ اس کے تمام مضامین سابقہ کتب کے مطابق ہیں۔ اس میں بیان کردہ اصول اور قصے بالکل سچے اور صحیح ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ازلی ابدی کتاب کی اس میں تفصیل ہے۔ جس میں اللہ کے سوا کوئی محو واثبات نہیں کرسکتا۔ اس لئے کہ وہ سب کچھ کرنے پر قادر ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ

کیا کہتے ہیں کہ اس نے خود بنا لیا ہے؟۔ فرمادو لاؤ تم بھی کوئی سورۃ اس جیسی۔ اور بلا لاؤ جسے ملا سکتے

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾

سوائے اللہ تعالیٰ کے اگر ہو تم سچے۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۷) آگے فرمایا کہ یہ وہ کتاب ہے کہ جس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس میں ایسے واضح دلائل ہیں کہ ان میں معمولی سا غور کیا جائے تو یقین آ جائے گا کہ ایسی کلام انسان کے احاطہ امکان سے باہر ہے۔ اس لئے فرمایا کہ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں اس لئے کہ یہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔

فائدہ: یہ کفار کے قول کی تردید ہے جو یہ کہتے تھے کہ یہ قرآن حضور ﷺ نے خود ہی بنالیا ہے اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ رب العالمین کا کلام ہے۔

(آیت نمبر ۳۸) کفار مکہ یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے یہ قرآن خود بنا کر اللہ پر جھوٹ گھڑا ہے (معاذ اللہ) تو اے محبوب آپ ان سے فرمائیں۔ اگر بات ایسے ہی ہے۔ تو تم بھی عربی جاننے سمجھنے والے ہو۔ اس قرآن جتنا مکمل قرآن نہ سہی اس کی سورتوں میں کسی ایک سورۃ کی مثال ہی لے آؤ۔ جو فصاحت وبلاغت اور حسن نظم اور مضبوط معنی کے لحاظ سے بالکل اس جیسی ہو۔ اس لئے کہ تمہیں یہ نخرہ ہے کہ ہماری طرح عربی کوئی نہیں بول سکتا۔ تمہیں اپنی فصاحت پر بڑا ناز ہے۔ تو لاؤ ایک سورت اس کی مثل۔ خواہ چھوٹی سی ہو۔ اگر اکیلے نہیں کر سکتے تو کوئی بات نہیں۔ جن جن کو تم سمجھتے ہو کہ وہ تمہاری مدد کریں تو تم یہ کام کر سکتے ہو تو تمہیں اس بات کی بھی اجازت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا سب مددگاروں کو بلالو۔ اور ایک چھوٹی سی سورت بنالو۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو کیونکہ تم کہتے ہو کہ اس نے خود یہ کتاب بنالی ہے۔ تو تم بھی مزد بنو۔ اگر ایک بندہ ایک کام کرتا ہے تو دوسرا بندہ دیکھ کر اس سے بہتر کر سکتا ہے۔ کہ ہر علم والے پر بھی علم والا ہوتا ہے۔ **فائدہ**: ہمیں معلوم ہے اے کافرو اس قرآن کا مقابل لانا تمہارے بس میں نہیں نہ تم میں کوئی یہ قابلیت ہے۔ تم سب جن وانس مل کر بھی یہ نہیں کر سکتے اکیلے کیسے کوئی کر سکتا ہے اور سورہ بقرہ میں چیلنج ہے۔ آج تک کر نہ سکے اور قیامت تک کر نہیں سکتے۔ اس لئے یہ قرآن ہمارے نبی کا معجزہ ہے۔ معجزہ ہوتا ہی وہ ہے کہ جس کی مثل کوئی بھی نہ لا سکے۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ

بلکہ جھٹلایا جونہیں احاطہ کر سکے اس کے علم کا اور ابھی نہیں آئی ان کو اس کی تاویل۔ اسی طرح جھٹلایا

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٣٩﴾ وَمِنْهُمْ

جو ان سے پہلے ہوئے پھر دیکھ کیسا ہوا انجام ظالموں کا۔ اور ان میں

مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ع ﴿٤٠﴾

کوئی ایمان لایا اس پر اور کوئی ان میں ہے جونہیں ایمان لایا اس پر۔ اور تیرا رب زیادہ جانتا ہے فسادیوں کو

(آیت نمبر ۳۹) آگے فرمایا کہ بلکہ انہوں نے اس چیز کو جھٹلا دیا۔ جس کا وہ احاطہ بھی نہ کر سکے یعنی سمجھے بغیر ہی اس کی تکذیب کر دی۔ بجائے اس کے کہ اپنی کم فہمی کا اعتراف کرتے۔ الٹا جلدی میں اس کی تکذیب کر دی۔ اگر ان میں ذرا سا عقل وفہم ہوتا اور کچھ غور وفکر سے کام لیتے تو جان لیتے کہ واقعی یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ مخلوق میں سے کسی میں اس کے مقابل کوئی سورت لانے کی ہمت نہیں۔ اور حال یہ ہے کہ ابھی تک ان کے پاس اس کی حقیقت نہیں آئی۔

آگے فرمایا کہ ان کفار مکہ کی طرح ان سے پہلے کافروں نے بھی اپنے انبیاء کرام کی یوں ہی تکذیب کی۔ پھر دیکھ ظالموں کا کیسا انجام ہوا کہ وہ تباہ و برباد ہو گئے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے جھٹلانے کا یہی انجام ہوتا ہے۔

(آیت نمبر ۴۰) ان میں سے بعض وہ ہیں جو ایمان لائے اور ان میں بعض وہ ہیں جو ایمان نہیں لاتے یعنی کم فہمی اور عدم غور وفکر کی وجہ سے قرآن پاک کی حقانیت کو مانتے ہی نہیں۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ ان میں بعض وہ ہیں کہ جن میں اسے سمجھنے کی استعداد ہے اور ان سے ایمان لانے کی توقع ہے کہ عنقریب وہ کفر سے توبہ کر کے ایمان لے آئیں گے۔ اور ان میں بعض وہ ہیں جو مرتے دم تک ایمان نہیں لائیں گے۔ اس لئے کہ نافرمانیوں کی وجہ سے ان کی استعداد سلب ہو گئی۔ لہٰذا وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ آگے فرمایا کہ تمہارا رب فسادیوں کو خوب جانتا ہے۔ اسے معلوم ہے کون مانیں گے اور کون ہیں جو سرکشی سے کفر پر ہی جمے رہیں گے۔ اور اپنی آخرت خراب کر لیں گے۔

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّىْ عَمَلِىْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ

اور اگر جھٹلائیں آپ کو تو فرما دو میرے لئے میرا عمل اور تمہارے لئے تمہارا عمل۔ تم بری ہو اس سے جو میں کروں

وَاَنَا بَرِىْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ

اور میں بری اس سے جو تم کرتے ہو۔ اور ان سے ہیں جو کان لگاتے ہیں طرف آپ کے۔ تو کیا آپ

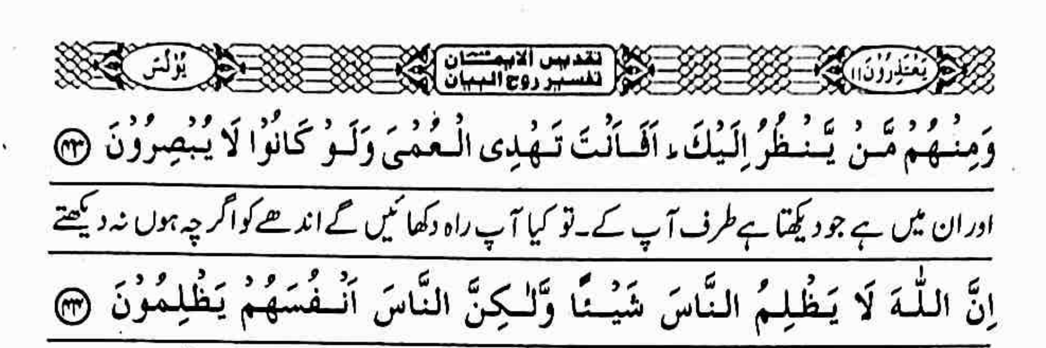
تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾

سنائیں گے بہرے کو اگرچہ ہوں نہ سمجھتے۔

(آیت نمبر ۴۱) اے محبوب اتنے دلائل کے بعد بھی اگر وہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں اور انہیں اپنے کفر پر اصرار ہے تو آپ انہیں فرما دیں کہ میرے عمل میرے لئے اور تمہارے عمل تمہارے لئے یعنی آپ ان سے برات کا اظہار کر دیں جب وہ اتنا سمجھانے کے باوجود ماننے کیلئے بالکل تیار نہیں ہیں تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں اور بتا دیں کہ تم میرے عمل سے بری میں تمہارے اعمال سے بری ہوئی۔ ہر ایک کے اپنے اپنے اعمال کا محاسبہ اور مواخذہ آخرۃ میں ہوگا۔ یعنی ہر ایک عامل کے عمل کی جزا و سزا اسے ہی ملے گی جس نے وہ عمل کیا کسی دوسرے کو نہیں۔

(آیت نمبر ۴۲) اور ان جھٹلانے والوں میں بعض وہ لوگ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں۔

فائدہ: یعنی جب آپ تلاوت قرآن کر رہے ہوتے ہیں یا قرآنی احکام کی تعلیم دے رہے ہوتے ہیں تو اس وقت وہ لوگ صرف ظاہر طور پر آپ کی طرف دھیان کرتے اور کان لگاتے ہیں۔ جبکہ ان کے دل کے کان محبت دنیا اور خواہشات نفسانی کی طرف لگے ہوتے ہیں کیونکہ ان کی دلی محبت ان چیزوں سے ہے۔ لہذا اے محبوب کیا آپ بہرے کو سناتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان کے دلوں کی سماعت سلب کر لی ہے۔ لہذا آپ ان کو کیسے سنا سکتے ہیں۔ جبکہ ان کا عقل نہیں نہ وہ سمجھتے ہیں۔ یعنی پہلے تو بہرے ہیں۔ پھر ان کی عقل بھی نہیں رہی۔ تو گویا اب وہ کسی کام کے نہ رہے۔ اس لئے کہ اگر صرف بہرہ پن ہی ہوتا تو پھر بھی سمجھنے کی صلاحیت تو موجود تھی۔ بلکہ بعض دفعہ معمولی آواز سے بہرہ بات سمجھ جاتا ہے تو جب دونوں ہی نہ ہوں تو بندہ بالکل ہی بے کار ہو جاتا ہے۔ (جیسے پنجابی میں مثال مشہور ہے۔ پہلے پاگل تھے۔ اوپر سے جن چمٹ گئے)۔



وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِى الْعُمْىَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿٤٣﴾

اور ان میں ہے جو دیکھتا ہے طرف آپ کے۔ تو کیا آپ راہ دکھائیں گے اندھے کو اگرچہ ہوں نہ دیکھتے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٤٤﴾

بے شک اللہ نہیں ظلم کرتا لوگوں پر کچھ۔ لیکن لوگ اپنی جانوں پر ہیں ظلم کرتے۔

(آیت نمبر ۴۳) اور ان میں سے بعض وہ لوگ بھی ہیں جو ظاہری آنکھ سے آپ کو دیکھتے ہیں اور آپ سے نبوت کے متعلقہ واضح اور روشن دلائل بھی دیکھتے ہیں۔ مگر وہ چونکہ دل کے اندھے ہیں اور بصیرت بھی نہیں رکھتے۔ وہ گویا دیکھ سکنے کے باوجود دیکھ بھی نہیں سکتے تو اے میرے محبوب کیا آپ ایک اندھے کو راہ دکھاتے ہیں۔ یعنی آپ تو راہ حق بتاتے ہیں۔ مگر جو اندھا ہے وہ کچھ دیکھ ہی نہیں سکتا۔ یعنی وہ بصیرت سے محروم ہوئے تو بصارت بھی ان کی خود ہی ضائع ہوگئی۔ بسا اوقات بصیرت رکھنے والا نابینا بہت سارے امور سے واقف ہو جاتا ہے۔ لیکن بصیرت کا اندھا بڑے بڑے مقاصد سے محروم ہو جاتا ہے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے مکذبین کفار کو اندھے اور بہرے سے تشبیہ دی۔ اس لئے کہ وہ نبی کریم ﷺ سے بغض وعداوت رکھتے تھے اس وجہ سے نہ آپ کے محاسن کلام سنتے اور نہ روشن دلائل کو دیکھے تھے۔

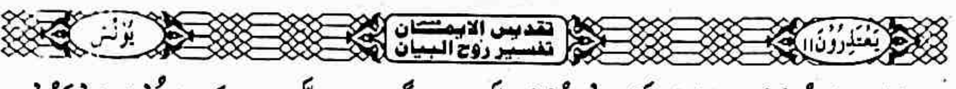
نکتہ: سماعت کی نفی کے بعد ان کے عقل کی نفی کی گئی اور بصارت کی نفی کے بعد ادراک کی نفی کی گئی۔ اس کا مطلب ہے کہ باطنی امور کو ظاہری امور پر فضیلت حاصل ہے۔

بدعملی کی سزا: کفار کی بداعمالیاں جب حد سے زیادہ ہوگئیں اور وہ نجات کے قابل نہ رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے ہدایت قبول کرنے کی توفیق ہی ختم کر دی۔ جیسے لاعلاج مریض سے ڈاکٹر تمام علاج کی اشیاء دور کر دیتا ہے۔

پانچ چیزیں بے کار ہو جاتی ہے: (۱) کلر والی جگہ بارش۔ (۲) سورج کے سامنے چراغ۔ (۳) اندھے کے سامنے خوبصورتی۔ (۴) بیمار کے سامنے لذیذ کھانا۔ (۵) ناقدر شناس لوگوں میں عالم۔

(آیت نمبر ۴۴) بے شک اللہ تعالیٰ تو لوگوں پر ظلم نہیں کرتا ایک ذرہ برابر بھی۔

فائدہ: اگر لوگوں کو ہدایت نہیں ملی تو اس کی وجہ ان کا خود ہی کفر میں پڑنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو ان کو حواس دیئے عقل دیا۔ اب کوئی عقل کو استعمال ہی نہ کرے تو اللہ پر الزام کیسے لگا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت ہی نہیں دی۔



وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ط

اور جس دن اٹھائے گا ان کو گویا نہیں رہے دنیا میں مگر ایک گھڑی دن کی۔ پہچان کرلیں گے آپس میں

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۴۵﴾

تحقیق گھاٹے میں رہے جنہوں نے جھٹلایا ملنے کو اللہ سے اور نہیں تھے ہدایت والے۔

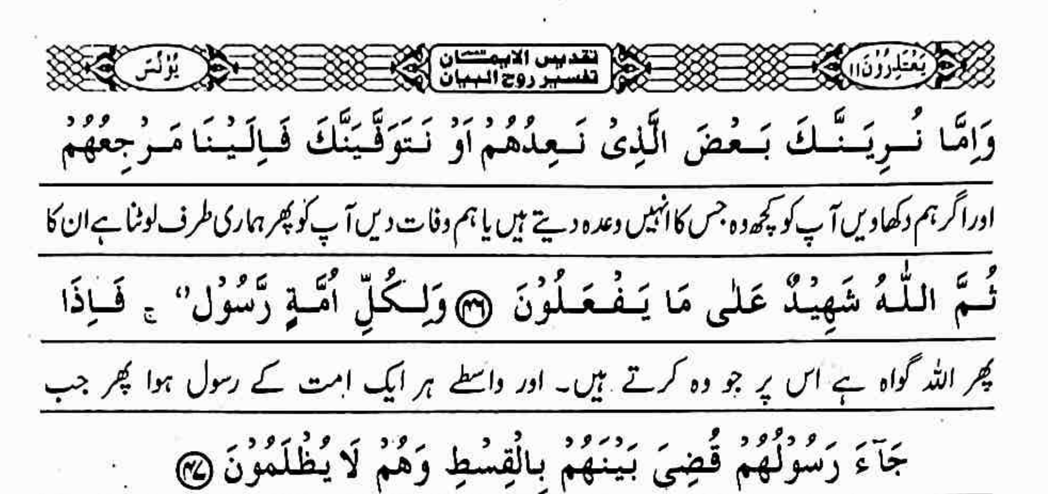
(بقیہ آیت نمبر۴۴) (ورنہ تو ہر مجرم کہہ سکتا ہے کہ یہ کام اللہ نے کروایا ہے۔ اس میں میرا کیا قصور ہے) اس لئے ہر شخص پر لازم ہے کہ عقل کو استعمال کر کے اللہ تعالیٰ کو پہچانے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ بتاتا ہے کہ اللہ کی ذات موجود ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے کسی پر ظلم وزیادتی نہیں کی۔ بلکہ لوگ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے ہیں کہ ہدایت کو اختیار نہیں کرتے اور گمراہی لے لیتے ہیں۔ **فائدہ**: معلوم ہوا کہ بندے کو اپنے کردار کے کسب کا خود اختیار ہے۔ (اپنے عمل سے ہی اپنی جنت بھی بناتا ہے اور جہنم بھی)

(آیت نمبر۴۵) اے محبوب ان کافروں کو وہ دن یاد کرا کر ڈراؤ کہ جس دن اللہ ان کو اکٹھا کرے گا تو وہ خیال کریں گے کہ نہیں رہے ہم دنیا میں یا قبروں میں مگر ایک ساعت دن کی۔

فائدہ: یہ جملہ بہت تھوڑے وقت کیلئے بولا جاتا ہے۔ حالانکہ قبر کا زمانہ تو ایک لمبا زمانہ گذرا ہوگا۔ لیکن دکھوں اور غموں کا تھوڑا وقت بھی انتہائی لمبا نظر آتا ہے اور آرام سکون کا وقت لمبا بھی بہت مختصر نظر آتا ہے۔

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کافر دنیا میں زیادہ تر ناز ونعمت میں رہے۔ اور دنیا کی زندگی ویسے بھی تیز وتند ہوا کی طرح گذر گئی ہوگی۔ پھر قبر میں کسی کو عذاب یا نعمت ملی وہ وقت بھی معمولی محسوس ہوگا۔ مگر آخرت میں دن بھی سخت حساب اس سے زیادہ سخت اور عذاب اس سے بھی زیادہ سخت ہوگا تو ایسی حالت میں دنیا کے آرام وسکون کا وقت کہاں یاد رہے گا۔ آگے فرمایا کہ وہ قبروں سے اٹھتے ہی ایک دوسرے کو پہچان لیں گے جیسے دنیا میں پہچانتے تھے۔ یعنی قبر کی لمبی زندگی کے باوجود ایک دوسرے کو پہچاننا مشکل نہیں ہوگا۔ لیکن بات محشر کی ہے جب عذاب میں ڈال دیئے جائیں گے تو پھر بالکل ایک دوسرے کو نہیں پہچان سکیں گے۔ اگر پہچان بھی لیا تو ایک دوسرے سے بھاگ جائیں گے۔

آگے فرمایا تحقیق جنہوں نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ کے ملنے کو وہ بہت ہی خسارے میں رہے۔ اس لئے کہ قیامت کا انکار کر کے وہ جہنم کے مستحق ہوئے۔ چونکہ وہ دنیا میں رہتے ہوئے صحیح راہ نہ پا سکے۔ ایمان بیچ کر کفر حاصل کیا۔ تصدیق کے بجائے تکذیب کی۔ ایسے سودے کرنے والے کو نفع کہاں ملتا ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے گھاٹے کا سودا کیا۔



وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ

اور اگر ہم دکھادیں آپ کو کچھ وہ جس کا انہیں وعدہ دیتے ہیں یا ہم وفات دیں آپ کو پھر ہماری طرف لوٹنا ہے ان کا

ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا

پھر اللہ گواہ ہے اس پر جو وہ کرتے ہیں۔ اور واسطے ہر ایک امت کے رسول ہوا پھر جب

جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِىَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾

آ گیا رسول ان کے پاس فیصلہ ہو گیا ان میں انصاف کے ساتھ اور وہ نہیں ظلم کیے جائیں گے

(آیت نمبر ۴۶) اگر ہم کچھ حصہ اس کا ظاہر کر دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا۔ یعنی دنیا کی زندگی میں ہی عذاب کا کچھ حصہ نازل کر دیں اور اس پر ہم قادر بھی ہیں۔ یا ہم آپ کو دنیا سے اٹھالیں۔ بالآخر لوٹ کر آنا تو انہیں ہمارے پاس ہی ہے۔ پھر ہم انہیں عذاب میں مبتلا کر کے دکھائیں گے۔ اس لئے کہ ان کے کفر کی سزا تو ان کو ضرور ملنی ہے۔ خواہ دنیا میں یا آخرت میں۔ یعنی دنیا میں ممکن ہے آخرت میں یقینی ہے۔

آگے فرمایا کہ جو جو وہ دنیا میں کرتوت کر رہے ہیں۔ ان پر اللہ ہی گواہ ہے۔ **فائدہ:** اس گواہی سے مراد اس کا نتیجہ ہے۔ یعنی ان کی جزاء اور سزا ہے کیونکہ پیچھے فرمایا ہمارے پاس ہی ان کا لوٹنا ہے یہ قرینہ ہے ان کی جزا و سزا کا۔ اسی لئے اس کے بعد ''ثُمَّ'' لایا گیا اور اگر شہادت کا حقیقی معنی یہاں لیا جائے تو ترتیب مذکور نامناسب ہو جاتی ہے۔

(آیت نمبر ۴۷) گذشتہ تمام امتوں میں رسول آئے اور ہر رسول نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے وہی احکام بتائے جو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف نازل فرمائے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ سے ملنے کی انہیں دعوت دی جائے تو جب بھی ان کے ہاں رسول تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام یا معجزات لے کر تو لوگوں نے اس رسول پاک کی تکذیب کر دی۔ تو نتیجہ کے طور پر اس رسول اور امت کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا رہا ٹھیک انصاف سے۔

فائدہ: ایمان والوں کو نجات اور جھٹلانے والوں کو تباہ و برباد کر دیا جاتا۔ یہ ان پر ظلم نہ تھا۔ بلکہ عدل کا تقاضا تھا۔ یعنی وہ اپنی بداعمالیوں کے سبب عذاب کے مستحق ٹھہرے۔ حالانکہ رسولوں نے انہیں عذاب سے ڈرایا تھا۔ **فائدہ:** اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر امت پر عذاب آیا۔ بلکہ مطلب یہ ہے جب بھی لوگوں نے رسولوں کو جھٹلایا تو اس کی انہیں دنیا میں سزا دی گئی۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٨﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ

اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ اگر ہوتم سچے ۔ فرمادو نہیں مالک میں

لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ

اپنی جان کے نقصان اور نہ نفع کا مگر جو چاہے اللہ۔ واسطے ہر ایک گروہ کے وقت مقرر ہے۔ جب آ گیا

اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٤٩﴾

ان کا وقت تو نہ لیٹ ہوا ایک ساعت اور نہ پہلے ہوگا

(بقیہ آیت نمبر ۴۷) عرب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد ہمارے پیارے آقا تشریف لائے تو جن کفار نے آپ کی تکذیب کی۔ بدر کی لڑائی میں ان پر بھی عذاب آیا اور انہیں تباہ کر دیا۔

(آیت نمبر ۴۸) جب کفار نے مرنے کے بعد اٹھنے اور قیامت قائم ہونے اور آخرت کے عذاب کو ناممکن سمجھا تو جوک کرتے ہوئے کہنے لگے۔ اے نبی (ﷺ) جس عذاب سے ڈراتے ہو وہ وعدہ کب آئیگا۔ ہمیں تو کسی قسم کے عذاب آنے کا کوئی ڈر نہیں ہے۔ اگر تمہاری یہ بات سچی ہے تو اپنے اللہ سے کہو کہ وہ عذاب لے آئے۔

(آیت نمبر ۴۹) اے میرے محبوب (ﷺ) ان کو بتا دو کہ میں خود تو اس بات کا اختیار نہیں رکھتا۔ کہ میں جب چاہوں عذاب آ جائے۔ یعنی ذاتی طور پر نہ میں اپنے نقصان کو دور کر سکتا ہوں۔ نہ اپنے آپ کو نفع پہنچا سکتا ہوں۔ تو میں تم پر عذاب کیسے لے آؤں۔ مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے۔ یعنی سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ تو عذاب اسی وقت آئیگا جب اللہ چاہے گا۔ چونکہ ابھی اس نے تمہارے عذاب کا معین وقت نہیں بتایا۔ وہ جب چاہے گا عذاب بھیج دے گا اور ہر امت کیلئے عذاب اور موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اور جس امت کے لئے جو عذاب کا وقت مقرر ہوا۔ وہ وقت مقرر جب آیا تو پھر نہ وہ وقت مقرر سے پیچھے ہوا۔ جب وہ وقت مقرر آیا تو پھر کسی میں ہمت نہیں تھی کہ پھر اسے دھکیل کر پیچھے کر دے اور نہ اسے وقت سے پہلے لایا۔ کیونکہ اس کا وعدہ مقرر ہے اسی کے مطابق عذاب آتا ہے۔ لیکن جب وہ آ گیا تو پھر مہلت نہیں ملی۔ اس لئے عذاب مانگنے میں جلدی نہ کرو۔ یہ بات تمہارے لئے بہتر ہے۔ تمہارے لئے بہتر یہی ہے۔ کہ اس اللہ پر ایمان لاؤ۔ جو وحدہ لاشریک ہے۔ تا کہ دنیا اور آخرت میں عذاب سے بچ جاؤ۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْنَهَارًا مَّا ذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ

فرمادو بھلا بتاؤ تو اگر آئے تم پر اس کا عذاب رات کو یا دن کو کیا جلدی ہے؟ اس کی

الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْئٰنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ

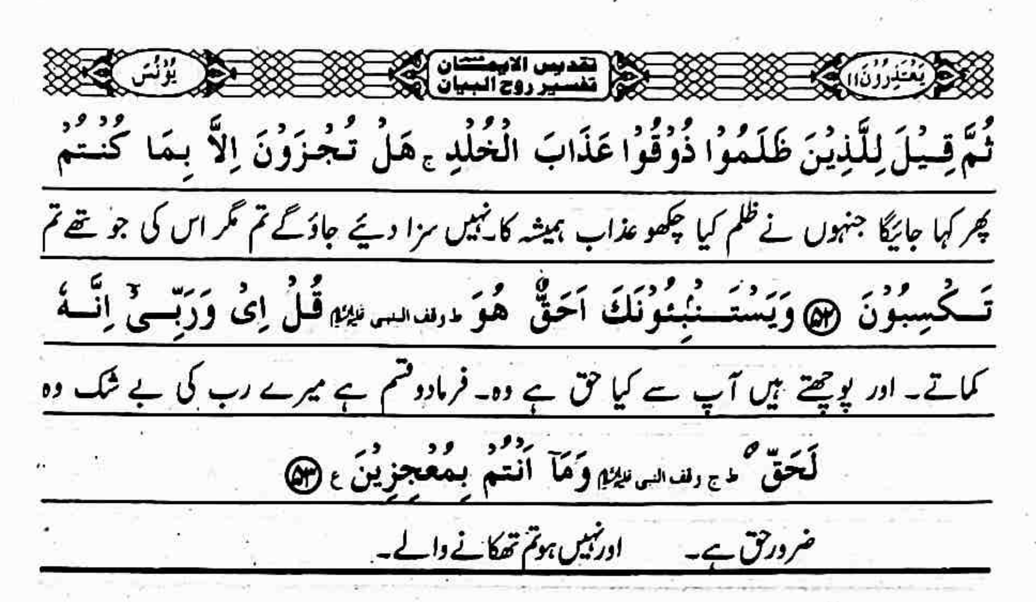
مجرموں کو۔ کیا پھر جب وہ آپڑا پھر تم یقین کرو گے اس کا۔ اب مانے تحقیق تھے تم ہی اس کو

تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾

جلدی مانگتے۔

(آیت نمبر۵۰) اے میرے محبوب (ﷺ) آپ ان سے فرمائیں کہ بھلا بتاؤ۔ **فائدہ:** یہاں "ارئیتم، اخبرونی" کے معنی میں ہے۔ یعنی یہ بتاؤ کہ اگر وہ عذاب تم پر آ ہی جائے۔ جیسے تم جلدی کر کے مانگ رہے ہو۔ رات کو جب تمہیں نیند کا غلبہ ہو یا دن کے وقت ہی آجائے کہ جب تم ذریعہ معاش کے حاصل کرنے میں مگن ہو تو اس وقت تم کیا کر سکتے ہو تم کیوں عذاب جلدی مانگتے ہو عذاب بھی کوئی مانگنے کی چیز ہے۔ عذاب کی سختی اور تکلیف کا تو نام ہی سن کر دل گھبرانے لگتا ہے۔ (چونکہ انہوں نے عذاب دیکھا ہوا نہیں تھا۔ اس لئے اسے ہلکا سمجھتے تھے) یا معنی یہ ہے کہ اے کافرو تم اللہ تعالیٰ سے کون سی چیز مانگنے میں جلدی کر رہے ہو۔ جب وہ عذاب آئیگا۔ تو پھر اس جلد بازی کو تم خود ہی بھول جاؤ گے۔ اس وقت تو تمہیں جان بچانے کی فکر ہوگی ابھی عذاب نہیں آیا۔ اس لئے اتنی باتیں بنا رہے ہو۔ عذاب جب نازل ہوتا ہے پھر مجرم کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ اگلے پچھلے تصورات وخیالات کو بھول کر اپنی جزع فزع میں لگ جاتا ہے۔ (آدمی زیادہ باتیں اسی وقت کرتا ہے جب اس نے کچھ دیکھا نہیں ہوتا۔)

(آیت نمبر۵۱) اے محبوب ﷺ ان سے پوچھیں کیا جب عذاب واقع ہو جائیگا تو پھر تم اس وقت ایمان لاؤ گے یہ بات یاد رکھو اس وقت تمہارا ایمان لانا تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا اگر اس وقت کوئی ایمان لایا تو اس کو کہا جائے گا۔ کیا اب ایمان لاتے ہو۔ عذاب دیکھ لینے کے بعد لانے والا ایمان تو کبھی قبول نہیں ہوتا۔ حالانکہ تم اس سے پہلے ٹھٹھہ مزاخ کرتے ہوئے عذاب مانگنے میں جلدی کرتے تھے (یعنی بار بار کہتے کہ وہ عذاب کب آئیگا)۔ فرعون کی طرح کہ جب وہ غرق ہونے لگا تو اس وقت کہنے لگا میں ایمان لاتا ہوں۔ بہت کلمہ پڑھا۔ مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔



ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ

پھر کہا جائیگا جنہوں نے ظلم کیا چکھو عذاب ہمیشہ کا۔نہیں سزا دیئے جاؤ گے تم مگر اس کی جو تھے تم

تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَنْبِئُوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ط وقف النبی علیہ السلام قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ

کماتے۔ اور پوچھتے ہیں آپ سے کیا حق ہے وہ۔ فرمادو قسم ہے میرے رب کی بے شک وہ

لَحَقٌّ ط ج وقف النبی علیہ السلام وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ع ﴿۵۳﴾

ضرور حق ہے۔ اور نہیں ہو تم تھکانے والے۔

(آیت نمبر۵۲) پھر ظالموں سے کہا جائے گا۔یعنی جنہوں نے بجائے تصدیق کے تکذیب کی۔ایمان کی جگہ کفر اختیار کیا کہ اے ظالمو اب تم ہمیشہ ہمیشہ عذاب کا مزہ چکھو گے۔یعنی وہ عذاب جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔چونکہ اس سے پہلے وہ عذاب قبر میں مبتلا رہے ہوں گے۔اس کے بعد انہیں آخرت والے عذاب کی طرف لے جایا جائے گا۔جو کبھی ختم ہونے والا نہیں ہوگا۔اور ساتھ ہی انہیں بتادیا جائیگا۔یہ تمہیں جو سزا دی جارہی ہے یہ اس کفر و نافرمانی کی ہے جو تم نے دنیا میں کی۔اس سے معلوم ہوا کہ عذاب لوگوں کے اعمال کا نتیجہ ہے ورنہ اللہ تعالیٰ نے تو ابتداء کوئی عذاب وغیرہ نہیں بنایا۔وہ تو انتہائی مہربان ہے۔اس نے تو مخلوق اس لئے بنائی کہ ان پر رحم فرمائے۔لوگوں کے اپنے باطل اعمال ہی ان کی ہلاکت کا سبب بن گئے۔یہ ایسے ہی ہے کہ کوئی زہر کھائے اور پھر کہے معلوم نہیں یہ موت کیسے آگئی۔تو اسے یہی کہا جائے گا تیرے زہر کھانے کی وجہ سے تجھ پر موت آئی ہے۔

(آیت نمبر۵۳) اے محبوب آپ سے کفار ٹھٹھہ مزاح کے طور پر پوچھتے ہیں کہ کیا وہ واقعی حق ہونے والی ہے۔ اے میرے محبوب (ﷺ) آپ ان کے مزاح کو نہ دیکھیں۔بلکہ ان کو بتادیں کہ ہاں میرے رب تبارک وتعالیٰ کی قسم بالکل وہ ایسا ہی ہے کہ بے شک وہ عذاب جس کا وعدہ دیا گیا ہے۔وہ ضرور حق ہے اور ثابت ہے اور تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے۔یعنی جب وہ عذاب دینے کا ارادہ کرے گا تو پھر تم اسے روک نہیں سکو گے نہ اس سے بچ کر بھاگ سکو گے۔ہر حال میں تم پر وہ ضرور واقع ہوجائے گا۔اسی لئے اس موعود عذاب کے واقع ہونے کی قسم کھا کر بیان فرمایا کہ بے شک وہ حق ہے اور فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے۔یعنی تم کہیں بھاگ کر نکل جاؤ۔ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔

وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَافِي الْاَرْضِ لَا فْتَدَتْ بِهٖ ط وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ

اور اگر بے شک ہر جان ظالم مالک ہوتی پوری زمین کی پھر جان چھڑانے کا فدیہ دیتی۔اور چھپائیں گے پشیمانی کو

لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ج وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٥٤﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ

جب دیکھیں گے عذاب کو۔اور فیصلہ ہوگا ان میں انصاف سے اور وہ نہیں ظلم کئے جائیں گے خبردار بے شک اللہ ہی کا ہے

مَافِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٥٥﴾

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔خبردار بے شک وعدہ اللہ کا برحق ہے لیکن زیادہ تر ان میں نہیں جانتے

(آیت نمبر ۵۴) اور اگر بے شک ہر نفس کہ جس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔یعنی کفر و شرک اختیار کیا۔اس کو زمین کے خزانے اور تمام مال جو اس کی ملک میں ہے بروز قیامت عذاب جہنم سے بچنے کے لئے فدیہ دینے کی کوشش کرے۔تو عذاب سے بچ نہیں سکتے۔بلکہ وہ اپنی غلطیوں یعنی کفر و شرک جیسی غلطیوں کو ندامت سے چھپائیں گے۔جب عذاب کو سامنے دیکھیں گے کہ عذاب بھڑکتا ہوا سامنے نظر آرہا ہے تو وہ اسے دیکھ کر اپنے کفر و شرک کو ظاہر نہیں کریں گے اور وہ حیرت زدہ بول بھی نہیں سکیں گے۔جیسے کسی کو صولی پر چڑھانے کیلئے لایا جائے تو وہ حیرت زدہ مبہوت ہو اور بول نہیں سکتا۔یہی حال کفار کا ہوگا۔

فائدہ: الکواشی میں ہے کہ اس دن انہیں اپنے کرتوتوں پر پشیمانی ہوگی اور دھاڑیں مار مار کر روئیں گے۔اس لئے کہ وہ دن ہی ایسا ہے کہ دکھ اور درد سے صبر کرنا مشکل ہوگا اور ان میں فیصلہ انصاف کے ساتھ کر دیا جائے گا۔یعنی اللہ تعالیٰ ان ظالموں اور مشرکوں میں ان کے ظلم کا فیصلہ فرما دے گا کہ جو دنیا میں انہوں نے حقوق میں کوتاہی کی ہوگی۔خواہ حقوق اللہ میں یا حقوق العباد میں تو ان حقوق میں ادائیگی کرا دی جائیگی۔اور ان میں سے کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔یعنی جس قدر ان سے گناہ ہوئے ہوں گے۔اسی قدر انہیں سزا ملے گی اور یہ عذاب بطور سزا کے لازمی ہوگا۔یہ ان کے ظلم کا بھی تقاضا ہے۔(اور اللہ تعالیٰ کے عدل کا بھی تقاضا ہے)۔

(آیت نمبر ۵۵) خبردار بے شک زمین و آسمان اللہ تعالیٰ کا ہی ہے۔**فائدہ**: امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لفظ "الا" غافلوں کو متنبہ کرنے کیلئے آتا ہے۔اس لئے دنیا کے لوگ اسباب ظاہری میں مشغول زیادہ ہوتے ہیں اور اس کی ہر چیز کی طرف اپنی ملکیت منسوب کرتے ہیں۔مثلاً کہتے ہیں یہ فلاں کا گھر۔یہ فلاں کی زمین ہے۔یہ فلاں کا غلام ہے وغیرہ اسی مجازی نسبت میں اتنے غرق ہیں کہ انہیں فکر ہی نہیں کہ کوئی حقیقی مالک بھی ہے۔

هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٥٦﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ

وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اے لوگو تحقیق آ گئی تمہارے پاس

مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾

نصیحت تمہاری رب کی طرف سے اور شفا ہے اس کی جو سینوں میں ہے۔ اور ہدایت اور رحمت ہے مومنوں کیلئے

(بقیہ آیت نمبر ۵۵) گویا اس مجاز کو بھی حقیقت سمجھ رہے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے غافلوں کیلئے لفظ "الا" ارشاد فرمایا ہے کہ خبردار اس زمین و آسمان میں جو کچھ ہے وہ تمہارا نہیں۔ درحقیقت وہ میرا ہے۔ آگے اس حرف تنبیہ کو پھر دوبارہ لایا گیا۔ اور فرمایا خبردار ہو جاؤ۔ جزاء وسزا کا جو وعدہ بندوں کو دیا گیا ہے وہ بھی برحق ہے۔ یعنی وہ واقع ہو کر رہے گا اور وعدہ الٰہی واقعہ کے مطابق ہے۔ لیکن ان میں اکثر لوگ عقل کی کمی اور غلبہ غفلت کیوجہ سے اس کو سمجھنے سے قاصر ہیں یا وہ اس کی حقیقت سے ہی بے خبر ہیں۔ اس لئے کہ وہ صرف دنیا کے ظاہر کو ہی جانتے ہیں۔

(آیت نمبر ۵۶) وہی زندہ بھی کرتا ہے اور وہی مارتا ہے۔ اس کے افعال میں کسی کو کچھ مداخلت نہیں ہے اور اسی کی طرف یعنی آخرت میں تم اسی ذات کے سامنے لوٹائے جاؤ گے۔ اور اسی ذات کے سامنے حساب کیلئے حاضر ہونا ہے۔ **مسئلہ**: انسان کچھ بھی کرے اسے بالآخر موت آئے گی۔ جب وہ وقت آ جائے تو نہ علم کام دیتا ہے نہ ہنر اور رب تعالیٰ کے ہاں بھی نہ مال کام دے نہ اولاد۔ وہاں تو ایمان اور عمل صالح کا سکہ ہی کام دیگا۔

موت کی ہولناکی: موت کے وقت ہزاروں غم لاحق ہوتے ہیں۔ ان میں سے صرف ایک غم بھی اہل دنیا کو دے دیا جائے تو پوری دنیا اسی سے گھٹ کر فنا ہو جائے اور پھر مرنے کے بعد بندے کو تریسٹھ ہولناک امور گھیر لیتے ہیں۔ ان میں سے ہر ہول دنیا کے تمام غموں کے برابر ہوتا ہے۔ لیکن جو بندۂ خدا نفس سے جہاد کرتا ہے۔ اور نفس کو نیکی کا عادی بنالیتا ہے۔ اسے موت کے غم والم کوئی دکھ نہیں دیتے اس لئے کہ وہ اپنے مولیٰ سے واصل ہو چکا ہوتا ہے۔

(آیت نمبر ۵۷) اے لوگو تحقیق تمہارے پاس نصیحت آ چکی ہے۔ یعنی تمہیں تمہارے انجام کے بارے نصیحتیں کردی گئی ہیں۔ اور اس روشن کتاب قرآن مجید میں تمہارے دنیا و آخرت کے تمام نفع اور نقصانات واضح کر کے بتادیئے گئے اور واضح کیا گیا کہ نیک اعمال سے تمہاری آخرت درست ہوگی اور برے اعمال سے آخرت خراب ہوگی اور یہ نصیحت تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے اور اس میں تمہارے سینوں کیلئے شفاء ہے۔ یعنی دل میں پیدا ہونے والی ساری بیماریوں جہالت کفر۔ نفاق اور شرک اور دوسرے برے عقائد سے دلوں کو اس قرآن سے شفا ملتی ہے۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾

فرمادو اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے چاہئے کہ خوشی کریں۔ وہ بہتر ہے اس سے جو مال جمع کرتے ہیں

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ

فرمادو بھلا بتاؤ جو اتارا اللہ نے تمہارے لئے کوئی رزق پھر ٹھہرا لیا تم نے خود ہی اس سے حرام اور حلال

قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾

فرمادو کیا اللہ نے حکم دیا تمہیں یا اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہو۔

(بقیہ آیت نمبر ۵۷) اور دوسرا یہ کتاب حق کی طرف راہنمائی کرتی ہے اور اہل ایمان کیلئے اس میں رحمت ہی رحمت ہے کہ وہ کفر وضلال سے اس قرآن کی وجہ سے نجات پائیں گے۔

فائدہ: قرآن عوام کیلئے نصیحت خواص کیلئے شفا، اخص کے لئے ہدیٰ ہے اور سب کیلئے رحمت ہے۔ ہر مسلمان اسی کی وجہ سے بلند مقام پر پہنچا۔ ع: وہ معزز تھے زمانے میں مسلمان ہوکر۔۔۔۔ جو تم خوار ہو تو تارک قرآن ہوکر

(آیت نمبر ۵۸) اے محبوب فرمادیں کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت پر خوشیاں منائیں۔ یعنی نزول قرآن کی وجہ سے خوش ہوجائیں۔ مطلب یہ ہے کہ خوشی اگر منانی ہے تو اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت پر خوشی منائیں اور وہ فضل ورحمت جن کا ابھی بیان ہوا۔ وہ اس سے بہتر ہے جو وہ مال فانی جمع کررہے ہیں۔ (علماء اہل سنت اس سے جشن میلاد منانا ثابت کرتے ہیں)۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا فضل ورحمت حضور ہیں۔

فائدہ: بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ فضل سے اللہ کا احسان مراد ہے جو اس نے اپنے بندوں پر کیا اور رحمت سے مراد یہ ہے کہ جو بندہ معدوم تھا اسے اللہ تعالیٰ وجود میں اپنی رحمت سے لے آیا۔

(آیت نمبر ۵۹) اے محبوب ان مشرکوں کو فرمادو کہ اے مشرکو بھلا بتاؤ تم کہ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے رزق اتارا ہے۔ **فائدہ:** یعنی ان کا مقدر آسمانوں میں ہے کیونکہ دوسرے مقام پر فرمایا کہ تمہارا رزق آسمان میں ہے۔

فائدہ: ظاہراً تو ہمارا رزق زمین سے نکلتا ہے لیکن اس کے اسباب آسمانوں سے متعلق ہیں۔ مثلاً بارش سے کھیتی اگتی ہے۔ اناج اور پھل سورج کی روشنی سے پکتے ہیں۔ چاند کی چاندنی سے اناج اور پھل رنگ پکڑتے ہیں۔ پھر کیوں تم اس رزق میں سے کچھ کو حرام اور کچھ کو حلال ٹھہراتے ہو۔ حالانکہ ہم نے تمہارے لئے رزق حلال پیدا کیا۔

وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭاِنَّ اللّٰهَ

اور کیا گمان ہے انکا جو گھڑتے ہیں اللہ پر جھوٹ (کیا حال ہوگا) بروز قیامت۔ بے شک اللہ

لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٦٠﴾

تو فضل کرنے والا ہے لوگوں پر لیکن ان کی اکثریت نہیں شکر کرتی۔

(بقیہ آیت نمبر ۵۹) **فائدہ**: خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہم نے تو رزق حلال کیا۔ آگے تقسیم تم نے شروع کر دی۔ کسی کے متعلق کہا یہ مردوں کیلئے حلال ہے۔ عورتوں پر حرام ہے۔ کسی کو سائبہ۔ کسی کو بحیرہ۔ کسی کو وصیلہ اور کسی کو حام کا نام دیکر اپنے لئے تم نے خود ہی حرام کر لئے۔ اس کی تفصیلات آٹھویں پارہ میں بیان ہو گئیں۔ اس لئے فرمایا کہ یہ تمہاری اپنی تقسیم غلط ہے۔ اے محبوب ان سے فرما دیں کہ کیا اللہ نے اس تقسیم کا حکم دیا کہ جو تم اس پر عمل کرتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ حلال ہے اور وہ حرام یا خواہ مخواہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے اس پر افتراء کر رہے ہو۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ حرام و حلال کے مسائل بتانے میں احتیاط لازم ہے جو احتیاط نہیں کرتا وہ مفتریوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ حلال و حرام وہی ہے جسے قرآن و حدیث میں بیان کر دیا گیا۔

(آیت نمبر ۶۰) کیا خیال ہے۔ ان لوگوں کے بارے میں۔ یعنی بروز قیامت ان لوگوں کا کیا حال ہوگا۔ جو اللہ تعالیٰ پر بھی جھوٹ تھوپتے ہیں۔ بروز قیامت جب اللہ تعالیٰ کے ہاں سب اعمال و افعال پیش ہوں گے۔ اور دنیوی اعمال کے ذرے ذرے کا حساب لیکر وہ جزا و سزا کا حکم صادر کرے گا۔

فائدہ: ان آیت کریمہ میں قیامت کے ہولناک مناظر سے ڈرایا گیا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ منسوب کرتے ہیں وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بناتے ہیں۔

آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بہت بڑا فضل فرمانے والا ہے۔ یعنی انہیں عقل جیسی نعمت دی تا کہ وہ حق و باطل اور اچھائی اور برائی کو اور حلال و حرام کو پہچانیں۔ اور اس پر مزید فضل و کرم یہ کہ انہیں کتابیں دیں اور ان میں رسول بھیجے۔ لیکن اس کے باوجود اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔ یعنی عطاء الٰہی پر شکر نہیں کرتے۔ اس لئے کہ نہ اپنے عقل کو استعمال کرتے ہیں نہ اعضاء کو ان کاموں میں لگاتے ہیں۔ جن کے لئے وہ بنائے گئے اور نہ وہ شرعی احکام پر چلتے ہیں اور ان دونوں کے بغیر کیسے وہ آخرت کی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔

وَمَا تَكُوْنُ فِیْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ

اور نہیں ہوتے تم کسی کام میں اور نہ تم پڑھتے ہو اس قرآن سے۔ اور نہ تم کرتے کوئی کام

اِلَّا كُنَّا عَلَیْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ ؕ وَمَا یَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ

مگر ہوتے ہیں ہم تم پر حاضر جب تم شروع ہوتے ہو اس میں۔ اور نہیں غائب ہوتا تیرے رب سے

مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ

کوئی ذرہ برابر زمین میں اور نہ آسمان میں۔ اور نہ کوئی چھوٹی چیز اس سے

وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿۶۱﴾

اور نہ بڑی مگر وہ کتاب روشن میں ہے۔

(آیت نمبر ۶۱) اور نہیں ہوتے تم کسی کام میں۔

فائدہ: یہ خطاب نبی پاک ﷺ سے ہے یعنی آپ اے محبوب جس حال میں بھی ہوں خواہ آپ نماز میں ہوں یا جب تلاوت قرآن کر رہے ہوں۔ یا دیگر اعمال صالحہ کر رہے ہوں۔ ہمہ وقت ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

فائدہ: چونکہ تلاوت قرآن بھی حضور ﷺ کی عظیم شان پر دلالت کرتی ہے۔

فائدہ: یا یہ خطاب عام لوگوں سے ہے۔ یعنی اے لوگو جب تم کوئی بھی عمل کر رہے ہوتے ہو۔

فائدہ: ہوسکتا ہے۔ پہلے خطاب صرف حضور ﷺ کو ہو کہ آپ پوری امت کے سردار ہیں۔ پھر ساری امت کو خطاب کیا خواہ چھوٹا ہو یا بڑا سب کو اس میں شریک کر لیا گیا ہو۔۔

فائدہ: ابن شیخ فرماتے ہیں کہ تمام خطابات میں۔ بظاہر مخاطب تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوتے ہیں۔ اس کے بعد باقی تمام امت بھی اس خطاب میں شامل ہوتی ہے۔ جیسے فرمایا کہ اے نبی جب تم عورتوں کو طلاق دو۔ اس خطاب میں امت بھی حضور ﷺ کے ساتھ شامل ہے۔ آگے فرمایا کہ تم جس حال میں ہو ہم بھی تم پر حاضر یعنی نگران ہوتے ہیں اور تمہارے ہر عمل پر مطلع ہوتے ہیں۔ جب بھی تم کسی کام میں لگ جاتے ہو تو پھر ہم تمہارے ہر عمل کو دیکھ رہے ہوتے ہیں۔

آگے فرمایا کہ تیرے رب سے کوئی چیز نہ غائب ہے۔ نہ دور ہے۔ بلکہ اس کا علم تو ہر چیز کو محیط ہے۔ تو فرمایا کہ کوئی چیز خواہ ایک ذرہ کے برابر کیوں نہ ہو۔ یہاں تک کہ ایک چیونٹی اور گرد وغبار کے ذرات بھی احاطہ علم الٰہی سے باہر نہیں ہیں۔ نہ زمین میں اور نہ ہی آسمان میں۔ یعنی دائرہ وجود وامکان میں کہیں بھی کچھ ہو۔ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔

لوحِ محفوظ کی وسعت: آگے فرمایا کہ نہ کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز ہے اور نہ کوئی بڑی سے بڑی چیز ہے۔ مگر وہ کتاب مبین یعنی لوح محفوظ میں موجود ہے تو جب ہر چیز لوح محفوظ میں ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے علم سے کیسے کوئی چیز مخفی ہوسکتی ہے۔ کیونکہ لوح محفوظ میں بھی جو کچھ لکھا گیا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی لکھا گیا ہے۔

فائدہ: اس میں تنبیہ کی گئی ہے کہ کوئی بھی یہ گمان نہ کرے کہ اس کے افعال واعمال کی شاید اسے جزاء وسزا نہ ملے۔ ہر ایک کے ذرے ذرے کا حساب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے کسی کا کوئی قول وفعل مخفی نہیں ہے۔

فائدہ: اس آیت میں تنبیہ ہے کہ بندہ اپنے ہر عمل پر کڑی نظر رکھے۔ اس لئے کہ جب سالک کو یہ یقین ہوگا کہ میرے ہر عمل کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور یہ تصور اس کے دل میں اچھی طرح راسخ ہو جائیگا تو وہ گناہوں سے بچ جائیگا۔ اور اپنے مالک کی نافرمانی بھی نہیں کرے گا۔

دل مردہ: قلب مردہ کی علامت یہ ہے کہ احکام الٰہی کی مخالفت کرنے یا اس سے غفلت کرنے پر اسے کسی قسم کا احساس بھی نہ ہوا اور نہ ہی غلط کاموں پر اسے کوئی ندامت یا شرمساری ہو اگر قلب زندہ ہوتا تو اسے ضرور کوئی احساس ہوتا۔ احساس کا بالکل نہ ہونا یہ دل کی مردگی کی علامت ہے۔ ہر گناہ غفلت اور نسیان سے ہوتا ہے جو ہر وقت اللہ کو یاد رکھتا ہے وہ غافل نہیں ہوتا۔

حکایت: ایک ولی اللہ ایک حبیب اللہ کی زیارت کو گیا۔ دیکھا کہ وہ ذکر میں مشغول ہے اور پاس شیر کھڑا ہے جوں ہی وہ ذکر سے غفلت کرتا ہے تو فوراً شیر اس کو دبوچ لیتا ہے۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ اس حکایت سے نتیجہ نکالتے ہیں: (۱) آخرت کی رسوائی سے دنیا کی رسوائی بہتر ہے۔ (۲) حق تک پہنچنے کیلئے دنیا میں دکھ درد سر پر رکھ لینے سے آخرت کی سخت گیری سے آدمی بچ جاتا ہے۔ (۳) عقلمند وہ ہے جو طاعت وعبادت میں ہر وقت مشغول ہو اگرچہ اسے اس میں سخت تکالیف ومصائب اٹھانے پڑیں۔

فائدہ: دنیا میں جتنی تکالیف اٹھائے گا۔ آخرت میں اتنے ہی بلند مراتب پائے گا۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۚ صلے ﴿٦٢﴾ اَلَّذِيْنَ

خبردار بے شک اولیاء اللہ نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غم کھائیں گے۔ وہ جو

اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۗ ﴿٦٣﴾

مومن ہیں اور ہیں پرہیز گار بھی۔

(آیت نمبر۶۲) خبردار بے شک اللہ تعالیٰ کے محبوب بے خوف اور بے غم ہوں گے۔

فائدہ: اولیاء کا معنی اللہ کے محبوب کیا گیا۔ مولانا ابوالسعود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اولیاء ولی کی جمع ہے اور ولی کا معنی قرب مع المحبۃ ہے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایمان اور اسلام میں خالص اور مخلص ہیں اور قرب سے مراد قرب روحانی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے قریب اس لحاظ سے ہوتے ہیں کہ وہ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہوتے ہیں اور معرفت توحید کے دریا میں مستغرق ہوتے ہیں اور ان کی نگاہ قدرت کے مناظر کو دیکھتی ہے۔ ان کے کان آیات الٰہی کے بغیر کچھ نہیں سنتے اور ان کی زبان سے ذکر الٰہی کے بغیر کچھ نہیں نکلتا۔ ان کی ہر حرکت رضاء الٰہی کیلئے ہوتی ہے۔ ان کے متعلق ہی فرمایا گیا کہ انہیں دونوں جہانوں میں کسی قسم کا ڈر نہیں اور نہ انہیں مقصد پورا نہ ہونے کا غم ہوتا ہے۔

فائدہ: آیت کا مطلب یہ ہے کہ محبوبان خدا کو ڈر اور غم لاحق نہیں ہوتے یعنی وہ آخرت میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے عیش وعشرت فرحت وسرور میں ہوں گے۔ **فائدہ:** الکواشی میں ہے کہ اولیاء اللہ کو آخرت میں کوئی خوف وحزن نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ سے اور آخرت کے حساب وکتاب سے خائف اور غمگین رہے۔ اس لئے انہیں کوئی ڈر اور غم آخرت میں نہیں ہوگا۔

(آیت نمبر۶۳) اولیاء اللہ کو یہ عظیم الشان مقام اس لئے ملا کہ وہ ایماندار اور پرہیز گار ہیں۔ یعنی ان کو اتنا بڑا مقام ایمان اور تقوے کیوجہ سے نصیب ہوا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو تہہ دل سے مانا اور ان پر عمل کیا۔ ہر بھلائی کو حاصل کیا اور ہر برائی سے بچتے رہے۔ (پہلی آیت میں اولیاء کی شان اور دوسری آیت میں ان کی پہچان ہے)۔

تقویٰ کے مراتب: (۱) شرک سے بچنا۔ اس تقوے کی بنیاد ایمان ہے۔ (۲) ہر صغیرہ وکبیرہ گناہ سے بچنا اور نیک اعمال بجالانا۔ تقوے کے تمام مراتب ومدارج کے منتہاء ہمارے آقا شاہ لولاک ﷺ ہیں اس کے بعد دیگر انبیاء کرام حسب مراتب اس لئے کہ ان کی استعداد کامل اور مکمل ہوتی ہے۔



لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ

ان کے لئے خوشخبری ہے زندگی دنیا میں اور آخرت میں۔ نہیں بدلتیں باتیں اللہ کی

ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ؕ ﴿۶۴﴾

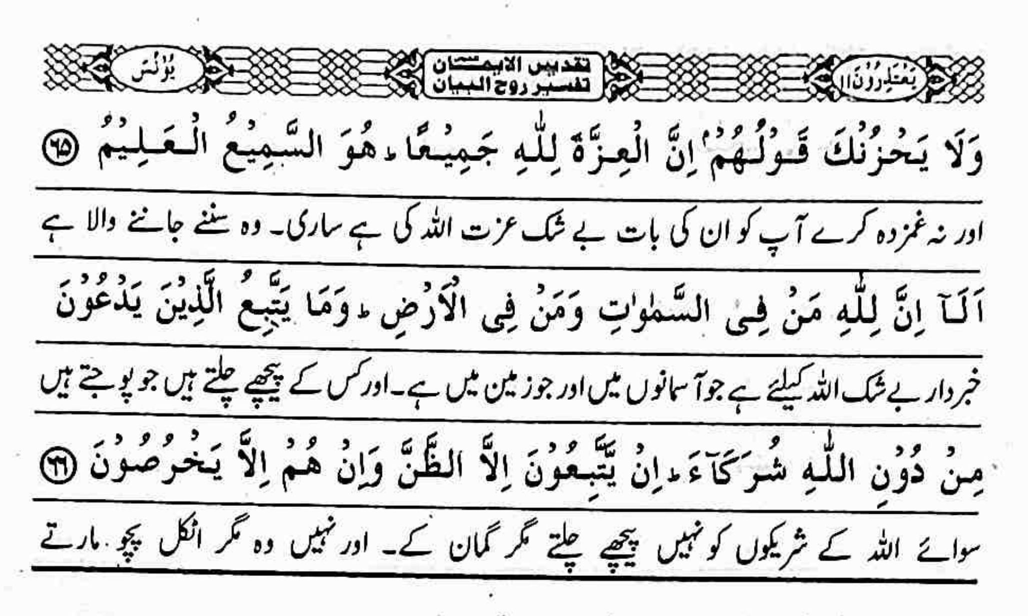
یہ وہ کامیابی ہے بڑی۔

(بقیہ آیت نمبر ۶۳) **شان مصطفےٰ** ﷺ: کا کمال یہ ہے کہ باقی انبیاء کرام علیہم السلام آسمانوں تک گئے۔ جیسے حضرت عیسیٰ دوسرے آسمان تک گئے۔ مگر ہمارے پیارے رسول تو عرش سے بھی آگے نکل گئے اس عروج میں آپ کا کوئی ثانی نہیں۔

اولیاء کرام رحمہم اللہ **کی علامات**: (۱) اولیاء کرام کے چہرے راتوں کو جاگنے کی وجہ سے زرد ہوتے ہیں۔ (۲) گریہ وزاری سی آنکھیں سرخ۔ (۳) بھوک سے پیٹ تنگ (۴) سجدوں سے پیشانیاں خشک ہوتی ہیں۔ **حدیث شریف**: حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ سے ولی کی نشانی پوچھی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ جس کو دیکھنے سے خدایاد آ جائے۔ (تفسیر درمنثور، تفسیر طبری)

(آیت نمبر ۶۴) ان کیلئے خوشخبری ہے۔ دنیا اور آخرت میں۔ اس آیت میں اولیاء کرام کے انجام کو بیان کیا گیا۔ **فائدہ**: یعنی صرف خوف وغم کا بچاؤ ہی نہیں ہوگا۔ بلکہ آخرت میں ان کو بڑے بڑے انعام واکرام سے بھی نوازا جائیگا۔ بشری کا معنی خوشخبری ہے۔ یعنی دنیا میں ہی جنت کی خوشخبری: (۱) ثناء حسن: یعنی نیک نامی۔ (۲) ذکر جمیل یعنی لوگوں کی زبان سے ان کی تعریف۔ (۳) حجۃ الناس یعنی لوگوں کے لئے حجت اور دلیل۔ (۴) بعض مفسرین کے نزدیک وہ خوشخبریاں جو قرآن میں بیان ہوئیں۔ (۵) حضور ﷺ نے فرمایا اس سے مراد مومن کی وہ خوابیں ہیں جو سوتے ہوئے دیکھتا ہے۔ **فائدہ**: ظاہر ہے کہ ایسی بشارت اولیاء کرام کو ہی نصیب ہوتی ہے۔ جن کے دل اور روح ذکر الٰہی اور معرفت حق میں مشغول ہوتے ہیں۔ جیسے دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نبی کریم ﷺ نے دنیا میں ہی جنت کی بشارت دیدی تھی۔ جن کو عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے۔

فائدہ: حضور ﷺ کو بھی ابتداء میں وحی خواب میں ہوتی تھی۔ اس لئے مومن کی خواب کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ کہا گیا۔ (اس حدیث سے مرزے قادیانی نے اپنی جھوٹی نبوت کا آغاز کیا)۔



وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۵﴾

اور نہ غمزدہ کرے آپ کو ان کی بات بے شک عزت اللہ کی ہے ساری۔ وہ سننے جاننے والا ہے

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ ؕ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ

خبردار بے شک اللہ کیلئے ہے جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے۔اور کس کے پیچھے چلتے ہیں جو پوجتے ہیں

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۶۶﴾

سوائے اللہ کے شریکوں کو نہیں پیچھے چلتے مگر گمان کے۔ اور نہیں وہ مگر اٹکل پچو مارتے

(بقیہ آیت نمبر ۶۴) **قیامت کے دن اولیاء کرام علیہم السلام کی شان:**

(۱) ان کے چہرے روشن ہوں گے۔ (۲) ان کو دائیں ہاتھ میں اعمالنامے ملیں گے۔ (۳) وہ اپنے اعمالنامے پڑھ کر انتہائی خوش ہوں گے۔ (۴) جنت میں پہنچنے تک ہر مقام پر فرشتے ان کو سلامیاں اور مبارکبادیاں دیں گے۔ **فائدہ:** سلمی فرماتے ہیں۔ بشریٰ یہ ہے کہ انہیں دیدار الٰہی نصیب ہوگا۔

آگے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے کلمات میں تغیر و تبدل نہیں ہے جس کو ولی کہا وہ ولی اور جس کو نبی کہا وہ نبی ہی رہے گا۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ جس کے مقابلے میں دنیا کی بڑی سے بڑی کامیابی کچھ بھی نہیں ہے۔

سبق: ہر مومن پر لازم ہے کہ اولیاء کرام کی سیرت کو اپنائے۔ ان سے عقیدت و محبت پکی رکھے۔

(آیت نمبر ۶۵) اے محبوب آپ کو ان منکروں کی باتیں غم میں نہ ڈالیں۔ یعنی ان کی تکذیب سے پریشان نہ ہوں۔ بے شک عزت و غلبہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ یعنی سب کچھ اللہ تعالیٰ کی سلطنت میں ہے۔ اس کے سوا کوئی مالک نہیں اور وہی سننے جاننے والا ہے۔ یعنی جو جو یہ منکر کہہ رہے ہیں وہ سن رہا ہے اور جو کچھ کر رہے ہیں وہ دیکھ رہا ہے۔ ان کی بداعمالیوں پر انہیں پوری سزا دے گا۔ یا معنی ہے۔ عزت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے وہ جسے چاہے عزت عطا فرماتا ہے۔

(آیت نمبر ۶۶) خبردار بے شک آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے۔ ان کا حقیقی مالک اللہ ہے۔ یعنی اے محبوب گھبرائیں نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ان پر فتح و نصرت عطا کرے گا۔ ان کے اموال و املاک ایک دن سب آپ کے غلاموں کے قبضہ میں آجائیں گے۔ یہ جو اللہ کے سوا اوروں کی پرستش کرتے ہیں۔ یہ دراصل ان بتوں کی تابعداری نہیں کرتے۔ بلکہ یہ اپنے خیالات کے پیچھے چلتے ہیں۔ جو جی میں آیا۔ اسی کو مذہب بنالیا۔

هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ

وہ ہے جس نے بنائی تمہارے لئے رات تا کہ تم آرام کرو اس میں اور دن آنکھیں کھولنے والا۔ بے شک اس میں

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِىُّ ؕ

نشانیاں ہیں اس قوم کیلئے جو سنتے ہیں۔ بولے بنائی اللہ نے اولاد حالانکہ وہ پاک ہے وہی بے نیاز ہے

لَهٗ مَافِى السَّمٰوٰتِ وَمَافِى الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ

اسی کا ہے جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے۔ نہیں ہے پاس تمہارے کوئی دلیل اس کی۔ کیا تم کہتے ہو

عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٨﴾

اللہ پر جو نہیں تم جانتے

(بقیہ آیت نمبر ٦٦) صرف ان کو معبود سمجھتے ہیں۔ باقی وہ چلتے اپنے گمان پر ہیں۔ ان کا گمان ہے کہ یہ بت اللہ کے شریک ہیں جو کہ سراسر غلط ہے۔ یہ صرف اٹکل پچو مارتے ہیں ان کا سارا مذہب تک تخمینے پر قائم ہے۔

(آیت نمبر ٦٧) اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے کہ جس نے تمہارے لئے رات اس لئے بنائی کہ تم اس میں آرام کرو۔ اور اپنے دن کے تھکان کو دور کرلو اور دن اس لئے بنایا کہ خوب دیکھ کر رزق روزی کما سکو اور قدرت کی کاریگری دیکھ کر اس کو پہچانو۔ **فائدہ**: معلوم ہوا کہ مجاہدات کی تھکان دور کرنے کیلئے رات کے ایک پہر میں آرام بھی ضروری ہے۔ تا کہ پھر تروتازہ ہو کر عبادت کی جائے۔ بے شک اس میں یعنی دن اور رات کے امور میں بہت ہی عجیب نشانیاں ہیں۔ ان لوگوں کیلئے جو غور سے سنتے ہیں اور قرآنی وعظ ونصیحت سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔

(آیت نمبر ٦٨) بنو مدلج کے کفار نے کہا کہ اللہ نے اولاد بنائی۔ یہود نے عزیر علیہ السلام اور عیسائیوں نے جناب عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہا۔ حالانکہ وہ ذات اولاد وغیرہ سے پاک ہے۔ یہ اصل میں ان کی حماقت پر تعجب کا کلمہ ہے حالانکہ وہ تو غنی ہے۔ یعنی اولاد وغیرہ سے بے پرواہ ہے۔ زمین وآسمان کی تمام اشیاء اسی کی ہیں۔ خواہ عقل والے ہیں یا بے عقل تمہارے پاس تو اس کی اولاد کہنے پر کوئی دلیل وغیرہ بھی کوئی نہیں۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کے متعلق وہ باتیں کرتے ہو کہ جن کا تمہیں خود بھی کوئی علم نہیں ہے۔ (یعنی تمہارے پاس آسمانی کسی کتاب کا علم بھی نہیں اور جو کتاب اب اللہ تعالیٰ نے بھیجی ہے۔ اس کو تم مانتے بھی نہیں)۔

قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿٦٩﴾ مَتَاعٌ فِى

فرما دو بے شک جو گھڑتے ہیں اوپر اللہ کے جھوٹ کبھی نہیں کامیاب ہونگے۔ نفع اٹھالیں

الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿٧٠﴾

دنیا میں پھر ہماری طرف لوٹنا ان کا پھر چکھائیں گے ان کو عذاب سخت بدلہ اس کا جو تھے کفر کرتے۔

(بقیہ آیت نمبر ٦٨) **فائدہ:** اس سے معلوم ہوا کہ بے دلیل مسئلہ جہالت کا پلندہ ہے۔ عقائد کیلئے دلائل کا ہونا ضروری ہے۔ اس میں ظن یا اٹکل پچو بے کار ہیں۔ عقائد میں کسی کی تقلید نہیں ہوتی۔ تقلید فروعی مسائل میں ہوتی ہے۔ اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔

(آیت نمبر ٦٩) اے محبوب آپ ان لوگوں کو فرمادیں کہ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کیلئے اولاد ثابت کرتے ہیں اور اس کا شریک ٹھہرا کر اس پر افتراء کر رہے ہیں۔ وہ لوگ کبھی کامیاب نہیں ہونگے۔ یعنی وہ کسی طرح عذاب سے بچ نہیں سکیں گے۔ نہ ہی وہ کسی مقصد میں کامیاب ہوں گے۔ اگر دنیوی مال و دولت حاصل کرلیں اور طرح طرح کی نعمتوں سے مزے اڑالیں۔ قیامت کے دن وہ کامیاب لوگوں میں نہیں ہوں گے۔

(آیت نمبر ٧٠) یہ دنیا کا مال و دولت فانی اور چند روزہ ہے جو کچھ ان کے پاس ہے کچھ ہی عرصہ بعد ان سے چھن جائے گا اور یہ خود بھی مٹی میں مل جائیں گے۔ پھر موت کے بعد انہیں ہمارے پاس ہی آنا ہوگا۔ پھر ہم انہیں چکھائیں گے۔ وہ عذاب جو ان کے کفر کی وجہ سے انہیں ہوگا اور جو سخت سے سخت تر ہوگا۔ یہ اپنے کفر کی وجہ سے ہمیشہ شقاوت میں رہیں گے تو ایسے بدبختوں کو کامیابی کیسے مل سکتی ہے۔

فائدہ: اس آیت میں کفر و شرک اور گناہوں سے روکا گیا ہے۔

جناب نوح علیہ السلام کی بیٹے کو نصیحت: حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں وہ نصیحت سناتا ہوں۔ جو نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرکے فرمایا۔ بیٹا میں تجھے دو کام کرنے اور دو کام نہ کرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ (١) یہ کہ "لا الہ الا اللہ" کو نہ چھوڑنا کیونکہ یہ کائنات میں سب سے وزنی کلمہ ہے۔ (٢) "سبحان اللہ وبحمدہ" کو بھی کثرت سے پڑھنا کہ یہ فرشتوں کی نماز اور ساری مخلوق کی دعا ہے اور اسی کی برکت سے سب کو روزی ملتی ہے اور جن کاموں سے روکتا ہوں۔ ان میں (١) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا ورنہ جنت میں ہرگز نہیں جاسکے گا۔ (٢) یہ کہ تکبر ہرگز نہ کرنا کہ تکبر والا بھی جنت سے محروم ہوگا۔ خواہ ظاہراً وہ نیک ہو۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ

اور پڑھ سنائیں انہیں خبر نوح کی جب کہا اپنی قوم سے اے میری قوم اگر ہے شاق تم پر

مَّقَامِيْ وَ تَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ

میرا ٹھہرنا اور یاد کرانا آیات خداوندی تو پھر اوپر اللہ کے میرا بھروسہ ہے۔ تو تم اکٹھے ہو کر اپنا کام کرو

وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿٧١﴾

اور اپنے شریکوں کو ملا لو پھر نہ ہو تمہارے کام میں تم پر کوئی اخفاء پھر کر لو میرا جو چاہو اور نہ مہلت دو مجھے

(بقیہ آیت نمبر۷۰) **تکبر کی برائی:** اگرچہ تکبر کفر نہیں۔ لیکن یہ درجہ کفر تک بندے کو پہنچا دیتا ہے۔ جیسے نماز کا تارک کافر نہیں ہوتا۔ لیکن کفر کے قریب ہو جاتا ہے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے ایک نماز بھی جان بوجھ کے چھوڑی اس نے کفر کیا۔ یعنی یہ ناقابل معافی جرم ہے۔

(آیت نمبر۷۱) اے پیارے محبوب ان مشرکین مکہ کو نوح علیہ السلام کی خبر سنائیں کہ ان کی قوم نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ جب انہوں نے انہیں شرک اور گناہوں سے منع کیا۔

نوح کی وجہ تسمیہ:

آپ کا اصل نام شاکر تھا۔ خوف الٰہی میں کثرت کے ساتھ رونے کی وجہ سے ان کا نام نوح پڑ گیا۔ شریعت کے باقاعدہ احکام سب سے پہلے آپ پر ہی اترے۔ اسی لئے وہ رسول بھی ہیں اور نبی بھی۔

آگے فرمایا کہ وہ وقت یاد کرو کہ جب جناب نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا۔ اے میری قوم اگر میرا تمہارے ہاں رہنا تمہیں بوجھل لگتا ہے۔ یا مقام بمعنی نفس ہے۔ یعنی میری ذات تم پر بوجھل ہے اور میرا تمہیں آیات خداوندی سے وعظ کہنا۔ جو توحید پر روشن دلائل ہیں تو تم جو کر سکتے ہو کرو۔ اس سے پہلے بھی تم نے مجھے بہت اذیتیں دی ہیں۔ اور اب بھی جو چاہو میرے ساتھ معاملہ کر لو۔ اگر خود کچھ نہیں کر سکتے۔ تو اپنے جھوٹے خداؤں کو ساتھ ملا لو۔

فائدہ: تمام انبیاء کرام علیہم السلام کھڑے ہو کر وعظ کرتے تھے کہ اس سے سامعین پر اچھا اثر پڑتا ہے۔

فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَمَا سَاَلْتُکُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ

پس اگر تم پھر گئے تو نہیں مانگا تم سے کوئی اجر۔ نہیں ہے میرا اجر مگر اوپر اللہ کے اور مجھے حکم دیا گیا

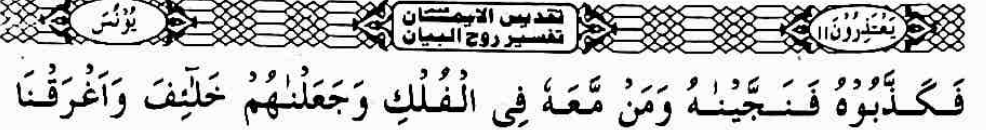
اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۷۲﴾

کہ میں ہوں مسلمانوں سے۔

(بقیہ آیت نمبر۱۷) **ممبر پر وعظ:** کرنا یا کرسی پر بیٹھ کر وعظ کہنا یہ کھڑے ہونے کے ہی قائم مقام ہے۔ حضور ﷺ پہلے کھجور کی لکڑی سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو کر وعظ فرمایا کرتے تھے۔ پھر ممبر بن گیا تو آپ اس پر بیٹھ کر وعظ کہتے تھے۔ حضور ﷺ کے ممبر کی تین سیڑھیاں تھیں۔ پھر جناب نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہوں۔ یعنی تمام کام اسی کے سپرد کرتا ہوں۔ تم جو بھی میرے خلاف منصوبے بنا رہے ہو۔ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ اس لئے کہ میرا مددگار اللہ ہے جو مجھے کافی ہے۔ آگے فرمایا تم سب مل کر جو مرضی ہے۔ میرے ساتھ معاملہ کرنا چاہتے ہو کرلو۔ میرے قتل کرنے کے منصوبے پہلے بھی کئی اب بھی کرلو تا کہ تمہارا معاملہ تم پر مخفی بھی نہ رہے۔ یعنی چھپ کر کاروائی نہ کرو۔ کھل مکھلا مقابلہ کرلو۔ پھر میری ہلاکت کے جو ارادے رکھتے ہو۔ وہ کر گذرو۔ اور مجھے بالکل مہلت نہ دو۔

فائدہ: انہیں یہ باتیں اس لئے فرمائیں کہ انہیں معلوم ہو کہ وہ ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے اس لئے کہ انہیں اپنے رب کریم پر پورا بھروسہ تھا کہ وہ ان کے شر سے بچائے گا۔

(آیت نمبر۲۷) پھر بھی اگر تم میری نصیحتوں سے منہ موڑتے ہو اور اپنی ضد پر قائم ہو تو تم یاد رکھو۔ میں نے آج تک جو تمہیں وعظ و نصیحت کی ہے کبھی بھی اس پر کوئی اجر یا مزدوری نہ مانگی ہے۔ نہ آئندہ مانگنے کا پروگرام ہے۔ اس لئے تمہیں جو بھی وعظ و نصیحت کیا ہے۔ وہ رضاء الٰہی کیلئے اور تمہارے فائدے کیلئے کیا ہے۔ جہاں تک میرے اجر کا تعلق ہے وہ میں ثواب کی صورت میں اپنے پروردگار سے لونگا۔ میرے تمام نیک اعمال کا وہی مجھے اجر و ثواب دے گا۔ تم خواہ میری نصیحت قبول کرو یا رد کردو۔ مجھے وعظ و نصیحت کرنے کا ثواب پورا پورا ملے گا اور مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں سے ہوں۔ یعنی ان لوگوں میں سے ہوں جو احکام خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والے ہیں۔ **مسئلہ:** دینی خدمات پر اجر و مزدوری مانگ کر نہیں لینی چاہئے۔ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ نے یہ خدمات اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کیں۔ اس پر کبھی اجرت وغیرہ نہیں لی۔ (البتہ اگر کوئی بہ خوشی نذرانہ وغیرہ دے تو کوئی حرج نہیں)۔ **فائدہ:** یاد رہے یہ علماء کرام یا مدرسین جو تنخواہ لیتے ہیں۔ یہ معاوضہ نہیں بنتا۔ یہ ان سے جو ٹائم لیا جاتا ہے۔ اس وقت کا معاوضہ ہے۔



فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا

تو انہوں نے جھٹلایا اسے پھر نجات دی ان کو اور جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے اور بنایا انہیں جانشین اور غرق کیا ہم نے

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿٧٣﴾

جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو پھر دیکھ کیسے ہوا انجام ڈرائے ہوؤں کا

(بقیہ آیت نمبر ۷۲) **مسئلہ**: دور حاضر میں متاخرین علماء نے تعلیم دین آذان وامامت اور خطابت اور دیگر دینی معاملات میں تنخواہ وغیرہ کی صورت میں اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے۔

نوٹ: اجرت لینے والے کو بھی اپنی نیت درست رکھنی چاہئے۔ یعنی وہ پڑھنے پڑھانے کو محض رضاء الٰہی کیلئے سمجھے۔ لالچ نہ کرے۔ اس پر جو ملے اسی پر راضی رہے۔ اعتراض وغیرہ نہ کرے۔

مسئلہ: معلم اور متعلم دونوں کا اگر یہ ارادہ ہو کہ ہم یہ دینی کام محض رضاء الٰہی کیلئے کر رہے ہیں تو ان کو بہت بڑا اجر وثواب بھی ملے گا اور قیامت کے دن انہیں درجات بھی بلند ملیں گے۔

اصلاح میں اعلیٰ نیت: اگر کوئی اس نیت سے لوگوں کی اصلاح کرے کہ بروز قیامت حضور ﷺ کی امت زیادہ ہو۔ جیسے حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنی امت کی کثرت سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔ ایسے شخص کا قیامت کے دن بہت بلند مقام ہوگا۔ اس لئے کہ وہ اس کام میں حضور ﷺ کی تعظیم وتکریم کا خواہش مند ہے۔

بی بی رابعہ بصریہ دن رات میں ایک ہزار رکعت نفل پڑھ جاتی تھیں۔ کسی نے پوچھا کہ آپ اتنی تکلیف کیوں اٹھاتی ہیں تو فرمایا تا کہ حضور ﷺ قیامت کے دن خوش ہو جائیں اور دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام سے فرمائیں۔ دیکھو میری امت کی ایک عورت روزانہ ایک ہزار رکعات پڑھتی تھی۔

(آیت نمبر ۷۳) جب قومِ نے نوح علیہ السلام کو جھٹلا دیا تو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا اور نوح علیہ السلام کو ہم نے نجات دی اور ان کو بھی نجات دی جو ان کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے۔ جن کی تعداد اسی تھی۔ چالیس مرد اور چالیس عورتیں تھیں۔ نوح علیہ السلام نے انہیں ساڑھے ۹ سو سال تبلیغ فرمائی لیکن وہ بدنصیب نہ مانے۔ سوائے چند لوگوں کے۔

آگے فرمایا کہ اور ہم نے جانشین بنایا ان لوگوں کا جو طوفان میں غرق ہو کر ہلاک ہو گئے تھے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا

پھر بھیجے ہم نے ان کے بعد کئی رسول طرف ان کی قوموں کے۔ جولائے ان کے پاس واضح دلائل پس نہیں تھے

لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿٧٤﴾

کہ وہ ایمان لاتے بوجہ اس کے جو جھٹلائے گے پہلے ہی۔ اسی طرح ہم مہر لگاتے ہیں اوپر دلوں سرکشوں کے

(بقیہ آیت نمبر ۷۳) **فائدہ**: بستان میں ہے کہ کشتی میں سلامت رہنے والوں کی آگے نسل نہیں چلی۔ نسل صرف نوح علیہ السلام کے تین صاحبزادوں۔ سام۔ حام۔ اور یافث سے چلی۔ باقی لوگ وفات پا گئے۔ اسی لئے ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے صرف نوح کی اولاد کو باقی رکھا۔ پھر آگے نوح علیہ السلام کے ان تین لڑکوں سے اتنی مخلوق پیدا ہوئی کہ آج پوری زمین بھر گئی ہے۔

آگے فرمایا کہ پھر ہم نے ان لوگوں کو غرق کر دیا۔ طوفان میں جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا۔

فائدہ: حضرت شیخ الشہیر افتادہ آفندی فرماتے ہیں کہ طوفان نوح کی تاثیر ہر تیس سال کے بعد ظاہر ہوتی ہے۔ اگر چہ اس طرح نہیں بلکہ اس کی ہلکی سی جھلک ضرور ہوتی ہے کہ جس کے سیلاب وغیرہ سے گاؤں کے گاؤں ہی بہہ جاتے ہیں۔ جیسے سونامی یا دیگر سیلاب وغیرہ۔

آگے فرمایا۔ دیکھ تو سہی کیسا ہوا انجام ڈرائے ہوئے لوگوں کا۔ اس سے نوح علیہ السلام کی قوم مراد ہے۔ ان آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ یہ مکہ کے کافر اگر آپ کو جھٹلاتے ہیں تو گھبرائیں نہیں۔ پہلی قوموں نے بھی انبیاء کرام علیہم السلام سے ایسا ہی سلوک کیا۔ اس میں اہل مکہ کو بھی ڈر سنایا گیا کہ پہلی قوموں سے سبق حاصل کرلو۔

(آیت نمبر ۷۴) پھر ہم نے جناب نوح کے بعد بہت رسول بھیجے۔ جو بڑے اولوالعزم اور ذی احترام تھے جو اپنی اپنی قوموں کے پاس تشریف لائے تا کہ وہ قومیں ان انبیاء سے فائدہ اٹھائیں اور ہدایت پائیں۔

فائدہ: اس سے مراد قوم ھود۔ قوم۔ صالح۔ قوم ابراہیم۔ قوم شعیب علیہم السلام۔ ان میں سے بعض کے قصے قرآن میں ہیں اور بعض کے احادیث میں اور تواریخ میں ہیں۔ پھر جب وہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قوم کے پاس تشریف لائے واضح دلائل اور معجزات کے ساتھ۔ جو ان کے دعوے پر دلیل ثابت ہوتے اور کئی کئی معجزات لیکر آئے لیکن کیا مجال کہ ایمان لے آتے۔ چونکہ پہلے ہی ان کے اندر کفر گھسا ہوا تھا۔ اسی نحوست کی جہ سے انہیں ایمان کی دولت بھی نہ مل سکی۔ یعنی ان کا تکذیب کرنا اس نحوست کا سبب بنا۔ کہ انہیں دولت ایمان نصیب نہ ہوئی اور تکذیب کرنا انبیاء کی۔ یہ کفار کا استمراری فعل تھا۔ یعنی ہر نبی اور رسول کی آمد پر کفار ہٹ دھرمی سے ان کی تکذیب کرتے رہے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَ هٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا

پھر بھیجا ہم نے ان کے بعد موسیٰ اور ہارون کو طرف فرعون اور اس کے درباریوں کے۔ نشانیوں کے ساتھ

فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا

تو تکبر کیا انہوں نے اور تھے وہ لوگ مجرم۔ پھر جب آیا ان کے پاس حق ہماری طرف سے

قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾

تو انہوں نے کہا کہ بے شک یہ ضرور جادو ہے واضح۔

(بقیہ آیت نمبر ۷۴) آگے فرمایا۔ اسی وجہ سے ہم نے ان کے دلوں پر مہر ماردی جو حد سے بڑھنے والے تھے۔ یعنی اسی تکذیب اور کفر پر ڈٹنے کی وجہ سے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ دولت ایمان سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اسی طرح ہمیشہ منکرین اولیاء بھی ہر زمانے میں ہوئے۔ ان کے انکار کی وجہ سے ان کے دلوں پر بھی مہر ماری گئی اور یہ ان کی بے ادبی اور گستاخی کی وجہ سے مہر ماری گئی۔ اسی لئے دین وایمان کی کوئی بات ان پر اثر نہیں کرتی تھی۔ پھر انجام یہ ہوا کہ جیسے انبیاء کرام علیہم السلام کے گستاخ مال ودولت اور جاہ وحشمت کے باوجود بے نام ونشان ہو گئے۔ اسی طرح منکرین اولیاء کا بھی نام ونشان مٹ گیا۔

(آیت نمبر ۷۵) پھر ان انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام بن عمران کو اور ان کے بھائی حضرت ہارون کو فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا اور ہم نے انہیں بھی نشانیاں دیں۔ یعنی وہ معجزات جیسے (۱) عصا۔ (۲) ہاتھ کا سفید ہو جانا۔ (۳) طوفان۔ (۴) ٹڈی (۵) جوئیں۔ (۶) مینڈک۔ (۷) خون۔ (۸) شکلیں بگڑنا۔ (۹) دریا پھٹنا۔ یہ نشانیاں انہیں اس لئے دی گئی۔ تا کہ کفار اسلام لے آئیں۔ آگے فرمایا کہ جب جناب موسیٰ وہارون علیہما السلام (دونوں) فرعونیوں کے پاس تشریف لائے۔ اور انہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام سنایا تو وہ تکبر سے اکڑ گئے اور نافرمانی کی اور فرعون اول فول بکنے لگا۔ جس کا ذکر سورہ شعراء میں ہے اور چونکہ مجرموں کی قوم تھی۔ یعنی وہ چوٹی کے مجرم تھے۔ اس لئے بدنصیب ہی رہے۔

(آیت نمبر ۷۶) تو جب ان کے پاس حق آ گیا ہماری طرف سے یعنی موسیٰ علیہ السلام معجزات لیکر ان کے پاس آ گئے تو وہ کہتے تھے۔ بے شک یہ ہے جادو کھلا ہوا چونکہ وہ جادو اور معجزے کو ایک ہی چیز سمجھتے تھے۔ نہ وہ معجزے کی حقیقت کو سمجھتے تھے نہ نبی کی عظمت کو جانتے تھے۔ یا موسیٰ علیہ السلام کی قدر گھٹانے کیلئے انہیں جادوگر کہا۔ تا کہ لوگ انہیں مان نہ جائیں۔

قَالَ مُوْسٰی اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا یُفْلِحُ

کہا موسیٰ نے کیا کہتے ہو حق کو جب آیا تمہارے پاس۔ کیا یہ جادو ہے۔ اور نہیں کامیاب ہوتے

السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا

جادوگر۔ کہنے لگے کیا تم آئے ہمارے پاس کہ ہمیں پھیر لو اس سے کہ پایا ہم نے اس پر اپنے باپ دادا کو

وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِیَآءُ فِی الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۷۸﴾

اور ہو جائے تمہاری بڑھائی زمین میں اور نہیں ہم تم پر ایمان لانے والے ۔

(آیت نمبر ۷۷) تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کو توبیخ کے طور پر فرمایا کیا تم حق کو جادو کہہ رہے ہو۔ جادو تو سراسر باطل ہے اور معجزہ ایک حقیقت ہے جو بالکل برحق ہے۔ جب کہ وہ حق تمہارے پاس آ گیا اور تم جان بھی گئے۔ اس کے باوجود تم نے بلا تامل اسے جادو کہہ کے معجزہ کا انکار کر دیا۔ یاد رکھو تمہارے حق کو جادو کہنا بالکل حقیقت کے خلاف ہے۔ ذرا غور کر کے دیکھو تو سہی کیا یہ جادو ہے۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام ان کو بے وقوف ثابت کر رہے ہیں کہ کوئی شعور رکھنے والا اسے جادو نہیں کہہ سکتا۔ اور تم اس بات کو اچھی طرح جان لو کہ جادوگر کبھی اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ بلکہ وہ مصائب و مشکلات میں گھرا رہتا ہے اور میرے جیسے انسان سے جادو کیسے ممکن ہے۔ جبکہ مجھے تائید خداوندی حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ مجھے اپنے مقاصد میں کامیابی عطا فرماتا ہے۔

(آیت نمبر ۷۸) تو جب موسیٰ علیہ السلام کے دلائل کے آگے وہ عاجز ہو گئے اور کوئی جواب نہ بن پڑا تو اب دوسرا رخ کر کے کہنے لگے کہ کیا اے موسیٰ تم یہ معجزے لے کر اس لئے آئے ہو تم ہمیں اس مذہب سے پھرا دو جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا تھا۔ یعنی کیا ہم سے بت پرستی چھڑاتے ہو۔ اور باپ دادا کے دین سے پھراتے ہو۔

فائدہ :سعدی مفتی فرماتے ہیں کہ فرعون کی پوجا مراد ہے کہ وہ قوم اسی کی پرستش کرتی تھی اور مزید کہا کہ تم یہ چاہتے ہو کہ زمین مصر میں تمہاری ہی بڑھائی اور شاہی ہو جائے۔ یاد رکھو ہم تمہاری شاہی اپنے اوپر ہرگز نہیں قبول نہیں کریں گے۔ اور نہ ہم تمہارے لائے ہوئے احکام کو ماننے کیلئے تیار ہیں۔

فائدہ :انہوں نے ایمان نہ لانے کے دو بڑے سبب بیان کر دیئے۔ (۱) یہ کہ تم ہمیں باپ دادا کے دین سے پھرانا چاہتے ہو۔ (۲) یہ کہ تم فرعون کو ختم کر کے خود اپنی حکومت قائم کرنا چاہتے ہو لہذا ہم تمہیں ماننے کیلئے ہرگز تیار نہیں۔ (یہ سبق ان کو شیطان نے پڑھا دیا)۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِىْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿٧٩﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ

اور کہا فرعون نے لاؤ میرے پاس ہر ایک جادوکو جاننے والا۔ تو جب آگئے جادوگر فرمایا

لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿٨٠﴾

ان کوموسیٰ نے ڈال دو جوتم ہوڈالنے والے۔

(آیت نمبر ۷۹) فرعون نے دیکھ لیا کہ دلائل میں تو ہم موسیٰ (علیہ السلام) کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اتنے پختہ اور واضح دلائل کا جواب دینے سے وہ عاجز آ گئے تو فرعون نے اپنے درباریوں کے ساتھ مشورہ کیا کہ موسیٰ کے دلائل کا تو ہم نہ جواب دے سکے نہ آئندہ اس پوزیشن میں ہیں۔ اب سوچ کر کوئی ایسی تدبیر بتاؤ کہ جس کے سامنے موسیٰ عاجز ہو جائے اور ہماری بھی کچھ ٹیں رہ جائے۔ تو سوچ بچار کرنے کے بعد سب کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ جادوگروں کو بلا کر موسیٰ (علیہ السلام) سے مقابلہ کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ ملک کے تمام جادوگروں کے سامنے موسیٰ کا جادو کیا مقابلہ کر سکے گا۔ تو فرعون نے آڈر جاری کیا کہ پورے ملک سے ایسے جادوگر بلائے جائیں جو اپنے فن میں بہت بڑے ماہر ہوں۔ جن کا پوری دنیا میں کوئی مقابلہ نہ کر سکے اور وہ موسیٰ علیہ السلام کو جادو کے ذریعے عاجز کر دیں۔ (معاذ اللہ)

(آیت نمبر ۸۰) پورے ملک کے طول وعرض سے جادوگر ہزاروں کی تعداد میں ایک خاص دن میں اور ایک کھلے میدان میں آ گئے (درمیانی گفتگو کا ذکر دوسرے مقام پر ہے) کہ موسیٰ علیہ السلام سے انہوں نے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ تم نے جو جادو کا زور لگانا ہے وہ پہلے لگالو۔

فائدہ: ماانتم کے لفظ میں ابہام رکھ کے بتایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے گویا جادو سے حقارت کا اظہار کیا کہ تمہارے اس جادو کو میں اپنے خیال میں کچھ بھی نہیں سمجھتا۔ بہرحال تم اپنی زور آزمائی کر کے جو چیز زمین میں ڈالنا چاہتے ہو اسے ڈالو۔ **فائدہ**: اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ موسیٰ علیہ السلام انہیں جادو کرنے کا حکم دے رہے ہیں کہ جادوگر کر سکتے ہیں بلکہ موسیٰ علیہ السلام نے ڈنڈے اور رسیاں ڈالنے کا حکم اس لئے دیا تا کہ لوگوں کو جادو اور معجزے میں فرق معلوم ہو جائے اور جادوگروں کو بھی معلوم ہو جائے کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ باطل ہے اور سب پر واضح ہو جائے کہ حق باطل پر ہمیشہ غالب رہتا ہے۔ جادوگر حق کے مقابل کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔

فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَاجِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ

تو جب انہوں نے ڈالا تو فرمایا موسیٰ نے جو کچھ تم لائے جادو ہے۔ بے شک اللہ ابھی اس کو باطل کرتا ہے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ

بے شک اللہ نہیں بناتا کام فسادیوں کا۔ اور ثابت کردکھایا اللہ نے حق کو اپنی باتوں سے

وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ع ﴿۸۲﴾

اگرچہ ناپسند کریں مجرم لوگ۔

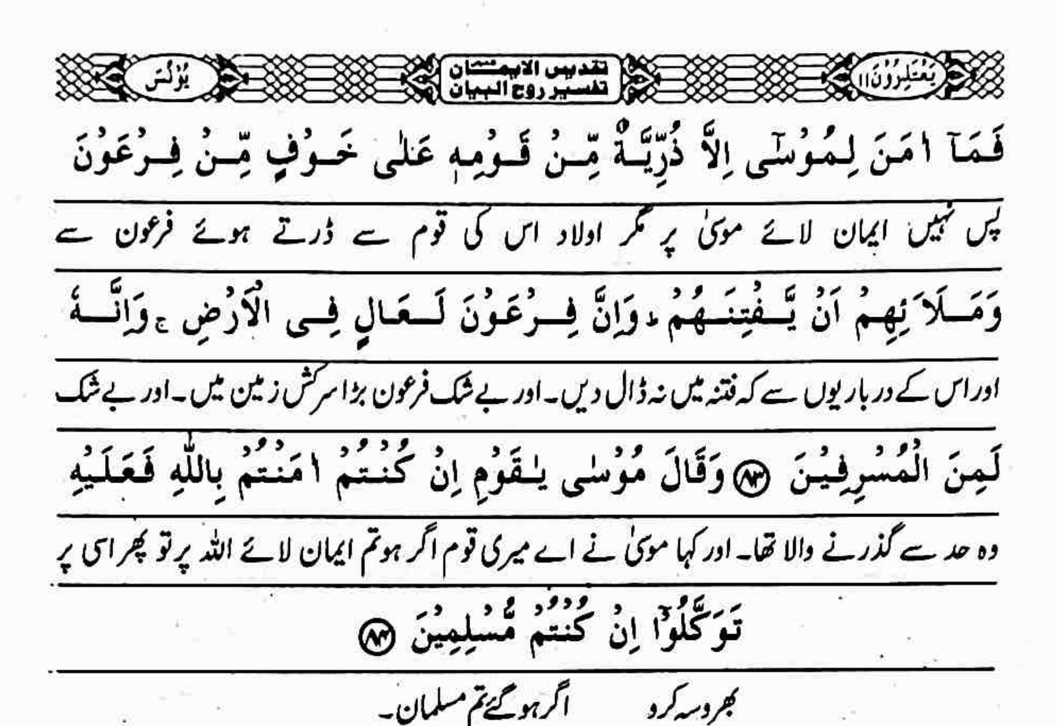
(آیت نمبر۸۱) جب انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں میدان میں ڈالیں۔ تو وہ حرکت کرنے لگے۔ جس سے لوگوں پر رعب اور ڈر طاری ہوگیا۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام نے بے خوف وخطر ان سے کہا۔ یہ جو کچھ تم لائے ہو۔ یہ اصل میں جادو ہے۔ ابھی جلد ہی اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ سے وہ چیز ظاہر کرنے والا ہے جو تمہارے جادو کو نیست ونابود کردے گا اور تمہارا ابطلان لوگوں پر کھل جائے گا۔ **فائدہ**: جادو معجزے کا کہاں مقابلہ کرسکتا ہے۔

آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ فسادیوں کے کام کو کبھی قائم نہیں رکھتا۔ بہت جلد اسے بے نام ونشان کردیتا ہے۔ **مسئلہ**: اس سے معلوم ہوا کہ جادو کی کوئی اصلیت نہیں۔ یہ خیالی اور مثالی کام ہوتا ہے۔ جو جلد ہی ختم ہوجاتا ہے۔ اگرچہ بعض کا خیال ہے کہ جادو ایک حقیقت ہے۔ لیکن اس کا اثر خیالی ہی ہے۔

(آیت نمبر۸۲) اور اللہ تعالیٰ اس حق کو جو میں لے کر آیا ہوں۔ اسے قائم فرمائے گا۔ اپنے حکم اور فیصلے سے غالب فرمائے گا۔ خواہ وہ مجرموں کو ناپسند ہی ہو۔ یعنی جو بہت بڑے مجرم ہیں وہ خواہ جادوگر ہوں یا فرعونی وغیرہ۔

فائدہ: کاشفی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو اپنی مدد کا وعدہ فرماتا ہے وہ پورا فرماتا ہے۔ اسے مجرموں کے کراہت کرنے کا کوئی ڈر نہیں۔

سبق: اس سے معلوم ہوا۔ حق اہل حق کے پاس ہی ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام حق پر قائم تھے۔ حق بھی ان کے ساتھ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون کو ذلیل کرکے نیست ونابود کیا۔ حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کو کامرانی عطا فرمائی۔ (اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کے ساتھ یوں ہی اچھا معاملہ فرماتا ہے)۔



فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ

پس نہیں ایمان لائے موسیٰ پر مگر اولاد اس کی قوم سے ڈرتے ہوئے فرعون سے

وَمَلَا۠ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ۭ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ

اور اس کے درباریوں سے کہ فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ اور بے شک فرعون بڑا سرکش زمین میں۔ اور بے شک

لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ

وہ حد سے گذرنے والا تھا۔ اور کہا موسیٰ نے اے میری قوم اگر ہو تم ایمان لائے اللہ پر تو پھر اسی پر

تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿٨٤﴾

بھروسہ کرو اگر ہو گئے تم مسلمان۔

(آیت نمبر ۸۳) پھر موسیٰ علیہ السلام پر ان کی قوم میں سے سوائے چند لڑکوں کے کوئی ایمان نہ لایا۔

فائدہ: یعنی موسیٰ علیہ السلام نے ابتداء میں جب دعویٰ نبوت کیا تو صرف ان کی برادری کے چند نوجوان ایمان لائے۔ ابھی آپ نے عصا کا معجزہ بھی ظاہر نہیں کیا تھا۔ لیکن باقی لوگ فرعون کے ڈر سے ایمان نہ لائے۔ کیونکہ ان پر فرعون اور اس کے درباریوں کا خوف غالب تھا۔ بلکہ وہ اپنے نوجوانوں کو بھی منع کرتے تھے کہ کہیں فرعون کے ظلم وستم کا نشانہ نہ بن جائیں کہ فرعون انہیں یا ان کے بدلے ان کے ماں باپ کو کفر پر مجبور نہ کردے۔ یہاں فتنہ کی نسبت فرعون کی طرف اس لئے ہے کہ اس عذاب کا آمر یعنی حکم دینے والا وہی ہے۔ آگے فرمایا بے شک فرعون زمین مصر پر بڑا سرکش تھا اور بے شک وہ ظلم وفساد اور قتل وخون ریزی کرنے میں حد سے بہت بڑھا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے رب اعلیٰ ہونے کا دعویٰ کیا ہوا تھا یعنی رب تعالیٰ کے مقابلے میں اپنے آپ کو رب سمجھتا تھا اور نبیوں کی اولاد (بنی اسرائیل) کو غلام بنایا ہوا تھا۔

(آیت نمبر ۸۴) موسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ ان کی قوم فرعون کے ظلم وستم سے از حد خوف زدہ ہے تو فرمایا کہ اے میری قوم اگر تم اللہ پر ایمان لے آئے ہو اور اس کی آیات کی تصدیق کرلی تو پھر اس بات پر یقین کرلو کہ نفع ونقصان سب اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ لہذا اسی ذات پر بھروسہ کرو کسی اور سے ڈرنے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ اگر تم نے قضا وقدر کو تسلیم کرلیا ہے اور اس پر مخلص ہو تو گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ تمہارا مددگار ہے۔

فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۙ ﴿٨٥﴾

تو انہوں نے کہا اللہ پر ہی ہمارا بھروسہ ہے اے ہمارے رب نہ بنا ہمیں آزمائش ان لوگوں کیلئے جو ظالم ہیں

وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٦﴾

اور نجات دے ہمیں اپنی رحمت سے ان لوگوں سے جو کافر ہیں

(بقیہ آیت نمبر۸۴) توکل کی شرائط:

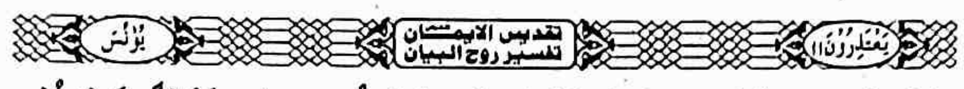
(۱) ایمان باللہ۔ (۲) اسلام۔ یہ دو مختلف شراط سے مشروط ہے۔ مثلاً توکل علی اللہ کو ایمان باللہ سے اس لئے مشروط کیا کہ توکل کا تقاضا ہی یہ ہے کہ جب تک ایمان نہ ہو توکل قابل قبول ہے ہی نہیں اور حصول توکل کو اسلام سے مشروط کیا اس لئے کہ اسلام میں توکل ہی وہ عمل ہے۔ جس سے کامیابی ممکن ہے۔

(آیت نمبر۸۵) جب موسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ پر توکل کرو۔ تو انہوں نے فوراً موسیٰ علیہ السلام کو جواب میں یہ کہا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ پر توکل کیا چونکہ وہ مخلص طور پر ایمان لائے تھے۔ اس لئے ان کی دعا بھی قبول ہوئی جو کہ انہوں نے درد دل سے مانگی تھی کہ اے ہمارے رب ہمیں ظالم لوگوں کیلئے فتنہ اور آزمائش میں نہ ڈال۔ یعنی ہمیں ان کے دکھوں اور تکلیفوں میں پھر نہ ڈالنا۔ کہ وہ ہم پر طرح طرح کے ظلم کرنے کیلئے پھر مسلط ہو جائیں، جیسے اس سے پہلے انہوں نے ہم پر ظلم کئے۔ اور ہمیں ہر طرح کے عذاب کا نشانہ بنائیں اور ہمیں وہ دین حقہ سے بھی ہٹالیں۔

(آیت نمبر۸۶) مزید یہ کہا کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں ان کافروں کے مکر سے اور ان کی نحوست سے نجات عطا فرما کہ وہ ہمارے ساتھ ہر طرح کے مکر و فریب کرنے والے ہوں یا ہمیں وہ پریشان ہی کرتے رہیں۔

نکتہ: توکل کی دعا سے پہلے ان کے فتنے کا اس لئے ذکر کیا تا کہ بندہ یہ جان لے کہ میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کروں گا تو اللہ تعالیٰ میری دعا کو قبول فرمائے گا۔

فائدہ: صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ حقیقی توکل یہ ہے کہ ماسوی اللہ کا دل میں خوف بھی نہ ہو اور ان سے کسی قسم کی امید بھی نہ ہو۔ صرف اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں ہو اور ہر طرح کی امید بھی اسی سے وابستہ ہو۔



وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا

اور وحی کی ہم نے طرف موسیٰ اور اس کے بھائی کے کہ بناؤ اپنی قوم کے مصر میں گھر۔ اور بناؤ

بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨٧﴾

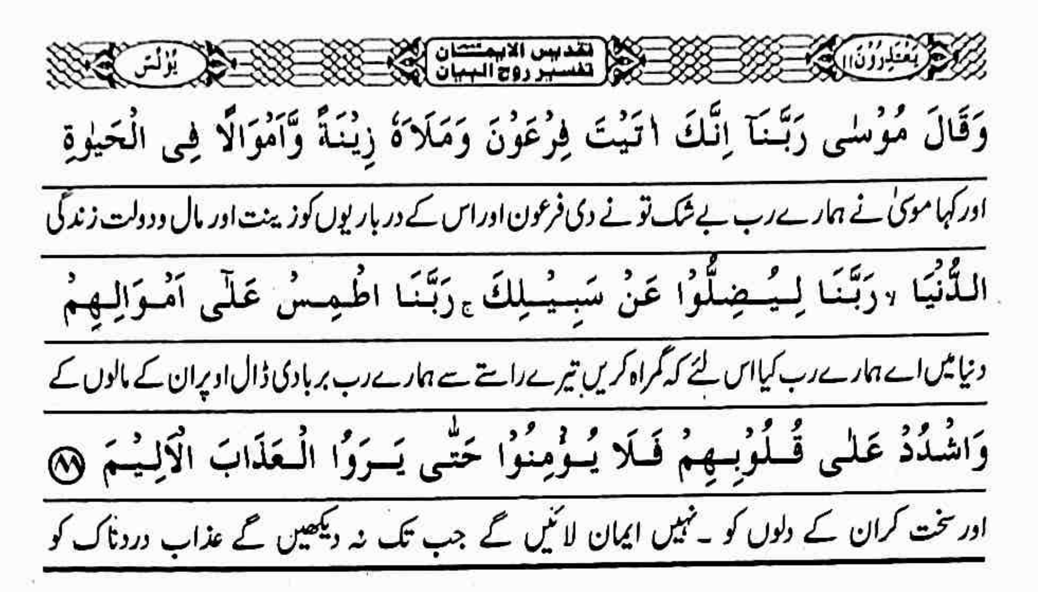
اپنے گھر میں نماز کی جگہ اور قائم کرو نماز۔ اور خوشخبری سناؤ مومنوں کو۔

(آیت نمبر ۸۷) جب نوجوانوں نے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا اور آپ کی اتباع کی تو انہیں عبادت گاہیں بنانے کا خیال آیا تا کہ وہاں سکون کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں کیونکہ فرعون نے ان کی سابقہ عبادت گاہیں مسمار کردیں اور نئی عبادت گاہوں کے بارے میں بھی انہیں خطرہ تھا تو انہیں حکم ہوا کہ تم اپنے گھروں میں ہی اپنی عبادت کیلئے جگہ مخصوص کرلو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی کی طرف وحی کی کہ مصر کے اندر اپنے گھروں میں ہی عبادت گاہ بنا کر قبلہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ یہاں قبلہ سے مراد کعبہ ہے اور فرمایا کہ نماز کو پابندی سے ادا کرو۔

فائدہ: ان پر صرف نماز فرض تھی زکوٰۃ اس لئے فرض نہ تھی کہ وہ تنگدست تھے اور فرمایا کہ مسلمانوں کو خوش خبری سنادو کہ انہوں نے جو دعا مانگی ان کی دعا قبول ہوئی اور آخرت میں انہیں جنت کی بشارت سنائی۔

نکتہ: حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بنی آدم کیلئے آزمائش ضروری ہے یہ سلسلہ جنت میں پہنچنے تک جاری رہے گا۔ چنانچہ دنیا میں ہر طرح کے مصائب اور جب مر جاتے ہیں تو منکر نکیر کی آزمائش میں پڑ جاتے ہیں اور بروز قیامت کئی ہولناکیاں ہونگی۔ لیکن صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ دنیا میں دکھ درد سہنے والوں کو جب اللہ تعالیٰ اپنے دیدار سے نوازے گا تو انبیاء و اولیاء بھی ان کے ان مراتب و کمالات کو دیکھ کر ان پر رشک کر رہے ہونگے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی کہانی: جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو انہیں امیہ بن خلف (لعنتی) سخت سے سخت اذیتیں دیتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ کو گرم ریت پر لٹا کر پشت پر چابک مرواتا تھا اور ریت بھی اس قدر گرم ہوتی کہ اس پر کچا گوشت رکھا جائے تو وہ بھی پک جائے۔ جب چابک مارنے والے بھی تھک جاتے تو آپ کے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیتے لیکن واہ رے بلال ان تمام تکالیف کو برداشت بھی کرتے اور زور زور سے پکارتے۔ احد، احد، احد ان کلمات سے ان کو سکون مل جاتا تھا۔



وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ

اور کہا موسیٰ نے ہمارے رب بے شک تو نے دی فرعون اور اس کے درباریوں کو زینت اور مال و دولت زندگی

الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ

دنیا میں اے ہمارے رب کیا اس لئے کہ گمراہ کریں تیرے راستے سے ہمارے رب بربادی ڈال اوپر ان کے مالوں کے

وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾

اور سخت کر ان کے دلوں کو ۔ نہیں ایمان لائیں گے جب تک نہ دیکھیں گے عذاب دردناک کو

(بقیہ آیت نمبر ۸۷) عاشق رسول کے وصال کا وقت:

جب سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر نزع کا وقت طاری ہوا تو آپ کی زوجہ نے کہا "واحزناہ"۔ ہائے غم اور افسوس۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا واطرباہ۔ واہ کیا خوشی کی بات ہے۔ کہ کل ہم آپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملیں گے۔ یعنی کل تو میری ان سے ملاقات کا دن ہے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ موت ایسا پل ہے جو دوست کو دوست سے ملاتا ہے۔

(آیت نمبر ۸۸) اور موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے ہمارے پروردگار تو نے عطا کی فرعون اور اس کی جماعت کو زیب و زینت اور مال و دولت جس سے دنیا کی زندگی میں نقد مال واسباب اور سواریوں پر مزے کر رہے ہیں۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مصر سے حبشہ تک کے تمام مال و دولت سونے اور چاندی پر فرعون کا قبضہ تھا اور قبطی قوم دنیا کی مانی ہوئی دولت مند قوم تھی۔ بڑی ٹھاٹھ باٹھ والے دولت دنیا کے نشے میں انتہائی مغرور اور گمراہ تھے۔ مزید عرض کیا۔ اے ہمارے رب کیا تو نے دولت دنیا فرعونیوں کو اس لئے دی تھی کہ وہ تیری ہی راہ سے لوگوں کو گمراہ کریں۔ یعنی کسی کو مسلمان ہی نہ ہونے دیں۔ اتنے مال و دولت کا مقصد تو یہ تھا کہ وہ ایمان لاتے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر اس کا شکریہ ادا کرتے۔ لیکن انہوں نے تو اس کے بجائے بغاوت اور کفر کا راستہ اختیار کیا۔ **مسئلہ**: اس سے معلوم ہوا کہ اکثر مال و دولت گمراہی کا سبب بن جاتے ہے۔ جیسے قارون مال و دولت کی کثرت اور فراوانی ہونے کی وجہ سے گمراہ ہوا اور ذلت کے ساتھ مرا۔ آگے فرمایا کہ اے ہمارے رب ان کے مال واسباب کو تباہ کر۔ تاکہ نہ یہ نفع اٹھائیں نہ لوگوں کو گمراہ کرسکیں۔ اس لئے کہ انہوں نے اس مال و دولت کو تیری نافرمانی اور کفر پر استعمال کیا۔

قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعَآنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

فرمایا تحقیق قبول ہوگئی دعا تمہاری پس ثابت قدم رہو اور نہ پیچھے ہو ان کے راستے پر جو نادان ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۸۸) **جناب موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ:** یہ ہوا کہ فرعونیوں کا تمام مال ودولت درہم ودینار۔ان کے طعام ومیوہ جات تمام غلہ اور دالیں وغیرہ سب پتھر بن گئے۔یہی حال ان کی مرغیوں اور انڈوں کا تھا کہ سب کچھ بے کار ہوکر رہ گیا۔(لیکن پھر بھی بدنصیب ایمان نہ لائے)۔

آگے فرمایا کہ اے اللہ ان کے دلوں کو سخت فرمایا اور ان پر مہر لگادے تاکہ اس وقت تک ایمان نہ لاسکیں۔جب تک کہ دیکھ نہ لیں دردناک عذاب کو۔یعنی جب ان کو ایمان لانا کوئی فائدہ نہ دے۔یا یہ مطلب ہے کہ جب تک عذاب نہیں دیکھیں گے ایمان نہیں لائیں گے۔ **فائدہ:** پھر ایسا ہی ہوا کہ وہ دریا میں غرق ہونے تک ایمان نہ لائے۔اور غرق ہوتے ہوتے کلمہ تو پڑھا لیکن اس وقت کا ایمان قبول نہ ہوا۔اس لئے کہ وہ اضطراری حالت تھی سامنے موت دیکھ کر کلمہ پڑھا۔

(آیت نمبر ۸۹) اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔اے میرے پیارے موسیٰ وہارون تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی ہے۔دونوں کا ذکر اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام دعا کر رہے تھے اور جناب ہارون علیہ السلام اس پر آمین کہہ رہے تھے لہذا فرمایا کہ تم دونوں اپنے موقف پہ قائم رہو۔یعنی لوگوں کو دعوت توحید دے کر الزام حجت قائم کرتے رہو۔تمہارا مدعا اپنے وقت کے مطابق پورا ہوکر رہے گا۔اور تمہارا دشمن جلد ہلاک ہونے والا ہے۔

آگے فرمایا کہ پیچھے پڑو اس طریقے کے جو بے علم لوگوں کا طریقہ ہے کہ تم جلدی چاہو کہ آج ہی یہ کام ہوجائے۔یہ جاہل لوگوں کا طریقہ ہے کہ وہ ہر معاملے میں جلدی کے خواہاں ہوتے ہیں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کی عادت مبارک ہے کہ وہ اپنے امور کو حکمت اور ایک مصلحت کے تحت حل فرماتا ہے۔اس لئے فرمایا کہ ابھی کچھ دیر انتظار کرو۔یعنی تمہاری آزمائش اور ان کے عذاب میں کچھ وقت لگے گا۔

فائدہ: سعدی مفتی فرماتے ہیں کہ اس بددعا کے بعد بھی تقریباً چالیس سال کا زمانہ گذرا تو پھر عذاب آیا تھا۔

حدیث شریف: ہر دعا والے کی دعا قبول ہوتی ہے۔یا دعا کے مطابق اس کی برائی کو دور کیا جاتا ہے۔یا دعا کے بدلے اس کے گناہ معاف کئے جاتے ہیں۔بشرطیکہ دعا کرنے والا کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے۔(موطا امام مالک)

مسئلہ: اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ موذی کیلئے بددعا مانگنا جائز ہے۔جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ مضر والوں کے لئے قحط کی بددعا فرمائی۔پھر وہ ایسے قحط میں مبتلا ہوئے کہ وہ ہڈیاں اور گوبر بھی کھاتے ہوئے دیکھے گئے۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا

اور پار لے گئے ہم بنی اسرائیل کو دریا سے پھر پیچھے آیا فرعون اور اس کا لشکر بڑی سرکشی

وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا

اور دشمنی سے۔ یہاں تک کہ جب ہونے لگا غرق پھر کہا میں ایمان لایا بے شک نہیں کوئی معبود مگر

الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝۹۰

وہ کہ ایمان لائے اس پر بنی اسرائیل اور میں مسلمانوں سے ہوں۔

(آیت نمبر۹۰) اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا عبور کرا دیا۔ یعنی ہم نے بنی اسرائیل کیلئے دریا کے دونوں کنارے روک کر درمیان سے خشک راستہ بنا دیا تا کہ وہ بحفاظت دوسرے کنارے تک پہنچ جائیں۔

فائدہ : کاشفی لکھتے ہیں کہ جب فرعونیوں کے غرق ہونے کا وقت قریب آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ اپنی قوم کو لے کر مصر سے جلد نکل جاؤ۔ اس لئے کہ قبطیوں پر جلد عذاب آنے والا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لیکر شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ ساری رات وہ چلتے رہے صبح کے وقت جب دریائے قلزم کے کنارے پہنچے تو فرعون اور اس کے لشکر نے ان کا پیچھا کیا۔ یعنی بنی اسرائیل تک پہنچ گئے اور اتنا قریب پہنچ گئے کہ دونوں لشکر ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ بلکہ قریب تھا کہ دونوں اکٹھے ہو جاتے۔

آگے فرمایا کہ فرعون اور اس کا لشکر پوری عداوت اور بغاوت کے ساتھ نکلا۔ (جیسے کفار مکہ بدر کی طرف نکلے)

فائدہ: کاشفی فرماتے ہیں کہ وہ اس خیال سے آئے کہ بنی اسرائیل کو بری طرح سزا دیں گے اور انہیں ظلم وستم کا مزید نشانہ عبرت بنائیں گے۔ ان کے خواب وخیال میں بھی نہ تھا کہ وہ غرق ہونے جا رہے ہیں۔

فائدہ : چونکہ انہیں اس بات پر سخت غصہ تھا کہ بنی اسرائیل بغیر بتائے کیوں نکل گئے۔ اب جب وہ قریب ہوئے تو بنی اسرائیل بہت زیادہ گھبرائے کہ آگے دریا کی موج پیچھے فرعون کی فوج۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ اے موسیٰ دریا پر لاٹھی مارو۔ لاٹھی مارتے ہی دریا میں راستے بن گئے۔ جن سے بنی اسرائیل چلتے ہوئے دوسرے کنارے پہنچ گئے اور ادھر فرعون کا لشکر پہنچا تو وہ بھی دریائے قلزم میں کود گئے۔ اور دریا آپس میں مل گیا اور پورا لشکر غرق ہو گیا۔ ان میں سے ایک آدمی بھی نہ بچا۔

آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٩١﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ

کیا اب حالانکہ تحقیق نافرمانی کی پہلے اور تھا تو فسادیوں سے۔ آج سے نکال لیں گے تیری لاش

لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿٩٢﴾

تا کہ ہو پچھلوں کیلئے نشانی۔ اور بے شک بہت لوگ ہماری آیتوں سے بے خبر ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر۹۰) آگے فرمایا کہ فرعون جب غرق ہونے لگا تو اس وقت کہا کہ میں ایمان لایا اس معبود برحق پر جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے۔ **فائدہ**: بنی اسرائیل کا نام اس لئے لیا کہ اس کا مطلب یہ تھا۔ کہ میں نے جنہیں کل تک غلام بنایا تھا۔ آج سے ان کا تابعدار رہوں گا اور کہا کہ میں اب مسلمانوں سے ہوں۔

(آیت نمبر۹۱) موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اب ایمان لاتا ہے۔ جب زندگی کی امیدیں نہ رہیں اور زندگی بھر اللہ تعالیٰ کا نافرمان رہا۔ بلکہ تو تو از حد فسادی تھا۔ خود بھی گمراہ اور لوگوں کو بھی گمراہ کرتا رہا اور جو تیرے کہنے پر نہ چلتا اسے تو ظلم وستم کا نشانہ بناتا۔ لاکھوں بچے تیرے ظلم کا نشانہ بنے۔ ایمان لانے کیلئے تو تیار ہی نہ تھا۔

فائدہ: علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے اس کلمہ پڑھنے سے اس کا مومن ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

فرعون نے اپنی سزا خود تجویز کی: جبریل علیہ السلام انسانی شکل میں فرعون کے پاس آئے اور کہا کہ اگر میں ایک آدمی کو بادشاہ بنادوں اور اپنے خزانے کی چابیاں بھی اسے دوں۔ پھر بھی وہ میرے ساتھ دشمنی کرے۔ اور وہ میرے ہر حکم کی مخالفت کرے۔ بتائیں میں اس بندے کا کیا علاج کروں۔ اس نے کہا۔ اسے بحرقلزم میں غرق کیا جائے۔ جناب جبریل نے فرمایا یہ لکھ دیں۔ تو اس نے یہ تحریر لکھ دی کہ جو اپنے مالک کی نعمتوں کی ناقدری اور ناشکری کرے۔ وہ بحرقلزم میں غرق ہونے کے لائق ہے تو جب فرعون غرق ہو رہا تھا تو جبریل امین نے اسے وہ تحریر دکھا کر کہا۔ تجھے تیری اپنی تحریر کے مطابق سزا ملی۔

(آیت نمبر۹۲) آج ہم تیرے بدن کو بچائیں گے۔ یعنی باقی تیری قوم ڈوب کر ختم ہو جائے گی۔ لیکن تیرا بدن سطح دریا پر لایا جائے گا۔ تا کہ بنی اسرائیل دیکھ کر یقین کرلیں کہ واقعی فرعون مر گیا ہے اور یہ بھی ہے کہ لوگ یہ شک نہ کریں کہ یہ فرعون کی لاش نہیں ہے اس لئے بھی تیرے بدن کو بچائیں گے کہ پچھلوں کیلئے نشانی بن جائے اور لوگ قیامت تیرے انجام سے عبرت حاصل کریں کہ انا ربکم الاعلیٰ کہنے والے کا کیا انجام ہوا۔ اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اللہ واحد قہار بڑی سلطنت والے کے سامنے کسی کو دم مارنے کی طاقت نہیں۔

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ

اور البتہ تحقیق ٹھکانہ دیا بنی اسرائیل کو سچائی کی جگہ اور رزق دیا ان کو پاکیزہ

فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ

پھر نہ اختلاف میں پڑے یہاں تک آ گیا ان کے پاس علم۔ بے شک تیرا رب فیصلہ کرے گا ان میں بروز

الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿٩٣﴾

قیامت جس میں تھے وہ اختلاف کرتے۔

(بقیہ آیت نمبر۹۲) اور آگے فرمایا کہ بے شک بہت سارے لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں۔ انہیں ہماری طاقت کا علم نہیں۔ اس لئے وہ گناہوں میں لگے ہوئے ہیں۔

(آیت نمبر۹۳) بنی اسرائیل کو نجات کے بعد ہم نے اچھا اور ان کا پسندیدہ مقام دیا اور اس کے دشمن فرعون کو ملیا میٹ کیا۔ لہذا فرعون اور عمالقہ کی تباہی کے بعد ان علاقوں میں حکومت بنی اسرئیل کو حاصل ہوئی۔ جو شام مصر اور اس کے گرد ونواح میں عرصہ تک حاکم رہے۔ اور آگے فرمایا اور ہم نے انہیں طیبات یعنی لذیذ قسم کے کھانے اور پھل فروٹ دیئے۔ جیسے من سلویٰ وغیرہ۔ آگے فرمایا کہ ابتداء تو ان میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ یہاں تک کہ ان کے پاس تورات کا علم آ گیا۔ پھر وہ دینی امور میں مختلف ہو گئے۔ حالانکہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ تورات کا ہر مسئلہ برحق ہے لیکن انہوں نے اس میں تاویلیں کر کے بہت سارے مسائل کو اپنی مرضی کے مطابق کر لیا۔ تا کہ ان کی انا برقرار رہے اور عوام سے جو وظائف ملتے تھے وہ بھی ملتے رہیں۔ پھر ایک دوسرے سے بغاوت کی یہاں تک کشت وخون شروع ہو گیا۔

افسوس ہے کہ امت محمدیہ میں بھی بعض نام نہاد مولویوں اور صوفی نما لیڈروں نے بنی اسرائیل کے مولویوں والا کام کر کے قرآن مجید میں غلط تاویلیں نکال کر امت کا شیرازہ بکھیر دیا۔ اہل ہوا اور غلط عقائد اسلام میں داخل کر دیئے۔ **فائدہ:** اس آیت میں بنی اسرائیل سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضور ﷺ کے زمانے میں تھے۔ جیسے بنو قریظہ نظیر اور قینقاع وغیرہ تو انہوں نے حضور ﷺ کی ذات بابرکات کے بارے میں اختلاف کیا۔ حالانکہ انہوں نے حضور ﷺ کے کئی معجزات دیکھے اور وہ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں۔ بلکہ وہ اولاد سے بھی زیادہ بہتر جانتے تھے۔ کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِّمَّآ أَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ

پس اگر ہے تجھے کوئی شبہ اس میں جو ہم نے اتارا تیری طرف تو پوچھ لے ان سے جو پڑھتے ہیں کتاب

مِنْ قَبْلِكَ ج لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۙ ﴿۹۴﴾

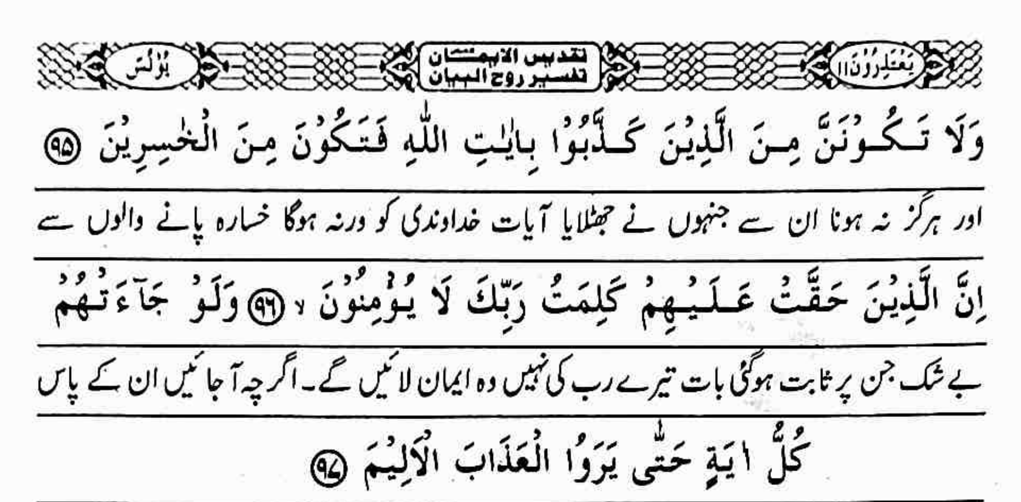
پہلے۔ البتہ تحقیق آ گیا تیرے پاس حق تیرے رب کی طرف سے۔ تو نہ ہو ضرور شک کرنے والوں سے۔

(بقیہ آیت نمبر ۹۳) اپنی کتاب توراۃ سے ملنے والے شواہد کا مشاہدہ کیا اور جان لیا لیکن ایمان لانا ان کی قسمت میں ہی نہ تھا۔ سوائے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے یا چند ان کے ساتھیوں کے۔ آگے فرمایا کہ بے شک آپ کا رب بروز قیامت ان میں فیصلہ فرمائے گا۔ جن جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ یعنی حق و باطل میں فرق کر کے حق والوں کو ثواب اور باطل والوں کو سزا دے گا۔ دنیا میں انہیں سزا اس لئے نہیں دی کہ آخرت میں جو دن ہے روز جزاء کا ہے۔ اس دن انہیں ان کی بداعمالیاں دکھا کر ان کی سزا دی جائے گی۔

(آیت نمبر ۹۴) اگر تجھے شک ہے اس میں جو ہم نے نازل کیا۔ آپ کی طرف یعنی جو جو واقعات بیان کئے فرعون وغیرہ کے بارے میں۔ یا بنی اسرائیل کے واقعات کے متعلق ان میں اگر شک ہے۔ **فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے بارے میں شک ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ بالفرض محل والتقدیر کے معنی میں ہے۔ قرآن میں ہے کہ اگر اللہ کا کوئی بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلا اس کا عابد ہوتا۔ یہاں بھی وہی مراد ہے۔

آگے فرمایا کہ آپ پوچھ لیں ان سے جنہوں نے پہلی کتابیں پڑھی ہیں۔ جن کتابوں میں صاف لکھا ہے کہ آپ کی نبوت و رسالت بالکل برحق ہے۔ ان کے علماء نے کتابیں پڑھ کر اس بات کو یقین سے جان لیا کہ آپ نبی برحق ہیں۔ بلکہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی صداقت کا کئی جگہ اظہار بھی کیا۔ اس آیت کے اترنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا۔ نہ مجھے شک ہے۔ نہ میں ان سے پوچھتا ہوں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے ظاہر خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو اور مراد امت ہو۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ آیت متشابہ آیات سے ہے۔

آگے فرمایا۔ البتہ تحقیق آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے حق آ گیا۔ پھر نہ ہوں شک کرنے والوں سے۔ اس لئے کہ اس میں شک کا شائبہ بھی نہیں۔ ان جھوٹے لوگوں کی باتیں سن کر تذبذب کا شکار نہ ہوں۔ اپنے پختہ عزم و یقین پر قائم رہیں۔



وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٩٥﴾

اور ہرگز نہ ہونا ان سے جنہوں نے جھٹلایا آیات خداوندی کو ورنہ ہوگا خسارہ پانے والوں سے

اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٩٦﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ

بے شک جن پر ثابت ہوگئی بات تیرے رب کی نہیں وہ ایمان لائیں گے۔ اگرچہ آجائیں ان کے پاس

كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿٩٧﴾

ساری نشانیاں جب تک نہ دیکھ لیں عذاب دردناک کو۔

(آیت نمبر ۹۵) اور نہ ہوں ان لوگوں سے جنہوں نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ کی آیات کو۔

ربط: انسان کی فطرت میں ہے کہ وہ جلد تذبذب کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس لئے پہلے اس تذبذب سے روکا۔ اب فرمایا گیا۔ ان جھٹلانے والوں کے پیچھے نہ چلیں۔ یہاں واضح فرمادیا کہ تکذیب انتہائی برا فعل ہے کہ جس ذات سے اس کے وقوع کی ہرگز توقع نہیں انہیں بھی منع کیا گیا کہ ان کی باتوں پر دھیان نہ دیں۔ تو پھر باقی لوگوں کو کیوں نہ روکا جائے۔ جن کا اس میں پڑنا یقینی ہے۔ اس لئے کہ اگر اس میں پڑے تو تم خسارے میں ہو گے۔ ذاتی لحاظ سے بھی اور عملی طور پر بھی۔

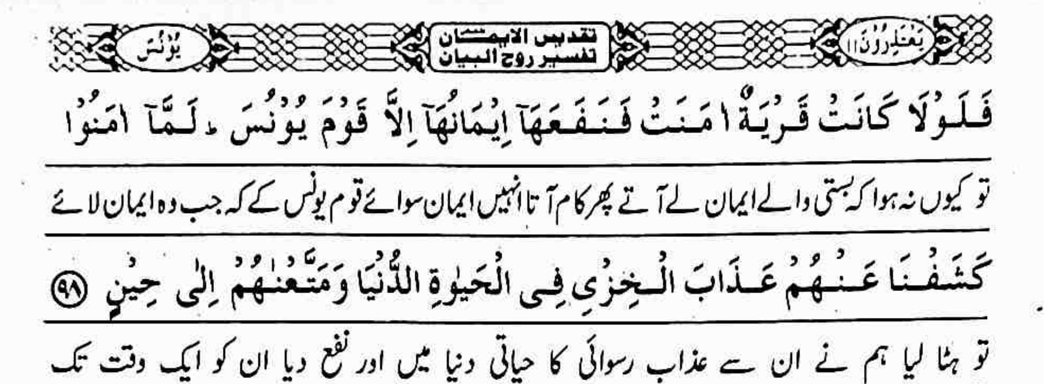
تنبیہ: آیات خداوندی کی تصدیق از حد ضروری ہے۔ خواہ قرآنی آیات ہو یا دیگر الہامی کتابوں سے۔ ان کی تصدیق سے دینی فوائد کے علاوہ آخرت میں اعلیٰ درجات کی امید ہے۔

(آیت نمبر ۹۶) بے شک وہ لوگ جن پر تیرے رب کی بات حق اور ثابت ہوگئی۔ **فائدہ**: کلمہ کے حق ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنتیوں اور دوزخیوں کے متعلق بتادیا کہ یہ سب جنتی اور یہ سب دوزخی ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ تو کلمہ ازل سے سبقت کر چکا ہے۔ یا کلمہ سے مراد قضا و قدر ہے اور حکم الٰہی ہے کہ جہنم والے ہمیشہ جہنم میں ہی رہیں گے۔

فائدہ: کاشفی فرماتے ہیں۔ کلمہ سے مراد وہ تحریر ہے جو لوح محفوظ پر لکھ دی گئی کہ فلاں ایمان پر اور فلاں کفر پر مرے گا۔

آگے فرمایا کہ جن کے متعلق رب کا فیصلہ ہو گیا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اب اس کے خلاف تو کچھ نہیں ہو سکتا۔

(آیت نمبر ۹۷) اور اگر ان کے پاس ساری نشانیاں بھی آجائیں۔ جن کو وہ مانگتے ہیں۔ پھر بھی ایمان نہ لائیں گے۔ یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب سامنے دیکھ لیں اور عذاب دیکھ لیا پھر ایمان لانا انہیں کوئی فائدہ نہیں دیگا۔ جیسے فرعون نے ڈوبتے وقت کلمہ تو پڑھا اور ایمان لانے کا اعلان کیا۔ لیکن وہ ایمان لانا قبول نہ ہوا۔



فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ لَمَّآ اٰمَنُوْا

تو کیوں نہ ہوا کہ بستی والے ایمان لے آتے پھر کام آتا انہیں ایمان سوائے قوم یونس کے کہ جب وہ ایمان لائے

كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٩٨﴾

تو ہٹا لیا ہم نے ان سے عذاب رسوائی کا حیاتی دنیا میں اور نفع دیا ان کو ایک وقت تک

(بقیہ آیت نمبر ۹۷) **فائدہ:** اس لئے کہ ایسے لوگوں کیلئے ایمان لانا ارادہ الٰہی میں ہی نہیں تھا۔ اور ارادۂ الٰہی بندوں کے اختیار وعدم اختیار سے متعلق ہوتا ہے یعنی جنہوں نے ایمان اختیار کیا۔ ان پر ارادہ الٰہی تھا تو جن کافروں سے اختیار وقبول کی استعداد ہی ختم کر دی گئی انہیں ایمان نصیب نہیں ہوا۔

(آیت نمبر ۹۸) تباہ ہونے والی بستیوں والے کیوں نہ ایمان لائے۔

فائدہ: عذاب دیکھنے سے پہلے تو ایمان نہ لا سکے۔ اب عذاب دیکھنے کے بعد ہی جو بچ گئے وہ ایمان لے آتے کہ ان کا ایمان لانا انہیں نفع دیتا اور انہیں عذاب سے نجات دلاتا۔ سوائے یونس علیہ السلام کی قوم کے۔

فائدہ: یونس علیہ السلام کی قوم وہ خوش نصیب ہے کہ ان کے رودھو کر معافی مانگنے سے عذاب ٹل گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ہٹا دیا ان سے عذاب رسوائی والا اور یہ تو دنیا کا عذاب ہے۔ **فائدہ:** قوم یونس کو ایمان اس لئے فائدہ دے گیا کہ ابھی وہ یاس کو نہ پہنچے تھے۔ ان کی حالت اختیاری باقی تھی۔ عذاب ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔

آگے فرمایا پھر ہم نے انہیں مزید ایک وقت تک نفع دیا تو اس طریقے سے اگر باقی تباہ ہونے والی بستیوں والے وقت سے پہلے ہی ایمان لے آتے۔ اور نبیوں کی دعوت قبول کر لیتے تو انہیں بھی اس ایمان سے نفع ہوتا۔

قصہ: حضرت یونس علیہ السلام کو موصل کے علاقہ نینوی کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا۔ موصل دجلہ کے کنارے ایک شہر ہے۔ یونس علیہ السلام ایک مدت تک قوم کو حق کی طرف بلاتے رہے۔ لیکن وہ نہ مانے۔ ایک دن قوم سے دل برداشتہ ہو کر ان کے لئے عذاب کی بددعا کر دی۔ پھر قوم کو بتا دیا کہ بتیس دنوں کے اندر عذاب آ جائیگا۔ یہ کہا اور اپنی بستی چھوڑ کر غائب ہو گئے۔ ادھر عذاب کا وقت قریب آ گیا۔ سخت سیاہ اور گاڑھے بادل اور دھوئیں آنا شروع ہو گئے۔ اور لوگ بھی سمجھ گئے کہ یہ وہی عذاب ہے کہ جس سے یونس علیہ السلام ہمیشہ ڈراتے رہے۔

ربع

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ

15
15

اور اگر چاہتا تیرا رب تو ضرور ایمان لے آتے جو زمیں میں ہیں سب کے سب۔ کیا تو زبردستی کرے گا

النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٩﴾

لوگوں پر یہاں تک کہ ہو جائیں مسلمان۔

(آیت نمبر ۹۹) جب جناب یونس علیہ السلام کی قوم نے دیکھا کہ عذاب تو واقعی آ گیا ہے۔ جس کی خبر دی گئی تھی تو سب لوگ بستی کے سردار کے پاس آئے۔ وہ سمجھدار آدمی تھا۔ اس نے کہا۔ یونس علیہ السلام کو تلاش کرو۔ انہی کی دعا سے عذاب ٹلے گا۔ کافی تلاش کے باوجود وہ نہ مل سکے۔ سردار نے کہا۔ چلو اللہ تو کہیں نہیں گیا وہ ہماری بات سن لے گا۔ اب ہم سب مل کر اس کی بارگاہ میں عجز وانکساری سے زاری کرتے ہیں۔ سب لوگوں سے کہا تم فقیرانہ حالت بنالو اور اس نے خود بھی ٹاٹ کا لباس پہنا اور ننگے پاؤں اور ننگے سر سب لوگوں کے ساتھ کھلے جنگل میں نکل آئے مرد عورتیں چھوٹے بڑے آ کر آہ وفغاں کرنے لگ گئے۔ دھاڑیں مار مار کر روئے اور دعائیں کرنے لگے۔ سردار نے کہا ایک دوسرے کے حقوق جو مارے ہیں وہ جلد ادا کر دو۔ وہ بھی فورا ادا کر دیئے۔ یہاں تک کسی نے کسی کا پتھر چرا کر دیوار میں لگایا تھا۔ تو اس نے وہ بھی نکال کر واپس کیا۔ حتی کہ وہ اس درد کے ساتھ روئے اور لگا تار چالیس روز تک روتے رہے تو بارگاہ خداوندی میں ان کا یہ سوز وگداز رنگ لایا۔ عین جمعے والے دن ان کے سر پر چھایا ہوا عذاب ہٹ گیا اور رحمت خداوندی نے انہیں اپنی آغوش میں لے لیا۔ ادھر یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں چالیس دن رہنے کے بعد جب باہر تشریف لائے تو اپنی بستی کی طرف یہ سوچتے ہوئے آ رہے تھے۔ بستی عذاب میں تباہ ہوگئی ہوگی۔ لیکن یہاں معاملہ اس کے برعکس تھا۔ بستی سرسبز وشاداب تھی اور سب لوگ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت میں مصروف تھے۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ساری زمین والے ہی مسلمان ہو جائیں اور سب اکٹھے ہوں۔ کوئی ان میں الگ نہ ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکمت کا تقاضا ہی یہ ہے کہ جو ایمان لائے وہ بھی اپنے اختیار سے اور جو کفر کرے وہ بھی اپنے اختیار اور ارادہ سے۔ استعداد دونوں طرح کی رکھ دی۔ آگے معاملہ اس پر چھوڑ دیا تو کیا تم لوگوں پر جبر کرو گے کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ جبر کا ایمان قبول نہیں۔

شان نزول: اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ یہ چاہتے ہیں کہ سب لوگ مسلمان ہو جائیں تو فرمایا کہ اے محبوب ایمان ملنا میری مرضی پر موقوف ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ

اور نہیں ہے قدرت کسی نفس میں کہ ایمان لائے مگر ساتھ حکم اللہ کے۔ اور کرتا ہے عذاب اوپر ان کے جو

لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا تُغْنِي

نہیں سمجھتے۔ فرمادو دیکھو کیا ہے آسمانوں اور زمین میں۔ اور نہیں کام آئیں گی

الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

نشانیاں اور ڈرانا اس قوم کو جو ایمان نہیں لاتے۔

(آیت نمبر ۱۰۰) نہیں ہے کسی نفس کیلئے کہ وہ ایمان لائے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ یا اللہ تعالیٰ کی توفیق سے۔ اس لئے اے میرے محبوب آپ اتنا زیادہ زور نہ لگائیں۔ بس آپ کا کام راہ دکھا دینا ہے۔ وہ آپ کریں۔ باقی ایمان دینا یہ میری مرضی پر موقوف ہے۔ یا اس کی قسمت پر موقوف ہے۔

آگے فرمایا کہ ڈال دی اللہ تعالیٰ نے پلیدی ان میں سے ان لوگوں پر جو بے عقل بے وقوف ہیں۔ اس پلیدی سے مراد کفر ہے۔ اس لئے کہ پیچھے ذکر کفر کا ہے۔ اس قرینے سے پلیدی بمعنی کفر کیا گیا۔

دوسری بات یہ کہ پلیدی اسے کہتے ہیں جس سے تبیعت کو نفرت ہو اور طبع سلیم کو سب سے زیادہ نفرت ہی کفر سے ہے۔ اس لئے کہ کفر سے بڑھ اور کوئی چیز قبیح ہے ہی نہیں اور کافروں کو بے عقل اس لئے فرمایا کہ وہ اتنے سارے دلائل و معجزات اور آیات دیکھنے کے باوجود نہیں سمجھتے اور عقل کے اندھے بن گئے۔

(آیت نمبر ۱۰۱) اے محبوب ان اہل مکہ کو فرمادو۔ ذرا غور تو کرو آسمانوں اور زمین میں کیسے کیسے عجائبات ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کاریگری سے بنایا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت پر واضح دلائل ہیں اور انہیں فائدہ پہنچاتی ہیں آیات خواہ انفسیہ ہوں۔ یا آفاقیہ ہوں۔ (انفسیہ سے مراد یہ ہے کہ جو نشانیاں ہمارے اپنے وجود کے اندر ہیں اور آفاقی سے مراد یہ ہے کہ جو ہمارے وجود کے علاوہ زمین و آسمان میں ہیں) یہ آیات ہی اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ بھی انہیں فائدہ نہیں پہنچاتی اور نہ رسولوں کا ڈرانا یا ڈرانے والے امور ان کو فائدہ نہیں دیتے ان لوگوں کو جو ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا

تو نہیں انتظار کر رہے مگر مثل زمانے ان کے جو گذر گئے ان سے پہلے۔ فرما دو پھر تم بھی انتظار کرو

اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

بے شک میں تمہارے ساتھ انتظار میں ہوں۔ پھر نجات دی ہم نے رسولوں کو اور ایمان والوں کو

كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ع ﴿١٠٣﴾

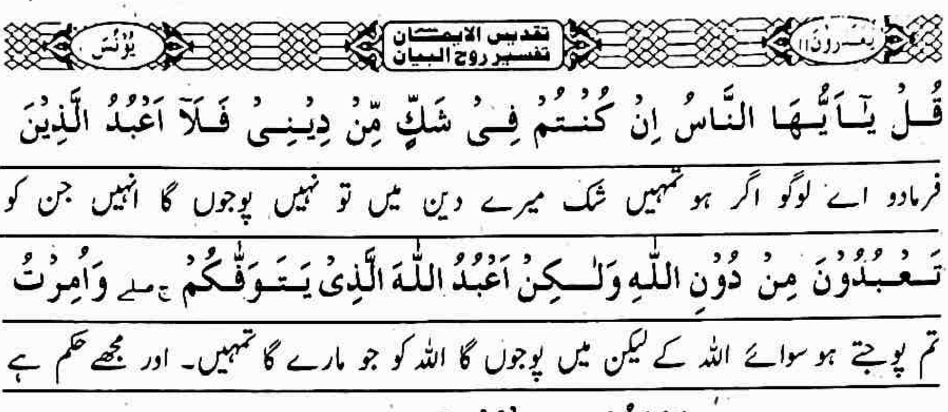
اسی طرح۔ یہ کرم ہمارے ذمہ ہے کہ نجات دیں مومنوں کو۔

(آیت نمبر۱۰۲) یہ مکہ کے کافر اور دیگر کافر صرف اس بات کا انتظار کر رہے ہیں۔ کہ ان کے ساتھ وہی ہو جو گذری ہوئی اقوام کے ساتھ ہوا۔ یعنی قوم نوح۔ قوم عاد۔ قوم ثمود اور اصحاب ایکہ والے۔ جیسے ان پر ان کے اپنے اپنے دور میں عذاب آیا۔ اس طرح کا عذاب یہ بھی دیکھ لیں۔ وہ صرف اسی بات کا انتظار کر رہے ہیں۔

فائدہ: اگر چہ انہوں نے کہا نہیں ہے کہ ہم انتظار کر رہے ہیں۔ بلکہ ان کا طرز و طریق ایسا ہے کہ جیسے کسی منتظر کا طریقہ ہوتا ہے۔ اے محبوب ان کو فرما دو۔ کہ تم بھی اپنے مقرر کردہ عذاب کا انتظار کرو۔ بے شک میں بھی تمہارے لئے اسی عذاب کے آنے کا انتظار کرتا ہوں۔ یا یہ مطلب ہے کہ تم میری موت کا انتظار کرتے ہو تو کرتے رہو اور میں بھی تمہاری ہلاکت اور تباہی کا انتظار کرتا ہوں۔ اس لئے کہ متقیوں کا انجام بھلائی ہے۔ (اور کفر کا انجام رسوائی ہے) یہی اللہ تعالیٰ کا طریقہ چلا آ رہا ہے۔

(آیت نمبر۱۰۳) ہم نے کفار و مشرکین پر تباہی پھیری اور اپنے پیارے رسولوں اور مومنوں کو اس عذاب سے نجات دی۔ یا ان کفار و مشرکین کی ایذاؤں سے نجات دی اور اسی طرح مومنوں کو نجات دینا ہم پر حق بنتا ہے۔ یعنی ہم نے اپنے ذمہ کرم پر واجب کر لیا ہے کہ ہم ہر مومن کو ہر شدت اور عذاب سے نجات دیتے ہیں۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہو گیا کہ دونوں جہانوں میں نجات کا دارومدار ایمان پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ تمام امتوں میں رہا اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری و ساری رہے گا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو کفار کے ظلم و ستم سے اور ان کے شر اور فتنے سے ہمیشہ محفوظ رکھے گا۔



قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ دِیْنِیْ فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ

فرمادو اے لوگو اگر ہو تمہیں شک میرے دین میں تو نہیں پوجوں گا انہیں جن کو

تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ ۚۖ وَاُمِرْتُ

تم پوجتے ہو سوائے اللہ کے لیکن میں پوجوں گا اللہ کو جو مارے گا تمہیں۔ اور مجھے حکم ہے

اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۙ (۱۰۴)

کہ ہوں ایمان والوں سے۔

(بقیہ آیت نمبر۱۰۳) **موت بھی مومن کیلئے تحفہ ہے:** حضور ﷺ کے پاس سے جنازہ گذرا۔ تو فرمایا یا اس میت نے راحت پائی۔ یا اس میت سے لوگوں کو آرام ملا۔ یعنی اگر تو نیک ہے تو دنیا کے گورکھ دھندوں اور دکھوں تکلیفوں سے جان بچائی اور آخرت کے ثواب سے مالا مال ہوا اور اگر یہ میت گناہ گار ہے۔ فاسق فاجر یا ظالم ہے۔ تو اس کے مرنے سے لوگوں کو آرام کا سانس نصیب ہوا۔ (بخاری و مسلم، نسائی)

(آیت نمبر۱۰۴) اے محبوب ان اہل مکہ کو فرمادو کہ اگر تم میرے لائے ہوئے دین میں شک کرتے ہو تو یہ بات بھی یاد رکھو کہ میں نہیں عبادت کرتا۔ یعنی میرا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ میں تو صرف اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں۔ جو فرشتوں کے ذریعے تمہیں مارتا ہے۔ اس کے بعد تم پر وہ طرح طرح کے عذاب مسلط کرے گا۔ لہذا یقین سے جان لو۔ عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔

آگے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مومنوں میں سے ہوں۔

قابل غور نکتہ: بدنی عبادت کے بعد ایمان و معرفت کی طرف مضمون اس لئے منتقل ہوا کہ جب تک انسان کا ظاہر اعمال صالحہ سے مزین نہ ہو۔ دل میں نور ایمان نہیں بیٹھ سکتا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے احکام شرعیہ کو معرفت کی بنیاد بنایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شریعت پر نہیں چلتا۔ وہ معرفت کے دعوے میں جھوٹا ہے۔

حدیث شریف میں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بندہ نفل پڑھتے پڑھتے میرے قریب ہو جاتا ہے۔ پھر میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔۔۔۔ الی آخرہ۔ (رواہ البخاری ۶۵۰۲)

وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾

اور یہ کہ قائم کر اپنے آپ کو دین کیلئے۔ سب سے الگ ہو کر۔ اور ہرگز نہ ہو مشرکوں سے

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ

اور نہ عبادت کر سوائے اللہ کے اس کی جو نہ فائدہ دے اور نہ تجھے نقصان دے۔ پھر اگر تو نے کیا تو بے شک

اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

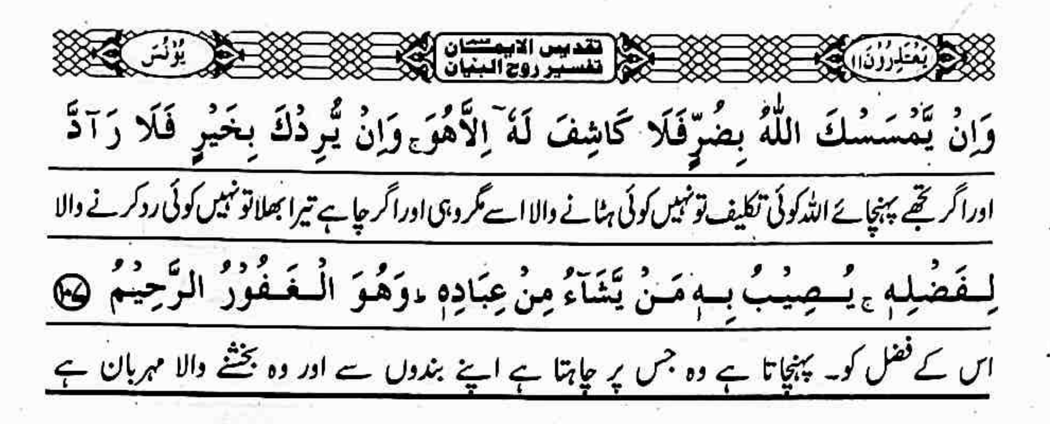
تو اس وقت ظالموں سے ہوگا۔

(آیت نمبر۱۰۵) اور مجھے اللہ تعالیٰ کا یہ بھی حکم ہے کہ میں دین حقہ پر قائم رہوں۔ فرائض کی ادائیگی اور برائیوں سے بچنے کی سخت پابندی کروں۔ ابن الشیخ فرماتے ہیں کہ دین کیلئے چہرے کی استقامت کا مطلب یہ ہے کہ اپنے نفس کو ہمہ وقت عبادت الٰہی پر لگانا اور ماسوی اللہ سے روگردان رہنا۔

فائدہ: تفسیر الکواشی میں ہے اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مومن کامل ہونے کے بعد نیک اعمال صرف رضاء الٰہی کیلئے ادا کرنے۔ اور (حنیفا) کا مطلب یہ ہے کہ باطل دینوں سے منہ موڑ کر دین حقہ کی طرف ایسا متوجہ ہوتا کہ اس میں کسی اور چیز کا دل میں قطعاً کوئی خیال نہ آئے۔

آگے فرمایا کہ نہ ہوں مشرکوں سے۔ یعنی نہ ان جیسا عقیدہ ہو۔ نہ ان جیسا عمل ہو۔

(آیت نمبر۱۰۶) اور نہ عبادت کیجئے اللہ کے سوا کسی اور کی جنکو جب بلایا جائے۔ مصیبت دور کرنے یا کوئی فائدہ حاصل کرنے کیلئے تو وہ تمہیں کسی قسم کا نہ جواب دے سکیں اور نہ فائدہ دیں اور اگر ان کی عبادت نہ کی جائے تو وہ تم سے بھلائی روک کر تمہیں کوئی نقصان بھی نہیں پہنچا سکتے اور نہ وہ تمہیں کسی قسم کی تکلیف میں مبتلاء کر سکتے ہیں تو یاد رکھیں جن کاموں سے منع کیا گیا ہے۔ یعنی غیر اللہ کی پرستش سے روکنے کے باوجود بھی اگر تم نے یہ ارتکاب کیا تو تم ظالموں سے ہو جاؤ گے یعنی غیر اللہ جو کسی چیز میں تصرف کے اہل نہیں۔ اس کی طرف تصرف کی نسبت تم نے غیر محل میں کردی۔ اس لحاظ سے ایسے شخص کو ظالم کہا گیا کیونکہ حقیقی طور پر نفع و نقصان دینے والا صرف اللہ ہے۔ اس کے سوا ہر چیز کو فنا ہے۔ حتیٰ کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر بھی موت آئی اور وہ دنیا سے دار آخرت کی طرف کوچ کر گئے تو جس پر فنا نہیں وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ (یہ خطاب بھی ظاہراً حضور کو ہے۔ حقیقتاً ہر ایک کو ہے۔)



وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ

اوراگر تجھے پہنچائے اللہ کوئی تکلیف تو نہیں کوئی ہٹانے والا اسے مگر وہی اور اگر چاہے تیرا بھلا تو نہیں کوئی رد کرنے والا

لِفَضْلِهٖ ۚ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٧﴾

اس کے فضل کو۔ پہنچاتا ہے وہ جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور وہ بخشنے والا مہربان ہے

(آیت نمبر ۱۰۷) اگر تجھے اللہ تعالیٰ کوئی مرض یا بھوک وغیرہ جیسا نقصان پہنچانا چاہے۔ تو پھر اس کے سوا تجھ سے ہٹانے والا بھی کوئی نہیں اور اگر وہ خیر و بھلائی اور مال و راحت دینا چاہے تو اس کے فضل و کرم کو کوئی رد کرنے والا بھی نہیں ہے۔ عقیدہ: مسلمان کا یہی ہونا چاہئے۔ کہ خیر محض فضل الٰہی سے ملتی ہے۔ اور شر بھی ادھر سے ہی ہے لیکن وہ بداعمالیوں کی وجہ سے آتا ہے۔

مسئلہ: معلوم ہوا کہ خیر و برکت محض اس کا فضل و کرم سے ہے اور اس پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے کہ وہ اس کے استحقاق کیوجہ سے اسے کچھ دے۔ یہ رزق وغیرہ دینے کا معاملہ اس نے خود اپنے ذمہ کرم پر لیا ہے۔

نکتہ: خیر کا ملنا اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے جو بغیر سبب کے بھی مل جاتی ہے۔ لیکن ضرر کے لئے اسباب خارجیہ کا ہونا ضروری ہے۔ اسی لئے خیر کے ساتھ استثناء نہیں اور ضرر کے ساتھ استثناء ہے۔

آگے فرمایا کہ وہ اپنے فضل و کرم سے خیر پہنچاتا ہے۔ جس کو چاہے اپنے بندوں میں سے اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اس لئے گناہ کی وجہ سے اس کی رحمت و بخشش سے ناامید نہ ہو جاؤ۔ بلکہ اس کی اطاعت کے ساتھ اس کی رحمت کو بھی حاصل کرو۔ رحمت و بخشش تو اس کی ویسے ہی عام ہے۔ مسلم و غیر مسلم سب اس سے نفع اٹھا رہے ہیں۔

فائدہ: مفاتیح میں ہے کہ غفور کا معنی ہے کہ جو دنیا میں بندے کے گناہوں پر پردہ ڈالے اور آخرت میں پکڑ نہ فرمائے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو اپنے مسلمان بھائی کا پردہ رکھے۔ بروز قیامت اللہ تعالیٰ اس کا پردہ رکھے گا (ریاض الصالحین و مشکوٰۃ شریف)۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔ وہ ہمیں رحمت کی بارش عطا فرمائے اور اپنے فضل و رحمت کے ڈونگرے ہم پر برسائے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا

فرمادو اے لوگو تحقیق آیا تمہارے پاس حق تمہارے رب کی طرف سے پس جو راہ پر آ گیا تو بے شک

يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ

وہ راہ پایا اپنی ذات کیلئے۔ اور جو بہک گیا تو بے شک گمراہی کا وبال اسی پر ہے اور نہیں میں تم پر

بِوَكِيْلٍ ۭ ﴿۱۰۸﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ صلے

کوئی ضامن۔ اور پیروی کرو اس کی جو وحی ہوئی آپ کی طرف اور صبر کر یہاں تک کہ فیصلہ کرے اللہ

وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ع ﴿۱۰۹﴾

اور وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

(آیت نمبر ۱۰۸) اے میرے محبوب ﷺ ان کفار مکہ سے فرمائیں۔ اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آ گیا۔ یہاں حق سے مراد قرآن مجید ہے۔ یعنی قرآن اترا جسے تم نے سنا اس میں واضح دلائل اور روشن ہدایت ہے۔ اب تمہیں عذر کی کوئی گنجائش نہیں۔ اب جو ایمان لانے کے بعد اس کے مطابق عمل کرے گا۔ وہ ہدایت پائے گا اور جو بھی ہدایت پائے گا وہ اپنی ذات کیلئے یعنی اس کا فائدہ اسی کو ہوگا۔ اور جو اس قرآن سے منہ پھیر کر گمراہ ہو گیا تو اس کی گمراہی کا وبال اسی کے سر پر ہوگا۔ اسی طرح میرے پیارے نبی جو آپ تبلیغ و ارشاد فرماتے ہیں۔ اس میں تمہارا ہی نفع ہے۔ اتنا فائدہ ہے کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے اور آپ ان کو بتا دیں۔ اگر نہیں مانو گے۔ تو تم خود نقصان اٹھاؤ گے۔ آگے فرمایا کہ میں تم پر نگران یا محافظ بن کر نہیں آیا کہ تمہارے سب معاملات کو میں درست کروں۔ میں تو بشیر و نذیر بن کر آیا ہوں کہ جو مانے گا اسے جنت کی بشارت دونگا اور منکر کو عذاب سے ڈراؤں گا۔

(آیت نمبر ۱۰۹) اے محبوب آپ اس پر چلیں جو آپ کی طرف وحی کی جا رہی ہے۔ یعنی جیسے اس میں حق کی طرف سے بتائے ہوئے راستے واضح بیان ہوئے۔ آپ ہمیشہ ان پر ہی چلتے رہیں اور بے شک جب آپ ان پر عمل کرنے کا حکم دیتے ہیں تو وہ آپ کو اذیت پہنچاتے ہیں تو آپ اس پر صبر کریں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ

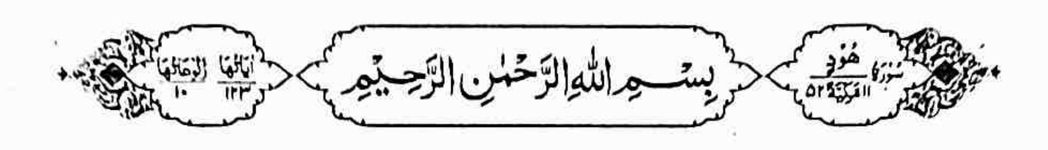
فرمائے۔یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو فتح ونصرت عطا فرمائے۔اورآپ کے دین کو سب دینوں پر غالب فرمادے اوروہ تمام فیصلے کرنے والوں سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔اس لئے کہ اس کے فیصلے میں کسی قسم کی خطا کا وہم وگمان ہی نہیں۔ اس لئے کہ اس کے علم کے سامنے ظاہر وباطن سب برابر ہے۔

فائدہ:بندے کو چاہئے کہ وہ احکام خداوندی کے سامنے سرتسلیم خم کر کے اللہ تعالیٰ کی قضاوقدر کو دل سے مانے ورنہ اس پر تقدیر بالا جبار جاری ہوگی۔اگر دل سے مان لے تو زندگی خیریت سے بسر ہوگی اور مرنے کے بعد بھی عیش وعشرت ملے گی اور حضور ﷺ کی ذات پاک ہمارے لئے نمونہ ہے کہ آپ تقدیر کے آگے سرتسلیم خم رہتے تھے۔ہر بلا ومصیبت پر صبر فرماتے تھے۔پھر اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کیلئے دین کو وہ فتح ونصرت عطا فرمائی کہ آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی آج تک دین صحیح سلامت ہے اور قیامت تک قائم دائم رہے گا ان شاء اللہ

حضور ﷺ پر کفار کی اذیتیں:

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم مسجد حرام میں تھے اور نبی کریم ﷺ خانہ کعبہ کے پاس نماز ادا فرمارہے تھے۔ابوجہل نے ساتھیوں سے کہا فلاں قبیلے والوں نے اونٹ ذبح کیا ہے۔اس کی اوجھ تم میں سے کوئی لے آئے۔تو ایک بد بخت عقبہ بن ابومحیط گیا اور لاکر حضور ﷺ سجدے کی حالت میں تھے کہ لاکر حضور ﷺ کے سر مبارک پر رکھ دی اور آپ سر نہ اٹھا سکے۔یہاں تک کہ جنت کی عورتوں کی سردار بی بی فاطمہ پاک تشریف لائیں اور وہ اوجھ اٹھا کر الگ پھینکی اور کفار کو برا بھلا کہا۔اسی طرح کئی دفعہ کفار حضور ﷺ پر غلاظت پھینک دیا کرتے تھے۔کبھی راستے میں کانٹے بچھا دیا کرتے غلاموں نے بددعا کیلئے کہا تو آپ نے فرمایا تمہیں مبارک ہو۔اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غلبہ عطا فرمائے گا اور اپنا کلمہ اسلام مکمل فرمائے گا۔یہ تمہارے دشمن ایک دن تمہارے ہی ہاتھوں ذبح ہوں گے۔ چنانچہ غزوۂ بدر میں ایسا ہی ہوا کہ وہ کفار مکہ مسلمانوں کے ہاتھوں بری طرح مارے گئے۔اللہ تعالیٰ نے اسلام کو فتح عطا کی۔

اختتام سورۃ: مورخہ ۱۳ اکتوبر ۲۰۱۵ء بروز ہفتہ بوقت نماز صبح



الٓرٰ ۚ کِتٰبٌ اُحۡکِمَتۡ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتۡ مِنۡ لَّدُنۡ حَکِیۡمٍ خَبِیۡرٍ ۙ ①

یہ کتاب ہے محکم ہیں اس کی آیتیں۔ پھر تفصیل کی گئی اس کی طرف سے جو حکمت والا خبردار ہے

اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰہَ ؕ اِنَّنِیۡ لَکُمۡ مِّنۡہُ نَذِیۡرٌ وَّبَشِیۡرٌ ۙ ②

کہ نہ عبادت کرو مگر اللہ کی۔ بے شک میں تمہیں اس کی طرف سے ڈرانے اور خوشخبری سنانے والا ہوں۔

(آیت نمبر۱) الٓرٰ یہ حروف مقطعات میں سے ہے۔ اس کا حقیقی علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے بھیدوں میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ان کے علوم سے نوازے۔ کچھ بزرگوں نے "الٓرٰ" کے الگ الگ معانی مطالب بیان کئے ہیں۔ لیکن ان کی اصل مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

آگے فرمایا کہ یہ کتاب جس کا نام قرآن مجید ہے۔ اس کی آیات اتنی محکم اور مضبوط ہیں کہ اس میں لفظاً یا معنیً کسی قسم کا کوئی نقص یا سقم نہیں ہے۔ اس کی آیات تغیر وتبدل سے محفوظ ہیں۔ پھر تفصیل سے بیان کی گئی ہیں۔ یعنی اس کی آیات جیسے موتیوں کا مزین اور مرصع ہار ہوتا ہے اور فوائد بھی اسی طرح ہیں۔ یعنی اس کے مقاصد مختلف اور عجیب وغریب معانی ہیں اور اس میں عقائد واحکام مواعظ اور امثال وغیرہ کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔

فائدہ: آگے کتاب کی جلالت شان بیان کرتے ہوئے۔ فرمایا کہ دیکھو کہ یہ کتاب آئی کہاں سے ہے۔ تو بتایا کہ یہ کتاب اس ذات پاک کی طرف سے آئی ہے جو حکیم بھی ہے اور خبیر بھی۔ یعنی یہ دونوں اس کی صفات ہیں حکیم اس لئے ہے کہ قرآن مجید کو اس نے اپنی حکمت کے مطابق اتارا ہے۔ اور خبیر کی صفت اس لئے یہاں لائے کہ وہ ہر ایک کو جانتا ہے کہ کون اس کے فرمودات کو دل سے مانتا ہے اور کون اس سے منہ پھیرتا ہے۔

(آیت نمبر۲) اے اہل مکہ تم غیر اللہ کی عبادت ترک کردو۔ اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کوشش کرو۔

وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا

اور یہ کہ معافی مانگو اپنے رب سے پھر توبہ کرو اس کی طرف نفع دے گا تمہیں بہت اچھا

اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا

ایک وقت مقرر تک اور دے گا ہر فضیلت والے کو اپنا فضل۔ اور اگر وہ مڑ گئے

فَاِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ③

پس بے شک میں ڈرتا ہوں تم پر عذاب اس دن سے جو بڑا ہے۔

(بقیہ آیت نمبر۲) **فائدہ**: معلوم ہوا کہ کتاب کے نزول کا مقصد اولیں عبادت خداوندی کا صحیح طور پر بجالانا ہے۔ اس کے علاوہ کسی کام میں زندگی گذارنا نقصان ہی نقصان ہے۔

آگے فرمایا کہ بے شک میں تمہارے لئے نذیر بھی ہوں اور بشیر بھی ہوں۔ یہ کلام حضور ﷺ سے کہلوایا گیا یعنی میں تمہیں عذاب الٰہی سے ڈراتا بھی ہوں کہ اگر تم نے کفر اختیار کیا۔ یا غیر اللہ کی پرستش کی تو پھر تمہارے لئے عذاب ہے اور اگر ایمان لا کر اس پر قائم رہے تو تمہیں ثواب کی خوشخبری سناتا ہوں۔

فائدہ: بشارت سے پہلے ڈرایا تاکہ ڈر کر ایمان لائیں اور اس پر قائم رہ کر جنت کی بشارت پائیں۔

(آیت نمبر۳) اور جو جو سابقہ کفر و شرک ہوا۔ اس پر اپنے رب سے بخشش مانگو۔ اور پھر اس کی بارگاہ میں توبہ بھی کرو۔ یعنی محض زبانی نہیں بلکہ خلوص دل سے توبہ کرو۔ اور پھر اس پر قائم دائم بھی رہو۔

فائدہ: الارشاد میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے احکام اور ان کی تفصیل اس لئے بھیجی کہ تم خالص اسی کی عبادت کرو۔ اور جو جو تم سے گناہ شرک وغیرہ ہوئے ان پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو۔ اور پھر اس کی طاعت و عبادت میں خوب کوشش کرو۔

توبہ اور استغفار میں فرق: علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ استغفار اور توبہ میں فرق ہے۔ امام حدادی فرماتے ہیں کہ توبہ میں صدق ضروری ہے اور استغفار بالاجماع توبہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ شرعی توبہ میں مندرجہ ذیل الفاظ کہنے ضروری ہیں۔ "تبت واسات ولااعود الیه ابدا فاغفرلی یا رب" (میں نے توبہ کی اور جو کیا وہ برا کیا۔ لوٹ کر یہ کام کبھی نہیں کروں گا۔ اے میرے رب مجھے بخش دے) آگے فرمایا "یمتعکم متاعا حسنا" یعنی ہم تمہیں نفع بخش

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ④

طرف اللہ کے لوٹنا تمہارا۔ اور وہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے

(بقیہ آیت نمبر۳) اور خوشگوار زندگی دیں گے۔ جو تمہاری خواہش کے مطابق ہوگی۔ اس کی اشیاء کبھی تم سے ختم نہیں ہوں گی اور نہ ہی تمہاری عیش وعشرت کو کوئی چیز خراب اور مکدر کر سکے گی۔ ایک میعاد مقرر تک یعنی جو زندگی کا تمہارا وقت مقدر اور مقرر ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو فرمایا کہ کلمہ پڑھ لے۔ پھر بادشاہی تا حیات کر اور تجھے نئی جوانی مل جائے گی۔ لیکن ہامان نے کہا کلمہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ بادشاہی تو ملی ہوئی ہے۔ یہ چھین کوئی نہیں سکتا اور میں تجھے ابھی جوان بنا دیتا ہوں۔ سیاہ خضاب لا کر سر اور داڑھی پر لگا دیا اور کہا لے اب تو جوان ہو گیا۔

مسئلہ: اسی بناء پر بعض فقہاء نے اسے حرام کہا ہے۔ کہ سیاہ رنگ سب سے پہلے فرعون نے داڑھی کو لگایا۔

آگے فرمایا کہ وہ اللہ ہر فضیلت والے پر فضل کرتا ہے۔ فضل سے مراد درجات عالیہ ہیں۔ یعنی اللہ نیک اعمال کی جزائیں دینے میں کمی نہیں کرتا۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ دیتا ہے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو ایک نیکی کرے اسے کم از کم دس گنا اجر دیتا ہے۔ **فائدہ**: جرجانی فرماتے ہیں۔ ذوفضل سے مراد خوش قسمت صاحب ایمان انسان ہے۔ آگے فرمایا اور اگر وہ توبہ استغفار سے مڑ گئے یعنی گناہوں پر ہی جمے رہے اور توبہ استغفار نہ کی تو مجھے تم پر بہت بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے۔

فائدہ: تبیان میں ہے کہ قیامت کو بڑا دن اس لئے کہا گیا کہ اس دن بہت بڑی ہولناکی ہوگی اور ہر آدمی خوف زدہ ہوگا۔ سوا ان لوگوں کے جن پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوگا۔

(آیت نمبر۴) اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے۔ یعنی مرنے کے بعد جب بروز قیامت قبروں سے جزا وسزا کیلئے تم اٹھو گے۔ اس وقت گویا تمہیں لوٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف ہی جانا ہوگا۔ آگے فرمایا کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس لئے اے کافرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دینے پر بھی قادر ہے۔ اس لئے کہ ثواب وعذاب بھی تقدیرات میں آتے ہیں۔ **مسئلہ**: اس سے معلوم ہوا کہ توبہ اور استغفار سعادت دارین کی کنجی ہے۔ **حدیث شریف**: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لا الہ الا اللہ'' جنت کی قیمت ہے (اخرجہ ابن عدی فی الکامل وابونعیم)۔ یعنی جس نے ''لا الہ الا اللہ'' پڑھ لیا۔ اس نے جنت کی قیمت ادا کر دی اور جس نے یہ کلمہ نہیں پڑھا وہ اگر زمین سونے کی بھر کر بھی دے اور عوض میں جنت خریدنا چاہے تو اسے ایک بالشت جگہ بھی نہیں مل سکتی۔

اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ

خبردار بے شک وہ دوہرے کرتے ہیں سینے اپنے تاکہ چھپ جائیں اس سے۔ خبردار جس وقت اوڑھتے ہیں وہ

ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

اپنے کپڑے اس وقت وہ جانتا ہے جو چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں بے شک وہ جاننے والا ہے سینوں کے اندر کو

(بقیہ آیت نمبر۴) **حدیث شریف:** آدم علیہ السلام نے عرض کی۔ یا اللہ یہ شیطان جو ہم پر مسلط ہو گیا۔ اسے ہم کیسے بھگائیں گے فرمایا گھبرائیں نہیں۔ مین نے تمہارے محافظ بھی مقرر کر دیئے ہیں۔ جو شیطان کے مکر و فریب سے بچائیں گے عرض کی کچھ اور بھی عنایت ہو۔ فرمایا جو ایک نیکی کرے گا۔ میں اسے دس گناہ اجر دوں گا۔ عرض کی کچھ اور بھی عنایت ہو۔ فرمایا زندگی کے آخری سانس میں بھی توبہ کی تو قبول کرلوں گا۔ عرض کی کچھ اور فرمایا۔ اب اعلان ہے۔ ''لاتقنطو من رحمة الله'' میری رحمت سے ناامید نہ ہو۔

(آیت نمبر۵) خبردار بے شک وہ اپنے سینوں کو دوہرا کرتے ہیں۔ جیسے کپڑے کو دوتہہ کیا جاتا ہے تاکہ وہ اس سے چھپ جائیں۔ یعنی حضور ﷺ کی مجلس سے چھپ کر نکلنا چاہتے تو یہ ان کا خاص طریقہ واردات تھا۔

شان نزول: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ اخنس بن شریق زہری کے حق میں نازل ہوئی وہ حضور ﷺ سے ظاہرا محبت کرتا اور دل میں بغض وعداوت رکھتا تھا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ منافقین حضور کے پاس سے گذرتے تو پیٹھ اور سینہ چھپا کر سر نیچا کر کے اور آنکھیں چرا کر نکل جاتے تو فرمایا گیا کہ خبردار جب وہ اپنے کپڑے نیچے گراتے ہیں۔ یا جب وہ اپنے بستروں میں آتے تو کپڑوں میں چھپ کر کہتے کیا اب بھی خدا ہمیں دیکھتا ہے۔ تو فرمایا گیا کہ وہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ سینوں کے بھیدوں کو جاننے والا ہے۔ یعنی تمام انسانوں کے دلوں میں جتنی بھی باتیں پوشیدہ ہیں وہ سب کو جانتا ہے۔

ختم پارہ: ۱۴ اکتوبر ۲۰۱۵ء بروز اتوار

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا

اور نہیں کوئی چلنے والا زمین پر مگر ہے اوپر ذمہ کرم اللہ کے رزق اس کا اور جانتا ہے ٹھکانہ

وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٦﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

اور جائے سپردگی اس کی سب کچھ کتاب روشن میں ہے۔ اور وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں

(آیت نمبر۶) نہیں ہے کوئی زمین پر کوئی چوپایہ۔ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ مذکر ہو یا مونث۔ صحیح ہو یا عیب والا۔ پرند ہو یا چرند (کیونکہ پرندہ بھی تو دانہ زمین سے چنتا ہے) دابہ ہر اس حیوان کو کہتے ہیں جو زمین کے اوپر چلتا ہو۔ ان سب کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے۔ یعنی جو غذا اور معاش ان کے لائق ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ انہیں مہیا فرماتا ہے۔ یہ بھی اس کی مہربانی اور اس کا فضل وکرم ہے۔ یعنی کسی کا اللہ تعالیٰ پر کوئی حق نہیں ہے۔ بلکہ یہ اس کی مہربانی ہے کہ اس نے سب کی روزی سے اپنے ذمہ لے لی ہے اور اس نے جو وعدہ کیا وہ پورا کیا اور ان شاء اللہ آئندہ بھی پورا کرے گا۔ آگے فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اس کے ٹھہرنے کی جگہ اور سپردگی کی جگہ۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مستقر وہ جگہ جہاں کوئی دن رات یا ہمیشہ رہتا ہے۔ جہاں قیام وآرام کرتا ہے اور مستودع وہ مقام جہاں مرنے کے بعد دفن ہوگا۔ سب کچھ روشن کتاب لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے۔ جسے فرشتے دیکھتے ہیں۔

چار چیزوں میں تغیر وتبدل نہیں ہوتا: (۱) عمر۔ (۲) رزق۔ (۳) موت کا وقت۔ (۴) نیک بختی یا بدبختی۔

(آیت نمبر۷) وہی ذات ہے کہ جس نے پیدا کئے آسمان ساتوں:

۱۔ فلک القمر

۲۔ فلک عطارد (یہ سفید موتیوں کا ہے۔ عابد لوگوں کی ارواح کا مقر۔

۳۔ فلک زہرا (زاہد لوگوں کا مقر ہے)

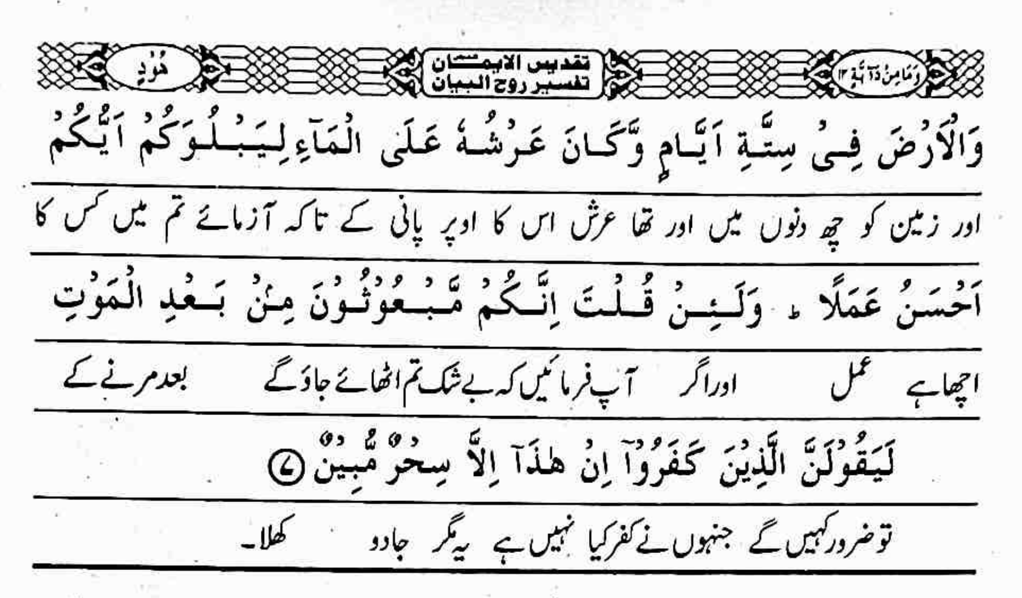
۴۔ فلک شمس (عارف لوگوں کا مقر)

۵۔ فلک مریخ (اولیاء کرام کی ارواح کا مقر)

۶۔ فلک مشتری (ارواح انبیاء کا مقر)

۷۔ فلک زحل (اولوالعزم رسولوں کا)

۸۔ فلک ثوابت (اسے کرسی بھی کہتے ہیں۔ اس کے اوپر عرش ہے)



وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ

اور زمین کو چھ دنوں میں اور تھا عرش اس کا اوپر پانی کے تاکہ آزمائے تم میں کس کا

اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ

اچھا ہے عمل اور اگر آپ فرمائیں کہ بے شک تم اٹھائے جاؤ گے بعد مرنے کے

لَیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۞

توضرور کہیں گے جنہوں نے کفر کیا نہیں ہے یہ مگر جادو کھلا۔

فائدہ: ساتوں آسمانوں کے طبقات اور جنسیں الگ الگ ہیں۔اس لئے اس کا صیغہ جمع کا لایا اورالارض کا معنی زمین ہے اگرچہ زمینیں بھی سات ہیں۔لیکن ان سب کی جنس ایک ہی ہے وہ مٹی ہے۔اس لئے اس کا صیغہ واحد کا ہے۔

کوہ قاف: روشن دنیا کے گرد تاریکی ہے اور اس کے گرد کوہ قاف ہے۔جس نے تمام دنیا کو گھیرا ہوا ہے۔ آسمانوں کے کنارے اسی کے اوپر ہیں۔آگے فرنایا کہ یہ زمین وآسمان چھ دنوں میں بنائے۔

فائدہ: اگرچہ اللہ تعالیٰ اس دنیا کو ایک لمحہ سے بھی کم وقت میں بنا سکتا ہے لیکن بندوں کی تعلیم کیلئے ایسا کیا تاکہ بندے ہر کام کو بہ تدریج کریں۔آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔

فائدہ: کعب اخبار فرماتے ہیں۔اس سے مراد عام پانی نہیں۔یہ دراصل سبز یاقوت تھا۔اللہ تعالیٰ کی اس پر نظر ہیبت پڑی تو وہ پانی پانی ہو گیا تھا۔اس پر عرش الٰہی تھا۔(اس کی اصل حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے)۔

سب سے اول کون؟ جمہور علماء کا مذہب یہی ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی اکرم ﷺ کا روح مقدس بنایا اور اسی کو عقل اول بھی کہتے ہیں۔(اور روح سے مراد نور مصطفےٰ ﷺ ہے۔جیسا کہ دیگر احادیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا)۔جیسا کہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے نشر الطیب کے مقدمہ میں ایک حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان فرمائی۔کہ اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا۔

وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا

اور اگر ہٹادیں ان سے عذاب تا ایک مدت گنی ہوئی تو ضرور کہیں گے کس نے اسے روکا۔ خبردار

يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ع ﴿۸﴾

جس دن آئیگا ان پر پھر نہیں پھرے گا ان سے اور گھیر لے گا انہیں جو تھے اس کی ہنسی اڑاتے

(بقیہ آیت نمبر ۷) آگے فرمایا کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے اس لئے بنایا تا کہ وہ آزما کر دیکھے کہ کون اچھے عمل کر کے لاتا ہے اگر نیک ہوتو اسے ثواب دیا جائے اور بدکار ہوتو اسے سزا دی جائے۔

آگے فرمایا اگر آپ ان سے فرمائیں کہ بے شک تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے تو کافر ضرور کہیں گے کہ نہیں ہے یہ قرآن مجید جس میں قیامت کے دن اٹھنے کی باتیں ہیں مگر جادو کھلا ہوا۔ یعنی جیسے جادو میں باطل اور غلط باتیں ہوتی ہیں۔ ایسے ہی (معاذ اللہ شاید) یہ قرآن بھی ہے کافر چونکہ قیامت کو اٹھنے کے منکر تھے۔ لہذا وہ اس قسم کی باتیں سننے کیلئے ہرگز تیار نہیں تھے۔

(آیت نمبر ۸) اور اگر ہم ان سے عذاب (جس کا انہیں وعدہ دیا گیا) لیٹ کر دیں۔ گنتی کے چند دنوں تک تو کفار ضرور کہیں گے۔ کس چیز نے عذاب کو روک لیا۔ یہ ان کا جملہ بھی ٹھٹھہ مخول کرنے کیلئے ہے۔ اسی طرح وہ جب عذاب کے مانگنے کا کہتے ہیں تو اس میں استہزاء مراد ہے۔ عذاب کے آنے اور رکنے سے ان کی کوئی غرض نہ تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ جس دن عذاب آئیگا۔ تو پھر مڑے گا نہیں۔ پھر ان کو تباہ کر ہی کے چھوڑے گا اور ان کو پورے طور پر گھیرے میں لے لے گا۔ یعنی ان میں سے کوئی بچ نہیں پائے گا۔ جب واقع ہوگا تو پھر یقیناً واقع ہوگا۔ جس عذاب کو وہ ٹھٹھہ مزاح کے طور پر مانگنے میں جلدی کرتے تھے۔ **فائدہ**: عذاب کا سبب ان کا استہزاء انکار اور تکذیب ہے۔ **حدیث قدسی**: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے اپنی عزت کی قسم میں اپنے بندے پر دو قسم کے خوف اور دو امن جمع نہیں کرونگا (رواہ ابن حبان والبیہقی فی شعب الایمان)۔ یعنی جو بندہ دنیا میں مجھ سے ڈرتا ہے۔ میں آخرت میں اسے بے خوف کر دونگا اور جو دنیا میں بے خوف گناہ کرے گا۔ آخرت میں میں اسے خوف میں مبتلا کر دونگا۔ ایک اور **حدیث شریف** میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو بندہ گناہ بھی کرتا ہے۔ استغفار بھی کرتا ہے اور پھر گناہ کرتا ہے وہ بھی گویا اللہ تعالیٰ سے مزاح کرتا ہے۔ (جامع صغیر ۶۸۰۳)

16

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ

اور اگر چکھائیں انسان کو اپنی رحمت کا مزہ پھر چھین لیں اس سے بے شک وہ ناامید

كَفُوْرٌ ﴿۹﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ

ناشکرا ہو جائے۔ البتہ اگر چکھائیں اپنی نعمتوں کا مزہ بعد تکلیف کے جو اسے پہنچی تو ضرور کہے گا چلی گئی

السَّيِّاٰتُ عَنِّیْ ۭ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۙ ﴿۱۰﴾

برائیاں مجھ سے بے شک وہ خوشی کرنے شیخی مارنے والا ہے

(آیت نمبر۹) اور البتہ اگر ہم انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھائیں۔ یعنی نعمت صحت یا فراغت سے نوازیں۔ یا مال و دولت اسے عطا فرما دیں۔

فائدہ: چونکہ ان چیزوں میں انسان کی ذاتی کوئی لیاقت نہیں۔ اس لئے کہ انہیں جو بھی نعمت ملی ہوتی ہے۔ وہ محض اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے ہی ملی ہوتی ہے۔ آگے فرمایا پھر ہم اس سے وہ نعمت چھین لیں۔ یعنی انسان اس نعمت سے محروم ہو جائے۔ تو پھر وہ مایوس ہو جاتا ہے۔ یہ انسان کی دنیوی امور میں حرص کی دلیل ہے۔ یعنی وہ بے صبری سے سمجھتا ہے کہ اب یہ نعمت ہمیشہ کیلئے مجھ سے منقطع ہو گئی ہے۔ اسے چاہئے تو یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ کرتا۔ لیکن اس نے الٹا ناشکری کا کلمہ کہنا شروع کر دیا۔

(آیت نمبر۱۰) اور اگر ہم اسے نعمتیں چکھائیں اس کے بعد جو اسے تکلیف پہنچی۔ یعنی شدت کے بعد نعمت عطا کر دیں۔ یا بیماری کے بعد صحت مل جائے یا غربت کے بعد مال و دولت مل جائے۔

مسئلہ: معلوم ہوا کہ رحمت اور نعمت کا ملنا محض فضل الٰہی کی وجہ سے ہے اور دکھ تکلیف کا آنا شامت اعمال کی وجہ سے ہے تو فرمایا کہ جب انسان کو دنیا میں اتنی بڑی نعمتیں ملتی ہیں یا بہت بڑے دکھ کے بعد سکھ ملتا ہے تو انسان شکر کے بجائے یہ کہے گا کہ کچھ وقت کیلئے دکھ تکلیفیں آئی تھیں۔ اب وہ چلی گئیں۔ پھر وہ مغرور لوگوں کی طرح خوش ہوتا ہے۔ **تنبیہ**: منعم کی مہربانیوں کو فراموش کر کے نعمت پر اترانا غافل لوگوں کا کام ہے۔

آگے فرمایا کہ اس کا برا کام یہ ہے کہ نعمت دیکھ کر پھر وہ دوسروں پر فخر و تکبر کرتا ہے۔ نعمت پر شکر کرنے کے بجائے۔ ناز و نعم میں لگ جاتا ہے۔ اور نعمت دینے والے کو بھول جاتا ہے۔ ایک لمحہ کے لئے بھی پھر اسے یاد نہیں کرتا۔

اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ

مگر جنہوں نے صبر کیا اور عمل نیک کئے ان ہی کیلئے بخشش اور اجر ہے

كَبِيْرٌ ⑪

بڑا

(آیت نمبر ۱۱) مگر جن لوگوں نے صبر کیا۔ یعنی مصائب وآلام میں بھی وہ قضاء الٰہی پر راضی بہ رضا رہے۔ اور صبر کیا۔ **حدیث شریف**: تین آدمی دنیا آخرت میں ہر قسم کے مصائب وآلام کے وقت امن وامان میں ہوں گے۔ (۱) اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر ایمان رکھنے والا۔ (۲) ستاروں کی تاثیر پر اعتقاد نہ کرنے والا۔ (۳) میری سنت پر قائم رہنے والا۔ انہیں اللہ تعالیٰ اپنے حفظ وامان میں رکھے گا۔

مسئلہ: تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ یقین سے مانے کہ اب جو ہو رہا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر کے مطابق ہے جو ازل میں اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا اور اس کے ارادہ کے مطابق ہے۔

مسئلہ: علم نجوم سیکھنا بھی حرام ہے اور ان نجومیوں کی کہی ہوئی بات پر اعتبار کرنا بھی سخت منع ہے۔

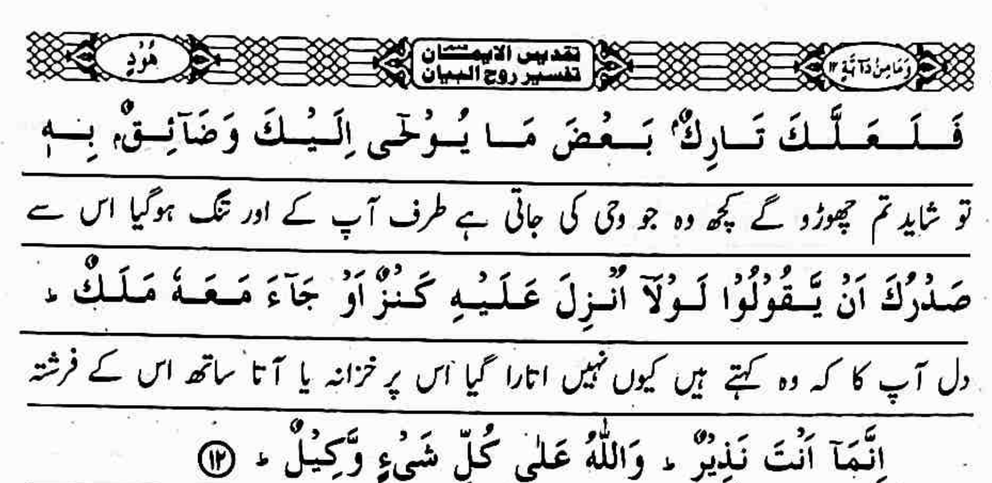
آگے فرمایا کہ انہوں نے صبر کیا اور عمل بھی نیک کئے۔

فائدہ: صالح عمل وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور رسول کے حکم کے مطابق ہوں اور وہ محض رضاء الٰہی کیلئے ہوں۔

فائدہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے صبر اور شکر دو سواریاں ہیں۔ جس پر چاہو۔ سوار ہو جاؤ۔ یعنی ان پر سوار ہونے والوں کو یہ اللہ تعالیٰ تک پہنچا دیتی ہیں۔

آگے فرمایا ان مذکور اوصاف والوں کے لئے بخشش ہے۔ خواہ کتنے گناہ گار ہوں اور ان کے اچھے اعمال پر اجر بھی بہت بڑا ہے۔ جس اجر کا کم سے کم درجہ جنت ہے۔ تفسیر کواشی میں بھی اجر کبیر سے مراد جنت لی گئی ہے۔

فائدہ: شیخ الاسلام نے فرمایا۔ جنت میں ایک ایسی خاص الخاص نعمت ہوگی۔ جس کے مقابلے میں جنت کی تمام نعمتیں کم تر اور لاشیء ہونگی۔ وہ ہے دیدار الٰہی۔ جب یہ حاصل ہوگا تو جنتی باقی تمام نعمتوں کو بھول جائیں گے۔



فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ

تو شاید تم چھوڑو گے کچھ وہ جو وحی کی جاتی ہے طرف آپ کے اور تنگ ہوگیا اس سے

صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ

دل آپ کا کہ وہ کہتے ہیں کیوں نہیں اتارا گیا اس پر خزانہ یا آتا ساتھ اس کے فرشتہ

اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ وَّكِيْلٌ ؕ ﴿۱۲﴾

بے شک آپ ڈرانے والے ہیں اور اللہ ہر چیز پر محافظ ہے

(آیت نمبر ۱۲) شاید کہ آپ چھوڑنے والے ہیں بعض احکام وحی۔

شانِ نزول : مشرکین نے حضور ﷺ سے کہا کہ اگر آپ ہمارے بتوں کی مذمت والی آیات کو ظاہر نہ کریں۔ تو ہم ایمان لے آئیں گے تو ان کی اس بات سے آپ کے دل مبارک پر بڑا اثر ہوا۔

وہم کا ازالہ: اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ واقعی حضور ﷺ کفار کی باتوں میں آ کر کچھ احکام خداوندی کو چھوڑنے پر تیار ہو گئے تھے۔ اس طرح کا اگر امکان مان لیا جائے پھر تو نبوت سے تبلیغ کی امان اٹھ جائے گی اور عصمت نبوت پر دھبہ آ جائے گا۔ اس لئے جو امور حضور ﷺ کی عصمت کے خلاف ہوں۔ انہیں ذات نبوی سے دور رکھا جائے۔ **فائدہ:** بعض احکام سے مراد وہی ہیں جن کے متعلق کفار نے کہا تھا کہ ان کے بتوں کی مذمت نہ کی جائے یا ان کے آباء کی تقلید وغیرہ کی مذمت کو قرآن سے نکال دیا جائے۔ آگے فرمایا کہ اس سے آپ کا سینہ مبارک تنگ ہوا۔ **فائدہ:** سینہ کی تنگی حقیقی نہیں تھی۔ بلکہ عارضی تھی۔ وہ بھی مصلحت کے تحت۔ ورنہ کفار بھی آپ کو کشادہ سینہ والے کہا کرتے تھے۔ یہ اہل عرب کے ہاں بطور محاورہ ہے کہ فلاں کھلے سینے والا ہے۔ یعنی آپ کے سینہ کی تنگی اس وقت ہوتی ہے۔ جب آپ کو جھٹلانے والے آپ پر طرح طرح الٹے پلٹے سوالات کرتے۔ مثلاً آپ کو خزانہ کیوں نہ دیا گیا۔ کہ اس کی وجہ سے آپ بادشاہوں کی طرح زندگی گذارتے اور گرداگرد نوکر چاکر ہوتے۔ اپنی دنیوی ضروریات کو پورا کرتے کنز سے مراد مال کثیر ہے اور اترنے سے مراد ملنا ہے۔ ورنہ خزانہ تو زمین میں ہوتا ہے۔ آسمانوں سے نہیں اترتا۔ آگے کہا کہ یا اس نبی کے ساتھ ہمہ وقت فرشتہ ہوتا جو اس کے نبی ہونے کی گواہی دیتا۔ تکلیف کے وقت ان کی مدد کرتا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب آپ انہیں دوزخ کا ڈر سنانے گئے ہیں۔ ان کے مطالبات پورے کرنے نہیں گئے اور ان کے مطالبات آپ پورے نہیں کر سکتے۔ اگر وہ آپ سے ٹھٹھہ مزاح کریں۔ تو ملال خاطر نہ ہوں۔ آپ صرف اپنی ذمہ داری پوری کریں۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا کارساز ہے۔ وہی ان کے اقوال وافعال کو جانتا ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا

یا کہتے ہیں کہ اس نے خود بنالیا۔ فرمادو لاؤ تم دس سورتیں اس کی مثل بنائی ہوئی۔ اور بلاؤ

مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ

جسے بلا سکتے ہو سوائے اللہ کے اگر ہو تم سچے۔ پھر بھی اگر نہ جواب دیں تمہیں

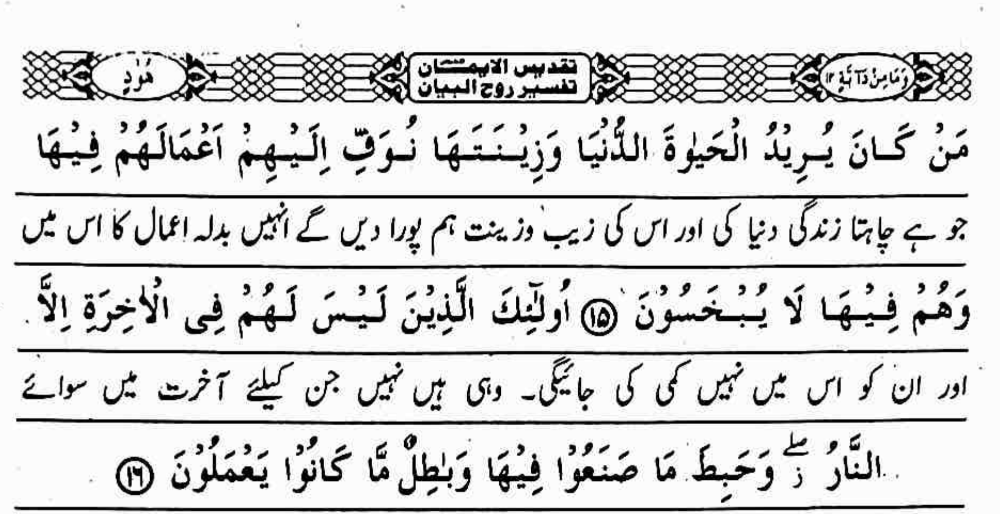
فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾

تو جان لو بے شک یہ اترا ساتھ علم اللہ کے اور یہ کہ نہیں معبود مگر وہی تو کیا اب تم ماننے والے ہو

(آیت نمبر۱۳) ام منقطعہ۔ ہمزہ مقدر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا یہ کافر لوگ حضور ﷺ کی طرف افتراء کی نسبت کرتے ہیں۔ یہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ پر بہتان تراشی کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اے محبوب ان کافروں سے فرمائیں۔ اگر میں نے یہ قرآن اپنی طرف سے بنالیا ہے تو تم پورا قرآن نہ سہی کوئی دس سورتیں بالکل فصاحت و بلاغت میں ایسی ہی ہوں بنا کر دکھادو۔ اگر تم خود بناؤ تو زیادہ اچھا ہے حالانکہ میں تو کسی دنیوی استاد کے پاس پڑھا بھی نہیں اور تم اپنے آپ کو بڑا پڑھا لکھا کہتے ہو۔ ذرا طبع آزمائی کرلو۔ اور خود نہیں کر سکتے تو جنہیں اپنا مددگار سمجھتے ہو۔ انہیں بھی بلالو۔ یا اپنے بتوں کو کہو جنہیں ہر آڑے وقت میں پکارتے ہو۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو کیونکہ اگر ایک انسان ایک چیز بنا سکتا ہے تو ظاہر ہے دوسرا انسان بھی بنا سکے گا۔ لہٰذا سب مل کر اب یہ کام کرو۔ کم از کم دس سورتیں بنالاؤ۔ دوسری جگہ فرمایا۔ ایک ہی چھوٹی سورت بنالاؤ۔

(آیت نمبر۱۴) اے محبوب اگر یہ کافر آپ کے چیلنج کو قبول نہیں کرتے۔ یعنی جب تم انہیں اس قرآن کا مقابل لانے کا کہتے ہو۔ یہ اس کا مقابل کوئی دس سورتیں بھی نہیں لا سکتے بلکہ ایک سورۃ بھی نہیں لاتے تو اس سے خود بخود ان کا عجز ظاہر ہوگیا ہے تو اس سے اب سب لوگ جان لو کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے علم سے نازل ہوا ہے۔ یعنی اس کے خواص حقائق اور کیفیات کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ علم اللہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم کو مخلوق کے علم سے کوئی نسبت نہیں۔ **فائدہ**: معلوم ہوا کہ قرآن مجید حضور ﷺ کے اعلیٰ معجزات سے ہے کہ آپ کے دعویٰ رسالت پر معجزہ کی طرح دلالت کرتا ہے۔ اور معجزہ کہتے ہی اسے ہیں۔ جس کا مقابلہ نہ ہو سکے۔

آگے فرمایا کہ یہ یقین کرلو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں کہ اس نے وہ کتاب نازل کی جس کا مقابل کوئی بھی نہیں لا سکتا تو کیا تم مان لو گے یعنی اسلام پر قائم ہو جاؤ گے اور اپنے اندر اخلاص پیدا کرلو گے۔



مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا

جو ہے چاہتا زندگی دنیا کی اور اس کی زیب وزینت ہم پورا دیں گے انہیں بدلہ اعمال کا اس میں

وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا

اور ان کو اس میں نہیں کمی کی جائیگی۔ وہی ہیں نہیں جن کیلئے آخرت میں سوائے

النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

آگ کے اور ضائع ہوا جو کیا انہوں نے اس میں اور برباد ہوا جو تھے وہ عمل کرتے

(بقیہ آیت نمبر۱۴) **مسئلہ**: اس سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان اپنے مقتداؤں کی دینی امور میں معاونت کیا کریں۔ (۲) یہ کہ توحید پر ثابت رہنا لازمی امر ہے۔ اور بندہ ہمہ وقت خلوت وجلوت میں ذکر الٰہی جاری رکھے۔

(آیت نمبر۱۵) جو شخص دنیا کی زندگی کا ارادہ رکھتا ہے اور اس کی زیب وزینت چاہتا ہے۔ یعنی دنیا میں امن وسکون۔ آسائش وآرام اور مدد اور رزق کی فراخی مرتبہ وجاہ کا طالب ہو تو ہم اس کے دنیا والے اچھے اعمال کا بدلہ اسے دنیا میں ہی پورا پورا دیتے ہیں۔ اسی طرح دوسری جگہ فرمایا جو جلدی چاہتا ہے یعنی دنیا میں بدلہ چاہتا ہے۔ ہم اسے دنیا میں ہی دے دیتے ہیں۔ یعنی اس کے اعمال کا بدلہ دنیا میں ملے اور آخرت میں وہ محروم رہے۔

آگے فرمایا کہ وہ پھر دنیا میں بھی کسی گھاٹے میں نہیں رہتے۔ یعنی ان کے اعمال کا بدلہ انہیں پورا مل جاتا ہے۔ لیکن یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک بندہ بعض امور کو دنیوی سمجھے اور وہ اللہ کے ہاں پسندیدہ ہو اور بہت سارے امور آخرت کیلئے کرے اور اللہ تعالیٰ کو وہ ناپسند ہوں۔

(آیت نمبر۱۶) جو لوگ اعمال کا بدلہ صرف دنیا میں ہی چاہتے تھے۔ ان کیلئے آخرت میں جہنم کے سوا کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ وہ یہی چاہتے تھے کہ دنیا کا معاملہ سیدھا ہو۔ جنت خواہ ملے یا نہ ملے۔

آگے فرمایا۔ ان کے وہ اعمال جو انہوں نے دنیا میں کئے تھے وہ تو سب ضائع ہو گئے کیونکہ وہ اعمال اللہ کیلئے نہیں کرتے رہے۔ بلکہ صرف دنیا کے حصول کیلئے کرتے رہے اور جو عمل وہ شہرت اور ریاکاری کیلئے کرتے رہے۔ وہ بھی سب ضائع ہو گئے۔ چونکہ وہ سب عمل دنیا کو خوش کرنے کیلئے کرتے رہے۔ آخرت کیلئے کئے ہی نہیں۔

فائدہ: اس سے مراد کفار ہیں۔ کہ ان کافروں کیلئے دنیا ہی ہے۔ انہیں آخرت میں یعنی جنت میں کچھ نہیں ملے گا۔ مسلمان جہنم میں گیا تو کسی وقت ضرور جنت میں جائے گا اور اپنے اعمال کا بدلہ پائے گا۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ

کیا پس جو ہو اوپر دلیل کے اپنے رب کی طرف سے اور پیچھے آئیں گواہ اس کی طرف سے اور اس سے پہلے

كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ

کتاب موسیٰ علیہ السلام کی پیشوا اور رحمۃ تھی۔ وہ ایمان رکھتے ہیں اس پر اور جو کفر کرے گا

بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۗ اِنَّهُ

اس پر گروہوں سے تو آگ ہی اس کا وعدہ ہے۔ پھر نہ ہو تو شبہے میں اس کے بے شک وہ

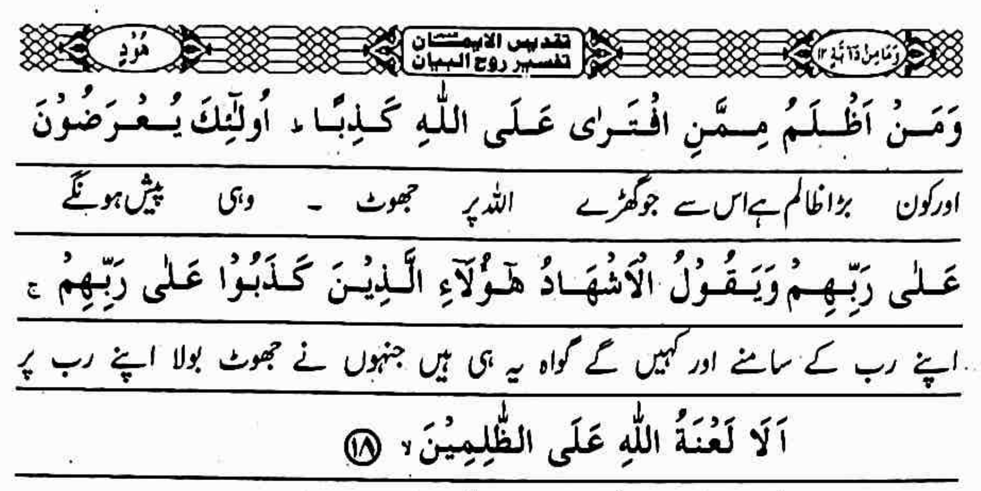
الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾

برحق ہے تیرے رب کی طرف سے لیکن اکثر لوگ نہیں ایمان لاتے۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۶) **مسئلہ**: جو بندہ مسلمان ہو جاتا ہے اس کی ہر نیکی پر اسے اجر ملتا ہے۔ صدقہ خیرات صلہ رحمی جود و احسان وغیرہ یا لوگوں سے برائیاں دور کرنا۔ اس پر امت کا اجماع ہے۔ **فائدہ**: کفار خواہ کتنی بڑی نیکیاں کر لیں انہیں ان کے نیک اعمال کا کوئی ثواب نہیں۔ نہ ہی نیک اعمال کی وجہ سے وہ دوزخ سے چھٹکارا پا سکیں گے۔

شان نزول: یہ آیت اہل قبلہ ریاکار لوگوں کے حق میں نازل ہوئی۔ ان کے متعلق ہی فرمایا کہ وہ جو بھی عمل کریں وہ ضائع ہیں۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تم سے شرک اصغر کا ڈر ہے۔ پوچھا گیا وہ کیا ہے فرمایا کہ ریاکاری ہے (ریاض الصالحین)۔ بروز قیامت اللہ تعالیٰ ریاکار لوگوں سے فرمائے گا۔ جاؤ اپنے اعمال کا بدلہ ان لوگوں سے لو جن کیلئے تم دنیا میں عمل کیا کرتے تھے۔

(آیت نمبر ۱۷) کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہے۔ یعنی وہ حجت قائم کر سکتا ہے۔ اور اپنے مقصد پر دلائل دے سکتا ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ جسے رب تبارک وتعالیٰ کی طرف سے برہان و دلیل حاصل ہے اور وہ حق و صواب پر دلیل دے سکتا ہے۔ ایسی برہان اور دلیل کہ جس سے معلوم ہو جائے کہ کس بات پر عمل کرنا چاہئے اور کس پر نہیں کرنا چاہئے۔ اس سے نیک اور مخلص بندہ مراد ہے کیا وہ اس بدبخت کی طرح ہو سکتا ہے۔ جس کے پاس نہ کوئی برہان ہے نہ دلیل۔ بھلا بتاؤ کیا ان دونوں کا ایک مرتبہ ہو سکتا ہے۔



فائدہ: ایسا تو کبھی نہیں ہوسکتا۔ بلکہ یقین کرو۔ پہلا نیک بخت ہے اچھا انجام پانے والا اور دوسرا بد بخت برے خاتمے اور انجام والا ہے۔ آگے فرمایا کہ اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل ہے جو ان دلائل کی صحت پر گواہ ہے۔ اس سے مراد قرآن مجید ہے اس قرآن پاک کی گواہی سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب یعنی تورات کی گواہی کی تصدیق کرتی ہے اور وہ دینی معاملات میں سب کی مقتداء تھی کہ سب اس پر عمل کرتے تھے اور وہ رحمت تھی۔ یعنی جن پر نازل ہوئی۔ ان کیلئے نعمت عظمیٰ تھی۔ جن جن احکام کی قرآن نے تصدیق کی ان احکام کے لحاظ سے ان کے لئے رحمت تھی۔ **فائدہ**: انسان العیون میں ہے کہ سب سے پہلی کتاب توراۃ ہے کہ جس میں احکام وشرائع دونوں ہیں۔ اس سے پہلے صحیفے اترتے تھے۔ جن میں صرف ایمان وتوحید کا بیان ہوتا تھا۔

آگے فرمایا یہ برہان ودلیل والے اس پر ایمان لائے۔ یعنی قرآن پاک کی دل سے تصدیق کرتے ہیں اور جو ان گروہوں (کفار مکہ) میں سے قرآن کا انکار کرتا ہے۔ جہنم اس کیلئے وعدہ کی جگہ ہے۔ جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ لہٰذا اے مخاطب تو اس میں شک کرنے والا نہ ہو۔ تجھے یقین ہو کہ یہ قرآن تیرے رب کی طرف سے برحق ہے۔ لیکن پھر بھی اکثر لوگ اس کے برحق ہونے پر ایمان نہیں لاتے۔ **فائدہ**: برہان کے بعد شاہد کا لفظ لانے سے مراد یہ ہے کہ تا کہ اسلام کی صحت اور قرآن کا من عند اللہ اترنا ثابت ہوجائے۔

(آیت نمبر ۱۸) اس شخص سے بڑا کون ظالم ہوگا کہ جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتا ہے۔ یعنی جو باتیں اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کیلئے لڑکے اور لڑکیاں ثابت کرنا۔ یا بتوں کو اس کا شریک بنانا یہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑنا ہے۔ تو جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑتا ہے۔ اس سے بڑا کوئی ظالم نہیں۔ یعنی ہر غلط کام کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر کے کہے کہ اس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا۔

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ

جو روکتے ہیں راہ خدا سے اور تلاش کرتے ہیں اس میں کجی اور وہ آخرت کا

هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾

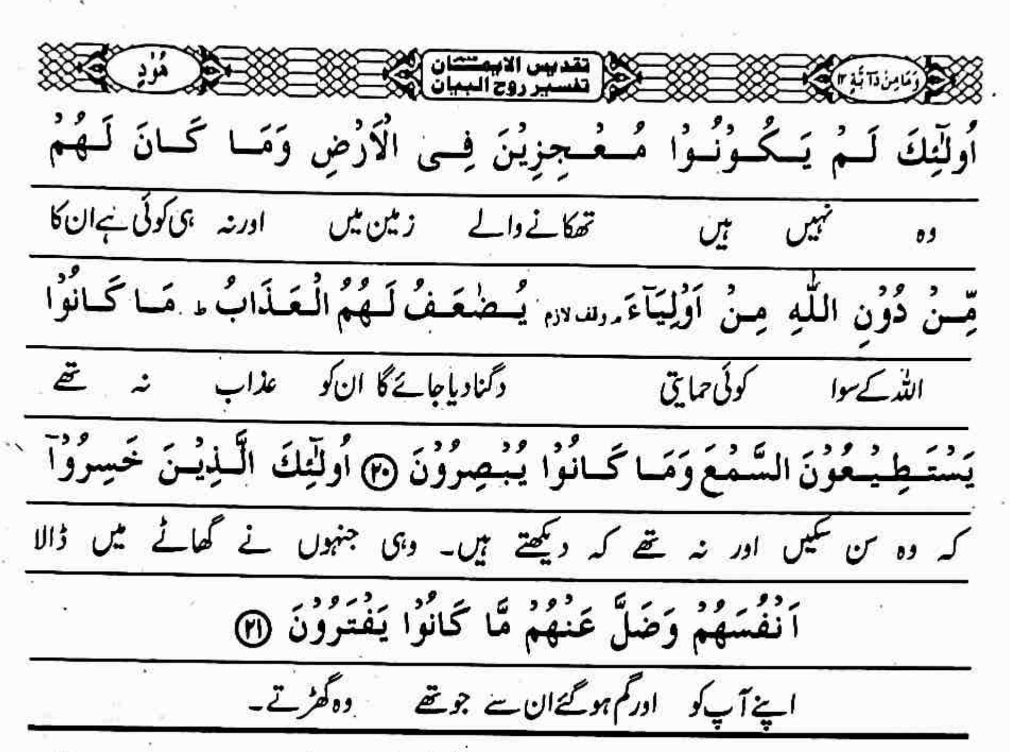
بھی انکار کرتے ہیں

(بقیہ آیت نمبر۱۸) تو ایسے لوگ جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے۔ یعنی بروز قیامت برائے حساب حاضر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے اس افتراء کے بارے میں پوچھے گا اور اس کے گواہ ملائکہ۔ انبیاء کرام اور دیگر اہل ایمان ہوں گے کہیں گے کہ یہی وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے اپنے رب کریم پر الزام باندھے۔ اس وقت آواز آئے گی۔ خبردار اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر۔

فائدہ: ان کے افتراء کی وجہ سے انہیں ظالم کہا گیا اور اللہ کی لعنت سے مراد غضب اور عذاب الٰہی ہے۔

حدیث شریف: بروز قیامت اللہ تعالیٰ ایک گناہ گار مسلمان کو قریب بلا کر فرمائے گا۔ فلاں فلاں گناہ جو تونے کئے تجھے یاد ہیں تو وہ عرض کرے گا۔ یا اللہ مجھے یاد ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ جا دنیا میں میں نے پردہ رکھا آج بھی تجھے معاف کر کے بخش دیتا ہوں (صحیح بخاری)۔ پھر کفار و منافقین کے متعلق پوری دنیا کے سامنے اعلان ہوگا اور فرشتے بطور گواہ اعلان کریں گے۔ یہ وہ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑا ایسے لعنتی ہیں۔

(آیت نمبر۱۹) وہ لوگ جو روکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی راہ یعنی دین اسلام قبول کرنے سے (جنہیں روکنے کی قدرت رکھتے ہیں) یا احکام الٰہی میں لوگوں کو شک و شبہ میں ڈال کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روکتے ہیں اور اس میں کجی (ٹیڑھا) پن تلاش کرتے ہیں۔ **فائدہ**: الارشاد میں ہے کہ اس عمومی معنی میں تکذیب قرآن بھی شامل ہے۔ یعنی وہ کہتے تھے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل نہیں ہوا۔ یہ اس نبی نے اپنی طرف سے بنایا ہے۔ یہ ان کی صریح بغاوت ہے۔ آگے فرمایا کہ وہ آخرت کے بھی منکر ہیں۔ یعنی جو لوگ راہ حق میں بھی کجی تلاش کرتے ہیں۔ وہی آخرت کے منکر ہیں۔ خواہ وہ ایمان پر ہونے کا لاکھ بار دعویٰ کریں۔


أُولَٰٓئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُم

وہ نہیں ہیں تھکانے والے زمین میں اور نہ ہی کوئی ہے ان کا

مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ۘ وقف لازم يُضَاعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۚ مَا كَانُوا

اللہ کے سوا کوئی حمایتی دگنا دیا جائے گا ان کو عذاب نہ تھے

يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ ﴿۲۰﴾ أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا

کہ وہ سن سکیں اور نہ تھے کہ دیکھتے ہیں۔ وہی جنہوں نے گھاٹے میں ڈالا

أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۲۱﴾

اپنے آپ کو اور گم ہو گئے ان سے جو تھے وہ گھڑتے۔

(آیت نمبر۲۰) یہ تکذیب کرنے والے اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے کہ وہ انہیں عذاب دینا چاہے تو یہ بھاگ جائیں یا اپنے اوپر عذاب نہ ہونے دیں۔ ان لوگوں کا اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی حمایتی ہے اور نہ کوئی مددگار ہوگا کہ جو انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکے۔ اگر اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں عذاب نہیں دیتا تو اس کے بردبار ہونے کی دلیل ہے۔ بلکہ انہیں مہلت دیتا ہے۔ کہ شاید وہ کفر و شرک سے باز آئیں۔

آگے فرمایا کہ مذکورہ لوگوں کا قیامت کے دن بہت برا حال ہوگا۔ ایک تو عذاب دوہرا۔ دوسرا دائمی یعنی ہمیشہ ہمیشہ۔ اس لئے کہ وہ بھی دنیا میں حق کو نہیں دیکھتے تھے۔ حالانکہ ان کے اپنے نفسوں میں اور آفاق عالم میں بے حساب آیات تھیں جنہیں دیکھ کر ایمان لا سکتے تھے۔ وہ آنکھیں اٹھا کر سب کچھ دیکھتے تھے۔ مگر عبرت حاصل نہیں کرتے تھے۔ قرآن سن لیتے تھے۔ مگر اس کی حقانیت پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ یعنی ان کا ایمان آیات پر نہ ہونے کی وجہ سے ان کو دگنا عذاب ہوگا کہ سامنے آیات دیکھنے کے باوجود وہ اس طرف دیکھتے بھی نہ تھے۔

(آیت نمبر۲۱) یہی وہ ہیں کہ جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں رکھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ جیسی عظیم ذات کو چھوڑ کر پتھروں کی پوجا میں لگ گئے اس سے بڑے خسارے کا سودا کوئی نہیں۔ دنیا میں خسارہ قبول کیا تو آخرۃ میں بھی خسارہ ہی ہوگا۔ **فائدہ:** البحر میں ہے کہ انہوں نے سعادت کو ضائع کر دیا اور کفر اختیار کر کے بڑے خسارے کو پایا۔

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۲۲﴾

لازماً بے شک وہ ہی آخرت میں سب سے زیادہ خسارہ پائیں گے۔

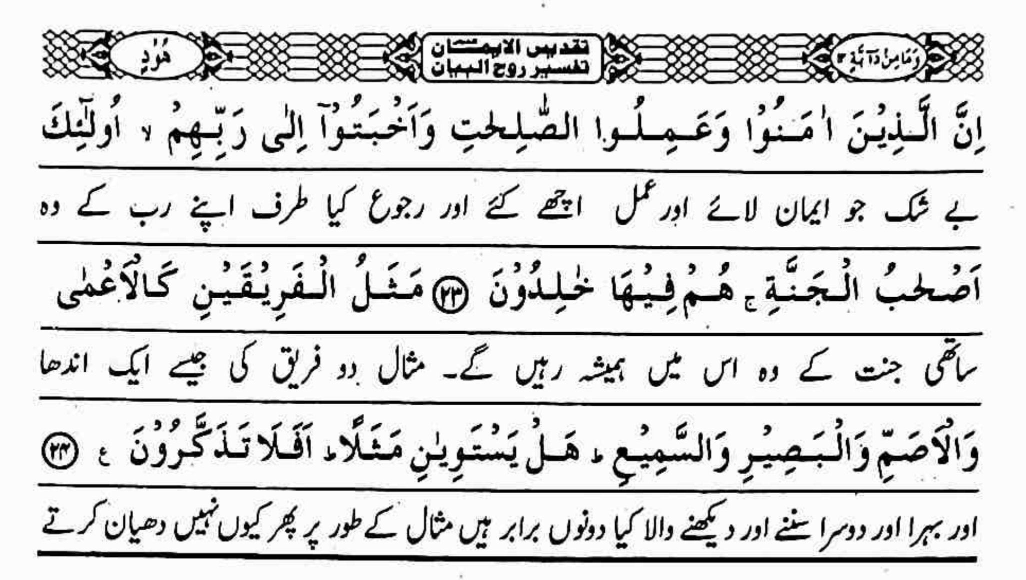
(بقیہ آیت نمبر ۲۱) آگے فرمایا کہ ان سے وہ بھی گم ہو گئے۔ یعنی ضائع ہو گئے جو جو وہ گھڑتے تھے۔ یعنی دنیا میں بت پرستی کے جتنے منصوبے سوچتے تھے۔ وہ سب ملیامیٹ ہو گئے نہ بت رہے نہ ان کا کوئی سفارشی رہا۔

(آیت نمبر ۲۲) اب لازمی ہو گیا کہ وہ قیامت کے دن بہت بڑا خسارہ پائیں کیونکہ انہوں نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بجائے بتوں کی پوجا کی اور دنیا کی چندروزہ زیب وزینت جو بالکل فانی تھی اس کو آخرت کی اعلیٰ نعمتوں کے مقابلے میں ترجیح دے کر بہت بڑا خسارہ حاصل کیا۔

حدیث شریف: ابن ابی الدنیا ضحاک سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ دنیا میں سب سے بڑا زاہد کون ہے۔ آپ نے فرمایا جو قبر کو اور مرنے کے بعد قبر میں گل سڑ جانے کو نہیں بھولتا۔ دنیا کی زیب وزینت پر دیوانہ نہیں ہوتا۔ اور فانی دنیا کو آخرت کی باقی رہنے والی نعمتوں پر ترجیح نہیں دیتا اور یقین رکھتا ہے کہ یہ زندگی عارضی ہے اور وہ اپنے آپ کو مُردوں میں شمار کرتا ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ نیک اعمال کرنے میں جلدی کرو۔ آگے انتہائی سیاہ رات ہے اور فتنے تیزی کے ساتھ تمہاری طرف بڑھ رہے ہیں۔ اور ایک ایسا وقت آنے والا ہے کہ جب بہت سارے بدنصیب صبح کو مومن شام کو کافر ہونگے۔ کیونکہ وہ دنیا کی لالچ میں دین بیچ ڈالیں گے۔ (رواہ مسلم والنسائی)

دنیادار صوفی: جو معمولی دنیا کی خاطر دین بیچ ڈالتے ہیں۔ ایسے دین فروش آج بے شمار ہیں۔ ان کی علامت یہ ہے کہ اپنے آپ کو بڑا بزرگ (خدا تک پہنچا ہوا) اپنے آپ کو سمجھتے ہیں۔ ان کا اصل مقصد زراندوزی اور حصول مراتب ہوتا ہے اور اپنے آپ کو بڑا عابد وزاہد ظاہر کر کے لوگوں سے دنیا لوٹتے ہیں۔ ایسے لوگ اولیاء اللہ کی نظر میں لعنتی ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کا دعویٰ ولی اللہ ہونے کا ہوتا ہے اور جو اصل اللہ کے ولی ہیں ان کو بدنام کرتے ہیں۔ اس بناء پر وہ لعنت کے مستحق ہیں۔ (شیخ سعدی فرماتے ہیں: کار شیطان مے کند نامش ولی ـــــ گر ایں ولی است لعنت بر ولی)۔ یعنی کام شیطانوں والے کرتا ہے اور ولی کہلواتا ہے۔ ایسے ولی پر لعنت ہے۔



اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ

بے شک جو ایمان لائے اور عمل اچھے کئے اور رجوع کیا طرف اپنے رب کے وہ

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۳﴾ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى

ساتھی جنت کے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ مثال دو فریق کی جیسے ایک اندھا

وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور بہرا اور دوسرا سننے اور دیکھنے والا کیا دونوں برابر ہیں مثال کے طور پر پھر کیوں نہیں دھیان کرتے

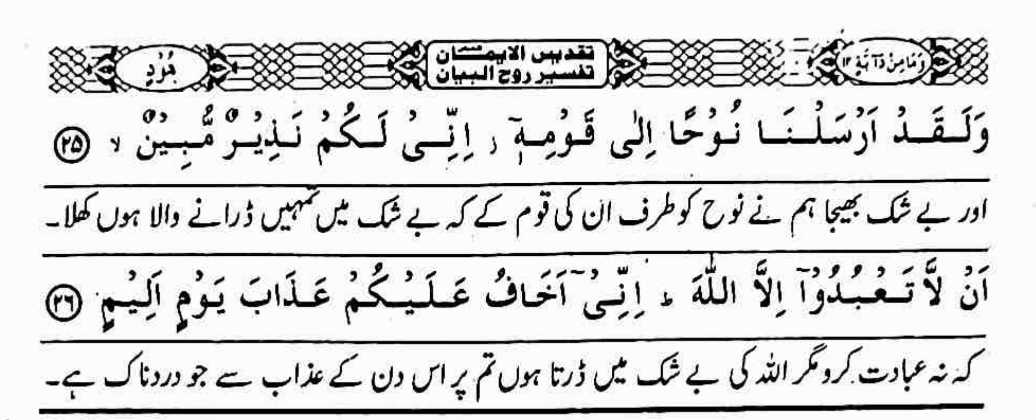
(آیت نمبر۲۳) بے شک جو ان پر ایمان لائے جن پر ایمان لانا واجب ہے اور وہ نیک اعمال کرتے ہیں۔ یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد پورے کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف جھک جاتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی انہیں اطمینان ملتا ہے اور نہایت خشوع وخضوع سے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مستغرق ہو جاتے ہیں تو ان مذکورہ صفات والے ہی جنتی لوگ ہیں جو جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

نکتہ : جنت میں جانے کا سبب ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ ہیں۔ یعنی دونوں کا ہونا جنت میں جانے کیلئے ضروری ہے۔ اگر۔ ایمان ہوا اور عمل صالح نہ ہوئے تو جلد یا دیر سے جنت میں داخلہ تو مل جائیگا۔ لیکن اعمال بد ہوئے تو ان کی سزا کے بعد داخلہ ہوگا لہذا جو جنت میں داخلہ مکمل چاہتا ہے وہ اعمال بد سے پرہیز کرے اور نیک اعمال جمع کرنے کی پوری کوشش کرے۔ (اللہ تعالیٰ ہم گناہ گاروں پر رحمت فرمائے)

(آیت نمبر۲۴) مثال دونون جماعتوں (مومن اور کافر) کی جیسے اندھا اور دیکھنے والا یا بہرا اور سننے والا۔ یعنی جس طرح اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں یا بہرا اور سننے والا برابر نہیں اسی طرح مومن اور کافر بھی ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔

فائدہ: یہاں دیکھنے سننے والے سے مراد مومن اور بہرے اور اندھے سے مراد کافر ہے۔ اس لئے کافر کو اندھا بہرا کہا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو نہ غور وفکر سے دیکھتا ہے اور نہ ہی ان نازل شدہ آیات کو غور سے سنتا ہے۔ اس لحاظ سے اس کا دیکھنا نہ دیکھنے کے برابر اور اس کا سننا نہ سننے کے برابر ہوا جیسے مردہ نہ دیکھتا ہے اور نہ سنتا ہے۔

نکتہ : کافر کی مثال صرف بہرے یا صرف اندھے سے نہیں دی۔ بلکہ دونوں نعمتوں سے محروم کہا۔ کیونکہ جو ان دونوں قوتوں سے محروم ہوگا۔ اس کیلئے نیک بختی کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور جس کے کان اور آنکھ درست ہوں وہ تمام معاملات میں ہوشیار رہتا ہے۔ یہی حال مومن کا ہے۔



وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖۤ ۡ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۙ ﴿۲۵﴾

اور بے شک بھیجا ہم نے نوح کو طرف ان کی قوم کے کہ بے شک میں تمہیں ڈرانے والا ہوں کھلا۔

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۶﴾

کہ نہ عبادت کرو مگر اللہ کی بے شک میں ڈرتا ہوں تم پر اس دن کے عذاب سے جو دردناک ہے۔

(بقیہ آیت نمبر۲۵) آگے فرمایا کہ کیا یہ دونوں برابر ہیں۔یعنی مومن وکافر دونوں برابر نہیں۔ بلکہ ان میں زمین وآسمان کے برابر فرق ہے۔ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔یعنی تم انتہائی غفلت کرر ہے ہو۔حالانکہ تمہارا فرض تھا کہ ان مثالوں سے تم فوراً سمجھ جاتے اور نصیحت حاصل کر کے ایمان لاتے لیکن ان تمام باتوں کے باوجود تم ایمان نہیں لائے۔

(آیت نمبر۲۵) اور البتہ تحقیق ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔

فائدہ: نوح علیہ السلام پہلے نبی ہیں۔جن پر باقاعدہ شریعت اتری۔انہوں نے ساڑھے ۹ سو سال تک تبلیغ کی اور طوفان کے بعد مزید ساٹھ سال تک آپ زندہ رہے۔آپ کی کل عمر ایک ہزار پچاس سال ہوئی۔آپ دمشق میں پیدا ہوئے اور کوفہ میں دفن ہوئے۔آپ کا اصل نام شاکر تھے۔ بہت زیادہ رونے کی وجہ سے آپ کا نام نوح پڑ گیا۔تو آپ نے قوم سے فرمایا کہ میں تمہیں کھلے عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔یعنی ان اسباب سے ڈراتا ہوں جن کی وجہ سے عذاب آتا ہے اور ساتھ ہی عذاب سے تمہیں بچنے کا طریقہ بھی بتاتا ہوں۔

(آیت نمبر۲۶) اور وہ یہ ہے کہ تم صرف اپنے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور کسی کی پوجا نہ کرو۔اس لئے کہ مجھے تم پر بہت بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے جو عذاب سخت دردناک ہے۔

فائدہ: روایات میں آتا ہے کہ نوح علیہ السلام اپنی قوم کے پاس عید والے دن تشریف لائے۔دیکھا تو وہ بتوں کی پرستش کر رہے تھے اور شراب پینے میں مشغول تھے اور جانوروں کی طرح ننگے ہو کر ایک دوسرے سے زنا کر رہے تھے تو آپ نے انہیں دور سے دیکھکر پکارا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔صرف اسی کی پوجا کرو۔لوگ آپ کی باتیں سن کر آپ کو مجنوں اور دیوانہ کہنے لگے اور آپ کو بہت مارا اور تکلیف دی اور کہا معاذ اللہ تم جھوٹے ہو۔**فائدہ**: یاد رہے حضرت نوح علیہ السلام جناب آدم علیہ السلام کے زمین پر تشریف لانے سے ایک ہزار چھ سو بیالیس سال بعد پیدا ہوئے۔ چالیس سال کی عمر میں اعلان نبوت فرمایا۔اسی حضرات ایمان لائے ان میں بھی چالیس مرد اور چالیس عورتیں تھیں۔

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا

تو کہا سرداروں نے جو کافر تھے ان کی قوم سے نہیں دیکھتے ہم تجھے مگر آدمی اپنے جیسا

وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ج وَمَا نَرٰى

اور نہیں دیکھتے تیرے تابعداروں کو مگر وہ جو ہم سے کمینے ہیں سرسری نظر والے اور نہیں دیکھتے

لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿٢٧﴾

تمہیں اپنے اوپر کوئی بڑھائی والا بلکہ ہمارے خیال میں تم جھوٹے ہو

(آیت نمبر ۲۷) جناب نوح علیہ السلام کی قوم کے سرداروں نے کہا۔ سرداروں سے مراد وہ جو اس قوم میں ٹاپ کلاس کے بدمعاش لوگ تھے اور سرغنے کافر تھے۔ جنہوں نے نوح علیہ السلام کی بات کا سب سے پہلے انکار کیا۔ وہ کہنے لگے کہ ہم آپ کو اپنے جیسا بشر ہی دیکھتے ہیں تجھے ہم پر کون سی ایسی فضیلت ہے کہ اس سے معلوم کریں کہ واقعی تم نبی ہو۔ پھر ہم تمہاری اطاعت کریں۔ **فائدہ**: کاشفی فرماتے ہیں کہ کفار نے انبیاء کرام کی ظاہری بشریت دیکھی۔ لیکن ان کی حقیقت جاننے سے محروم رہے اور مزید کہا کہ ہم نہیں دیکھتے کہ تیری پیروی کسی نے کی ہو۔ مگر وہ جو ہمارے اندر کمینے لوگ ہیں اور وہ بھی سرسری نظر والے یعنی ان خبیثوں نے مسلمانوں کو خسیس کہا اور بغیر سوچ بچار کے کسی کی بات کو مان لینے والے کہا۔ **فائدہ**: چونکہ مسلمان غریب و مفلس تھے۔ اس لئے کفار نے انہیں رذیل کہا۔ اس لئے کہ ان کی نظروں میں عزت و وقار اسی کا ہے۔ جس کے پاس دنیا کا مال و دولت ہو۔ جیسے آج کے زمانے میں دنیا پرست دنیا داروں کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور غریبوں کو بے عزت سمجھتے ہیں۔ **تعجب**: ہوتا ہے ان کافروں پر جو انسان جو ایک اعلیٰ ذات ہے اس کو نبی ماننے کیلئے تیار نہ ہوئے اور پتھر جو گھٹیا مخلوق ہے اسے خدا ماننے کیلئے تیار ہو گئے۔ مزید کہنے لگے کہ اے نوح ہم تجھے اور تیرے ماننے والوں کو نہیں دیکھتے کہ تمہیں ہم پر کوئی فضیلت حاصل ہو۔ یعنی کوئی تمہارے پاس مال و دولت ہوتا۔ رزق کافی ہوتا۔ یا کوئی باغات یا محلات ہوتے۔ تو پھر ہم تمہاری باتوں کو تسلیم کر لیتے کہ واقعی تم اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہو۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ وَاٰتٰنِىْ رَحْمَةً

فرمایا اے میری قوم بھلا بتاؤ تو اگر ہوں میں اوپر دلیل کے اپنے رب کی طرف سے اور دی اس نے مجھے رحمت

مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾

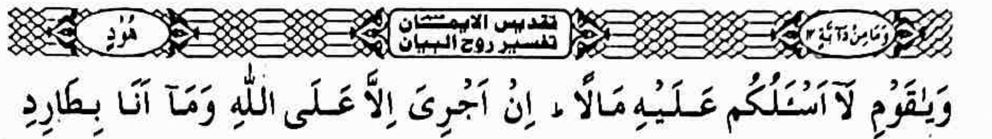
اپنی طرف سے پھر اندھے ہوئے تم کیا ہم نے تم پر چمٹا دیا اسے اور تم اس کو ناپسند کرتے ہو۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۷) اور ہم سمجھتے کہ تم نبوت کے اہل ہو اور تیرے ماننے والے بھی ایسے نہیں کہ ان کو دیکھ کر ہم آپ کو نبی تسلیم کر لیں تم میں اور ہم میں بشری لحاظ سے بھی کوئی فرق نہیں۔ اس لئے ہم تمہیں اس دعویٰ نبوت میں جھوٹا سمجھتے ہیں۔ **فائدہ**: کفار کے نفس چونکہ سفلی تھے اور انبیاء کرام علیہم السلام علوی تھے تو سفلی اپنی سفلی نظر سے علوی کو بھی سفلی ہی سمجھتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اپنے نفس کے سفل پن میں گرفتار ہے۔ اس لئے وہ کہتا ہے کہ نبی ہمارے ہی جیسا ہے۔ اور نبی کے تابعداروں کو بھی وہ اسی نظر سے دیکھتا ہے۔ یہ قاعدہ ہے۔ ہر بندہ دوسرے کو اپنے اوپر قیاس کرتا ہے۔

(آیت نمبر ۲۸) نوح علیہ السلام نے فرمایا۔ اے میری قوم مجھے خبر دو۔ اگر میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں جو دلیل میری نبوت پر گواہ ہے اور اس ذات نے اپنی طرف سے مجھ پر خاص رحمت فرمائی۔ یعنی نبوت عطا کی اور تم پر اندھا پن چھا گیا۔ یعنی تمہیں یہ دلیل نظر نہ آئی تو کیا ہم زبردستی اپنی بات تم پر چپکا دیں گے۔ یعنی ہمیں ماننا یا اس دلیل کو قبول کرنا۔ کیا ہم زبردستی تم سے کرائیں گے جبکہ تم اسے ناپسند کر رہے ہو۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نوح علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ مجھے یہ بتاؤ کہ میرے دعوی نبوت کی صحت پر دلیل جو تمہیں نظر نہیں آ رہی ہے۔ نہ تم قبول کرتے ہو نہ ہم منوانے کیلئے تمہیں مجبور کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ نہ تم اس کی طرف توجہ دیتے ہو۔ نہ اس میں غور و فکر کر کے اس سمجھنے کی کوشش کرتے ہو۔ تو پھر ہم بھی تمہیں مجبور نہیں کرتے۔

فائدہ: قتادہ فرماتے ہیں۔ اگر انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قوم کو ایمان جبراً منوانا چاہتے تو منوا سکتے تھے۔ لیکن اس طرح انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہیں تھا۔ جو بھی ایمان لانا چاہتا ہے۔ وہ اپنی خوشی اور اپنے اختیار سے ایمان لائے۔



وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُم عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ

اور اے میری قوم نہیں مانگتا تم سے اس پر کوئی مال۔ نہیں میرا اجر مگر اوپر اللہ کے اور نہیں میں ہٹانے والا

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّىْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

ان کو جو ایمان لائے۔ بے شک وہ ملنے والے ہیں اپنے رب سے لیکن میں دیکھتا ہوں تمہیں قوم جاہل۔

وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِىْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾

اے میری قوم کون بچائے گا مجھے اللہ سے اگر میں انہیں دور کروں تو کیا تمہیں دھیان نہیں۔

(آیت نمبر۲۹) اے میری قوم میں تم سے اس تبلیغ رسالت پر کچھ نہیں مانگتا۔ یعنی تمہیں ایمان قبول کرنے پر مجھے کچھ مال وغیرہ نہیں دینا ہوگا۔ اگر مال کا مطالبہ کروں تو یہ سودا بازی ہوگی اور اس قسم کی سوداگری کو میں حرام سمجھتا ہوں۔ میرا اجر میرے رب کے پاس ہے اور وہ ثواب ہے جو مجھے آخرت میں ملے گا۔ اس تبلیغ سے میری دنیوی کوئی غرض واسطہ نہیں ہے۔ آگے فرمایا کہ اور نہ ہی میں اپنے ماننے والوں کو اپنے سے دور کرسکتا ہوں۔ کیونکہ کفار نے کہا تھا کہ ہم ایمان اس شرط پر لاتے ہیں کہ جب ہم آپ کے پاس آئیں تو آپ ان خسیس لوگوں کو نکال دیا کریں۔ **فائدہ**: یہی سوال حضور ﷺ سے کفار مکہ نے کیا تھا کہ ان غرباء مساکین کی ہمارے ساتھ موجودگی ہمارے لئے باعث عار ہے ہم اعلیٰ مرتبے والے ان کے ساتھ بیٹھنا گوارا نہیں کرتے۔ **نکتہ**: حضور ﷺ نے فقر کو خود پسند فرمایا تاکہ امت کے فقراء کو تسلی ہو۔ اور تا قیامت لوگوں کو معلوم ہو کہ دولت اگر اچھی چیز ہوتی تو حضور ﷺ اسے پسند فرماتے۔ آگے فرمایا یہ میرے ساتھی اللہ تعالیٰ کے وہ برگزیدہ ہیں جو عنقریب اللہ تعالیٰ سے ملنے والے ہیں تو میں انہیں کیسے اپنے سے دور کرسکتا ہوں۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم جاہل لوگ ہو۔ جو ان برگزیدہ لوگوں کے مراتب کو ہی نہیں جانتے اور تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کو دروازے سے ہٹانا غضب الٰہی کو دعوت دینا ہے۔

(آیت نمبر۳۰) اے میری قوم اگر میں ان کو دربار سے نکال دوں تو پھر اللہ کے غضب سے مجھے کون بچائے گا۔ اللہ کے سامنے میری کون مدد کرے گا۔ اے بے وقوفو تم اس سے نصیحت نہیں حاصل کرتے کیا تم اسی جہالت پر ہمیشہ رہو گے۔ **حدیث شریف**: فقراء سے محبت کرنا انبیاء کرام ﷺ کا طریقہ ہے (ترمذی) اور ان کے پاس بیٹھنے سے بغض رکھنا منافقوں کا طریقہ ہے۔ انسان کی سب سے بڑی جہالت ہی یہ ہے کہ وہ اپنی اصلیت کو بھول گیا ہے اور تکبر کر کے مزید اپنے لئے ذلت کا سامان بنا رہا ہے۔

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ

اورنہیں میں کہتا تمہیں کہ میری پاس خزانے ہیں اللہ کے اور نہ میں جانتا ہوں غیب اور نہیں کہتا کہ بے شک میں

مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْٓ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ

فرشتہ ہوں۔ اور نہ میں کہتا ہوں ان کے بارے کہ جو حقیر ہیں تمہاری نظروں میں ہرگز نہیں دے گا ان کو اللہ

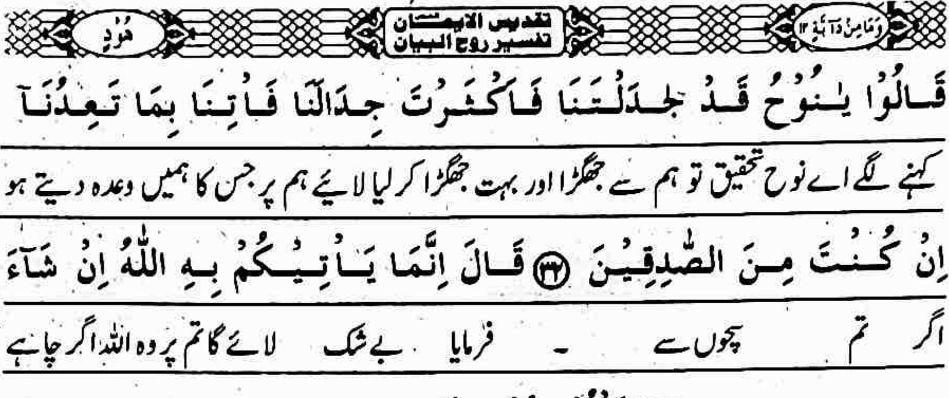
خَیْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّیْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۳۱﴾

کوئی بھلائی اللہ خوب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے بے شک میں ایسا کر کے ظالموں میں ہو جاؤں گا

(بقیہ آیت نمبر۳۰) **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ قیامت کے دن تکبر کرنے والے انتہائی ذلت کے مقام پر ہونگے ان کے جسم انتہائی چھوٹے ہوں گے۔ (بیہقی)

(آیت نمبر۳۱) میں تمہیں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں مال و دولت کے۔ جن کو نہ پا کر تم مجھے جھوٹا کہتے ہو۔ نبی تو دنیوی مال واسباب اور جاہ وجلال کے دعوے سے بہت دور ہوتا ہے اور نہ ہی میں نے تمہیں کہا ہے کہ میں غیب جانتا ہوں۔ **فائدہ:** چونکہ کفار نے آپ سے چند غیب کے متعلق سوالات کئے اور کہا کہ اگر واقعی تم اس اعلان نبوت میں سچے ہو تو یہ یہ غیب کی خبریں بتاؤ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے کب کہا ہے کہ میں غیب جانتا ہوں اور یہ جو تم نے کہا کہ میں تمہارے جیسا بشر ہوں تو میں نے کب کہا ہے کہ میں کوئی فرشتہ ہوں۔ اس لئے کہ بشریت نبوت کے منافی ہے ہی نہیں۔ دیگر بھی جتنے انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے وہ صفت بشر کے ساتھ آئے۔

آگے فرمایا کہ نہ ہی میں نے تمہیں ان لوگوں کے بارے میں کبھی یہ کہا جو تمہاری نگاہوں میں حقیر ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز کوئی خیر نہیں دے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی بہت بہتر جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے۔ یعنی توحید اور رسالت پر ایمان اور معرفت اور ان کا رسوخ فی العلم کو خوب جانتا ہے۔ آگے فرمایا یہ بات اچھی طرح جان لو اگر میں ان فقراء کو مرتبے سے گھٹاؤں تو پھر میں ظلم کرنے والوں سے ہو جاؤں گا۔ **مسئلہ:** معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھیوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا ظلم ہے۔ **حدیث شریف** حضور ﷺ نے فرمایا کہ انسان کے شریر ہونے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے بھائی کو حقارت سے دیکھے (مشکوٰۃ)۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا کہ کہ مسلمان پر مسلمان کی تین چیزیں حرام ہیں: (۱) خون۔ (۲) عزت اور مال۔ (بخاری)



قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ

کہنے لگے اے نوح تحقیق تو ہم سے جھگڑا اور بہت جھگڑا کر لیا لائیے ہم پر جس کا ہمیں وعدہ دیتے ہو

اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ

اگر تم سچوں سے ۔ فرمایا بے شک لائے گا تم پر وہ اللہ اگر چاہے

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾

اور نہیں تم عاجز کرنے والے۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۱) یعنی ان تینوں چیزوں کو ضائع کرنا حرام ہے اور ایک **حدیث شریف** میں فرمایا کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ مسلمان اپنے مسلمان بھائی پر ظلم کرتا ہے نہ اسے کسی ظالم کے حوالے کرتا ہے۔ نہ اس کا حق مارتا ہے۔ نہ اس کے حق سے اسے روکتا ہے۔ نہ اسے رسوا کرتا ہے۔ نہ اسے حقارت سے دیکھتا ہے اور نہ اس پر اپنی بڑائی جتاتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

(آیت نمبر ۳۲) کافروں نے کہا۔ اے نوح تحقیق تو نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت لمبا کر دیا۔ اب لے آئیں جس کا ہمیں وعدہ دیکر ڈراتے ہیں۔ یعنی دیر نہ کریں عذاب لانے میں اگر آپ اس دعوے میں سچے ہیں کیونکہ تمہارے ساتھ مناظرے بہت ہو گئے۔ اب ہم اس مطالبے پر مجبور ہو گئے۔

(آیت نمبر ۳۳) تو نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ سوائے اس کے نہیں اس عذاب کو اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو وہی لے کر آئے گا۔ وہ جب چاہے گا تو فوراً تم پر عذاب مسلط کر دے گا۔ چاہے تو دیر کر دے۔ عذاب لانا یہ میرے بس میں نہیں ہے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ جب عذاب بھیجنا چاہتا ہے تو وہ کسی سے پوچھ کر نہیں بھیجتا اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ لوگوں کی بداعمالیوں پر ضرور عذاب بھیجے۔ یہ سب اس کی مرضی پر موقوف ہے۔

آگے فرمایا کہ تم اسے عاجز نہیں کر سکتے کہ تم کہیں بھاگ جاؤ۔ یا اپنے آپ عذاب سے بچا لو۔ جیسے زبانی کلامی تم بڑکیں مارتے رہتے ہو کہ ہم یہ کر دیں گے وہ کر دیں گے۔

معجز: اسے کہتے ہیں کہ اللہ کسی کو عذاب دینا چاہئے۔ اور آگے سے کوئی اس کو ایسا روکے کہ وہ اس کو عذاب نہ ہونے دے۔ تو اس لئے یہاں معنی کریں گے کہ تم اللہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا ارادہ فرمالے۔ یا کسی کو عذاب دینے کا پروگرام بن جائے۔ پھر اسے کوئی عاجز اور بے بس نہیں کر سکتا۔

17
17

وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ

اور نہیں نفع دیگی تمہیں میری نصیحت اگر میں چاہوں کہ میں بھلا کروں تمہارا اگر ہے اللہ چاہتا

اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ؕ ﴿۳۴﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ

کہ وہ تمہیں گمراہ کرے۔ وہ تمہارا رب ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔ یا وہ کہتے ہیں

افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ع ﴿۳۵﴾

کہ اس نے اسے خود بنالیا فرمادو اگر میں نے اسے بنالیا تو مجھ پر میرا گناہ ہے اور میں بری اس سے جو تم جرم کرتے ہو

(آیت نمبر ۳۴) اور میری نصیحت تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے گی۔

فائدہ: نصیحت وہ کلمہ خیر ہے کہ جس سے کسی کی بھلائی کا ارادہ کیا جائے۔ یا کسی کا کلمہ خیر پر دلالت کرے۔ بعض نے کہا کہ نصیحت بھلائی کی وہ بات ہے کہ جسے حاصل کیا جا سکے تو نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اگر تمہیں نصیحت کرنے کا ارادہ بھی کرلوں تو میری نصیحت تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے گی۔ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں گمراہ رکھنے کا ارادہ کرلیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ گمراہ کرنے کا ہو تو پھر انبیاء کرام علیہم السلام بلکہ کسی کی نصیحت نفع نہیں دیتی۔ اس لئے کہ تمام معاملات قدرت الٰہی کے ماتحت ہیں۔ پھر جناب نوح نے انہیں جاہل کہا تو جاہل کو وعظ ونصیحت کیا فائدہ دے سکتی ہے۔ (بلکہ انبیاء کرام کی گستاخی کی نحوست سے بھی ہدایت نہیں مل سکتی۔)

آگے فرمایا کہ جس کی مشیت سے ہدایت ملتی ہے۔ وہی تمہارا خالق ومالک اور متصرف ہے۔ اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ پھر تمہیں تمہارے اعمال کی سزا ملے گی۔

(آیت نمبر ۳۵) یا وہ کہتے ہیں۔ یعنی قوم نوح کہتی تھی کہ اس (نوح) نے اپنی طرف سے گھڑ لیا۔ یعنی اسے وحی نہیں ہوتی یہ اپنی طرف سے ہی بات اس نے گھڑ لی ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے نوح ان سی کہہ دے کہ اگر بالفرض محال میں نے اگر یہ بات اپنی طرف سے گھڑ لی ہے تو یہ میرا جرم ہے تو تم پر تو اس کا کوئی الزام نہیں۔

فائدہ: اس کا یہ مطلب نہیں کہ نوح علیہ السلام کو بھی کوئی شک پڑ گیا تھا۔ بلکہ ایسی کلام اس وقت بولتے ہیں۔ جب کہ مخاطب سے مایوسی ہو جائے تو پھر بطور انکار ایسے بات کی جاتی ہے۔

جلد ۴

وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ

اور وحی ہوئی طرف نوح کے کہ بے شک ہرگز نہیں ایمان لائے گا آپ کی قوم سے مگر جو تحقیق ایمان لا چکے

فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۝۳۶

پھر نہ غم کھایئے اس پر جو تھے وہ کرتے۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۵) تو فرمایا کہ اگر میں نے اپنی طرف جھوٹا دعویٰ گھڑنے کا جرم کیا ہے تو اس کا وبال مجھ پر ہی ہوگا۔ حالانکہ میں اللہ تعالیٰ کا برحق نبی اور اس دعوے میں سچا ہوں اور تم تکذیب کر کے اپنے لئے سخت عذاب تیار کرتے ہو اور آگے فرمایا میں بری ہوں اس سے جو تم جرم کر رہے ہو۔ یعنی میرے ساتھ دشمنی کر کے مجھے مجرم ٹھہراتے ہو اس سے میرا کوئی نقصان نہیں۔ اپنے لئے عذاب تیار کر رہے ہو۔

سبق: عقل مند پر ضروری ہے کہ وہ اپنا ظاہر باطن پاک وصاف رکھے۔ یعنی ہر وقت بارگاہ حق کی طرف جھکا رہے اور شرع کے مطابق اعمال صالحہ بجالانے میں کوشش کرے اور مشتبہات سے دور رہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا بروز قیامت اس طرح اٹھو گے۔ جس طرح مرو گے اور اس طرح مرو گے جس طرح زندگی گذارو گے۔ (ریاض الصالحین)

(آیت نمبر ۳۶) جناب نوح علیہ السلام کی طرف وحی ہوئی کہ بے شک آپ کی قوم میں سے اب ہرگز کوئی ایمان نہیں لائیں گے مگر جو ایمان لا چکے جو لوگ اپنے کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ ان کی موت اسی کفر پر آئے گی۔

فائدہ: نوح علیہ السلام کو ان کے ایمان لانے کی جب کوئی امید نظر نہ آئی اور اللہ تعالیٰ نے بھی بذریعہ وحی اس بات کو واضح فرما دیا۔ نیز فرمایا کہ غم نہ کریں اس پر جو وہ کرتے ہیں یعنی جو تکذیب کرتے ہیں یا آپ کو اذیتیں دیتے ہیں اب ان کی تمام کاروائیاں ختم ہونے والی ہیں۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ قوم نے نوح علیہ السلام کو اس قدر مارتے کہ آپ بے ہوش ہو جاتے۔ جب ذرا ہوش آتا تو فرماتے کہ یا اللہ میری قوم کو ہدایت دے۔ پھر جب یہ آیت آپ پر اتری تو آپ نے عرض کی الٰہی ان کافروں کو تباہ کر دے یہاں تک کہ ان کا ایک گھر بھی نہ چھوڑ۔ **فائدہ:** مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی بے صبری بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتی ہے۔ ورنہ ان کی قوت برداشت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اگر کسی وقت قوت برداشت نہیں ہوتی تو وہ امر الٰہی ہوتا ہے۔



وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ

اور بنائیے کشتی ہمارے سامنے اور ہمارے حکم سے اور نہ بات کرنا مجھ سے ان کے بارے جو ظالم ہیں

اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾

بے شک وہ غرق ہوں گے

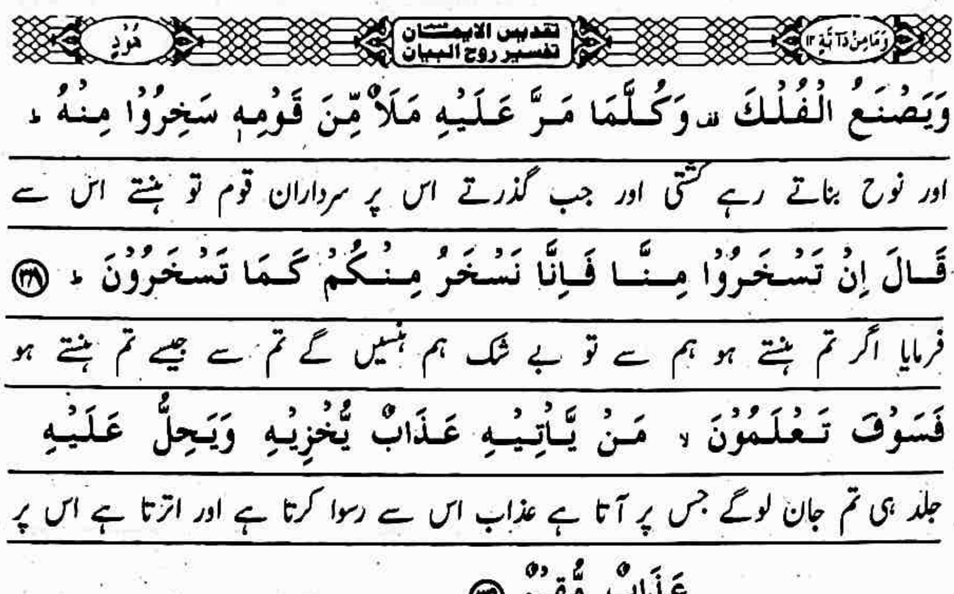
(آیت نمبر ۳۷) جب کفار کے ایمان لانے کی بالکل کوئی امید نہ رہی اور دیکھ لیا کہ اب انہیں کوئی دعوت تبلیغ کا کوئی فائدہ نہیں اور ان پر عذاب الٰہی کے آنے کا وقت بھی قریب آ گیا ہے تو فرمان الٰہی ہوا کہ اے نوح کشتی تیار کر لیں۔ یعنی لکڑی کاٹ کر ایک کشتی بنائیں جس کی نگرانی ہم خود کریں گے کہ تمہارے دشمن اس تک نہیں پہنچیں گے۔

فائدہ : کاشفی فرماتے ہیں کہ "اَعْیُنِنَا" کا مطلب ہے کہ ہماری نگرانی میں یا ہمارے فرشتوں کی زیر نگرانی میں کشتی بنائیں۔ جب تک کشتی تیار نہیں ہو جاتی فرشتے وہاں رہیں گے۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نگرانی ہی کا معنی کیا ہے اور فرمایا کہ ہماری وحی کے مطابق تیار کریں یا ہماری تعلیم کے مطابق کشتی بنائیں۔

کفار کے ہاں بچہ نہ ہوا: کشتی کے بننے کے زمانے میں کسی کے ہاں بچہ پیدا نہ ہوا۔ اس سے پہلے والے جوان ہو چکے تھے اور انہیں بھی دولت ایمان نصیب نہ ہوئی اور وہ عذاب میں غرق ہوئے۔

کتا نگرانی کیلئے رکھنا جائز ہے: نوح علیہ السلام نے عرض کی یا اللہ دن کو میں کشتی بناؤں گا۔ رات کو کون حفاظت کریگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایک کتا رکھ لو وہ حفاظت کریگا۔ کشتی تین سو ہاتھ لمبی اور پچاس ہاتھ چوڑی تھی۔ اور تیس ہاتھ اس کی اونچائی تھی۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نوح اب ظالموں کی نجات کے بارے میں مجھے نہ کہنا کہ میں انہیں بچالوں۔ اس لئے کہ بے شک ان کے غرق ہونے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اب وہ عذاب سے بچ نہیں سکتے۔ ان پر حجت قائم ہو گئی اور کئی نسلوں تک ان کیلئے یہ عذاب عبرت کا نشان ہوگا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ان نافرمان ظالموں میں نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان بھی تھا۔ اس کے کرتوت برے تھے۔ زیادہ صحیح یہی ہے چونکہ آپ ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے مایوس ہو کر ان کی تباہی کیلئے بددعا کر چکے تھے۔ اب ان کی نجات کی دعا کیلئے دعا مانگنے میں شرم محسوس کی اور دعا نہ مانگی اور اللہ تعالیٰ نے بھی اپنا فیصلہ سنا دیا کہ اب وہ ضرور غرق کئے جائیں گے۔



وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۗ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ

اور نوح بناتے رہے کشتی اور جب گذرتے اس پر سرداران قوم تو ہنستے اس سے

قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ؕ ﴿۳۸﴾

فرمایا اگر تم ہنستے ہو ہم سے تو بے شک ہم ہنسیں گے تم سے جیسے تم ہنستے ہو

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ

جلد ہی تم جان لوگے جس پر آتا ہے عذاب اس سے رسوا کرتا ہے اور اترتا ہے اس پر

عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۹﴾

عذاب ہمیشہ کیلئے

(آیت نمبر ۳۸) کشتی بنتی رہی اور اس کے دوران نوح علیہ السلام کے قوم کے سرداروں کا جب بھی آپ پر گذر ہوتا تو آپ کا تمسخر اڑاتے تھے۔ کبھی کہتے اس مکان کا کیا فائدہ۔ بغیر پانی کشتی کیسے چلے گی۔ چونکہ انہیں کشتی کے بارے میں کوئی علم نہ تھا کہ یہ کیا چیز ہے۔ کیسے چلتی ہے اور آپ وہ کشتی چونکہ ایک جنگل میں بنا رہے تھے۔ جہاں سے پانی کوسوں میل دور تھا تو ہنستے ہوئے کہتے۔ یہاں پانی کیسے لاؤ گے۔ کبھی کہتے پہلے آپ نبی تھے، اب بڑھئی بن گئے۔ اس پر وہ قہقہے لگاتے۔ نوح علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا کہ میں نبی ہوں مجھے اس طرح ایذا نہ دو لیکن وہ باز نہ آئے۔ بالآخر آپ نے فرمایا کہ اے کافرو اگر تم ہم سے ٹھٹھا کر رہے ہو تو یاد رکھو وہ وقت بھی دور نہیں جب ہم تمہارے ساتھ ٹھٹھا کریں گے۔ جیسے تم ہم سے ٹھٹھا کر رہے ہو۔ یعنی جب تم پانی میں ڈوب رہے ہو گے اور غرق ہو رہے ہو گے۔ اس وقت ہم بھی تمہارا تمسخر اڑائیں گے۔ **فائدہ:** ابوالسعود فرماتے ہیں کہ نوح علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ تمہارے ساتھ ہم وہی کریں گے جو تمسخر کرنے والوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یہ تاویل اس لئے کی کہ تمسخر کرنا نبی کی شان کے لائق نہیں یہ تو عام سطح کا بندہ کرتا ہے۔ **فائدہ:** بعض نے فرمایا کہ ان کو اس تمسخر کی آخرت میں سزا دی جائے گی۔ جس جنس کا گناہ کیا اسی جنس کی سزا ہونا زیادہ موزوں ہے۔ جیسے قرآن پاک میں کئی جگہ فرمایا گیا کہ کافروں کو ان کے کئے کی سزا دی جائیگی۔

(آیت نمبر ۳۹) پھر عنقریب تم معلوم کر لوگے۔ جب لوگوں پر عذاب آئے گا۔ تو وہ انہیں غرق کر کے چھوڑے گا اور ذلیل اور رسوا کر دے گا۔ تو پھر انہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ

یہاں تک کہ جب آ گیا ہمارا حکم اور ابلا تنور ہم نے کہا سوار کر لو اس میں ہر جنس سے

زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ

جوڑا جوڑا دو دو اور اپنے گھر والوں کو سوائے اس کے کہ سبقت کر گئی اس پر بات اور جو ایمان لائے

وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ ﴿۴۰﴾

اور نہیں ایمان لائے اس پر مگر تھوڑے

(بقیہ آیت نمبر ۳۹) **فائدہ:** حلول قرض کو کہتے ہیں۔ جس کی ادائیگی وقت مقرر پر لازم ہوتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے قرض کی طرح ان پر عذاب لازم فرمایا۔ ایسے استعارہ کو مکنیہ کہتے ہیں۔

آگے فرمایا کہ وہ عذاب ہمیشہ ہمیشہ ان پر مسلط رہے گا۔ یعنی یہ عذاب ان کو تباہ کرنے تک قائم رہے گا۔

(آیت نمبر ۴۰) یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ گیا۔

فائدہ: نوح علیہ السلام کو حکم تھا کہ کشتی بناتے رہو۔ یہاں تک کہ فلاں تنور سے پانی ابلنے لگے۔ پھر وہ وقت آ گیا کہ جب تنور سے پانی چشمہ کی طرح ابلا اور پورے جوش کے ساتھ اوپر کو چڑھنے لگا اور پانی ایسے جوش مار رہا تھا جیسے ہانڈی پکتے وقت جوش مارتی ہے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ جوں ہی تنور سے پانی جوش مار کر نکلے آپ بمعہ اپنے تابعداروں کے کشتی میں سوار ہو جائیں۔ **فائدہ:** بعض مفسرین کہتے ہیں کہ وہ تنور آدم علیہ السلام نے پتھر کا بنایا تھا اور وہ نوح علیہ السلام کے قریب تھا جب پانی اس تنور سے نکلنا شروع ہوا تو ایک بڑھیا دیکھ رہی تھی۔ اس نے آ کر نوح علیہ السلام کو مطلع کر دیا تو آپ بمعہ اپنی جماعت کے کشتی میں سوار ہو گئے۔

آگے فرمایا کہ ہم نے جناب نوح کو حکم دیا کہ ہر نوع کا جوڑا اس کشتی میں سوار کر لیں۔

فائدہ: جناب نوح علیہ السلام نے پوچھا یا اللہ میں سب جانور کیسے اکٹھے کروں گا تو اللہ تعالیٰ نے تمام قسم کے جانور اکٹھے کر کے جناب نوح کے پاس کھڑے کر دیئے تو آپ نے ان سب کو کشتی پر سوار کر لیا شیطان بھی گدھے کی دم پکڑ کر کشتی میں داخل ہو گیا۔

وَقَالَ ارْکَبُوْا فِیْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا وَمُرْسٰهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

اور فرمایا سوار ہو اس میں ساتھ نام اللہ کے چلنا اور ٹھہرنا اس کا بے شک میرا رب ضرور بخشنے والا مہربان ہے

(بقیہ آیت نمبر ۴۰) **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا کہ گدھے کو ہینگتے دیکھو تو اعوذ باللہ پڑھ لیا کرو (بخاری ۳۳۰۳، مسلم ۲۷۲۹)۔ نوح علیہ السلام نے شیطان کو حکم دیا کہ میری کشتی سے دفع ہو جا۔ تو اس نے کہا میں آپ کو ایسے پانچ عمل بتاتا ہوں جن کے کرنے سے انسان تباہ ہو جاتا ہے۔ تین آپ کو بتاتا ہوں۔ دو نہیں بتاؤں گا۔ آپ نے فرمایا وہ دو جو نہیں بتانا چاہتا وہ صرف بتا کیا ہیں۔ اس نے کہا ان دو میں ایک حسد ہے۔ جس کی وجہ سے میں راندۂ درگاہ ہوا۔ دوسرا حرص ہے، جس کی شامت آدم پر پڑی تو وہ جنت کی ہر نعمت سے محروم ہو گئے۔ آگے فرمایا اپنے گھر والوں کو بھی کشتی پر سوار کر لو مگر جس پر بات سبقت کر گئی۔

فائدہ: اس سے مراد آپ کی بیوی ہے جو کافرہ تھی اور بیٹا کنعان ہے۔ یہ دونوں عذاب میں گرفتار ہوئے۔

آگے فرمایا کہ ان کو بھی اپنے ساتھ سوار کر لیں جو جو ایمان لائے۔

نکتہ: عجب بات ہے کہ حیوانات کو پہلے اور اہل ایمان کو بعد میں سوار کرنے کا حکم ملا۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ حیوانات کسی چیز پر سوار ہونے کیلئے انسانوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ اس لئے سوار کرنے کا ذکر پہلے ان کا کیا بعد میں انسانوں کا۔ **نکتہ**: دوسرا یہ کہ انسانوں کو چاہئے کہ وہ مشکل کے وقت میں کمزور مخلوق کا بھی خیال رکھیں۔

آگے فرمایا کہ نوح علیہ السلام پر بہت تھوڑے لوگ ایمان لائے۔

فائدہ: امام مقاتل فرماتے ہیں کہ کل اسی (۸۰) حضرات مسلمان تھے۔ آٹھ آپ کے کنبے کے اور بہتر دیگر حضرات تھے۔ ان میں بھی آدھے مرد اور آدھی عورتیں تھیں۔ موصل کے قریب ایک بستی ثمانین والی جگہ وہ اترے ان کی تعداد اسی ہونے کی وجہ سے اس بستی کا نام ہی ثمانین پڑ گیا۔

(آیت نمبر ۴۱) یہاں تک کہ جب طوفان آ پہنچا تو نوح علیہ السلام نے اپنے ساتھی اہل ایمان سے فرمایا کہ کشتی میں بسم اللہ پڑھ کر سوار ہو جاؤ۔ یعنی اس میں داخل ہو جاؤ۔

فائدہ: روایات میں آیا ہے کہ کشتی میں تین حصے بنائے گئے۔ نچلا حصہ درندوں اور وحشی جانوروں کیلئے اور دیگر حشرات الارض کیلئے اور درمیانے حصے میں عام جانور اور سب سے اوپر والے میں نوح علیہ السلام اور اہل ایمان رفقاء اور خورد و نوش کی اشیاء طوفان ختم ہونے کے بعد یہ کشتی دس محرم کو جودی پہاڑ پر اتری تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ سب لوگ کشتی رکنے تک بسم اللہ کا ورد کرتے رہو کیونکہ اس کا چلنا اور ٹھہرنا اسی کے حکم سے ہے۔

وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۞ وَنَادٰى نُوْحُ ۨابْنَهٗ وَكَانَ

اور وہ چلتی انہیں لیکر موجوں میں جو پہاڑ کی طرح تھیں اور پکارا نوح نے اپنے بیٹے کو جب تھا وہ

فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ۝٤٢ قَالَ

کنارے پر اے میرے بیٹے سوار ہو جا ہمارے ساتھ اور نہ ہو ساتھ کافروں کے۔ بولا

سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ

میں پناہ لے لوں گا طرف پہاڑ کے بچالے گا پانی سے۔ فرمایا نہیں بچانے والا آج کوئی حکم

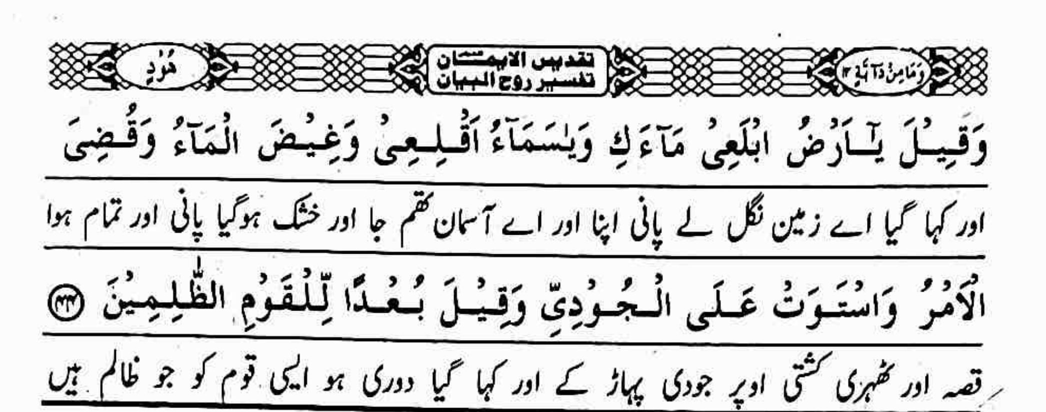
اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ۝٤٣

الٰہی سے مگر جس پر وہ رحم کردے۔ اور حائل ہوئی ان میں موج پھر ہوگیا ڈوبنے والوں سے ۔

(بقیہ آیت نمبر۴۱) **فائدہ:** جب نوح علیہ السلام کشتی چلانا چاہتے تو فرماتے "بسم الله مجريها" یعنی اللہ تعالیٰ کے نام سے چل اور روکنا چاہتے تو فرماتے: بسم الله مرسها۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نام سے رک جا۔ آگے فرمایا کہ میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔ یعنی یہ اسی کی مہربانی تھی کہ اتنی بڑی مصیبت سے نجات پائی یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہوا۔

(آیت نمبر۴۲) اور وہ کشتی انہیں لیکر چلتی رہی طوفان کی موجوں میں جب کہ طوفان پورے زوروں پر تھا اور موسلا دھار بارش نے ہر جگہ کو چاروں سمت سے گھیرا ہوا تھا۔ طوفان کی ہر موج پہاڑ کی طرح بلند تھی۔ قادر مطلق کی قدرت کا یہ عجیب نظارہ تھا کہ چاروں طرف سے بارش کا زور تھا۔ مگر کشتی کے اندر پانی کا قطرہ بھی نہ گیا۔ اتنے میں نوح علیہ السلام کو نافرمان بیٹا کنعان نظر آ گیا تو آواز دیکر فرمایا۔ اے میرے بیٹے یہاں بنی سے جمہور محققین فرماتے ہیں کہ وہ آپ کا حقیقی بیٹا تھا جو ایک طرف کھڑا تھا تو آپ نے شفقت پدری سے فرمایا اے بیٹا ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ نہ ہو۔

(آیت نمبر۴۳) لیکن بدقسمتی سے کشتی پر سوار ہونے کے بجائے اس نے کہا کہ میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا۔ وہ مجھے ڈوبنے سے بچالے گا۔ یعنی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر غرق ہونے سے بچ جاؤں گا۔ تو جناب نوح نے فرمایا یہ عام سیلاب نہیں کہ تو پہاڑ پر چڑھ کر بچ جائے گا۔ یہ تو حکم الٰہی سے عذاب آیا ہوا ہے۔ آج کوئی بچنے والا نہیں مگر جسے اللہ بچائے۔ لہذا آج کوئی بندے کی حفاظتی تدبیر نہیں چل سکتی۔ آج کی نجات صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جس پر وہ رحم فرمائے گا وہی اس عظیم طوفان سے بچے گا۔ لہذا ابھی وقت ہے۔ میرے پاس آجا۔ تاکہ تو بچ جائے۔



وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ

اور کہا گیا اے زمین نگل لے پانی اپنا اور اے آسمان تھم جا اور خشک ہوگیا پانی اور تمام ہوا

الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۴

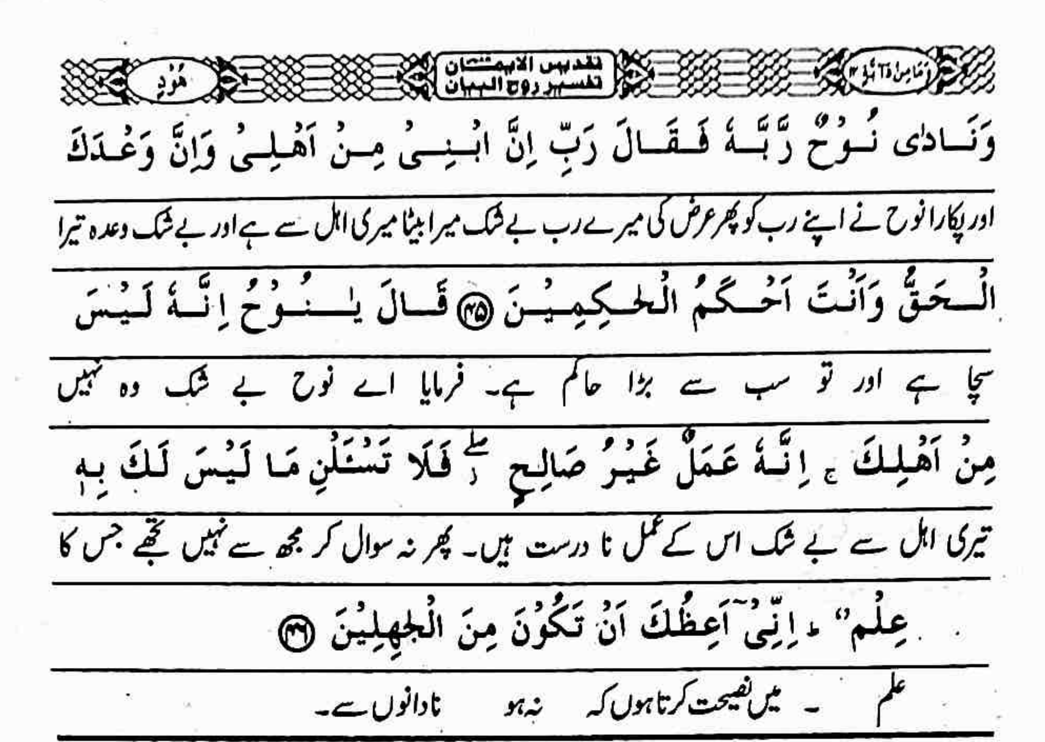
قصہ اور ٹھہری کشتی اوپر جودی پہاڑ کے اور کہا گیا دوری ہو ایسی قوم کو جو ظالم ہیں

(بقیہ آیت نمبر۴۳) اتنے میں ایک ہی موج آئی جو باپ بیٹے کے درمیان حائل ہوگئی۔ گفتگو کا سلسلہ ختم ہوگیا اور بیٹا غرق ہونے والوں سے ہوگیا۔ چونکہ پہلے بھی نوح علیہ السلام کا یہ بیٹا کافروں کا ساتھ دیتا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ آج غرق بھی ان کے ساتھ ہو۔ **فائدہ:** نوح علیہ السلام کے بیٹے نے پہاڑ کو وسیلہ بنالیا مگر نبی کو وسیلہ نہیں بنایا اس لئے وہ غرق ہوگیا۔ (اگر نبی کا وسیلہ پکڑ لیتا۔ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوجاتا۔ تو بچ جاتا)۔

(آیت نمبر۴۴) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ مسلسل چالیس روز تک طوفان قائم رہا۔ اوپر سے بارش نیچے سے چشمے پانی بڑھاتے ہی رہے۔ پہاڑوں سے بھی تیس چالیس گز پانی اوپر چڑھ گیا تھا۔ بعض روایات کے مطابق پانچ ماہ تک کشتی پانی پر تیرتی رہی۔ اس کے دوران سات دن بیت اللہ کا طواف کیا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طوفان کے وقت بیت اللہ شریف آسمانوں پر اٹھالیا اور حجر اسود کو جبل ابوقبیس پر چھپادیا۔ جناب ابراہیم علیہ السلام کے زمانے تک وہاں ہی رہا۔ طوفان تھم جانے کے بعد زمین کو ندا ہوئی۔ اے زمین اپنا پانی نگل لے یعنی زمین کو خشک کردے تو اس قادر مطلق کی آواز پر زمین نے فوراً پانی جذب کرلیا۔ خواہ وہ پانی آسمان سے آیا تھا۔ لیکن زمین نے اسے نگل لیا اور آسمان کو حکم الٰہی ہوا کہ تو اپنا پانی روک لے۔ اتنا کہنے کی دیر تھی کہ زمین کے چشمے بھی فوراً بند اور بارش بھی تھم گئی۔ یہاں تک کہ پہاڑ اور زمین صاف ظاہر ہوگئی۔

آگے فرمایا کہ فیصلہ ہوگیا کام کا۔ یعنی کفار کو ہلاک کرنے اور اہل ایمان کو نجات دینے کا جو وعدہ دیا گیا تھا وہ پورا ہوگیا اور کشتی چلتے چلتے جودی پہاڑ پر جا ٹھہری۔

فائدہ: جودی شام یا موصل کے قریب ایک پہاڑ کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پہاڑ کی عظمت قرآن میں بیان فرمادی۔ **فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ خاص کردیا جیسے احد کو ہمارے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ طور کو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ۔ سراندیب کو آدم علیہ السلام کے ساتھ اور جودی پہاڑ کو نوح علیہ السلام کے ساتھ یہ ان پہاڑوں کو شرافت مذکورہ انبیاء کرام کی وجہ سے حاصل ہوئی۔



وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ

اور پکارا نوح نے اپنے رب کو پھر عرض کی میرے رب بے شک میرا بیٹا میری اہل سے ہے اور بے شک وعدہ تیرا

الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ

سچا ہے اور تو سب سے بڑا حاکم ہے۔ فرمایا اے نوح بے شک وہ نہیں

مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ

تیری اہل سے بے شک اس کے عمل نا درست ہیں۔ پھر نہ سوال کر مجھ سے نہیں تجھے جس کا

عِلْمٌ ؕ اِنِّیْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۴۶﴾

علم ۔ میں نصیحت کرتا ہوں کہ نہ ہو نادانوں سے۔

(بقیہ آیت نمبر۴۴) **فائدہ:** جیسے انسانوں میں بعض کو بعض پر فضیلت ہے۔اسی طرح بعض پہاڑوں کو دوسرے پہاڑوں پر فضیلت حاصل ہے۔

سب سے افضل پہاڑ جبل احد ہے۔امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی افضلیت کی وجہ اس کا حضور ﷺ سے محبت کرنا۔(۲) اس کے قریب شہداء احد خصوصاً امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزارات کا ہونا ہے۔(۳) اس کا ذکر قرآن میں بھی آیا ہے۔(۴) اور حضور ﷺ نے اسے جنت کا ستون فرمایا۔

آگے فرمایا کہ ظالموں کیلئے ہلاکت ہو۔بُعد کا مرادی معنی تباہی اور ہلاکت ہے۔

(آیت نمبر۴۵) جناب نوح علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب بے شک میرا بیٹا کنعان میری اہل میں سے تھا تو نے وعدہ فرمایا کہ تیری اہل کو بچاؤنگا۔اور تیرا ہر وعدہ برحق ہوتا ہے۔اور تو احکم الحاکمین ہے۔سب سے زیادہ عدل وانصاف کرنے والا ہے۔

فائدہ: اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ بات نوح علیہ السلام نے بیٹے کے غرق ہونے سے پہلے کہی۔یا غرق ہونے کے بعد کہی۔صحیح یہ نظر آتا ہے کہ نوح علیہ السلام نے یہ سوال غرق کرنے والی موج آنے سے پہلے کیا۔

(آیت نمبر۴۶) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نوح کنعان تیرا بیٹا ضرور ہے مگر تیری اہل سے نہیں ہے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ

عرض کی میرے رب میں پناہ چاہتا ہوں تیری کہ مانگوں وہ کہ نہیں مجھے اس کا علم

وَاِلَّا تَغْفِرْلِیْ وَتَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۴۷﴾

اوراگر نہ بخشا تونے مجھے اوررحم نہ کرے تو ہوجاؤں گا خسارہ والوں سے

(بقیہ آیت نمبر۴۶) **فائدہ**: کیونکہ اہل وہ ہوتی ہے۔جس سے جسمانی قرابت کے ساتھ دینی قرابت بھی ہو چونکہ کنعان سے تیری دینی قربت نہیں رہی۔اس لئے کہ وہ کافر ہے اور مومن اور کافر کے درمیان قرابت نہیں ہوتی۔بلکہ بداعمالیاں بھی قرابت کوختم کردیتی ہیں۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ کافر ہے۔بلکہ فرمایا کہ وہ تیری اہل سے اس لئے نہیں کہ اس کے عمل اچھے نہیں اور نجات کا دارومدار ایمان اور عمل صالح پر ہے۔

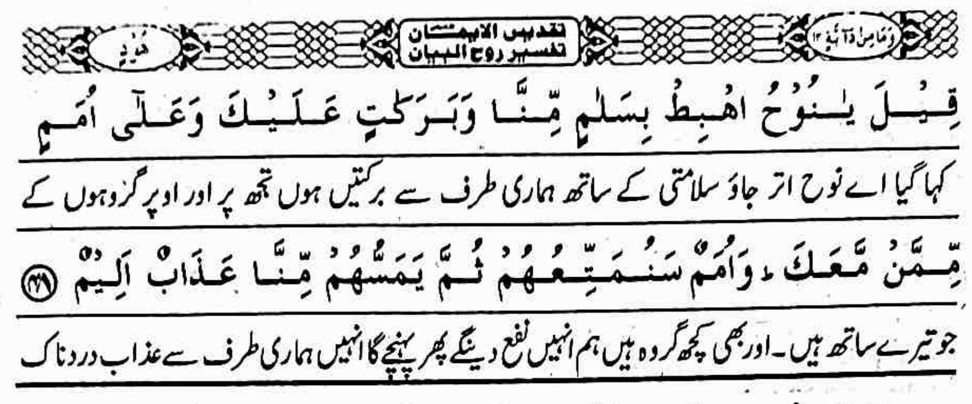
حدیث شریف:اسی لئے حضور ﷺ نے اپنے قرابت داروں سے فرمایا اپنے نیک اعمال لیکر محشر کے میدان میں آنا یہ نہ ہو کہ لوگ نیک اعمال لیکر آئیں اور تم خالی نسب نامہ لے آؤ۔(احیاء العلوم)

فائدہ:معلوم ہوا کہ خالی نسب پرفخر کرنا بےوقوفوں کا کام ہے۔بروز قیامت ہرایک سے اس کے اپنے عمل کے بارے میں پوچھا جائے گا۔کہ تونے کیا کیا عمل کیے۔

آگے فرمایا کہ اے نوح علیہ السلام اب جبکہ آپ کو معلوم ہوگیا کہ یہ معاملہ سخت ہے تو اب اس بات کا سوال نہ کرنا جس کا تمہیں علم نہیں۔میں تمہیں اب نصیحت کررہا ہوں۔ورنہ خطرہ ہے کہ تم نادانوں سے ہوجاؤ گے۔

فائدہ:چونکہ نوح علیہ السلام بھی شفقت پدری میں مغلوب ہوئے تو آپ کو استثناء یاد نہ رہا۔اس لئے سوال کر بیٹھے۔اسی وجہ سے عتاب ہوا کہ جو بات نہ کہنے کی تھی وہ آپ نے کہہ دی۔

(آیت نمبر۴۷) تو آپ نے فورا معافی مانگتے ہوئے عرض کیا۔اے میرے رب میں نے تیرا حکم سرآنکھوں پر مانا۔بے شک میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ میں نے ایسا سوال کردیا کہ جس کا مجھے علم بھی نہ تھا۔آئندہ ایسا سوال کرنے سے مجھے بچا۔**فائدہ**:اس وجہ سے آپ اس قدرروئے کہ آپ کا نام ہی نوح پڑ گیا۔اور پوری زندگی اس پر استغفار پڑھتے رہے۔**مسئلہ**:یہی نیک لوگوں کا طریقہ ہے کہ جب انہیں کوئی نصیحت کی جائے تو اسے قبول کرتے ہیں اور غلطی ہوجائے تو اس پر استغفار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں اور آئندہ اس فعل کے ترک کرنے کا پختہ ارادہ کرلیتے ہیں۔



(بقیہ آیت نمبر ۴۷) آگے مزید عرض کی کہ اے میرے رب اگر تو نے میری خطا معاف نہ کی اور مجھے نہ بخشا اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں خسارہ پانے والوں سے ہو جاؤں گا۔

نکتہ :اللہ تعالیٰ نے یہ حکایت اس لئے بیان فرمائی تا کہ لوگ نوح علیہ السلام کی اقتداء کریں اور خطا ہو جانے پر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید بھی نہ ہوں۔اس سے مانگتے رہیں۔وہ ضرور فضل وکرم فرماتا ہے۔

(آیت نمبر ۴۸) اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا اے میرے نوح آپ کشتی سے جودی پہاڑ پر اتر جایئے یا جودی پہاڑ سے زمین کی طرف اتر جایئے سلامتی کے ساتھ یعنی آپ کو کوئی دکھ اور تکلیف نہیں پہنچے گا۔اس لئے کہ وہ سلامتی ہماری طرف سے ہوگی۔ "منّا" کی صفت اس کی عظمت وکمال پر دلالت کرتی ہے۔ظاہر ہے جو بھی چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگی۔وہ باکمال اور عظیم الشان ہی ہوگی۔یا یہ سلام سلام تحیۃ ہے۔یعنی اے نوح ہم تجھے سلام کہتے ہیں۔جیسے دوسری جگہ فرمایا "سلام علی نوح فی العالمین" لیکن پہلا معنی موزوں تر ہے اور تم پر تمہاری آل اولاد پر اور جو تمہارے ساتھی ہیں سب پر برکتیں ہونگی۔یعنی مال رزق اولاد اور اسباب میں ہر طرح کی برکتیں ہوں گی اس سے مراد آپ کی امت کے وہ افراد ہیں جو آپ پر ایمان لائے۔

فائدہ :اس قول کے مطابق ہم بھی آپ کی اولاد سے ہیں۔ان برکات سے ہم بھی مستفیض ہو رہے ہیں کیونکہ نوح علیہ السلام آدم ثانی کہلاتے ہیں۔آج تمام انسان ان کی اولاد ہیں۔یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔کہ وہ کسی کو گھٹاوے یا بڑھاوے۔حضور ﷺ کی اولاد سادات کرام پوری دنیا میں پھیل گئی یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ ہے۔

آگے فرمایا کہ کچھ وہ امتیں آنے والی ہیں جن پر سلامتی اور برکات نازل ہوں گی۔دنیا میں وہ خوب عیش وعشرت کریں گے۔لیکن مال ودولت سے وہ ناجائز فائدہ اٹھا کر کفار اور فجار ہو جائیں گے۔پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا دنیا میں یا آخرت میں۔یا دونوں جہانوں میں یعنی نہ سب نیک بخت ہونگے نہ ہی سب بد بخت ہونگے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی دونوں صفات جمال وجلال کی جہاں میں رکھی ہیں چونکہ دس محرم کو یہ کشتی جودی پہاڑ پر اتری لہذا الیوم عاشورہ کے تفصیلی دلائل وفضائل فیوض الرحمٰن میں اس مقام پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ

یہ خبریں غیب کی ہم وحی کرتے ہیں آپ کی طرف نہیں تھے جانتے ان کو

اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛؕ فَاصْبِرْ ۛؕ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ؏ ﴿۴۹﴾

آپ اور نہ قوم آپ کی پہلے اس کے۔ تو صبر کر بے شک اچھا انجام پرہیزگاروں کا ہے

(آیت نمبر ۴۹) یہ نوح علیہ السلام کا قصہ غیب کی خبروں سے ہے۔ چونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس لئے انہیں غیبی خبریں کہا گیا کہ یہ ہم بذریعہ جبریل علیہ السلام آپ کو بتارہے ہیں تاکہ یہ بات آپ کے علم میں آجائے کہ آپ کی طرح پہلے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی تبلیغی معاملے میں تکالیف اٹھانی پڑیں اور یہ واقعات ہمارے بتانے سے پہلے نہ آپ جانتے تھے۔ نہ آپ کی قوم تاکہ یہ واضح ہوجائے کہ آپ کا سارا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

فائدہ: سعدی مفتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقع اس لئے بتایا تاکہ آپ کی قوم تکذیب سے باز آئے۔ ورنہ ان کا حشر بھی ان جیسا ہوگا۔ (۲) تاکہ اللہ تعالیٰ کے محبوب کو تسلی ہو کہ یہ مشکلات پہلے انبیاء پر بھی آئیں۔ اسی لئے آگے فرمایا کہ آپ صبر کریں اور قوم کی طرف سے آنے والی ایذائیں برداشت کریں۔ دیکھ لیں نوح علیہ السلام نے تو ساڑھے نوسو سال صبر کیا اور آخرت میں اچھا انجام پرہیزگاروں کا ہی ہوگا۔ جو توحید پر قائم رہے اور تکالیف پر صابر ہوئے۔ اس قسم کے واقعات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاتی ہے کہ آپ پریشان نہ ہوں۔

حدیث شریف: حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھے تھے کہ ہم نے حاضر ہوکر عرض کی کہ یارسول اللہ ہمیں ان کفار کی طرف سے ملنے والی اذیتوں سے کس قدر پریشانی ہے۔ آپ دعا فرمادیں۔ تو آپ کا اس وقت چہرا مبارک جوش میں سرخ ہوگیا اور فرمایا کہ تم سے پہلے لوگوں کو گھڑھے میں کھڑا کرکے سر پر آرہ چلایا جاتا۔ ان کے جسم کے دوٹکڑے کردیئے جاتے لیکن پھر بھی وہ دین پر ڈٹے رہے (رواہ البخاری)۔ **فائدہ:** یعنی اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غلاموں کو تسلی دیتے ہیں کہ صبر کریں۔ **فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی عادت مبارک ہے کہ دکھ پر وہ صبر بھی عطا کرتا ہے اور پھر اس پر اجر بھی عطا فرمادیتا ہے۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنے زمانے میں دیکھا کہ لوگ مصائب میں مبتلا ہوئے اور صبر پر اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی۔ یہی اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ وہ صبر والوں کی مدد فرماتا ہے۔

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ

اور طرف عاد کے ان کے بھائی ھود نے کہا اے میری قوم پوجو اللہ کو نہیں تمہارا کوئی معبود

غَیْرُہٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ یٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا ؕ

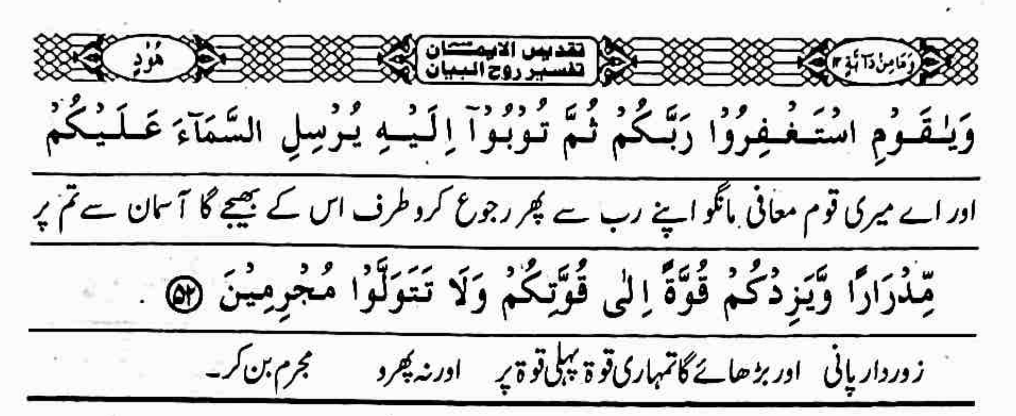
سوائے اس کے نہیں ہو تم مگر گھڑنے والے۔ اے میری قوم نہیں تم سے مانگتے اس پر کوئی اجر

اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾

نہیں ہے میری مزدوری مگر اس پر جس نے پیدا کیا مجھے تو کیا نہیں تم سمجھتے۔

(آیت نمبر ۵۰) حضرت ہود علیہ السلام کو ان کی قوم عاد کی طرف بھیجا (جو یمن میں ایک قبیلہ تھا) انہیں قوم عاد کا بھائی قبیلہ کے فرد ہونے کی وجہ سے کہا۔ حضرت ہود نوح علیہ السلام کے پوتے کے پوتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ عاد کی یمن میں کئی شاخیں تھیں۔ جن کے مورث اعلیٰ کا نام عاد تھا۔ بعض نے کہا کہ عاد بادشاہ ہوا۔ حضرت ہود کو ان کی طرف اس لئے بھیجا کہ وہ قوم حضرت ہود کے حالات ان کی صداقت وامانت سے زیادہ واقف تھی اور ان کی نیک عادات کی وجہ سے ان سے بہت مانوس تھے۔ حضرت ہود توحید پرست اور اللہ تعالیٰ کی کثرت سے عبادت کرنے والے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ جبریل پیغام رسالت ان کو پہنچایا تو آپ اپنی قوم کے پاس احقاف میں تشریف لے گئے۔ آپ نے انہیں اللہ کا پیغام پہنچایا کہ تم بت پرستی چھوڑ دو۔ ایک اللہ کی عبادت کرو۔ تمہارا اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کے ساتھ کسی کو مت شریک کرو۔ یہ بت تمہارے اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ ان کی عبادت کا اللہ نے کوئی حکم نہیں دیا۔ اور اللہ پر جھوٹ نہ گھڑو۔ اور ان بتوں کی پرستش سے باز آ جاؤ۔

(آیت نمبر ۵۱) اے میری قوم میں تم سے اس تبلیغ رسالت پر کوئی اجر بھی نہیں مانگتا۔ نہ کوئی انعام نہ رشوت۔ یعنی تمہارے مال واسباب میں سے مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ میرا اجر اور انعام اس ذات پر ہے۔ جس نے مجھے پیدا کیا۔ اس نے مجھے اس کا اجر عطا کر دیا۔ اس سے بڑی اور کیا اس کی عطا ہو گی کہ اس نے مجھے اپنا بندہ منتخب فرما لیا۔ اس لئے اس کی ادائیگی پر شکر کرنا ہم پر لازم ہے کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ **فائدہ:** اللہ والے ہمیشہ خوشامد اور چاپلوسی سے بچتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہر نبی نے اپنی امت کو جب اللہ کا پیغام پہنچایا تو ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ یہ وعظ ونصیحت کسی دنیوی لالچ کی بناء پر نہیں کی۔ بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کی۔ (**فائدہ:** دنیوی مال ودولت بالکل نہ ہونے کے باوجود قوم سے کسی چیز کا سوال نہیں کیا۔)



وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ

اور اے میری قوم معافی مانگو اپنے رب سے پھر رجوع کرو طرف اس کے بھیجے گا آسمان سے تم پر

مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾

زوردار پانی اور بڑھائے گا تمہاری قوۃ پہلی قوۃ پر اور نہ پھرو مجرم بن کر۔

(بقیہ آیت نمبر ۵۱) یہ بات اس لئے فرمائی تا کہ وہ لوگ ان کی خالص رضاء الٰہی کیلئے کی جانے والی تبلیغ اور نصیحت کو قبول کریں۔ اس لئے کہ نصیحت وہی اثر پذیر ہوتی ہے جو طمع و لالچ کی گندگیوں سے پاک وصاف ہو۔

فائدہ: یاد رہے انبیاء واولیاء کے مقدس قلوب ہر قسم کی لالچ وغیرہ کی آلائش سے پاک ہوتے ہیں۔

(آیت نمبر ۵۲) اے میری قوم اپنے رب سے بخشش مانگو۔ پھر توبہ کرتے ہوئے اس کی عبادت کرو۔

فائدہ: یعنی سابقہ گناہوں (کفر و شرک) سے پکی توبہ کر کے یوں ایمان لاؤ تا کہ دل پاک وصاف ہو جائیں۔ پھر اس کی اطاعت بجالاؤ۔ کسی چیز پر زیب و زینت لانے کیلئے سب سے پہلے اس کی صفائی کی ضرورت ہوتی ہے۔

آگے فرمایا کہ جب توبہ کرلو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں موسلا دھار بارش دے گا اور تمہاری قوت میں اور زیادہ اضافہ فرمادے گا۔

فائدہ: چونکہ یہ لوگ کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے اور باغات رکھتے تھے۔ جس کا انحصار بارش پر ہی تھا اور بڑی بڑی عمارتیں بھی بناتے تھے وہ ان ہی چیزوں کے دلدادہ تھے اور انہیں اپنی قوت پر بڑا ناز تھا۔ اس لئے انہیں مزید قوت کا مژدہ سنایا گیا۔ اس لئے کہ وہ بڑی چٹانیں اٹھا کر میلوں تک دور لے جاتے تھے۔

فائدہ: جب انہوں نے ہود علیہ السلام کی بات نہ مانی اللہ تعالیٰ نے بارش بند کردی۔ اور لگا تار تین سال تک بارش بند رہی۔ کھیتی باڑی کا سارا کام رک گیا۔ اس پر مزید یہ کہ قوت وہمت بھی جواب دے گئی۔ اس لئے ان دو باتوں کا خصوصیت سے ذکر کیا کہ یہ سب چیزیں بحال ہو جائیں گی۔ اگر تم ایمان لے آؤ۔

آگے فرمایا کہ جس طرف میں بلا رہا ہوں اس سے منہ پھیر کر مجرموں میں شامل نہ ہو جاؤ۔ تم پہلے ہی بہت بڑے جرائم اور نافرمانیوں پر اصرار کرتے رہے ہو۔

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا

بولے اے ہود نہیں لائے ہمارے پاس کوئی دلیل اور نہیں ہم چھوڑنے والے اپنے معبودوں کو

عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ

تیرے کہنے پر اور نہیں ہم تجھ پر یقین کرنے والے۔ نہیں کہتے مگر یہ کہ جھپٹ لگ گئی تجھے

بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ

کسی ہمارے معبود کی بری طرح۔ فرمایا بے شک میرا گواہ اللہ ہے اور تم بھی گواہ رہو بے شک میں بری ہوں

مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾

اس سے جو تم شریک کرتے ہو۔ اللہ کے سوا تم میرے ساتھ فریب کر لو سارے پھر نہ مہلت دو مجھے

(آیت نمبر ۵۳) تو قوم نے جناب ہود علیہ السلام کو جواب میں کہا۔ اے ہود۔ واضح قسم کی کوئی دلیل تم ہمارے پاس نہیں لائے کہ جس سے ہمیں معلوم ہو کہ واقعی آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

فائدہ: یہ انہوں نے کمال عناد سے بات کی ورنہ انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام سے کئی معجزات دیکھے تھے۔ جیسے اہل مکہ نے حضور ﷺ سے سینکڑوں معجزات دیکھ کر بھی یہی کہا کہ آپ کوئی واضح دلیل لائیں تو وہ کہنے لگے۔ ہم صرف تیرے کہنے پر اپنے خداؤں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں۔ یعنی ان کی پرستش تمہارے کہنے سے ترک نہیں کر سکتے اور نہ ہم تمہیں ماننے والے ہیں۔ یعنی بت پرستی چھوڑنے کا جو حکم دیتے ہو۔ یہ کام ہم نہیں کر سکتے۔

(آیت نمبر ۵۴) ہم تو تمہارے بارے میں یہی کہہ سکتے ہیں کہ تجھے ہمارے ان معبودوں کی کوئی بددعا لگ گئی ہے کیونکہ آپ ان کے خلاف باتیں کرتے رہتے ہیں تو انہوں نے تجھے دیوانہ بنا دیا تو آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کی گواہی دیتا ہوں اور اس پر تمہیں گواہ بناتا ہوں۔ اس سے ہود علیہ السلام انہیں بتا رہے ہیں کہ مجھے نہ تمہاری کوئی پرواہ ہے نہ تمہارے بتوں کا کوئی ڈر ہے اور میں تمہارے تمام مشرکانہ عقائد سے بیزار ہوں۔

(آیت نمبر ۵۵) تمہارے بت اللہ کا غیر ہیں۔ الٰہ نہیں ہیں۔ تمہارے ان بناوٹی خداؤں کی دشمنی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ اب میں تمہیں چیلنج کرتا ہوں۔ کہ تم بھی اور تمہارے یہ بت بھی سب مل کر جو میرا نقصان کر سکتے ہو کرو۔

اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ

میں نے بھروسہ کیا اللہ پر جو میرا رب اور تمہارا رب ہے۔ نہیں کوئی چلنے والا مگر وہ پکڑنے والا ہے

بِنَاصِیَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۵۶﴾

اس کی چوٹی سے بے شک میرا رب (ملتا ہے) راستے سیدھے پر

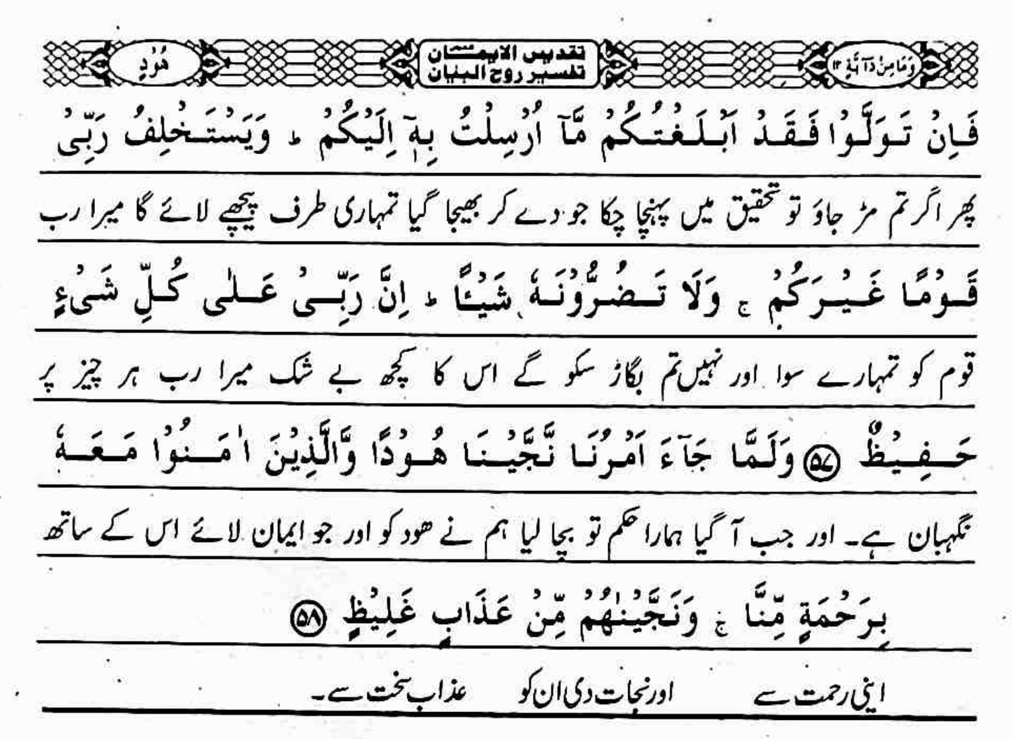
(بقیہ آیت نمبر ۵۵) کیونکہ تمہارا خیال ہے کہ جو تمہارے بتوں کا مخالف ہو۔ اسے بت نقصان پہنچاتے ہیں۔ اب ان کو کہو تم بھی اور وہ بھی جو تدبیریں بروئے کار لاتے ہو۔ لا کر اور تمام حربے استعمال کر کے مجھے نقصان پہنچاؤ اور مجھے کوئی مہلت نہ دو۔

(آیت نمبر ۵۶) اے کافرو۔ تم اور تمہارے معبود میرا اس لئے کچھ نہیں بگاڑ سکتے کہ میرا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہے جو میرا اور تمہارا رب بڑی قدرت اور طاقت والا ہے۔ جس کے قبضہ قدرت میں ہماری جان ہے۔ کوئی زمین پر چلنے والا ذی روح ایسا نہیں ہے مگر وہ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں اس کی پیشانی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ہر چیز پر قہر و غلبہ اسی کا ہے۔ جیسے ماتھے سے اوپر کے بالوں کو جو پکڑے۔ وہ جدھر مرضی ہو پھرائے۔ یعنی وہ بندہ اس کے قبضے میں ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بروز قیامت ہر کافر اللہ تعالیٰ کی گرفت میں ہوگا۔

فائدہ: اہل عرب کسی کی ذلت کے وقت اس طرح بولتے ہیں۔ یا یہ اس وقت بولتے ہیں۔ جب کوئی کسی کا از حد مطیع اور فرمانبردار ہو۔ اس کو استعارہ تمثیلیہ کہتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کا مالک ہے۔ اس کے ساتھ جو چاہے کرے۔

فائدہ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلالت شان بیان ہوئی کہ وہ بڑی سلطنت اور کبریائی والا ہے۔ اس کے ماسوی اس کے سامنے کچھ بھی نہیں۔ انبیاء و اولیاء کو جو بھی شانیں ملیں۔ وہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائیں۔

آگے فرمایا کہ بے شک میرا رب سیدھی راہ پر ہے۔ یعنی اس کا ہر فیصلہ صحیح ہے اور مبنی بر عدل و حق ہے۔



فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ؕ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّىْ

پھر اگر تم مڑ جاؤ تو تحقیق میں پہنچا چکا جو دے کر بھیجا گیا تمہاری طرف پیچھے لائے گا میرا رب

قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّىْ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ

قوم کو تمہارے سوا اور نہیں تم بگاڑ سکو گے اس کا کچھ بے شک میرا رب ہر چیز پر

حَفِيْظٌ ﴿۵۷﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ

نگہبان ہے۔ اور جب آ گیا ہمارا حکم تو بچا لیا ہم نے ھود کو اور جو ایمان لائے اس کے ساتھ

بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۸﴾

اپنی رحمت سے اور نجات دی ان کو عذاب سخت سے۔

(آیت نمبر ۵۷) پس اگر تم مڑ گئے تو تم میرا کوئی نقصان نہیں کرو گے۔ ہاں اپنا نقصان کرو گے۔ میں نے تو تم تک پہنچا دیا جو مجھے تم تک احکام پہنچانے کیلئے بھیجا گیا تھا۔ یعنی جو کام میرے ذمے لازم تھا۔ وہ میں نے پورا کر دیا۔ تم پر حجت قائم کر دی جس کا تم انکار نہیں کر سکتے۔ اب جو بھی انکار یا تکذیب وغیرہ کرو گے۔ اس کا خمیازہ خود ہی بھگتو گے۔ پھر یہی ہو گا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ختم کر کے تمہارے بعد کسی دوسری قوم کو لے آئے گا جو تمہارے علاوہ ہو گی۔ جو تمہارے مال و زمین کے مالک ہو جائیں گے اور تم اس کا کچھ بگاڑ بھی نہیں سکو گے۔

آگے فرمایا کہ بے شک میرا رب ہر چیز کا نگہبان ہے یعنی تمہارا کوئی عمل اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔

فائدہ: ہر نفس اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کے قبضہ و کنٹرول میں ہے۔ اس کی ربوبیت ہر ایک کیلئے عام ہے۔ جس کو جرم پر سزا دے یہ اس کا عدل ہے۔ سزا معاف کر دے یہ اس کا فضل ہے۔

سبق: بندوں پر لازم ہے کہ وہ ہر معاملہ میں عدل و انصاف کو مقدم رکھیں۔ خصوصاً حکام اور بادشاہان وقت اس کا بہت خیال رکھیں۔ اس لئے کہ عدل و انصاف سے وہ دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوں گے۔

(آیت نمبر ۵۸) اور جب ہمارے عذاب کا حکم آن پہنچا تو ساری قوم تباہ و برباد ہو گئی لیکن ہم نے ہود علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچا لیا اپنی رحمت یعنی ہمارے فضل و رحمت نے سخت ترین عذاب سے انہیں نجات عطا کی۔

وَتِلْكَ عَادٌ ۖ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ

اور یہ عاد ہیں منکر ہوئے اپنے رب کی آیتوں کے اور نافرمانی کی اس کے رسولوں کی اور چلے حکم پر

كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۵۹﴾

ہر ظالم سرکش کے۔

(بقیہ آیت نمبر ۵۸) **مسئلہ**: اہل سنت کے نزدیک نجات کا دارومدار رحمت الٰہی پر ہے۔ البتہ اعمال صالحہ اس کا سبب ہیں۔ آگے فرمایا کہ ہم نے انہیں سخت ترین عذاب سے بچایا (سورۂ اعراف میں تمام تر تفصیلات گذر گئیں)

فائدہ: مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کو ہلاک کر دیا۔ حضرت ہود اور ان کے ساتھیوں کو نجات مل گئی تو جناب ہود اپنے تمام ساتھیوں سمیت مکہ مکرمہ میں چلے گئے۔ بقایا زندگی وہیں پر عبادت الٰہی میں مصروف ہو گئے اور وہیں پر انتقال فرمایا۔ بلکہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کا بھی یہی طریقہ رہا۔ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان تقریباً ستر انبیاء کرام علیہم السلام کے مزارات ہیں۔

(آیت نمبر ۵۹) اے میرے محبوب ﷺ۔ یہ تھی قوم عاد جنہوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا۔ یعنی آیات کو دیکھ تو لیا۔ مگر ان پر انہیں یقین نہیں تھا۔ اور جان بوجھ کر منکر ہوئے اور اپنے رسولوں کی نافرمانی کی۔ انہوں نے اپنے لیڈروں اور سرداروں کی بات مانی مگر نبی ﷺ کو ماننے سے انہوں نے انکار بھی کیا اور تکذیب بھی کی۔ بلکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے کے بجائے ہر جابر اور سرکش سرداروں کی بات مانی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

فائدہ: تبیان میں ہے کہ جبار وہ ہوتا ہے جو اپنے برابر کسی کو نہ جانے۔ بلکہ ہر ایک کو اپنے سے کمتر سمجھے اور عنید وہ ہوتا ہے جو کسی طرح حق کو قبول نہ کرے۔ یعنی وہ ایسے بد بخت تھے کہ ایمان کے بھی منکر اور نجات کی طرف بلانے والے کے بھی نافرمان اور جو انہیں کفر و عصیان میں ڈالے اس کے تابع فرمان ہو جاتے تھے۔ گویا جو جنت کی طرف لے جائے اس کے دشمن اور جو جہنم کی طرف لے جائے اس کے فرمانبردار اور دوست ہو جاتے تھے۔

وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ عَادًا

اور پیچھے پڑی اس دنیا میں لعنت اور بروز قیامت بھی۔ خبردار بے شک قوم عاد

كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ؑ﴿۶۰﴾

منکر ہوئے اپنے رب کے دوری ہو عاد کی جو قوم تھی ہود کی۔

(آیت نمبر ۶۰) ان پر اس دنیا میں ہی ان کے پیچھے (ان کے لیڈروں اور سرداروں پر) لگادی گئی لعنت یعنی رحمت سے دور کر دیئے گئے۔ ان کے پیچھے لعنت ایسی لازم کر دی گئی کہ انہیں اس لعنت نے جہنم میں پہنچا کر چھوڑا۔ جیسے کوئی کسی کے پیچھے لگ کر اسے دھکے دیکر منہ کے بل گرائے۔ لعنت بھی ان کے پیچھے ایسے ہی پڑی کہ انہیں ذرا مہلت نہ دی اور ایمان لانے کے متعلق ذرا بھی سوچنے کا موقع نہ دیا۔ پھر وہ لعنت ان کے ساتھ ایسی چمٹی کہ بروز قیامت بھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ قیامت کی لعنت سے مراد ہمیشہ کا عذاب ہے۔ یہاں واؤ عاطفہ بتاتی ہے کہ لعنت دنیا میں بھی اور لعنت ہی آخرت میں بھی ان کے ساتھ لگ گئی۔

آگے فرمایا کہ خبردار قوم عاد نے بے شک اپنے رب کا انکار کیا گویا وہ دھریہ تھے خدا کو نہ ماننے والے۔ جنہیں آج کل کمیونسٹ کہتے ہیں۔ یعنی ان کی عادت تھی کہ جو چیز ان کو محسوس ہوتی اس کو مانتے اور جو چیز نظر نہ آتی یا محسوس نہ ہوتی اس کا انکار کر دیتے تھے اور ہر چیز کی نسبت زمانے کی طرف کر دیتے تھے۔ جیسے آج کل کے کمیونسٹوں کی عادت ہے۔ بلکہ انگلینڈ کے سکولوں میں بھی اس قسم کا تصور دیا جاتا ہے۔

آگے فرمایا کہ خبردار دوری ہے قوم عاد کیلئے۔ یعنی قوم عاد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہے۔

فائدہ: لفظ ''آلاء'' اور اس کے بعد بددعا کا تکرار اس لئے ہے۔ تا کہ معلوم ہو جائے کہ ان کا معاملہ انتہائی خطرناک تھا اور آئندہ آنے والے لوگوں کو تنبیہ کرنا تھی کہ وہ ان کے حالات و واقعات پڑھ کر یا سن کر عبرت حاصل کریں اور ان جیسے برے اعمال سے بچ کر رہیں۔

تنبیہ: اس میں اشارہ ہے کہ قوم عاد اس تباہی اور بربادی کے خود ہی مستحق ہوئے۔ اپنے گندے کردار اور بداعمالیوں کی وجہ سے۔ اسی لئے ان کیلئے بار بار بددعا ہوئی۔

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

اور طرف ثمود کے ان کے قومی بھائی صالح کو (بھیجا) فرمایا اے میری قوم پوجو اللہ کو نہیں تمہارا

مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِیْهَا

کوئی معبود سوا اس کے اس نے پیدا کیا تمہیں زمین سے اور آباد کیا تمہیں اس میں

فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ ؕ اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ ﴿۶۱﴾

تو اس سے بخشش چاہو پھر رجوع کرو اس کی طرف بے شک میرا رب قریب اور قبول کرنے والا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۶۰) **لعنت کی تحقیق**: کفایہ شرح ہدایہ میں ہے کہ لعنت سے مراد اللہ کی رحمت سے دوری۔ یہ کفار کے ساتھ خاص ہے۔ (۲) نیک لوگوں کے مراتب سے دوری جیسے حضور ﷺ نے فرمایا۔ ذخیرہ اندوزی کرنے والا لعنتی ہے۔

مسئلہ: اہل سنت کے نزدیک گناہ کبیرہ کرنے والا ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔ **حدیث شریف**: جو ماں باپ پر لعنت کرے اوراس پر لعنت۔ جو غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرے (مسلم شریف)۔ **حدیث شریف**: سود کھانے والے۔ اس کی وکالت کرنے والے۔ سود کا حساب لکھنے والے اس کے گواہ پر (مسلم شریف)۔ بدن پر سوئی سے لکھوانے والے پر۔ حلالہ کرنے اور کرانے والے پر لعنت ہے (بخاری)۔ **حدیث شریف**: رشوت دینے دلانے اور یہ کاروبار کرنے والے پر لعنت (مشکوٰۃ شریف)۔ **حدیث شریف**: شراب پر شراب خور پر۔ پلانے بیچنے اور خریدنے اوراس کے منافع سے ثمن حاصل کرنے والوں سب پر لعنت ہے (بخاری وابن ماجہ)۔ **حدیث شریف**: مسلمان پر لعنت اس کے قتل کے برابر کا گناہ ہے (رواہ احمد والطبرانی)۔ کسی مسلمان پر لعنت نہ کی جائے۔ **مسئلہ**: یزید پر لعنت اس لئے جائز ہے کہ وہ حد کفر تک پہنچ گیا تھا۔

حدیث شریف: دنیا اور جو دنیا میں ہے اس پر لعنت۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے اور ذکر کے ساتھ محبت کرنے والے کے اور عالم دین کے اور دین سیکھنے والے کے (ترمذی وابن ماجہ)۔ یعنی یہ چار اس لعنت سے بری ہیں۔

(آیت نمبر ۶۱) اور قوم ثمود کی طرف بھی ہم نے رسول بھیجا۔ یہ بھی عاد کی اولاد سے تھے۔ ان کی طرف ان کے قبیلے سے صالح علیہ السلام کو بھیجا تو جناب صالح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے فرمایا۔ اے میری قوم اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرو۔ اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اسی نے تمہیں عدم سے وجود میں لایا کہ تمہیں زمین سے پیدا کیا۔

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ

بولے اے صالح تحقیق تھا تو ہم میں ہونہار پہلے اس سے کیا تو ہمیں منع کرتا ہے کہ ہم پوجتے ہیں

مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۶۲﴾

جسے پوجا ہمارے آباء نے اور بے شک ہم شک میں ہیں جس کی طرف ہمیں بلاتے ہو دھوکہ والا

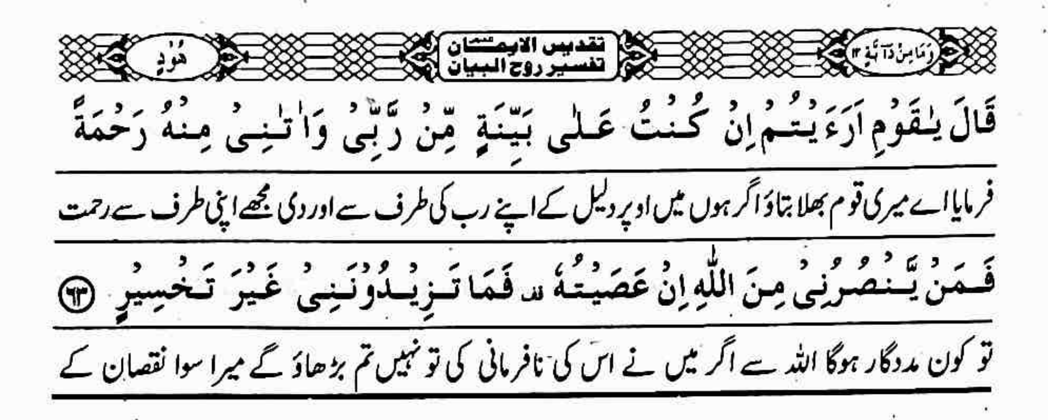
(بقیہ آیت نمبر ۶۱) یعنی آدم علیہ السلام کی تخلیق زمین کی مٹی سے ہوئی۔

آگے سارے انسان ان سے پیدا ہوئے تو گویا سب انسان مٹی سے ہی پیدا ہوئے۔ آدم علیہ السلام اجمال تھے اور قیامت تک آنے والے انسان اس کی تفصیل ہیں۔ لہذا غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ درحقیقت سب انسان مٹی سے پیدا ہوئے۔ اس لئے فرمایا کہ تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔ پھر زمین میں ایک لمبے وقت تک آباد کیا۔

فائدہ: مدارک میں ہے کہ قوم ثمود کی عمریں تین سو سال سے ایک ہزار سال تک ہوئیں تو زمین میں انہوں نے مکانات بنائے۔ نہریں نکالیں۔ درخت اور باغات لگائے۔ حضرت کعب فرماتے ہیں۔ زمین کو آباد کرنا واجب ہے۔ یہ بھی اس آیت سے معلوم ہوا۔ ان کو بھی یہی حکم دیا گیا کہ کفر وشرک اور گناہوں سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو۔ ایمان لانے کیلئے پہلے گناہوں سے توبہ استغفار ضروری ہے۔ جس طرح اعمال صالحہ ایمان کے بغیر بے کار ہیں۔ اسی طرح کفر وشرک سے بھی توبہ کی جائے اس کے بغیر ایمان بھی قبول نہیں ہوتا۔

آگے فرمایا کہ میرا رب قریب ہے یعنی رب کی رحمت مسلمانوں اور نیک لوگوں کے قریب ہے اور مجیب کا ایک معنی ہے۔ جواب دینے والا اور دوسرا معنی قبول کرنے والا۔ یعنی جو اللہ کو پکارے وہ اسے جواب بھی دیتا ہے اور جو دعا مانگے وہ قبول فرماتا ہے۔

(آیت نمبر ۶۲) صالح علیہ السلام نے جب قوم کو توحید کی دعوت دی تو انہوں نے جواب میں کہا کہ اے صالح تم تو نیک خو والے اور بھلے مانس آدمی تھے۔ اس سے پہلے ہم تجھے اپنا سردار بنانا چاہتے تھے اور تمام کاموں میں تجھے اپنا راہبر بنانے والے تھے کہ تم نے تو ہماری تمام امیدیں خاک میں ملا دیں۔ اب ہم سمجھے کہ تم تو ایک بے کار آدمی ہو (معاذ اللہ) **فائدہ**: (بالکل اسی طرح آج کل بھی بعض لوگ اللہ والوں کو بے کار کہتے ہیں)۔ چنانچہ وہی لوگ جو پہلے صالح علیہ السلام کی تعریف کر کے تھکتے نہ تھے۔ اب جب اللہ کا پیغام ان تک پہنچایا تو وہی انہیں پاگل اور بے کار اور کچھ سے کچھ کہنے لگ گئے۔ مزید کہنے لگے کہ اے صالح کیا تو ہمیں روکتا ہے کہ ہم ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔



قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ وَاٰتٰنِىْ مِنْهُ رَحْمَةً

فرمایا اے میری قوم بھلا بتاؤ اگر ہوں میں اوپر دلیل کے اپنے رب کی طرف سے اور دی مجھے اپنی طرف سے رحمت

فَمَنْ يَّنْصُرُنِىْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِىْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿۶۳﴾

تو کون مددگار ہوگا اللہ سے اگر میں نے اس کی نافرمانی کی تو نہیں تم بڑھاؤ گے میرا سوا نقصان کے

(بقیہ آیت نمبر ۶۲) جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے اور بے شک ہمیں تو اس میں شک ہے۔ جس کی طرف تم ہمیں دعوت دے رہے ہو۔ یعنی ہم سے بت پرستی چھڑا کر جو توحید کی دعوت دے رہے ہو۔ یہ تو بڑا شک والا معاملہ ہے۔ اور ایسے معلوم ہوتا ہے کہ تم ہم سے دھوکہ کر رہے ہو۔

(آیت نمبر ۶۳) تو جناب صالح علیہ السلام نے فرمایا۔ اے میری قوم بھلا مجھے بتاؤ کہ اگر فی الواقع میں حجت ظاہرہ اور بصیرت واضح اپنے رب کی طرف سے لیکر آیا ہوں۔ جو میرا مالک اور میرے تمام کاموں کا والی ہے اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت بھی عطا فرمادی ہے۔ رحمت سے مراد نبوت ہے۔ اگر بالفرض محل والتقدیر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح دلیل پر نہ ہوا اور میں نے تمہاری بات مان لی اور اپنے رب تعالیٰ کی نافرمانی کر دی تو پھر میری کون مدد کرے گا۔ اگر میری نافرمانی پر وہ مجھے عذاب میں مبتلا کر دے۔ تو کون مجھے بچائے گا۔ اسی طرح اگر میں اس کی نافرمانی کردوں اور اللہ کا پیغام تم تک نہ پہنچاؤں اور تمہیں شرک سے نہ روکوں۔ پھر تو تم مجھے خسارہ پہنچانے کے سوا اور میرا کیا کرو گے۔ کیونکہ تمہاری بات ماننے میں تو خسارہ ہی ہے اور کچھ بھی نہیں بلکہ تمہاری بات ماننے سے میرے پہلے والے تمام عمل ضائع ہو جائیں گے اور میں اللہ تعالیٰ کے غضب کا نشانہ بن جاؤں گا۔

فائدہ: حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو کامل مرد اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہزار سال تک محنت کرتا رہا۔ اگر ایک لحظہ بھی اس سے روگردانی ہوگئی تو حاصل کردہ مراتب اس کے ضائع ہو جائیں گے۔ بعد میں وہ اگر کئی قسم کے مراتب حاصل کر بھی لے مگر ضائع ہونے والے مراتب کو وہ نہیں پا سکے گا۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ ایک روزہ اگر جان بوجھ کر توڑ دے۔ تو پھر ساری زندگی روزہ رکھتا رہے۔ وہ درجہ نہیں پا سکتا جو روزہ توڑ کر ضائع کر دیا۔

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ

اور اے میری قوم یہ ہے اونٹنی اللہ کی تمہارے لئے نشانی ہے تو چھوڑو اس کو کھائے اللہ کی زمین میں

وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿۶۴﴾

اور نہ ہاتھ لگانا برائی سے ورنہ پہنچے گا تمہیں عذاب جلدی۔

(آیت نمبر۶۴) ایک دن قوم عید منانے باہر ایک جگہ جمع تھے کہ آپ بھی وہاں تشریف لے گئے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی عبادت کی طرف بلایا تو انہوں نے معجزہ کا مطالبہ کیا۔ آپ نے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو تو ان کے سردار جندع نامی شخص نے کہا یہ سامنے پتھر کی چٹان ہے۔ اس سے ایک موٹے پیٹ والی اونٹنی نکال دو۔ آپ نے فرمایا کہ اگر ایسا ہو گیا تو پھر تم ایمان لے آؤ گے؟ تو انہوں نے وعدہ کیا کہ ایمان لے آئیں گے۔ آپ نے دو رکعت نفل پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ التجا کی کہ یا اللہ جو یہ کہتے ہیں۔ اسی طرح کی اونٹنی انہیں عطا فرما۔ دعا قبول ہوئی۔ چنانچہ اسی پتھر سے اسی ہیئت کی بچہ جننے والی اونٹنی نکل آئی۔ تو آپ نے فرمایا اے میری قوم یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحفہ ہے (یہ اضافت تشریفی ہے) یہ تمہارے لئے بطور معجزہ ہے۔ اور میری نبوت پر صداقت کی دلیل ہے۔ چنانچہ وہ جندع سردار بمعہ چند آدمیوں کے ایمان لے آیا۔ لیکن باقی بدقسمت لوگ ایمان نہ لائے۔ مزید صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ اونٹنی خاص اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے۔ اسے اپنے حال پر چھوڑ دو جہاں چاہے۔ اللہ کی زمین میں چرتی پھرتی رہے۔

عجیبه: وہ اتنا دودھ دیتی تھی کہ تمام لوگ اپنے برتن دودھ سے بھر لیتے۔ پی بھی لیتے اور گھروں میں لے جا کر ذخیرہ بھی کر لیتے۔ (یعنی اس ایک معجزے میں کئی اور بھی معجزے تھے)۔ آگے فرمایا کہ اسے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچانا۔ اسے کچھ ہوا تو پھر تمہاری خیر نہیں تم پر بہت جلد عذاب نازل ہو جائے گا۔ لیکن جو قوم نبی کی بے ادب تھی۔ انہوں نے اونٹنی کا کیا ادب کرنا تھا۔ آخرکار انہوں نے وہی کام کیا جو عذاب کے نزول کا سبب ہوا انہوں نے ملکر اونٹنی کو قتل کر دیا۔ وجہ یہ تھی کہ اونٹنی بھاری بھرکم وجود والی تھی۔ وہ جدھر جاتی۔ کافروں کے جانور وہاں سے بھاگ جاتے۔ یہ بات کافروں کیلئے کافی حد تک ناگوار تھی کہ ان کے جانور کسی جگہ ٹھہر نہیں سکتے تھے۔



فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ

پھر کاٹ دیں کوچیں اس کی تو فرمایا نفع اٹھا لو اپنے گھروں میں تین دن۔ یہ وعدہ

غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾

نہیں ہے جھوٹا۔

(آیت نمبر ۶۵) تو ان بے وقوفوں نے اونٹنی کی کوچیں کاٹ ڈالیں۔ قدار نامی کافر نے یہ ظلم کیا اور دیگر کفار بھی اس کے اس فعل سے خوش تھے۔ اور اس خبیث کے اس کام میں شریک تھے۔

فائدہ : کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اونٹنی کی کوچیں کاٹتے وقت صالح علیہ السلام موجود نہ تھے۔ واپسی پر جب معلوم ہوا تو آپ نے کافروں سے فرمایا کہ اب تم اپنے گھروں میں تین دن گذار لو۔ یعنی ان تین دنوں میں تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ وہ تین دن بدھ۔ جمعرات اور جمعہ کا دن تھا۔ تو فرمایا ہفتے کے دن صبح کے وقت تم پر عذاب آ جائیگا۔

فائدہ : صالح علیہ السلام نے ان کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ پہلے دن تمہارے چہرے زرد دوسرے دن سرخ اور تیسرے دن سیاہ ہو جائیں گے۔ پھر تم پر عذاب آ جائے گا۔ پہلے دن تو انہیں سمجھ نہ آئی لیکن اگلے دن جب چہرے سرخ ہوئے تو پھر انہیں یقین ہو گیا کہ اب ہماری خیر نہیں اگلے دن چہرے سیاہ ہونے کے بعد تو جگہ سے ہل بھی نہ سکتے تھے۔ اس کے بعد ایک ایسی گرج ہوئی۔ اس میں وہ تباہ ہو گئے۔ آگے فرمایا کہ یہ وہ وعدہ ہے جس میں ذرہ بھی جھوٹ نہیں ہے۔

فائدہ : کیونکہ سچ اور جھوٹ کا احتمال انسانی کلام میں ہوتا ہے۔ جس میں کچھ اغراض و مقاصد ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کے کلام میں نہ اغراض نہ کوئی ذاتی مقاصد ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے کلام میں کسی قسم کے کذب کا کوئی احتمال نہیں۔

سبق : عقل مند بندے پر لازم ہے کہ وہ جہالت اور غفلت کے پردے دل سے ہٹا دے۔ اس سے پہلے کہ اس کے دل پر مہر لگ جائے اس لئے کہ جب دل پر مہر لگ جاتی ہے تو پھر اس کا علاج بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ بلکہ مہر لگنے کے بعد علاج کے قابل دل رہتا ہی نہیں۔ **سبق** : اس لئے اس بندۂ خدا کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کی پوری جدو جہد کرے اور اپنی جہالت و ضلالت کو ختم کرے۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا

پھر جب آیا حکم ہمارا نجات دی ہم نے صالح کو اور ان کو جو ایمان لائے ان کے ساتھ رحمت اپنی سے

وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿٦٦﴾ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ

اور رسوائی اس دن کی۔ بے شک آپ کا رب بڑی طاقت وعزت والا ہے۔ اور پکڑ لیا

ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۙ ﴿٦٧﴾

ظالموں کو ایک چنگھاڑ نے تو ہو گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے

(آیت نمبر ٦٦) پھر جب ہمارے عذاب کا حکم آ گیا تو ہم نے صالح اور ان کے ساتھ ایمان والوں کو نجات دی۔ یعنی جو صالح علیہ السلام کے تابعدار تھے۔ انہیں نجات دی اپنی رحمت سے یعنی اس میں محض ہمارا فضل وکرم تھا۔

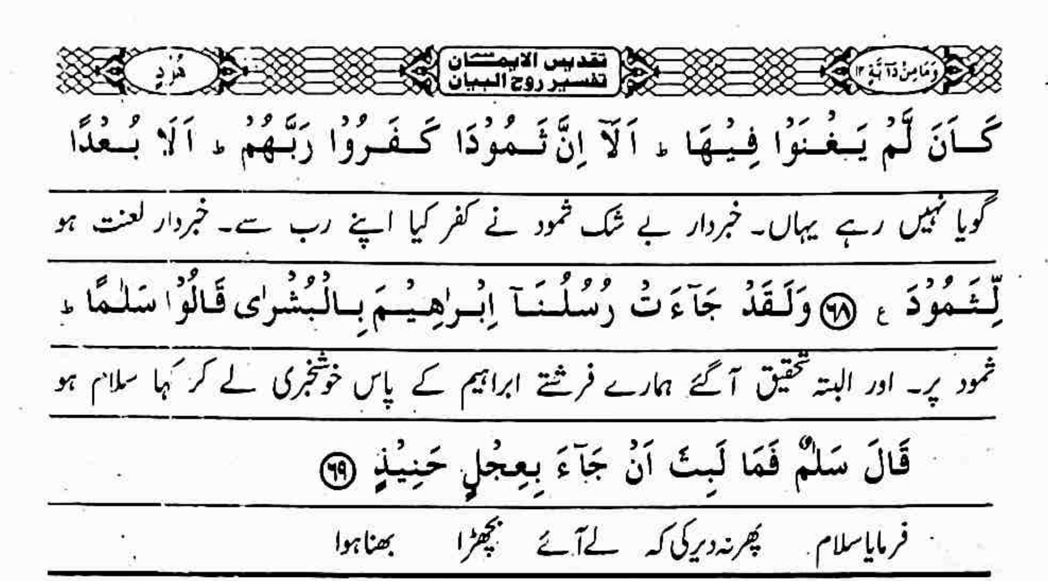
فائدہ: صرف اعمال صالحہ سے رحمت نہیں ملتی اس میں اصل چیز اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہوتا ہے۔ یہی اہل سنت کا مذہب ہے۔ (گویا فضل ورحمت حاصل کرنے کیلئے اعمال صالحہ کا ہونا ضروری ہے)۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس دن کی ذلت اور رسوائی سے بچالیا کہ انہیں تباہ وبرباد نہیں ہونے دیا۔

آگے فرمایا کہ اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا رب پوری طاقت والا ہر چیز پر غالب ہے۔

فائدہ: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قوی ہے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو نجات دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے اور غالب ہے یعنی کافروں کو عذاب دینے پر اور انہیں تباہ کرنے پر غالب ہے۔

(آیت نمبر ٦٧) اور پکڑ لیا ظالموں کو ایک سخت چیخ وپکار نے۔ یعنی جبریل امین کی زوردار آواز نے کفار کو ہلاک اور تباہ کر دیا۔ **فائدہ**: کاشفی فرماتے ہیں کہ جب صالح علیہ السلام نے انہیں عذاب کی خبر دی تو انہوں نے یقین کر لیا کہ اب تو ہماری خیر نہیں ہم عذاب سے بچ بھی نہیں سکتے تو انہوں نے اپنے گھروں میں ہی اپنی قبریں کھود لیں اور عذاب کا انتظار کرنے لگے تین دنوں میں ان کی شکلیں تو واقعی بدل گئیں۔ چوتھے دن صالح علیہ السلام کی بات کا استہزاء ٹھٹھا مزاح کرنے لگ گئے۔ ابھی وہ اسی حال میں تھے کہ جناب جبریل علیہ السلام اپنی پوری ہیبت ناک صورت میں زمین پر اتر آئے۔ جنہیں دیکھتے ہی وہ سخت گھبرائے تو جناب جبریل نے گرج دار آواز میں کہا۔ اللہ کی تم پر لعنت ہو مر جاؤ۔ اس کے ساتھ ایک زلزلہ بھی آیا۔



(بقیہ آیت نمبر٦٧) اوران کی چھتیں ان پر آ پڑیں وہ تمام کے تمام تباہ وہلاک ہو گئے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہو گئے وہ اپنے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے یعنی بے حس وحرکت مردے پڑے تھے۔

(آیت نمبر٦٨) تباہی کے بعد ایسے معلوم ہو رہا تھا کہ گویا وہ ان مکانوں میں کبھی رہے بھی نہ تھے گویا وہ بستی آن کی آن میں ایسی تباہ ہوئی ایسے معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہاں کوئی قوم آباد ہوئی ہی نہیں۔

آگے فرمایا خبردار بے شک قوم ثمود اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کر کے تباہ ہو گئے اور آنے والی نسلوں کیلئے خوفناک مثال چھوڑ گئے۔ پھر فرمایا کہ ثمود کی قوم کیلئے تباہی اور بربادی ہے۔

فائدہ: یعنی وہ اس بربادی کے مستحق اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے ہوئے کہ اللہ کی نافرمانی نبی کی نافرمانی اور تکذیب جیسے سخت جرائم کر کے کفر کیا اور پھر سرکشی کر کے اونٹنی کی کوچیں کاٹیں لہذا اس عذاب کے وہ خود ہی مستحق ٹھہرے اور بدترین عذاب میں مبتلا ہوئے۔

(آیت نمبر٦٩) اور البتہ تحقیق ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) جناب ابراہیم علیہ السلام کے پاس ان کے صاحبزادے کی خوشخبری لے کر آئے۔ یعنی حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کے بطن مبارک سے ہونے والے صاحبزادے جناب اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی خبر لے کر آئے۔ جناب ابراہیم علیہ السلام کے ہاں آتے ہی سلام دیا۔ یعنی السلام علیکم کہا تو جناب ابراہیم نے بھی انہیں جواب میں سلام دیا۔

فائدہ: ابراہیم علیہ السلام نے انہیں مہمان سمجھ کر ان کو بیٹھک میں بٹھا کر خود اندر تشریف لے گئے۔ ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ آپ گائے کا بچہ بھنا ہوا لے آئے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے فوراً بچھڑا ذبح کیا اور پکا کر مہمانوں کے سامنے لا کر رکھ دیا۔

فَلَمَّا رَاٰۤ اَیْدِیَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَیْهِ نَكِرَهُمْ وَ اَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً ؕ

پھر جب دیکھا ان کے ہاتھ نہیں پہنچتے کھانے کی طرف اپراں کیا محسوس کیا ان سے ڈر

قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ؕ ﴿۷۰﴾ وَ امْرَاَتُهٗ قَآىٕمَةٌ

انہوں نے کہا نہ ڈر بے شک ہمیں بھیجا گیا طرف قوم لوط کے۔ اور ان کی بیوی کھڑی

فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَ مِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾

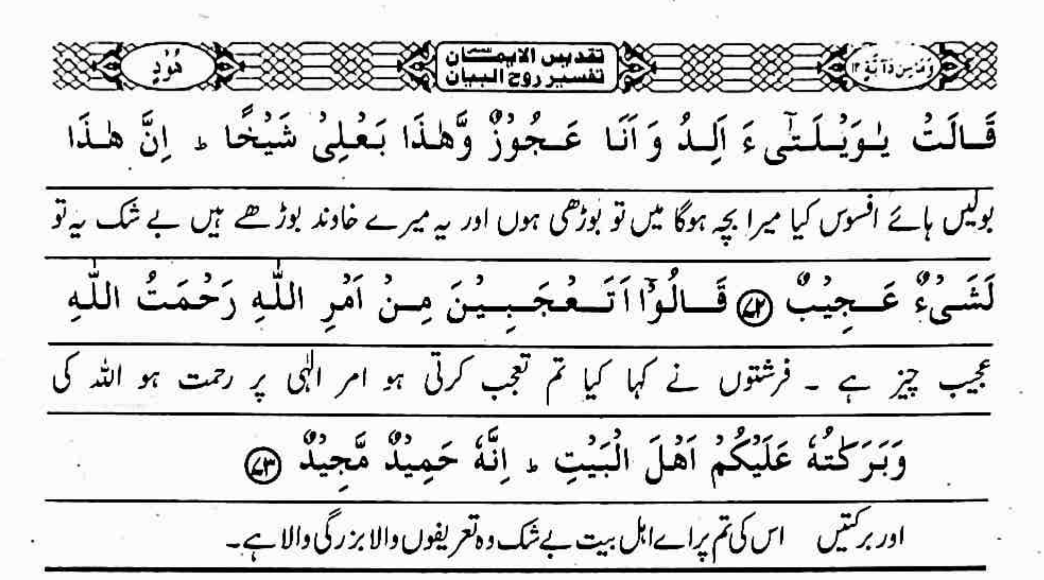
ہنسنے لگی پس ہم نے خوشخبری دی اسحاق کی اور پیچھے اسحاق کے یعقوب کی۔

(بقیہ آیت نمبر ۶۹) **فائدہ:** حنیذ اس گوشت کو کہتے ہیں جو چولہے اور تنور کے بغیر آگ پر پکایا جائے۔

(آیت نمبر ۷۰) ابراہیم علیہ السلام تو گوشت پکا کر لائے اور مہمانوں کے سامنے رکھ دیا۔ لیکن یہ دیکھ کر حیران تھے کہ مہمانوں نے کھانے کی طرف کوئی ہاتھ نہیں بڑھایا تو آپ نے اس کو اچنبا محسوس کیا۔ لیکن ان کے کھانا نہ کھانے کا سبب معلوم نہیں ہورہا تھا۔ اس سے آپ نے ان سے خوف بھی محسوس کیا۔ یہ تقاضائے بشریت خوف تھا۔ یا آپ سمجھے کہ یہ فرشتے عذاب لیکر آئے۔ جن سے امت کی ہلاکت کا خوف آ گیا۔ کیونکہ نبی اپنی جان کا خوف نہیں رکھتا۔ جنہیں آگ میں چھلانگ لگاتے خوف نہیں آیا۔ انہیں اب کیسے خوف آ سکتا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ انہوں نے نگاہ نبوت سے جان لیا کہ یہ فرشتے ہیں۔ یہ تو کوئی عذاب لیکر آئے ہیں یہ خوف امت پر شفقت کیلئے تھا تو فرشتوں نے کہا کہ اے ابراہیم علیہ السلام خوف نہ کریں۔ ہمیں قوم لوط پر عذاب دینے کیلئے بھیجا گیا۔ آپ اپنی قوم کے متعلق مطمئن رہیں۔

فائدہ: حضرت لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔

(آیت نمبر ۷۱) اور آپ کی اہلیہ حضرت سارہ پاس ہی کھڑی سارا معاملہ دیکھ رہی تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی گفتگو سن رہی تھیں اور دیکھ بھی رہی تھیں۔ (۲) بی بی سارہ کا پردہ تھا ہی نہیں جیسے عام دیہاتی عورتیں بغیر پردہ ہی رہتی ہیں۔ (۳) آپ عمر کے لحاظ سے بوڑھی تھیں اور اس عمر میں ان کی شریعت میں پردہ نہیں تھا۔ بہر حال مائی صاحبہ بچے کے بارے میں فرشتوں کے منہ سے خوشخبری کی بات سن کر ہنس پڑیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے سارہ کو اسحاق علیہ السلام جیسے عالی شان صاحبزادے کی خوشخبری دی تو مائی صاحبہ فرشتوں کی زبانی سن کر خوشی سے ہنس پڑیں تو انہیں مزید خوش خبری یہ دی گئی کہ اللہ تعالیٰ اس شان والے صاحبزادے اسحاق کو یعقوب علیہ السلام جیسا شان والا صاحبزادہ عطا فرمائے گا۔ چونکہ ابراہیم علیہ السلام کی دیرینہ آرزو پوری ہوئی۔ اس لئے ڈبل خوشخبری دی۔



قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾

بولیں ہائے افسوس کیا میرا بچہ ہوگا میں تو بوڑھی ہوں اور یہ میرے خاوند بوڑھے ہیں بے شک یہ تو عجیب چیز ہے۔ فرشتوں نے کہا کیا تم تعجب کرتی ہو امر الٰہی پر رحمت ہو اللہ کی اور برکتیں اس کی تم پر اے اہل بیت بے شک وہ تعریفوں والا بزرگی والا ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۷۱) **فائدہ:** تبیان میں ہے کہ بی بی سارہ کو بتایا گیا کہ آپ اپنے صاحبزادے اسحاق کو ہی نہیں دیکھو گی بلکہ ان کے صاحبزادے یعقوب علیہ السلام کو بھی دیکھ کر دنیا سے جاؤ گی۔

(آیت نمبر ۷۲) چونکہ مائی صاحبہ بوڑھی ہو کر سن یاس کو پہنچ چکی تھیں۔ جس عمر میں بچے کے پیدا ہونے کے اسباب ختم ہو جاتے ہیں۔ اتنا لمبا زمانہ اولاد کی متمنی رہیں۔ اس لئے بچے کا سن کر وہ بہت خوش ہوئیں۔ اور تعجب سے فرمانے لگیں کہ کیا میں بچہ جنوں گی۔ میں تو بہت بوڑھی ہوگئی ہوں۔ نوے یا ننانوے سال عمر ہوگئی ہے اور یہ میرے شوہر نامدار بھی بوڑھے ہوگئے کہ ان کی عمر بھی سو سال سے تجاوز کر گئی۔ بے شک یہ بات کہ اس بڑھاپے کی عمر میں بچے کا پیدا ہونا۔ ایک عجیب شیء ہے۔ تعجب اس لئے تھا کہ اللہ پاک کی عموماً عادت مبارکہ یہی ہے کہ وہ اس بڑھاپے میں کسی کو اولاد سے نہیں نوازتے چونکہ مائی صاحبہ کو اس عظیم الشان نعمت پر دوہری خوشی تھی اور اس عمر میں ملنے سے خوشی کے ساتھ ساتھ تعجب بھی تھا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر تو یقین کامل تھا۔ اس میں کوئی شک وشبہ یا حیرانگی نہ تھی۔ یہ تو ایک عام مومن بھی نہیں کرسکتا۔ چہ جائیکہ ایک ولیہ کاملہ سے یہ بات ہو۔ البتہ انہیں تعجب تھا۔

(آیت نمبر ۷۳) فرشتوں نے کہا کہ بی بی صاحبہ کیا آپ امر الٰہی پر تعجب کر رہی ہیں۔ وہ ذات تو بڑی قدرتوں کی مالک ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کیلئے کوئی بھی کام مشکل نہیں ہے۔

حکایت: سعدی مفتی فرماتے ہیں کہ جبریل امین نے ایک خشک لکڑی اٹھائی اور حضرت سارہ کے سامنے اسے دو انگلیوں کے درمیان رکھا تو فوراً وہ لکڑی ہرا بھرا درخت بن گئی تو بی بی صاحبہ کو سمجھ آ گیا کہ اللہ تعالیٰ خشک بدن سے بھی تر انسان پیدا کرسکتا ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا

پھر جب زائل ہوگیا ابراہیم سے خوف اور مل گئی ان کو خوشخبری جھگڑنے لگے ہم سے

فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ؕ ﴿۷۴﴾

قوم لوط کے بارے میں۔

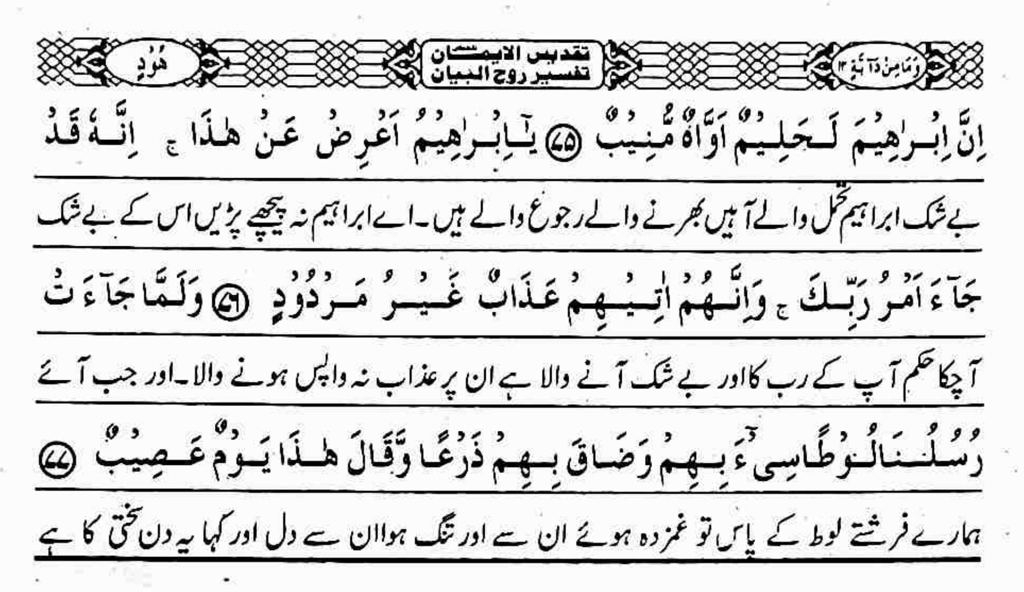
(بقیہ آیت نمبر۷۳) **فائدہ**: یہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ وہ اپنے خاص بندوں میں اپنی قدرت کا اعجاز خاص نشانی کے طور پر دکھاتا ہے اس لئے اب بھی وہ اپنی قدرت دکھانا چاہتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ جس نے ہر چیز کو اپنے گھیرے میں لیا ہوا ہے اور اس کی برکتیں ہیں تم پر اور یہ رحمتیں برکتیں تم پر ہمیشہ رہیں گی۔ اے نبی کے گھر والو۔ اس لئے یہاں تعجب کی کوئی ضرورت نہیں۔

فائدہ: بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ رحمت سے مراد نبوت ہے اور برکات سے مراد ابراہیم علیہ السلام کی وہ اولاد جو ابراہیم علیہ السلام کے بعد ان کی نسل میں نبی ہوئے۔

آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمام محامد کا مستحق ہے۔ اور مجید یعنی بہت زیادہ خیر اور احسان فرمانے والا ہے۔

فائدہ: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مجید ہے۔ یعنی شریف الذات اور جمیل الافعال ہے۔ جس کا انعام وعطا کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔ یا یہ معنی ہے کہ تمام بزرگیاں اسی کے لائق ہیں۔

(آیت نمبر۷۴) جب جناب ابراہیم علیہ السلام سے گھبراہٹ ختم ہوگئی جو فرشتوں کے کھانا نہ کھانے کی وجہ سے ہوئی تھی اور فرشتوں کی آمد کا بھی علم ہوگیا کہ وہ کس مقصد کیلئے آئے ہیں اور آپ مطمئن ہوگئے۔ صاحبزادے کی خوش خبری دیکر فرشتوں نے مزید کہا کہ ہم قوم لوط کیلئے عذاب دیکر بھیجے گئے ہیں۔ جب جناب ابراہیم اور حضرت سارہ نے فرشتوں سے یہ سنا کہ یہ قوم لوط علیہ السلام کی بستی کو ہی تباہ کرنے آئے ہیں تو ابراہیم علیہ السلام ہم سے یعنی ہمارے فرشتوں سے جھگڑنے لگ گئے۔ **فائدہ**: یاد رکھیں یہ جھگڑا عرفی نہیں ہے۔ بلکہ یہ جھگڑا رحمت ولطف وکرم کا ہے اور وہ بھی غریبوں مسکینوں کیلئے ہے۔ اس لئے کہ لوط علیہ السلام آپ کے بھتیجے لگتے ہیں۔ یا بہ روایتے آپ کے چچازاد ہیں تو اس بستی کی ہلاکت کا سن کر دونوں بزرگ غمزدہ ہوگئے اور ان سے سوالات کئے تو انہوں نے کہا۔ آپ گھبرائیں نہیں۔ اور لوط علیہ السلام کا فکر نہ کریں۔ ہمیں سب معلوم ہے۔ ہم لوط علیہ السلام اور ان کے ماننے والوں کو پہلے نجات دیں گے۔ یعنی شہر سے نکالیں گے۔ جب وہ وہاں سے دور چلے جائیں گے۔ پھر ان پر عذاب آئیگا۔



اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِیْبٌ ﴿۷۵﴾ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ

بے شک ابراہیم تحمل والے آہیں بھرنے والے رجوع والے ہیں۔اے ابراہیم نہ پیچھے پڑیں اس کے بے شک

جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِیْهِمْ عَذَابٌ غَیْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿۷۶﴾ وَلَمَّا جَآءَتْ

آچکا حکم آپ کے رب کا اور بے شک آنے والا ہے ان پر عذاب نہ واپس ہونے والا۔اور جب آئے

رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ ﴿۷۷﴾

ہمارے فرشتے لوط کے پاس تو غمزدہ ہوئے ان سے اور تنگ ہوا ان سے دل اور کہا یہ دن سختی کا ہے

(آیت نمبر۷۵) کہ بے شک ابراہیم بڑے بردبار حوصلے والے اور بہت زیادہ آہیں بھرنے والے ہیں۔یعنی لوگوں کے حالات پر آہیں اور ان پر افسوس کرنے والے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام لوگوں کے حالات پر آہیں اور ان پر افسوس کرنے والے تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام لوگوں کو رنج و تکلیف میں دیکھ کر آہیں بھرتے اور ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتے تھے اپنی ذات یا نفسانی خواہشات کوئی کام نہیں کرتے تھے۔

(آیت نمبر۷۶) فرشتوں نے کہا کہ اے ابراہیم اب اس بات کو جانے دیں۔یعنی اب ان کے بارے جھگڑا کرنے کی ضرورت نہیں۔اب عذاب ٹل نہیں سکتا۔اب ان پر رحمت کرنے کا وقت گذر گیا ہے۔اس لئے کہ آپ کے رب کی طرف سے قضاء و قدر کا حکم ہو چکا ہے۔وہ خود ان کے حالات کو بہتر جانتا ہے۔اس لئے بے شک ان پر آنے والا عذاب واپس جانے والا نہیں ہے۔اب ان کیلئے کوئی حیلہ کارگر نہیں ہوگا۔

فائدہ: صاحب روح البیان فرماتے ہیں چونکہ ان کے عذاب کا موجب ان کی بدکرداری (لواطت) اور لوط علیہ السلام کی تکذیب اور کفر پر اصرار ہے۔جب جرم اس قدر بڑھ جائیں تو پھر آیا ہوا عذاب کیسے ٹل سکتا ہے۔جیسے صالح علیہ السلام کی قوم نے تکذیب کی اور اونٹنی کی توہین کی تو پھر عذاب سے نہ بچ سکے۔اسی طرح ان کے ساتھ بھی ہوا۔

(آیت نمبر۷۷) روایت میں آتا ہے کہ فرشتے جناب ابراہیم علیہ السلام سے فارغ ہو کر لوط علیہ السلام کی بستی کی طرف چل پڑے جس کا نام سدوم تھا۔یہ وہاں سے بارہ میل کے فاصلہ پر تھی۔دوپہر کے وقت سدوم بستی میں پہنچے تو لوط علیہ السلام دیکھتے ہی پریشان ہوگئے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب وہ فرشتے لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے تو لوط علیہ السلام انہیں دیکھ کر سخت گھبرا گئے۔گھبرانے کی وجہ اگلی آیت کریمہ میں بیان ہوگی۔

وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ

اور آ گئی اس کی قوم دوڑتی ہوئی اس کی طرف اور اس سے پہلے بھی تھے عادی کاموں برے کے

قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ

بولے اے میری قوم یہ قوم کی بیٹیاں جو حلال ہیں تمہاری لئے پس ڈرو اللہ سے اور نہ رسوا کرو مجھے

فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿٧٨﴾

میرے مہمانوں کے بارے میں کیا نہیں تم میں کوئی آدمی بھلے مانس۔

(بقیہ آیت نمبر ۷۷) **فائدہ:** لوط علیہ السلام کی گھبراہٹ اس لئے تھی کہ وہ فرشتے ان کے پاس انتہائی حسین وجمیل نوجوان لڑکوں کی شکل میں آئے اور آپ کی قوم لڑکوں کے ساتھ بدفعلی میں مشہور تھی کہ وہ ایسے لڑکوں کو دیکھ کر ان کے ساتھ بدفعلی کئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ **فائدہ:** جناب لوط علیہ السلام کا غم وحزن یہ تھا کہ وہ لوگ مہمانوں کا بھی خیال نہیں کرتے ان کے ساتھ بھی یہی ناروا سلوک کرتے تھے۔ غم اس وجہ سے تھا۔ ان کی مہمانی کی وجہ سے غمزدہ نہیں ہوئے۔ **فائدہ:** فرشتے لوط علیہ السلام کے گھر میں جب داخل ہوئے تو آپ کی کافرہ بیوی نے لوگوں کو جا کر بتادیا کہ ہمارے گھر میں کچھ خوبصورت لڑکے آئے ہیں تو ساری قوم دوڑتی بھاگتی لوط علیہ السلام کے گھر پر آ گئی اور مطالبہ کیا کہ ان لڑکوں کو باہر نکالو کہ ہم ان سے بدفعلی کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فرشتوں کے حسن وجمال کی وجہ سے وہ تنگدل ہوئے۔ اور قوم کا مقابلہ یا مدافعت نہ کرسکنے کی وجہ سے مغموم ہوئے اور فرمایا کہ آج کا دن مجھ پر انتہائی سخت ہے۔

(آیت نمبر ۷۸) تو لوط علیہ السلام کی قوم جب دوڑتی ہوئی آئی۔ چونکہ انہیں حقیقت کا علم نہ تھا۔ حالات سے غافل اور انجام سے بے خبر تھے اور تھے بھی بڑے پرانے پاپی لواطت کے علاوہ کبوتر بازی اور لوگوں کو خواہ مخواہ پریشان کرنا یہ ان کی عام روٹین میں تھا۔ اتنے بڑے بڑے اور برے سے برے اعمال کو وہ عیب بھی نہ سمجھتے تھے۔ اس لئے رات کا انتظار کئے بغیر بھاگم بھاگ آ گئے اور لوط علیہ السلام سے لڑکوں کو ان کے حوالے کرنے کا مطالبہ کرنے لگ گئے۔

مسئلہ: کھلے عام گناہ پوشیدہ گناہ سے کئی گنا زیادہ بدتر ہے۔ **حدیث شریف:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے ہر امتی کو گناہ کی معافی مل سکتی ہے۔ مگر کھلے عام گناہ کرنے والے کو معاف نہیں کیا جائیگا (متفق علیہ)۔ بلکہ ہو سکتا ہے۔ اسے دنیا میں بھی عذاب دیدیا جائے اور آخرت کی سزا اس سے بھی سخت ہوگی تو جناب لوط نے فرمایا اے میری قوم یہ تمہاری بیویاں میری بیٹیاں جو موجود ہیں۔ وہ تمہارے لئے حلال ہیں۔ ان سے شہوت پوری کرو۔ اور لڑکوں کے ساتھ یہ برائی کر کے عذاب کو دعوت نہ دو۔

قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ

بولے تحقیق تو جانتا ہے نہیں ہمیں تیری قوم کی بیٹیوں میں کوئی حق۔ اور تم ضرور جانتے ہی ہو

مَا نُرِيْدُ ﴿٧٩﴾ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴿٨٠﴾

کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔ فرمایا کاش مجھے تمہارے مقابل طاقت ہوتی یا پناہ لیتا طرف پائے مضبوط کے

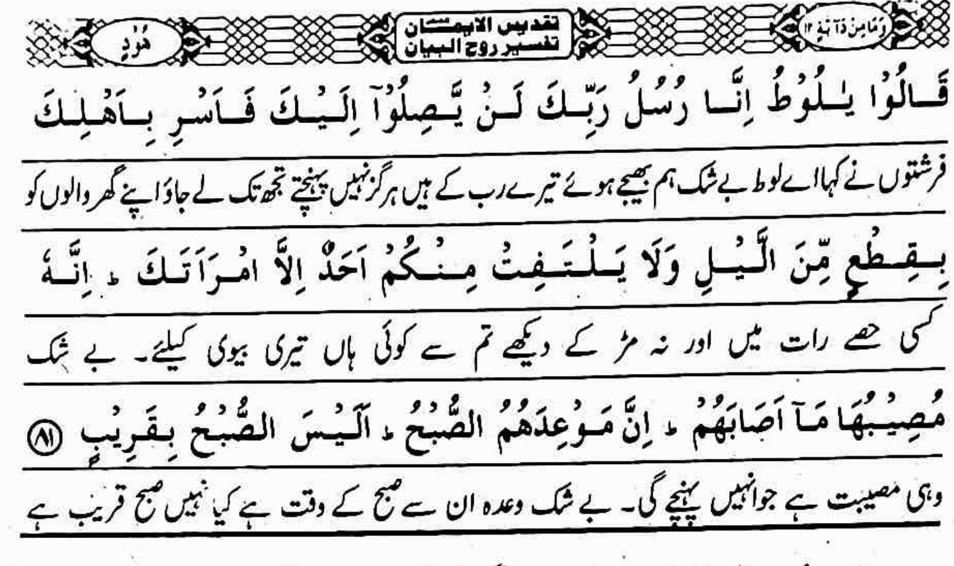
(بقیہ آیت نمبر ۷۸) **فائدہ**: چونکہ وہ لوگ لواطت کو بھی حلال سمجھتے تھے اور برسرِ عام یہ برائی کرتے اور اس برائی کو عیب بھی نہیں جانتے تھے۔ اس لئے ان پر عذاب بھی سخت نازل ہوا۔

تو لوط علیہ السلام نے انہیں فرمایا اللہ سے ڈرو۔ اور اس گندے فعل کو چھوڑ دو اور مجھے میرے مہمانوں کے بارے میں رسوا نہ کرو۔ اس لئے کہ مہمان سے برائی میزبان کی درحقیقت رسوائی ہے۔ اور مہمان کی عزت افزائی حقیقت میں میزبان کی عزت ہے۔ پھر فرمایا کہ کیا تم میں کوئی ایک بھی ایسا بھلے مانس نہیں ہے جو تمہیں اس گندے فعل سے آگاہ کرے۔ کہ انتہائی برا عمل ہے۔

(آیت نمبر ۷۹) تو بولے کہ ہمیں ان لڑکیوں کی کوئی رغبت نہیں ہے۔ یعنی ان بدبختوں کو عورتوں سے کوئی دلچسپی ہی نہ رہی بلکہ وہ نکاح کو ہی فرسودہ سمجھنے لگے۔ لواطت کو مذہب بنالیا۔ تو کہنے لگے۔ اے لوط تو جانتا ہی ہے۔ ہماری مراد کیا ہے۔ یعنی ہم لواطت کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اصل میں وہ اپنی تباہی اور ہلاکت کو دعوت دے رہے تھے۔

(آیت نمبر ۸۰) جب جناب لوط نے دیکھا کہ یہ کسی طرح بھی باز آنے والے نہیں تو فرمایا کاش آج مجھے تمہارے مقابلے کیلئے کوئی قوت ہوتی۔ یا مقابلہ کی ذاتی طاقت ہوتی۔ یا کوئی مضبوط معاون ہوتا کہ میں جس کی پناہ لیتا۔ یعنی میرا کوئی قبیلہ ہوتا جو اس برائی کو دور کرنے میں میری مدد کرتا۔ **فائدہ**: لوط علیہ السلام نے مہمانوں کو کمرے میں بند کر دیا اور خود باہر جا کر ان شرارتیوں کو باہر ہی روکے رکھا اور ان سے گفتگو جاری رکھی۔ قوم کی انتہائی کوشش کے باوجود لوط علیہ السلام نے دروازہ نہ کھولا۔ بالآخر دیوار پھلانگ کر اندر آ گئے۔

فائدہ: یعنی جب آدمی خواہش کا غلام بن جاتا ہے تو پھر اندھا اور بہرا ہو جاتا ہے اور اپنے انجام سے غافل ہو جاتا ہے گویا وہ انسانی شکل میں درندہ بن جاتا ہے۔ وہ ہلکے کتے کی طرح ہر ایک کو کاٹتا ہے۔



قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ

فرشتوں نے کہا اے لوط بے شک ہم بھیجے ہوئے تیرے رب کے ہیں ہرگز نہیں پہنچتے تجھ تک لے جاؤ اپنے گھر والوں کو

بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ

کسی حصے رات میں اور نہ مڑ کے دیکھے تم سے کوئی ہاں تیری بیوی کیلئے۔ بے شک

مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿۸۱﴾

وہی مصیبت ہے جو انہیں پہنچے گی۔ بے شک وعدہ ان سے صبح کے وقت ہے کیا نہیں صبح قریب ہے

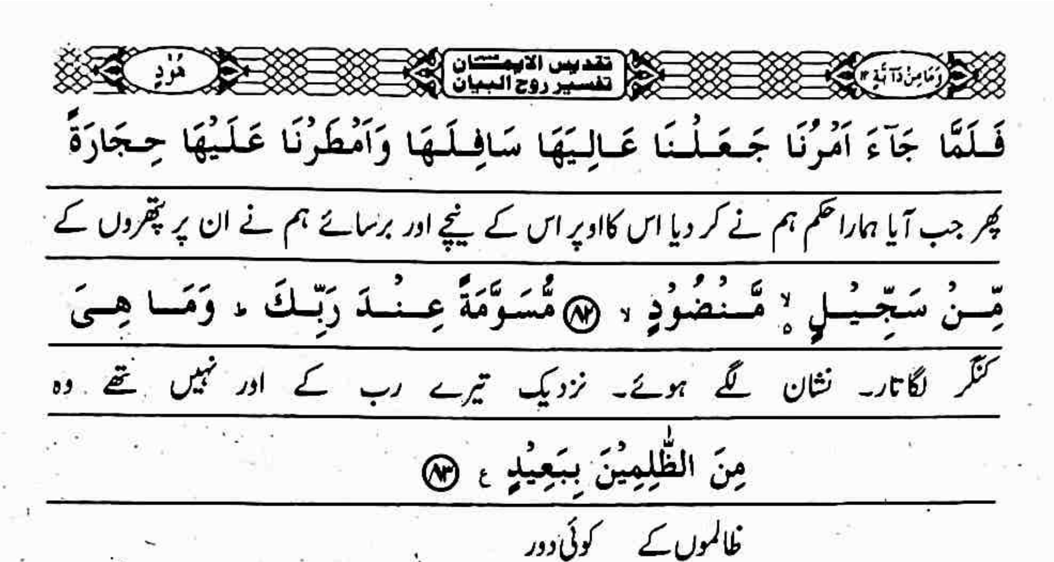
19/19

(آیت نمبر۸۱) اب فرشتے بولے۔ کہ اے لوط گھبرائیں نہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں۔ ہم اپنی آنکھوں سے ان کی سرکشی دیکھنا چاہتے تھے۔ اب دیکھ لی۔ یہ اب آپ تک نہیں پہنچ پائیں گے اور نہ ہی یہ کوئی تمہارا نقصان کر سکیں گے۔ لہذا اب دروازہ کھول دیں تو آپ نے اپنا دروازہ کھول دیا۔ جوں ہی وہ سامنے آئے تو جبریل امین نے ایک ہی پر مارا جس سے وہ سارے اندھے ہوگئے۔ اب وہ ٹامک ٹوئیاں مارتے اور چیختے چلاتے گھروں کو گئے۔ کچھ بھی انہیں نظر نہیں آرہا تھا اور ہر طرف اعلان کرتے جارہے تھے کہ لوط کے گھر کے قریب نہ جانا وہاں پر جادوگر آئے ہوئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے لوط اپنے لوگوں کو رات ورات لے کر نکل جاؤ۔ رات کے کسی حصے میں اس شہر سے چلے جاؤ۔ کیونکہ صبح کے وقت عذاب آنے والا ہے۔ کہیں تم اس میں نہ آجاؤ اور یاد رکھنا پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھنا۔

نکتہ: پیچھے مڑ کر دیکھنے سے اس لئے منع کیا گیا۔ تاکہ ان کے دلوں پر عذاب کا کوئی اثر نہ پڑے دوسرا یہ بھی حکم تھا کہ وہ مسلسل چلتے رہیں۔ ٹھہرنے کا نام بھی نہ لیں۔ تاکہ عذاب کے علاقہ سے تم باہر ہو جاؤ۔ اس میں بھی اصل میں امتحان تھا اور یہ بھی بتا دیا گیا کہ تم اور تمہارے گھر والے بچ جائیں گے۔ مگر آپ کی بیوی پر وہ مصیبت آئے گی جو دوسرے کافروں پر آئے گی۔ یعنی وہ عذاب کی لپیٹ میں آجائیگی۔ کیونکہ اسے اپنی قوم سے محبت تھی۔

آگے فرمایا کہ قوم لوط کی تباہی اور بربادی کیلئے صبح کا وقت مقرر ہے۔

فائدہ: صبح کا وقت اس لئے مقرر ہوا کہ اس وقت نیند کی خماری بہت زیادہ ہوتی ہے اور سوتے ہوئے اور اچانک عذاب کا آنا زیادہ تکلیف دہ اور گھبراہٹ پیدا کرتا ہے۔



فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً

پھر جب آیا ہمارا حکم ہم نے کر دیا اس کا اوپر اس کے نیچے اور برسائے ہم نے ان پر پتھروں کے

مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۙ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ

کنکر لگاتار۔ نشان لگے ہوئے۔ نزدیک تیرے رب کے اور نہیں تھے وہ

مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ع ﴿۸۳﴾

ظالموں کے کوئی دور

(آیت نمبر ۸۲) آگے فرمایا کہ جب ہمارا حکم آ گیا یعنی عذاب دینے کا وقت ہوا تو پھر ہم نے اپنی قدرت کاملہ سے قوم لوط کی بستیوں کو اوپر لے جا کر نیچے الٹ دیا۔

جبریل علیہ السلام کی طاقت: روایت میں آتا ہے کہ جبریل امین نے ان کی تمام بستیوں کو جن میں چار لاکھ سے زیادہ انسان آباد تھے۔ بعض روایات میں چھ لاکھ تھے پوری کی پوری بستیاں بمع مکانات اور ساز و سامان کے ایک پر پر اٹھا کر آسمان کے قریب لے جا کر الٹ دیں۔ آگے فرمایا پھر ہم نے ان پر پتھروں کی بارش اتاری۔ اوپر سے ٹھیکریوں کے پتھر مارے اور لگاتار مارے اور اتنے پتھر مارے گئے کہ وہ ان پتھروں میں دب کر بے نام و نشان ہو گئے۔

(آیت نمبر ۸۳) اور وہ پتھر نشان لگے ہوئے تھے۔ یعنی ہر پتھر پر نشان لگا ہوا تھا اور وہ پتھر دنیا کے پتھروں کے مشابہ نہ تھے اور ہر پتھر پر اس کا نام لکھا تھا جس کو اس پتھر نے ہلاک کرنا تھا۔

آگے فرمایا کہ وہ پتھر تیرے رب کے خزانے سے آئے جن کو پہلے ہی تیار کیا گیا تھا۔

عجیبہ: ایک آدمی مسجد حرام میں تھا اس کے نام والا پتھر چالیس دن تک باہر لٹکا رہا۔ یہاں تک کہ جب وہ آدمی باہر نکلا۔ تو اس پتھر نے اسے بھی ہلاک کر دیا۔ ان کے بڑے پتھر مٹکے کے برابر اور چھوٹے گھڑے کے برابر تھے اور وہ ظالموں سے زیادہ دور نہیں تھے۔ یعنی عذاب آنے میں دیر نہیں لگتی۔

مسئلہ: اس میں ظالموں کیلئے وعید ہے کہ وہ ظلم کے وقت اس کا خیال رکھیں۔ عذاب آنے میں دیر نہیں لگتی۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے پوچھا کہ یہاں ظالمین سے مراد کون لوگ ہیں تو جبریل نے فرمایا کہ اس سے مراد آپ کی امت کے ظالم ہیں کہ وہ پتھروں کا نشانہ بنتے رہیں گے۔

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ

اورطرف مدین کے ان کے قومی بھائی شعیب کو (بھیجا) فرمایا اے میری قوم پوجو اللہ کو نہیں تمہارا کوئی خدا

غَیْرُہٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِکْیَالَ وَالْمِیْزَانَ اِنِّیْٓ اَرٰکُمْ بِخَیْرٍ وَّاِنِّیْٓ

اس کے سوا۔ اور نہ کمی کرو ماپ اور تول میں میں دیکھتا ہوں تمہیں آسودہ اور میں

اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ ﴿۸۴﴾

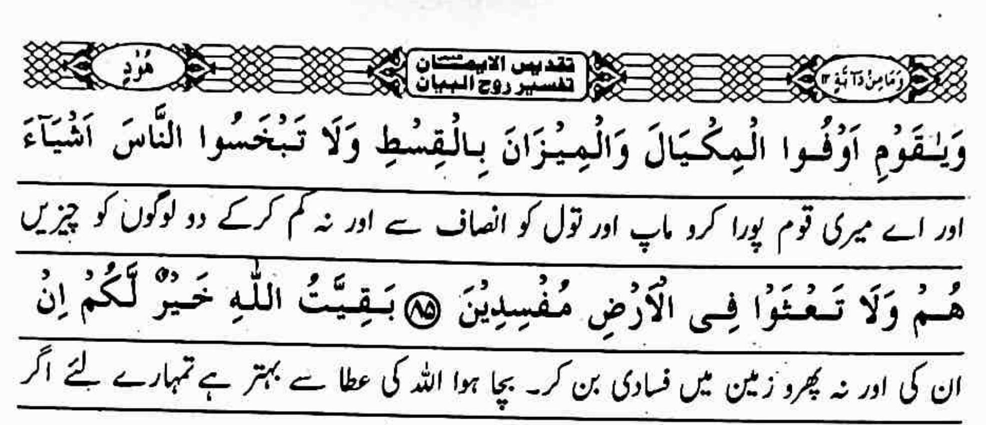
ڈرتا ہوں تم پر عذاب گھیرنے والے دن سے

(بقیہ آیت نمبر ۸۳) **حدیث شریف** :حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جب میں تیسرے آسمان پر پہنچا تو میں نے ایک پتھر دیکھا تو جبریل امین نے بتایا کہ یہ قوم لوط کے پتھروں سے بچا ہوا پتھر ہے۔ آپ کی امت کے ظالموں کیلئے رکھا گیا ہے۔

فائدہ :تبیان میں ہے بعید وہ ہے جو نہ ہونے والا امر ہو۔ یا جس کا تصور بھی نہ کیا جاسکے اور جس کے ہوسکنے کا کوئی امکان نہ ہو۔ اور جس کا امکان ہو وہ قریب ہوتا ہے۔

(آیت نمبر ۸۴) اور مدین کی طرف ان کے قومی بھائی حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا۔

تشریح :مدین ابراہیم علیہ السلام کے ایک صاحبزادے کا نام تھا۔ آگے ان کی اولاد جہاں آباد ہوئی۔ اس شہر کا نام مدین انہوں نے رکھ لیا۔ یہ دنیا کا اصول ہے کہ شہر کے بانی کے نام پر شہر کا نام مشہور ہو جاتا ہے۔ اس شہر میں حضرت شعیب کو نبی بنا کر بھیجا گیا جو ان ہی کے قبیلے کے ایک فرد تھے۔ اس لئے ان کا بھائی کہا گیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین کے پوتے لگتے ہیں۔ تو شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ اے میری قوم اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرو۔ اور بتوں کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ اس لئے کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ ہر نبی ﷺ کا پہلا درس اپنی قوم کو یہی درس توحید تھا۔ اس لئے کہ سارے اعمال کی قبولیت کا دارومدار ہی توحید پر ہے۔ اس کے بعد بری رسوم کا خاتمہ۔ شعیب علیہ السلام کی قوم میں شرک کے علاوہ بری عادت یہ تھی کہ وہ ماپ تول میں ڈنڈی مارتے تھے۔ لینے دینے کے الگ الگ پیمانے تھے۔ یہی گناہ ان کی ہلاکت کا سبب بنا۔ چنانچہ شعیب علیہ السلام نے ان کو فرمایا کہ تم ماپ تول کے پیمانے میں کمی نہ کرو۔ چونکہ یہ حقوق العباد کا معاملہ تھا۔ اس لئے فرمایا کہ لوگوں کو نقصان نہ پہنچاؤ۔



وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَ

اور اے میری قوم پورا کرو ماپ اور تول کو انصاف سے اور نہ کم کرکے دو لوگوں کو چیزیں

هُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۸۵﴾ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ

ان کی اور نہ پھرو زمین میں فسادی بن کر۔ بچا ہوا اللہ کی عطا سے بہتر ہے تمہارے لئے اگر

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۸۶﴾

ہوتم مومن اور نہیں میں تم پر نگہبان۔

(بقیہ آیت نمبر۸۴) **فائدہ:** یہ گندی عادت آج بھی پائی جاتی ہے کہ لوگ ماپ تول میں گڑ بڑ کرتے ہیں۔
آگے فرمایا کہ بے شک میں تمہیں خوش حال دیکھتا ہوں۔ مال و دولت کی فراوانی ہے۔ کوئی بھوکے ننگے نہیں ہو کہ کوئی عذر ہو۔ اگر عذر ہو بھی تو یہ کام جائز نہیں ہے۔ جو قابل قبول ہو۔ اس لئے تمہاری اس بدعملی کی وجہ سے مجھے ڈر ہے۔ یعنی اگر تم باز نہ آئے تو پھر تم پر گھیرنے والے دن کے عذاب کا خطرہ ہے۔ مراد روز قیامت ہے۔ جب وہ آ گیا تو پھر کوئی بھی اس سے بچ نہیں سکے گا۔

(آیت نمبر۸۵) اے میری قوم ماپ تول پورا رکھو۔ یعنی حق دار کا حق پورا دو۔ حقوق کی ادائیگی میں کمی نہ کرو۔ یعنی بالکل پورے انصاف کے ساتھ ماپ تول ادا کرو۔ اسی میں تمہارا بھلا ہے۔

مسئلہ: کسی کو بطور فضل و احسان حق سے زیادہ دے دینا جائز ہے۔ بلکہ ثواب ہے لیکن اس میں کسی کا حق مارنا ناجائز ہے۔ یاد رہے یہاں دو دفعہ ایک ہی حکم دینے میں تکرار نہیں ہے۔ بلکہ پہلے حکم میں اناج بھرنے کے پیمانے کو اور تولنے والے ترازو کو صحیح رکھنے کا حکم ہے اور دوسرا حکم یہ دیا کہ لینے اور دینے کا پیمانہ ایک ہی رکھو۔ آگے فرمایا کہ لوگوں کو دیتے وقت کمی نہ کرو۔ خواہ ماپنے والی اشیاء ہوں یا وزن سے تلنے والی۔ نیز چیزیں بڑی ہوں یا چھوٹی اسی طرح چیزوں پر محصول لینا۔ جیسے دلالوں کی عادت ہے۔ یا لیتے وقت انتہائی سستا کرکے لینا اور بیچتے وقت انتہائی مہنگا دینا یہ سب ناجائز ہے۔

آگے فرمایا کہ زمین میں فساد نہ کرو۔ یعنی ڈکیتی وغیرہ کرکے یا لڑائی جھگڑے کرکے۔ چونکہ ڈاکے ڈالنا بھی ان کی عادت میں تھا۔ اس لئے اس سے بھی منع کیا گیا۔

(آیت نمبر۸۶) اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے سے جو بچ رہا۔ جو حلال ہے اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کیا ہے۔ وہی

تمہارے لئے بہتر ہے۔اس لئے کہ ماپ تول میں صحیح طریقہ اختیار کرکے جو تمہیں حلال طیب مال بچے گا۔جس سے اللہ تعالیٰ بھی راضی ہوگا۔وہی تمہارے لئے بہتر ہے۔اس سے جو تم ڈنڈی مار کر مال کے وزن اور تول میں لوٹ مار کرتے ہو۔یہ تمہارے کام نہیں آئیگا۔بلکہ تمہارے لئے وبال جان ہوگا۔اگرچہ ظاہرا اس اس میں فائدہ نظر آتا ہے۔ لیکن حقیقتاً اس میں خسارہ ہے۔

مسئلہ:شرح الشرع میں ہے کہ انسان خرید و فروخت میں کبھی کوئی مکر و حیلہ نہ کرے۔اس لئے کہ ایسا کرنے سے مال بڑھتا نہیں بلکہ گھٹتا ہے۔جیسے سود کے بارے میں قرآن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقے کو بڑھاتا ہے۔

تجوبہ:شاہد ہے کہ کئی دفعہ حرام کا مال تھوڑا تھوڑا جمع کیا ہوا تھوڑی دیر میں ضائع ہو جاتا ہے۔

حکایت:ایک شخص گائے کے دودھ میں پانی ملا کر بیچتا اور پیسے کماتا ایک دن گائے چر رہی تھی کہ طوفانی بارش سے سیلاب کا پانی آیا۔اور گائے کو بھی بہار کرلے گیا تو اس کی بچی نے کہا۔ابا یہ سیلاب نہیں تھا۔یہ وہی پانی تھا جو تو دودھ میں ملاتا تھا۔وہ سیلاب کی شکل میں آیا اور گائے کو بھی بہا کر لے گیا۔

یاد رہے۔دنیا میں جو نقصان ہونا تھا وہ تو ہوا۔حرام جمع کرنے والوں کیلئے آخرت کی سزا ابھی باقی ہے۔

آگے فرمایا کہ اگر تم مومن ہو یعنی ماپ تول پورا کرو گے تو ایمان کی دولت قائم رہے گی اور پھر نیک اعمال پر اجر وثواب بھی پاؤ گے۔ورنہ اگر کافر ہوئے تو پھر دائمی عذاب کے مستحق ٹھہرو گے۔اگر مسلمان ہو کر یہ برا عمل کرو گے تو بھی سزا سے بچ نہیں سکو گے۔

آگے فرمایا کہ میں تم پر کوئی محافظ بنا کر بھی نہیں بھیجا گیا کہ میں تمہیں ایک ایک گناہ سے بچاؤں۔مجھے مبلغ بنا کر بھیجا گیا ہے اور مجھے یہ حکم دیا گیا کہ میں تمہاری خیر خواہی کروں۔سو وہ میں نے کر دی۔

حدیث شریف:میں ہے۔جس قوم میں خیانت ہو۔اس پر دوسری قوموں کا رعب چھایا رہتا ہے (رواہ مالک)۔جہاں زنا عام ہو وہاں موتیں بھی زیادہ ہوتی ہیں۔جہاں ماپ تول میں کمی بیشی ہو وہاں سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔جہاں حاکم ناحق فیصلے کرے اس علاقے میں خون ریزی زیادہ ہوتی ہے اور جو قوم وعدہ خلافی کرے اس پر دشمن مسلط ہو جاتا ہے۔(ریاض الصالحین)

قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ

بولے اے شعیب کیا تیری نماز تجھے یہ حکم دیتی ہے کہ ہم چھوڑ دیں جن کی پجاری تھے ہمارے باپ دادا یا

اَنْ نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ ﴿٨٧﴾

یہ کہ نہ کریں اپنے مالوں میں جو ہم چاہیں بے شک تو بردبار نیک چلن ہے

قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَرَزَقَنِیْ مِنْهُ

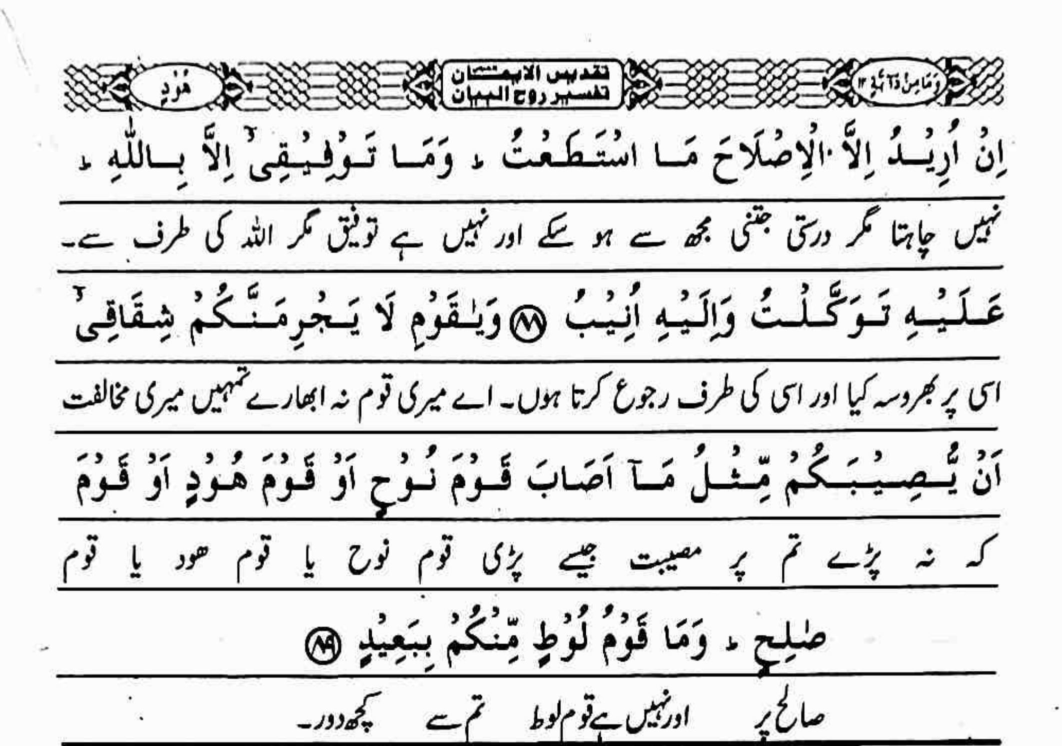
فرمایا اے میری قوم بھلا بتاؤ اگر میں ہوں دلیل پر اپنے رب کی طرف سے اور اس نے مجھے دیا اپنی طرف سے

رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَآ اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰی مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ ؕ

رزق اچھا اور نہیں میں چاہتا کہ خلاف کروں جس سے تمہیں منع کروں ۔

(آیت نمبر ۸۷) حضرت شعیب علیہ السلام وعظ و نصیحت کے علاوہ ہمہ وقت عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ اس لئے قوم نے کہا۔ اے شعیب کیا تیری نماز تجھے یہی کہتی ہے کہ ہم ان بتوں کی پرستش چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے۔ شعیب علیہ السلام نے انہیں جب توحید کا درس دیا اور ایک معبود کی عبادت کی طرف بلایا۔ اور انہیں کہا بت پرستی چھوڑ دو۔ تب انہوں نے یہ کہا۔ دوسری بات انہوں نے کہی کہ ہم اپنے مالوں میں جو چاہیں کریں۔ تمہیں اس سے کیا تعلق ہے کہ ہم ماپ تول میں کمی بیشی کریں ہماری اپنی مرضی تم کون ہو ہمیں روکنے والے۔ آگے کہا کہ تم بے شک عقلمند اور بھلے مانس آدمی ہو۔ **فائدہ:** تفسیر کواشی میں ہے قوم نے کہا تم بڑے دانشور اور نیک ہو۔ لیکن معنی اس کا وہ الٹ لیتے تھے کہ تم ایسے نہیں ہو ہمیں تم غلط راستے پر ڈالتے ہو۔ یا انہوں نے الحلیم اور الرشید کے لفظ تمسخر کے طور پر کہے۔

(آیت نمبر ۸۸) تو شعیب علیہ السلام نے فرمایا اے میری قوم بھلا یہ بتاؤ۔ اگر میں اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہوں۔ اس سے مراد نبوت و رسالت ہے۔ اصل میں آپ نے قوم کے قول کی تردید کی ہے کہ تم نے جو کچھ کہا یا سمجھا ہے وہ غلط ہے۔ آگے فرمایا کہ میرے رب نے مجھے بہت اچھا رزق عطا فرمایا ہے۔ یعنی کفار کو تنبیہ کی ہے کہ تم جو کچھ کر رہے ہو وہ بغیر دلیل ہے اور میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں اور تم جو کھا رہے ہو اور کاروبار میں کمی بیشی کر کے لوگوں کے مال ناحق لے کر حرام کھا رہے ہو میں اپنا مال حلال اور پاک رزق سے کھا رہا ہوں۔ یہ تمہارے اور میرے درمیان فرق ہے۔



اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِىْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ

نہیں چاہتا مگر درستی جتنی مجھ سے ہو سکے اور نہیں ہے توفیق مگر اللہ کی طرف سے۔

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِىْۤ

اسی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اے میری قوم نہ ابھارے تمہیں میری مخالفت

اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَاۤ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ

کہ نہ پڑے تم پر مصیبت جیسے پڑی قوم نوح یا قوم ھود یا قوم

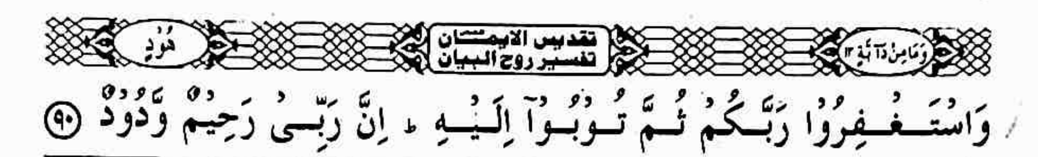
صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۹﴾

صالح پر اور نہیں ہے قوم لوط تم سے کچھ دور۔

اور تمہیں بھی یہی وعظ ونصیحت کر رہا ہوں کہ حلال کھاؤ اور بتوں کی پرستش سے باز آؤ اور میں تمہیں عدل وانصاف کا حکم دیتا ہوں اور یہی درس سب انبیاء کرام نے دیا ہے لہذا میں نہیں چاہتا کہ ماپ تول میں کمی بیشی کر کے تمہاری مخالفت کروں۔ یعنی جن باتوں سے تمہیں روکتا ہوں میں خود ہی کرنے لگ جاؤں۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ پہلے میں خود عمل کرتا ہوں۔ پھر تمہیں کہتا ہوں۔ آگے فرمایا کہ میرا ارادہ صرف تمہاری اصلاح کا ہے۔ یعنی میرے وعظ ونصیحت کا مقصد صرف یہ ہے کہ تم سنور جاؤ۔ اور اپنی آخرت سنوار لو۔ مجھ میں جتنی طاقت ہے۔ اور جب تک ہوسکا میں تمہارے فائدے کی باتیں تمہیں بتاتا رہوں گا۔ ان سب باتوں کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے تائید وامداد حاصل ہے اور میں نے اسی پر بھروسہ کیا ہے۔ اس لئے کہ وہ ہر شیء پر قادر ہے اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ یعنی نفس کی تمام خرابیوں سے بچنے کیلئے میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہوں تاکہ مجھے کامیابی حاصل ہو۔

(آیت نمبر ۸۹) اے میری قوم تمہیں میری مخالفت میری عداوت پر نہ ابھارے کہ تم پر بھی وہ مصیبت آ جائے جو اس سے پہلے کئی انبیاء کرام علیہم السلام کی قوموں پر آئی۔ جب انہوں نے انبیاء کرام سے عداوت کی تو ان پر عذاب آیا۔ جیسے جناب نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفان آیا تو وہ اسی میں غرق ہوئے۔ اگر تم نے بھی دشمنی کی تو تمہارا حال بھی یہی ہوگا۔ اسی طرح قوم ہود جن پر ہوا کا عذاب آیا تو وہ سب اسی میں تباہ وبرباد ہوگئے۔



اور معافی مانگو اپنے رب سے پھر رجوع کرو اس کی طرف بے شک میرا رب مہربان محبت کرنے والا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۸۹) اسی طرح قوم صالح نے جب اونٹنی کی کوچیں کاٹیں تو ان پر عذاب آیا اور وہ بھی ہلاک ہو گئے۔ لہذا تم بھی اس بات سے ڈرو ورنہ مارے جاؤ گے۔ اسی طرح قوم لوط جو تم سے دور نہیں ہیں۔

فائدہ: یعنی وہ بھی کفر و گناہوں میں حد سے بڑھے ہوئے تھے۔ وہ بھی تباہ و برباد ہو گئے۔ باقی امتیں تو بہت پہلے گذر گئیں۔ لیکن قوم لوط کو تو زیادہ زمانہ نہیں گذرا۔ اور ان کے تباہ شدہ مکانات اور کھنڈرات یہاں سے کوئی دور نہیں۔ جا کر دیکھ لو اور ان سے عبرت حاصل کرو۔ ورنہ تم بھی اسی طرح ہلاک ہو کر تباہ ہو جاؤ گے۔

نکتہ: انبیاء کرام علیہم السلام کو اسی لئے مبعوث کیا گیا تاکہ وہ لوگوں کو اطاعت خداوندی اور اطاعت رسول بتائیں اور جسے اللہ تعالیٰ توفیق مرحمت فرمائے اور عنایت ازلی اس کا ساتھ دے تو وہ احکام الٰہی کی پابندی کرتا ہے اور رسولان عظام کے ارشادات پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ اسی اطاعت کی برکت سے اس سے ظلمانی صفات نکل جاتی ہیں اور رحمانی صفات ان میں آ جاتی ہیں۔ لیکن شقاوت ازلی جس کے نصیب میں ہو تو وہ رسوائی پاتا ہے۔ نہ اسے اطاعت خدا نصیب ہوتی ہے۔ نہ اطاعت رسول بلکہ وہ اس سے اعراض کر کے سرکشی پر اتر آتا ہے۔ وہ مخالفت سے گذر کر مخاصمت شروع کر دیتا ہے۔ اس لئے پھر اس پر قہر و عذاب الٰہی نازل ہوتا ہے۔

(آیت نمبر ۹۰) اپنے رب کریم سے بخشش مانگو اور ایمان قبول کر لو۔ سابقہ تمام گناہوں کو خصوصاً بت پرستی کو چھوڑ دو اور پھر سچے دل سی توبہ کرو اور اپنی موجودہ حالت کو بدلو۔ یا یہ مطلب ہے کہ بخشش مانگ کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو۔ تاکہ تمہارے اندر کے تمام گندے اوصاف اسلام کی برکت سے نکل جائیں۔

آگے فرمایا بے شک میرا رب ایمان لانے والوں اور سچی توبہ کرنے والوں پر بڑا مہربان اور لطف و احسان فرمانے والا ہے۔ یا تمام مخلوق کی بھلائی چاہنے والا ہے۔

فائدہ: کاشفی فرماتے ہیں کہ قطب الابرار یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ اسماء حسنی میں لکھتے ہیں کہ ودود وہ ہوتا ہے جو اپنی مخلوق سے بوجہ نیکی کے محبت کرے اور لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت ہو۔ یعنی لوگ اس سے محبت کریں۔

نکتہ: بندوں میں ایک دوسرے کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت کا فرع ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ محبت احسان و کرم سے ہوتی ہے۔ کسی پر بھی احسان کیا جائے خود بخود اس سے محبت ہو جائے گی۔ جیسے کوئی پوتے سے محبت اس لئے کرتا ہے کہ وہ اس کے بیٹے کا بیٹا ہے تو پوتے کی محبت بیٹے کی محبت کا فرع ہے

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا

بولے اے شعیب نہیں سمجھتے زیادہ باتیں جو آپ کہتے ہیں اور بے شک تجھے دیکھتے ہیں اپنے اندر

ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿٩١﴾

کمتر اور اگر نہ ہوتا تیرا خاندان تو ضرور تجھ پر پتھراؤ کرتے اور نہیں تو ہم پر عزت والا

(بقیہ آیت نمبر۹۰) تو بندہ بھی اللہ تعالیٰ کے اپنے اوپر بے شمار انعام واحسان دیکھے۔ اگر حقیقی وہ بندۂ خدا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ سے محبت ہو جائے گی۔ **نکتہ**: اگر اللہ تعالیٰ بندے سے محبت نہ فرماتا تو کسی کو دولت ایمان نہ ملتی۔ یہ محبت ہی تو ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے بہت خوش ہوتا ہے۔

(آیت نمبر۹۱) کفار نے کہا کہ اے شعیب آپ کی بہت ساری باتیں جو آپ کہتے ہیں۔ ہم نہیں سمجھ سکتے۔ یعنی جو آپ توحید کے بارے یا ماپ تول میں کمی کے بارے میں کہتے ہیں۔ ہم نہیں سمجھتے۔ یہ بات انہوں نے شعیب علیہ السلام سے طنزاً کہی۔ بلکہ شعیب علیہ السلام کی کلام کو حقارت سے دیکھا۔ گویا انہوں نے شعیب علیہ السلام کو ایک غیر معتبر آدمی سمجھا۔ ورنہ وہ شعیب علیہ السلام والی بولی ہی بولتے تھے اور سب باتیں سمجھ لیتے تھے یہ باتیں کیوں نہ سمجھے۔ چونکہ شعیب علیہ السلام کا وعظ و نصیحت ان کے آباء واجداد کے عقائد و مذہب کے خلاف تھا۔ اس لئے یہ کہا۔ آگے وہ کہنے لگے کہ ہم تجھے اے شعیب اپنے اندر کمزور دیکھتے ہیں کہ نہ تمہاری جسمانی قوت ہے کہ تم ہمارا مقابلہ کرسکو۔ اور نہ تم ہمارے نزدیک اتنے باعزت آدمی ہو۔ **فائدہ**: چونکہ ہمیشہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں کفار کی یہی سوچ رہی۔ اسی طرح ان کے تابعداروں کے بارے میں بھی۔ منکرین کی یہی سوچ ہے۔ آگے مزید کہا۔ اگر آپ کا کنبہ یہاں نہ ہوتا۔ یعنی آپ کی برادری والوں کی عزت ملحوظ نہ ہوتی تو ہم تجھے پتھر مار مار کر ہلاک کر دیتے۔ یعنی ہم اگر تمہیں کچھ نہیں کہتے تو صرف تمہاری برادری کی وجہ سے تم پر رحم کیا۔ ورنہ تم ہمارے ہاں کوئی معزز و مکرم نہیں ہو۔ ہمیں صرف تمہارے خاندان کا احترام ہے (چونکہ برادری والے بھی ان کے مذہب پر ہوں گے)۔ **فائدہ**: جاہلوں کی یہ پرانی عادت ہے کہ جب حق کے مقابلے میں دلائل نہیں ہوتے۔ عاجز ہو کر گالی گلوچ پر اتر آتے ہیں۔ یا اگلے پر بدھو پھوڑ ڈال لیتے ہیں۔ اپنا رعب جمانے کیلئے۔ ہر نبی کے ساتھ قوم نے یہی طریقہ اختیار کیا۔ تاکہ ہم جو چاہیں کریں۔ ہمیں کوئی روکنے والا نہ ہو۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ

فرمایا اے میری قوم کیا میرا خاندان زیادہ معزز ہے تمہیں اللہ سے اور ڈال دیا تم نے اسے پیچھے اپنی

ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا

پیٹھ کے بے شک میرا رب جو تم کرتے ہو گھیرنے والا ہے۔ اے میری قوم کام کئے جاؤ

عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ

اپنی جگہ پر میں بھی اپنا کام کرتا ہوں۔ جلد جان لوگے جس پر آئیگا عذاب

يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾

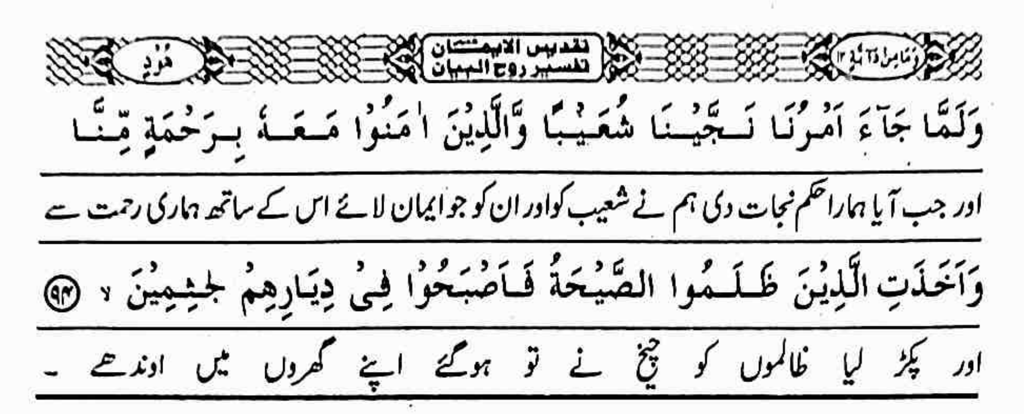
اسے رسوا کردے گا اور جو جھوٹا ہے اور انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار میں ہوں

(آیت نمبر۹۲) آپ نے فرمایا کہ اے میری قوم۔ کیا میرا خاندان تمہیں اللہ تعالیٰ سے بھی زیادہ مکرم ہوگیا ہے۔ **فائدہ**: یہ انسانی جہالت کی انتہاء ہوتی کہ بندہ بندے کو کچھ سمجھے اور خدا کو کچھ نہ سمجھے۔

فائدہ: چونکہ نبی کا انکار اللہ تعالیٰ کا انکار ہوتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ تم تو اتنے نالائق ہو کہ تم تو سرے سے اللہ تعالیٰ کی عزت وحرمت کو ہی نہیں مانتے۔ چنانچہ شعیب علیہ السلام نے ان کی بے وقوفی کو دیکھ کر فرمایا کہ اے بے وقوفو۔ تم نے تو اللہ تعالیٰ کو پیٹھ کے پیچھے کردیا۔ یعنی بھولا بھلایا کردیا۔ جیسے کوئی چیز بے کار سمجھ کر پھینک دی جاتی ہے۔ اسی طرح اس کے نبی کی تحقیر کی اور احسان یہ کیا کہ میری برادری کا اعزاز واکرام کردیا۔ حالانکہ تمہیں یہ کہنا چاہئے تھا۔ اے شعیب ہم تیرا احترام یا تیرے ساتھ یہ اچھا سلوک محض اللہ تعالیٰ کی وجہ سے کرتے ہیں۔ نہ کہ برادری کی وجہ سے۔ برادری تو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ایک معمولی سی چیز ہے۔

آگے فرمایا کہ بے شک میرا رب تمہارے اعمال کو گھیرنے والا ہے۔ یعنی وہ تمہیں اس کی سزا دے گا۔

(آیت نمبر۹۳) اے میری قوم تم اپنی جگہ عمل کئے جاؤ۔ یعنی تم جس کام میں لگے ہو۔ یعنی میری مخالفت اور دشمنی جاری رکھتے ہو تو رکھو اور جس شرک کو کر رہے ہو کرتے رہو۔ (پھر آگے جا کر دیکھنا تمہارا کیا انجام ہوتا ہے) اور میں بھی اپنا کام جاری رکھتا ہوں۔ اپنی طاقت کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دی ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ نے میری ڈیوٹی لگائی ہے۔ وہ میں بھی اپنا کام جاری رکھوں گا کہ وعظ ونصیحت کرتا رہوں گا۔



وَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا نَجَّيۡنَا شُعَيۡبًا وَّالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا

اور جب آیا ہمارا حکم نجات دی ہم نے شعیب کو اور ان کو جو ایمان لائے اس کے ساتھ ہماری رحمت سے

وَاَخَذَتِ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوا الصَّيۡحَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِىۡ دِيَارِهِمۡ جٰثِمِيۡنَ ۙ ﴿۹۴﴾

اور پکڑ لیا ظالموں کو چیخ نے تو ہوگئے اپنے گھروں میں اوندھے ۔

(بقیہ آیت نمبر ۹۳) گویا انہوں نے کہا کہ ہم اپنی طاقت استعمال کریں گے تو کیا ہوگا تو بتایا گیا کہ پھر عنقریب تم جان لوگے کہ ہم میں سے کس پر عذاب آتا ہے اور یاد رکھو جس پر عذاب آئیگا۔ پھر اس کو ذلیل و رسوا کر جائیگا۔ اور عذاب اسی پر آئیگا۔ جو جھوٹا ہے۔ لہذا اب تم بھی اپنے انجام کا انتظار کرو۔ جو کچھ میں کہتا ہوں۔ اس کی صداقت جلد ظاہر ہو جائیگی۔ تم بھی انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

فائدہ: حضرت شعیب علیہ السلام چونکہ شہباز خطابت تھے۔ انبیاء کرام علیہم السلام میں انہیں خطابت کا ملکہ بہت اچھا ملا ہوا تھا۔ کلام نہایت عمدہ ہوتی۔ لوگوں کے سوالات کا ایسا جواب دیتے کہ پھر کسی کو سوال کی ضرورت نہ رہتی۔

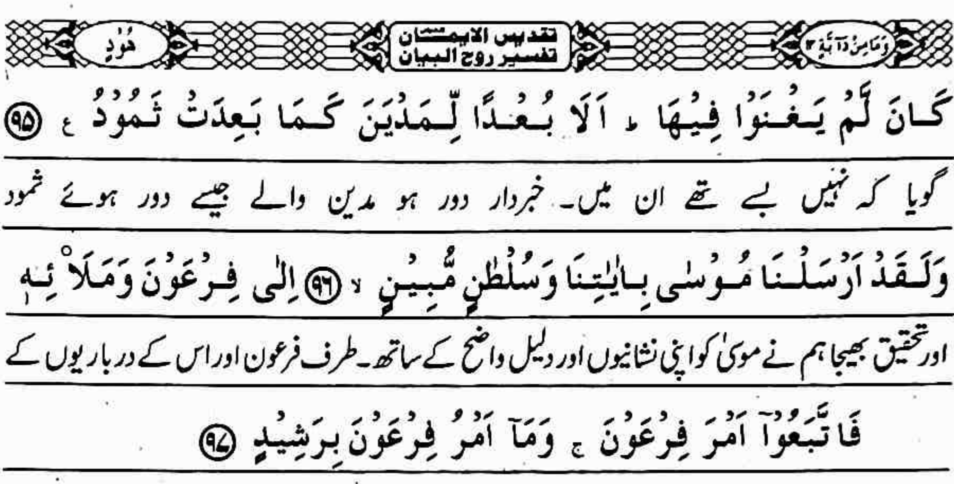
حضرت موسیٰ شعیب علیہما السلام کی خدمت میں: حضرت شعیب علیہ السلام شوق دیدار الٰہی میں کثرت سے روتے۔ یہاں تک کہ آپ کی بینائی ضائع ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی خدمت کیلئے موسیٰ علیہ السلام کو بھیج دیا۔

(آیت نمبر ۹۴) اور جب ہمارا حکم آ پہنچا۔ یعنی شعیب علیہ السلام کی قوم کیلئے ہلاکت کا حکم جو قضاء وقدر کا ازل سے نافذ ہو چکا تھا۔ وہ آیا تو ہم نے شعیب کو اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو نجات دی۔ جو توحید کے قائل تھے۔ انہیں اپنی ازلی رحمت میں لے لیا۔ فضل و رحمت اعمال کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے اپنے کرم سے ہوتا ہے۔ یہی اہل سنت کا مذہب ہے۔ **فائدہ**: بعض بزرگوں نے رحمت سے مراد ایمان لیا ہے۔

نکتہ: کفار کو عذاب دینا عدل کے مطابق ہے اور نجات اور خلاصی پانا اگرچہ بظاہر ایمان وعمل صالح سے ہے۔ لیکن اس کی توفیق ملنا اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے ہے۔ جسے چاہے وہ عطا کرے۔

آگے فرمایا کہ جن ظالموں نے شعیب علیہ السلام کی دعوت قبول نہ کی۔ انکار اور تکبر کیا ان کو ایک ہی گرج نے تباہ کر دیا یعنی جبریل علیہ السلام کی گرج دار آواز آئی کہ سب مر جاؤ تو سب کے سب وہیں مر گئے۔

آگے فرمایا کہ وہ اپنے گھروں اور مکانوں میں جہاں بھی تھے۔ گھٹنوں کے بل گرے یا ان جگہوں کے ساتھ ہی چمٹے رہ گئے۔



كَانْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ؑ ﴿۹۵﴾

گویا کہ نہیں بسے تھے ان میں۔ خبردار دور ہو مدین والے جیسے دور ہوئے ثمود

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۙ ﴿۹۶﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ

اور تحقیق بھیجا ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور دلیل واضح کے ساتھ۔ طرف فرعون اور اس کے درباریوں کے

فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾

تو وہ چلے حکم فرعون پر۔ اور نہیں تھا حکم فرعون کا درست

(آیت نمبر۹۵) ایسے معلوم ہو رہا تھا کہ گویا وہ یہاں پر کبھی بھی نہیں رہے۔ نہ انہوں نے وہاں کوئی کاروبار کیا تھا۔ **فائدہ**: یعنی رات دن میں بے نام ونشان ہو گئے تھے۔

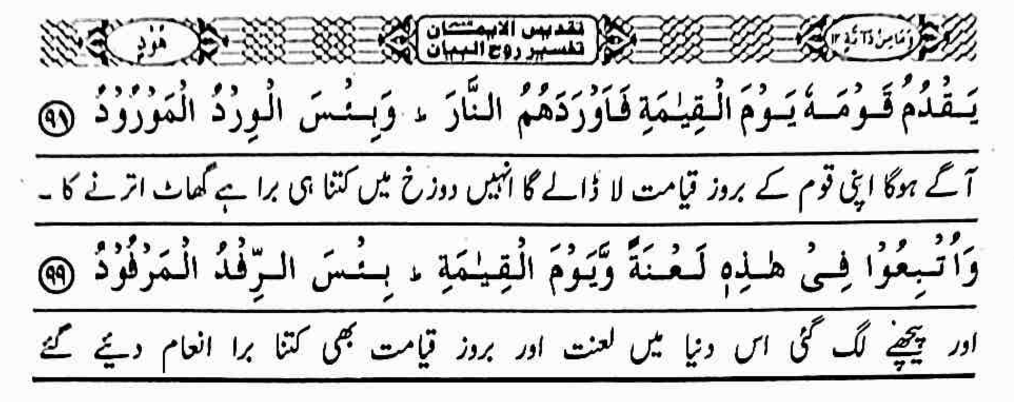
آگے فرمایا۔ خبردار ہلاکت اور تباہی ہو مدین والوں کیلئے۔ جیسے قوم ثمود کی ہلاکت اور تباہی ہوئی۔ قوم ثمود کے ساتھ تشبیہ اس لئے دی کہ ان پر عذاب بھی اسی قسم کا آیا تھا۔ یعنی گرج دار آواز اور زلزلہ۔

سبق: عقلمند پر لازم ہے کہ ایسے بدبختوں سے سبق حاصل کرے کہ انہوں نے دنیا میں رہ کر اپنے رب کو بھلایا۔ تو ان کا کیا انجام ہوا اللہ تعالیٰ نے ان سے ملک اور مال سب کچھ چھین لیا اور انہیں تباہ و برباد کر دیا۔

(آیت نمبر۹۶) البتہ تحقیق بھیجا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو معجزات دیکر اور واضح دلیل کے ساتھ یعنی معجزات دے کر تاکہ اگر وہ ایمان لائیں تو ان کیلئے بہتر ہوگا۔ جن میں سانپ کا اژدھا بن جانا اور تمام جادوگروں کو عاجز کر دینا۔ اسی طرح ہاتھ کا چاند سے زیادہ روشن ہو جانا۔ اس کے علاوہ بھی کئی معجزات تھے۔

(آیت نمبر۹۷) فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف اگرچہ موسیٰ علیہ السلام چھوٹوں بڑوں سب کی طرف آئے تھے۔ یہاں ان کے سرداروں کا ذکر اس لئے کیا کہ چونکہ ان کے تمام امور کی تدبیریں وہی سردار ہی کرتے تھے۔ اس لئے ان کے پاس آنا سب کے پاس آنا ہے۔ لیکن ان تمام چھوٹے بڑوں نے فرعون کا حکم مانا اور اس کی اتباع کی اور موسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے احکام کا انکار کر دیا۔ **نکتہ**: وہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر ماننے پر آ جاتے لیکن فرعون کا رعب وجلال دیکھ کر فرعون کے تابعدار بن جاتے اور اللہ ورسول کے حکم کے منکر ہو جاتے تھے۔

آگے فرمایا کہ فرعون کا حکم بھلائی اور رشد وصواب پر مبنی نہیں تھا۔ یعنی فرعون کا کوئی کام بھی خیر کی طرف راہنمائی کرنے والا نہیں تھا۔ اس لئے کہ وہ گمراہی اور ضلالت کا مرقع تھا اور اس کے متبعین بھی جہالت کے مرقع تھے۔



يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾

آگے ہوگا اپنی قوم کے بروز قیامت لا ڈالے گا انہیں دوزخ میں کتنا ہی برا ہے گھاٹ اترنے کا۔

وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾

اور پیچھے لگ گئی اس دنیا میں لعنت اور بروز قیامت بھی کتنا برا انعام دیئے گئے

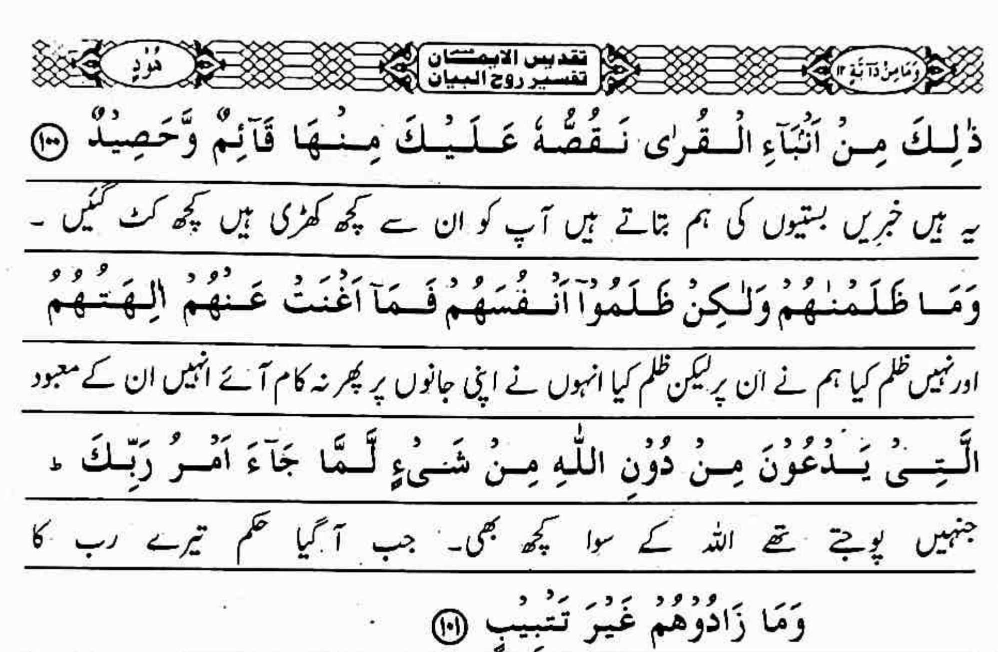
(آیت نمبر۹۸) فرعون کی آخرت کا حال بتایا جار ہا ہے کہ وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا۔ چونکہ دنیا کے ہر معاملے میں آگے ہوتا تھا۔ اسی طرح وہاں بھی آگے ہوکر سب کو جہنم میں لے جائیگا اور جہنم کی جگہ جہاں فرعون اور اس کی قوم جائے گی۔ وہ سخت ترین جگہ ہے جہاں آگ ہی آگ ہوگی۔ اور جس میں سزا پر سزا ہوگی اور آگ بھی وہ جو دنیا کی آگ سے ستر گنا زیادہ سخت ہوگی۔

(آیت نمبر۹۹) دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت لگادی گئی تھی۔ یعنی ان کے بعد آنے والی تمام امتوں نے ان پر لعنت کی اور بروز قیامت تو خاص کر وہ جدھر جائیں گے۔ لعنت ان کے ساتھ ساتھ ہوگی۔ لوگ فرعون کے پیچھے اور لعنت ان سب کے پیچھے ہوگی۔ دنیا میں اللہ کی رحمت سے دوری یہ کہ پانی کے عذاب میں غرق ہوئے۔ اور آخرت میں یہ کہ وہ جہنم کے عذاب میں جائیں گے۔ ویسے تو ہر وہ کافر جو جہنم میں جائے گا۔ وہ ملعون ہی ہوگا۔ لیکن جو ان کے اتباع یا قائد ہوگا۔ مثل فرعون کے جنہوں نے ان کو گمراہ کیا۔ ان کا حال انتہائی برا ہوگا۔

آگے فرمایا کہ کتنے ہی برے ساتھی ہوئے کہ جن کی وجہ سے دنیا میں بھی لعنت اور آخرت میں بھی لعنت ملی۔

فائدہ: اس آیت سے فرعون کی شقاوت معلوم ہوئی کہ آخری وقت میں اس کا کلمہ پڑھنا بھی اس کے کام نہ آیا۔ ورنہ وہ جہنمیوں کا قائد نہ ہوتا۔

فائدہ: اور اس آیت میں اہل ہوی اور فاسقوں کے ساتھیوں کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ **حدیث شریف** میں ہے کہ نہ مشرکوں کے گھروں میں رہو۔ نہ انہیں اپنے گھروں میں رکھو (المستدرک ۲۶۲۷)۔ یا مطلب یہ ہے کہ نہ ان کے ساتھ سکونت رکھو اور نہ ان کے اجلاس میں ان کے ساتھ بیٹھو۔ تا کہ ان کی گندی عادتیں تم میں نہ آجائیں گی۔ فرعونی اگر فرعون کے بجائے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بیٹھتے تو جہنم میں نہ جاتے بلکہ موسیٰ علیہ السلام انہیں جنت میں لے کر جاتے۔ لیکن وائے بدبختی: ہمیشہ کیلئے ذلت حاصل ہوئی۔



ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾

یہ ہیں خبریں بستیوں کی ہم بتاتے ہیں آپ کو ان سے کچھ کھڑی ہیں کچھ کٹ گئیں ۔

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ

اور نہیں ظلم کیا ہم نے ان پر لیکن ظلم کیا انہوں نے اپنی جانوں پر پھر نہ کام آئے انہیں ان کے معبود

الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ

جنہیں پوجتے تھے اللہ کے سوا کچھ بھی۔ جب آ گیا حکم تیرے رب کا

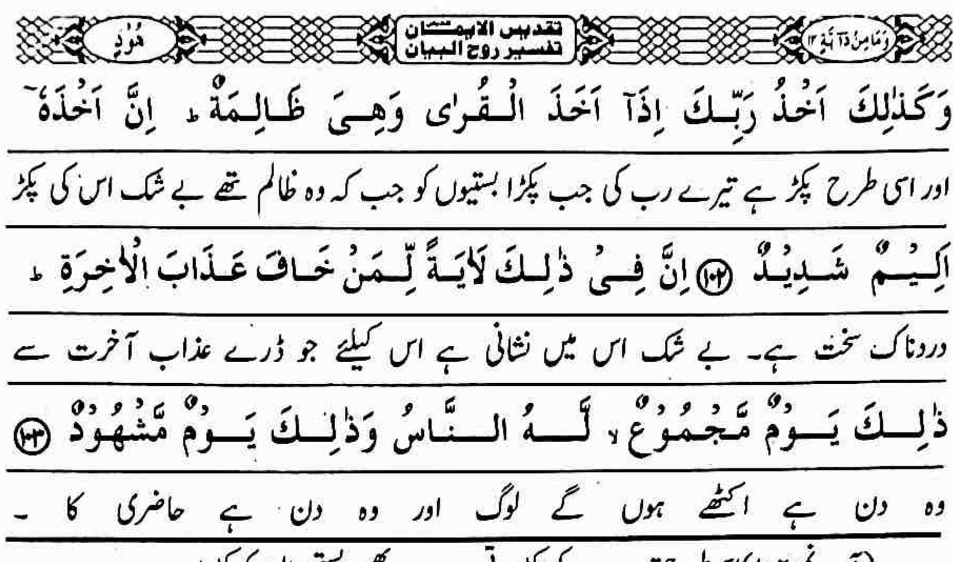
وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾

اور نہ بڑھا ان کا کچھ سوا ہلاکت کے

(آیت نمبر۱۰۰) اے محمد ﷺ سابقہ قوموں کی تمام خبریں یعنی جو ہلاک ہوئیں۔ جو ہم آپ کو بتا رہے ہیں۔ یہ آپ کی نبوت پر صداقت کی واضح دلیل ہیں۔ ان میں کچھ بستیاں ابھی قائم بھی ہیں۔ یعنی ان کے کھنڈرات اور دیواریں قائم ہیں اور کچھ بستیاں جڑ سے کٹ کر ختم ہوگئیں۔ جیسے قوم عاد وثمود کی بستیوں کے کھنڈرات اور دیواریں قائم ہیں اور جڑ سے اکھڑنے والی جیسے قوم نوح اور قوم لوط کی بستیاں بالکل ملیامیٹ ہوگئیں۔

(آیت نمبر۱۰۱) تباہ ہونے والی بستیوں میں رہنے والوں پر ہم نے تو ظلم نہیں کیا۔ لیکن انہوں نے اپنی جانوں پر خود ہی کفر وشرک کر کے اور طرح طرح کے گناہ کر کے ظلم کیا۔ رزق اللہ کا دیا ہوا کھایا اور عبادت غیر اللہ کی کرتے تھے اور رسولوں نے آ کر سمجھایا تو ان کی تکذیب کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ پھر ان کے خود ساختہ خدا جن کی پوجا پاٹ کرتے تھے وہ کچھ بھی انہیں فائدہ نہ پہنچا سکے۔ اور جب تیرے رب کا حکم آ پہنچا۔ یعنی عذاب الٰہی جو ان کے لئے بطور سزا کے نازل ہوا۔ جو ان کے اپنے عملوں کی سزا انہیں دی گئی۔ تو پھر کوئی بت انہیں کام نہ آیا۔

فائدہ: بت پرستوں کا تو یہ عقیدہ تھا کہ بت انہیں نفع دیتے ہیں۔ ان کے مخالفوں کا نقصان کرتے ہیں لیکن جب عذاب آیا تو نہ بتوں نے بت پرستوں کو بچایا۔ نہ مخالفوں کا کوئی نقصان کیا۔ اس گندے عقیدے کی نحوست ہی ان پر ایسی پڑی کہ دنیا وآخرت میں خسارہ پایا۔ **فائدہ**: اس سے بڑی کم عقلی کی دلیل اور کیا ہوسکتی ہے۔



وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ

اور اسی طرح پکڑ ہے تیرے رب کی جب پکڑا بستیوں کو جب کہ وہ ظالم تھے بے شک اس کی پکڑ

اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ

دردناک سخت ہے۔ بے شک اس میں نشانی ہے اس کیلئے جو ڈرے عذاب آخرت سے

ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾

وہ دن ہے اکٹھے ہوں گے لوگ اور وہ دن ہے حاضری کا ۔

(آیت نمبر۱۰۲) اسی طرح تیرے رب کی پکڑ ہوتی ہے۔ جب بھی وہ بستی والوں کو پکڑتا ہے۔

فائدہ: بستی کی طرف گرفت کرنے کی نسبت اس لئے ہے کہ بستی والوں کی بدعملی اتنی زیادہ ہوئی کہ گویا وہ بستیاں ہی گناہ گار اور ظالم تھیں اصل میں تو ان بستیوں والے ظالم تھے۔ اب اس آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس لئے تباہ و برباد کیا کہ وہ کافر و ظالم تھے تاکہ دوسرے لوگ ان سے عبرت حاصل کریں کہ کفر و ظلم کی سزا تباہی ہوتی ہے۔ آگے فرمایا کہ بے شک اس کی پکڑ سخت اور دردناک ہے۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ کی پکڑ میں آ جائے وہ دنیا میں بھی سخت مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور طرح طرح کے مصائب اس کو گھیر لیتے ہیں۔ پھر نجات کی امید بھی نہیں رہتی۔ اور آخرت کا عذاب ہمیشہ ہمیشہ ہے۔

حدیث شریف: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا رہتا ہے۔ جلد اس کی گرفت نہیں فرماتا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ وہ اپنے کرتوتوں سے باز نہیں آتا تو گرفت کرتا ہے تو پھر جان بچنا ناممکن ہو جاتا ہے (متفق علیہ)۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

سبق: انسان کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور گناہوں سے بچنا چاہئے۔ اگر خدانخواستہ گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ استغفار کر لینی چاہئے ورنہ کسی وقت پکڑ آ سکتی ہے۔

(آیت نمبر۱۰۳) ہلاک ہونے والی امتوں کے قصے میں واضح نشانی ہے۔ یعنی عبرت اور نصیحت ہے۔ اس شخص کیلئے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہے۔ یعنی اس کا آخرت پر ایمان بھی ہے اور عذاب کو بھی مانتا ہے۔ وہ یوں عبرت حاصل کرے کہ پہلی امتوں پر اس لئے عذاب آیا کہ ان کے اعمال بہت برے تھے اور قیامت اور عذاب کو بھی نہیں مانتے تھے۔ وہ یہی سمجھتے تھے کہ یہ تباہیاں حادثاتی تھیں۔ انہیں یہ خیال نہ آیا کہ یہ مصائب و آلام گناہوں کی نحوست سے آتے ہیں۔

وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ؕ ﴿۱۰۴﴾ یَوْمَ یَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ

اور نہیں لیٹ کر رہے اس کو مگر ایک مدت گنی ہوئی تک۔ جب دن آئیگا نہیں بات کرے گا کوئی شخص

اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِیٌّ وَّسَعِیْدٌ ﴿۱۰۵﴾

مگر اس کے حکم سے۔ تو ان میں کوئی بد بخت اور کوئی نیک بخت ہونگے

(بقیہ آیت نمبر۱۰۳) آگے فرمایا کہ وہ دن ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ کے سامنے سب لوگ جمع کئے جائیں گے۔ یعنی حساب وکتاب اور جزاء اور سزا کیلئے سب ایک جگہ جمع کر لئے جائیں گے۔ یہی اصل میں حاضری کا دن ہے۔ تمام آسمانوں اور زمینوں والے میدان محشر میں جمع کر لئے جائیں گے۔

فائدہ: بعض دن ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن میں لوگ خود ہی کھچے چلے آتے ہیں۔ ان دنوں کی عظمت اور شان کی وجہ سے۔ جیسے یوم جمعہ یوم عرفہ، یوم عید، یوم سلطان وغیرہ اسی طرح اس کو یوم مشہود بھی کہتے ہیں اور جمعہ کے دن کو بھی حضور ﷺ نے یوم مشہود کہا ہے۔ اور قیامت کا یوم بھی یوم مشہود جو بہت بڑا ہولناک دن ہے۔

(آیت نمبر۱۰۴) اور نہیں لیٹ کر رہے ہم روز قیامت کو مگر ایک گنی ہوئی مدت تک کیلئے۔

فائدہ : کاشفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ شمار کی ہوئی مدت تک کیلئے یعنی جب تک وہ وقت مقرر نہیں آئے گا۔ اس وقت تک قیامت بھی قائم نہیں ہوگی۔ یہی اس کی حکمت کا تقاضا ہے۔

فائدہ : اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈر اور خوف دلایا گیا ہے اور بندوں کو اپنا حال درست رکھنے اور دل کی صفائی اور اعمال میں اخلاص کی ترغیب دی گئی ہے تا کہ قیامت آنے سے پہلے ہی لوگ اپنے آپ کو نیک اعمال کرنے کا عادی بنالیں۔ اس لئے کہ انسان زمین میں جو کچھ بیجتا ہے وہی کاٹتا ہے۔

سبق: عقل مند وہ ہے جو آخرت کیلئے نہیں کر سکا۔ اس کا تدارک کرے اور اپنا وقت ضائع نہ کرے۔

فائدہ : وہ بندہ خسارے میں ہے۔ جس نے اپنا وقت غیر خدا کی طلب میں گذار دیا اور پھر وہ شخص بہت بڑا بدنصیب ہوگا۔ جو اپنے اوقات کو خواہشات نفسانی میں ضائع کر دے۔

(آیت نمبر۱۰۵) جس دن وہ وقت آجائیگا۔ جسے اب تک موخر کیا جاتا رہا یعنی جب دنیا کے تمام لمحات ختم ہو جائیں گے تو وہ دن قیامت کا ہے قیامت کی ہولناکی دیکھ کر کوئی نفس بات نہیں کر سکے گا کہ جس بات سے اسے نجات ملے۔ نہ جواب دے سکے گا۔ نہ شفاعت کسی کی کر سکے گا۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ۙ ﴿۱۰۶﴾

20/20

البتہ جو بدبخت ہیں وہ دوزخ میں ہیں ان کے لئے اس میں چیخ وچنگاڑ ہوگی ۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۰۵) مگراس کی اجازت سے ۔یعنی جس کے متعلق اللہ تعالیٰ اجازت دے گا۔اسی کی شفاعت ہوگی۔دوسرے مقام پرفرمایانہیں کلام کریں گے۔مگر جس کیلئے رحمٰن اجازت دے گا۔اور وہ بات بھی صحیح کریگا۔ایک اورمقام پرفرمایاکون ہے جواس کے ہاں سفارش کرے اس کی اجازت کے بغیر۔

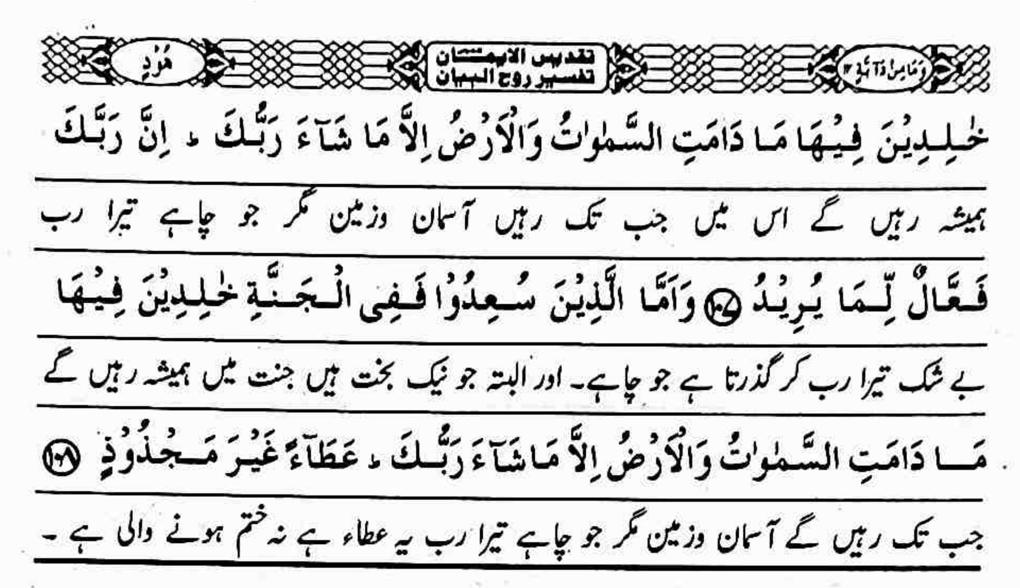
فائدہ:ایک مقام پرفرمایاجس دن ہرنفس آئیگاتوقہروجلال الٰہی کے سامنے بات بھی نہ کرسکے گا۔ایک اور مقام پرفرمایا۔یہ وہ دن ہے کہ وہ بول بھی نہیں سکیں گے اور نہ انہیں اجازت ہوگی کہ وہ اپناعذرپیش کریں۔

آگے فرمایاکہ بروز قیامت محشر کیلئے جمع ہونے والوں میں کچھ بدبخت ہونگے کہ جن کیلئے جہنم واجب ہوگی اور ان میں کچھ نیک بخت ہونگے۔جن کووعدے کے مطابق جنت دی جائیگی۔

بدبختی کی علامات: (۱)سنگ دلی۔(۲)خوف خدا سے آنسو نہ آنا۔(۳)دنیا سے رغبت۔(۴)لمبی آرزوئیں۔(۵)حیامیں کمی۔**نیک بختی کی علامات**:(۱)دل کی نرمی۔(۲)خوف خدامیں رونا۔(۳)دنیاسی بے رغبتی۔(۴)آرزوؤں میں کمی۔(۵)شرم وحیا۔

(آیت نمبر ۱۰۶) البتہ جولوگ ازلی بدبخت بدنصیب ہیں وہ تو جہنم میں ہی ہوں گے اوراس جہنم میں چیخ وچنگاڑ ہوگی۔یعنی زوردار بھدی اور بری آوازیں اور ہرطرف شورہی شور۔

فائدہ: جیسے گدھے کی وہ آواز جووہ ہینگنے کے وقت نکالتا ہے پھرآخرمیں آوازنرم کرلیتاہے۔پہلی آواز جو زور سے چیخ کرہواسے زفیراورآخری آوازکوشہیق کہاجاتاہے۔اصل میں دنیاوالوں کوآخرت کے حالات سے آگاہ کیاجارہاہےاوربتایاجارہاہے کہ گناہوں پرگناہ کرکے جس جہنم میں جارہے ہو۔وہاں یہ حال ہوگاکہ جہنم کاشوراالگ ہوگااورجہنمیوں کوسزاکےوقت ان کی ایسی مکروہ آوازیں نکلیں گی۔جیسے گدھے کی مکروہ آواز ہوتی ہے۔یاجیسے دنیامیں سخت تکلیف میں مبتلا آدمی کی آوازیاسزادینے یاسولی چڑھانے کے وقت جوآوازیں نکلتی ہیں۔وہ کس قدرمکروہ ہوتی ہیں اور پھرجہنم میں سخت سزاؤں کے وقت کوئی گدھے کی طرح کوئی گائے کی طرح آوازیں نکالیں گے جودنیا کی آوازوں سے ہزارگنابڑھ کرہونگی۔



خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ

ہمیشہ رہیں گے اس میں جب تک رہیں آسمان وزمین مگر جو چاہے تیرا رب

فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ﴿۱۰۷﴾ وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا

بے شک تیرا رب کر گذرتا ہے جو چاہے۔ اور البتہ جو نیک بخت ہیں جنت میں ہمیشہ رہیں گے

مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾

جب تک رہیں گے آسمان وزمین مگر جو چاہے تیرا رب یہ عطاء ہے نہ ختم ہونے والی ہے ۔

(آیت نمبر ۱۰۷) آگے فرمایا کہ اس جہنم میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یعنی باہر کبھی نہیں نکل سکیں گے۔ جب تک کہ زمین وآسمان رہیں گے۔ یہ دوام غیر منقطع ہے۔ یعنی کبھی نہ ختم ہونے والا۔ اہل عرب نہ ختم ہونے والے وقت کے بارے میں یوں ہی کہا کرتے ہیں۔

آگے فرمایا کہ مگر جو تیرا رب چاہے۔ یعنی کچھ جہنمی وہ ہوں گے۔ جو ہمیشہ جہنم میں نہیں رہیں گے۔ جیسے وہ مومن جو دنیا میں گناہ کرتے رہے تو وہ ان گناہوں کی سزا بھگتنے کیلئے کچھ مدت تک جہنم میں جائیں گے۔ **حدیث شریف:** عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جہنم پر ایک ایسا وقت بھی آئیگا کہ مدت تک اس کے اندر کوئی نہیں ہوگا۔ یعنی جہنمیوں سے خالی ہوگی۔ اس طرح کی ایک روایت ابوہریرہ اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔

فائدہ: اہل سنت کے نزدیک اس سے وہی معنی مراد ہیں کہ مسلمان اپنے گناہوں کی سزا پا کر بالآخر وہ جہنم سے نکل کر جنت میں چلے جائیں گے۔ یا جب کسی نے ان کی سفارش کر دی تو وہ جہنم سے نکل جائیں گے۔

آگے فرمایا کہ آپ کا رب جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے چاہے تو کسی کو جہنم میں ہمیشہ رکھے۔ چاہے تو کسی کو نکال کر جنت بھیج دے۔

(آیت نمبر ۱۰۸) البتہ جو نیک لوگ ہوں گے۔ ازل سے ہی جن کیلئے سعادت لکھ دی گئی ہے۔ وہ جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ جب تک کہ زمین وآسمان قائم ہے۔ مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے۔

فائدہ: حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اس استثناء کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ امام ضحاک فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو گناہوں کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے اور بعد میں ایمان کی وجہ سے جنت میں بھیج دیئے جائیں گے۔

فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ؕ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ

پھر نہ ہو شک میں اس سے وہ کچھ پوجتے ہیں وہ نہیں پوجتے مگر جیسا پوجتے تھے

اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ؏ ﴿۱۰۹﴾

ان کے باپ دادا پہلے اور بے شک ہم پورا دیں گے ان کا حصہ جس میں کمی نہیں ہوگی

(بقیہ آیت نمبر ۱۰۸) آگے فرمایا کہ جنت وہ انعام ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔ یا انعامات کا سلسلہ کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔ بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ جنتیوں کی جنت میں ترقی ہوتی رہے گی۔ یعنی ایک مرتبہ سے دوسرے مرتبہ پر فائز ہوتے رہیں گے۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ کے پیرومرشد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جنتی جب اگلے مقام کو حاصل کرے گا تو وہ بلند اور شرافت میں اتنا بے نظیر ہوگا کہ اسے پہلے کے ساتھ کوئی مشابہت نہ ہوگی۔ ان کے محنت کی ضرورت ہے۔

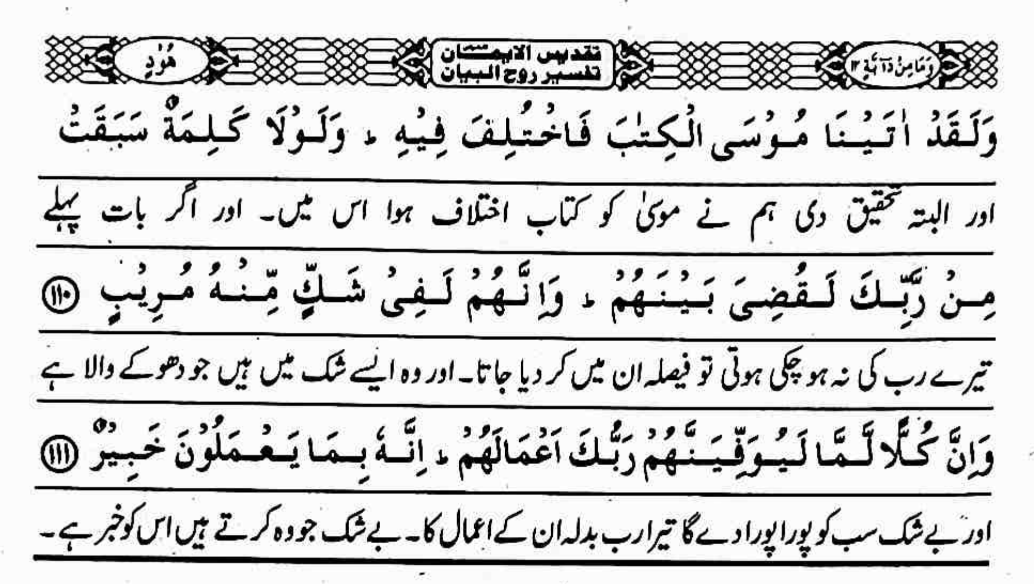
فائدہ: یہ منازل کسی شیخ کامل کی راہنمائی کے بغیر حاصل نہیں ہوتے۔

(آیت نمبر ۱۰۹) سابقہ لوگوں کے واقعات اور ان کے بدلے انجام کی تفصیل بتادی گئی ہے۔ اب تجھے شک نہ رہے کہ مشرکین موجودہ بھی گمراہ ہیں اور ان کا انجام بھی برا ہوگا۔ یہ جتنی بت پرستی کرتے ہیں یہ دراصل اپنے باپ دادا کے طریقے پر چل کر بتوں کو پوجتے ہیں۔ حق پر چلنا نہ انہیں نصیب میں ہوا۔ نہ ان کے باپ دادا کے نصیب میں

آگے فرمایا کہ بے شک ہم انہیں ان کا عذاب کا حصہ جو دنیا و آخرت میں ان کیلئے مقرر ہے۔ وہ مکمل طور پر پورا پورا دیں گے۔ یعنی یہ سب اپنے اپنے جرائم کی پوری پوری سزا بھگتیں گے۔ آگے فرمایا کہ اس میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

فائدہ: اس آیت میں اس ناجائز تقلید کی مذمت کی گئی جو وہ اپنے کافر اور مشرک باپ دادا کی تقلید کرتے تھے۔ لیکن یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ تقلید عقائد اور اصول دین میں ناجائز ہے۔ فروعی مسائل میں اور فقہی مسائل میں جائز ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص اصول دین اور اعتقادیات میں نظر و استدلال کے بغیر کسی کی تقلید کر کے ایمان لاتا ہے تو احناف اور اہل ظواہر کے نزدیک اس کا ایمان قبول ہے۔ اگرچہ وہ نظر استدلال نہ کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہے۔ اس کو تقلیدی ایمان کہتے ہیں کہ جو دوسروں کے کہنے پر ایمان لاتا ہے۔ جیسے عوام کا ایمان ہے ہمارے نزدیک تقلیدی ایمان بھی اس لئے مقبول ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ایسے بادیہ نشینوں کا ایمان قبول کیا ہے۔



وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ

اور البتہ تحقیق دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اختلاف ہوا اس میں۔ اور اگر بات پہلے

مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾

تیرے رب کی نہ ہو چکی ہوتی تو فیصلہ ان میں کر دیا جاتا۔ اور وہ ایسے شک میں ہیں جو دھوکے والا ہے

وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾

اور بے شک سب کو پورا پورا دے گا تیرا رب بدلہ ان کے اعمال کا۔ بے شک جو وہ کرتے ہیں اس کو خبر ہے۔

(آیت نمبر ۱۱۰) اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو توراۃ عطا کی۔ آسمانی کتابوں میں توراۃ پہلی کتاب ہے۔ جس میں احکام اور شرائع تھیں اس سے پہلے اترنے والے صحیفوں میں صرف ایمان اور توحید کا بیان ہوتا تھا۔ تو اس توراۃ میں بھی اختلاف کیا گیا کہ بعض نیک بخت کہتے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس پر ایمان بھی لائے۔ لیکن بعض بدبختوں نے اس کے کتاب اللہ ہونے کا ہی انکار کر دیا۔ لہٰذا اے محبوب آپ اپنے وقت کے کافروں کے انکار کی پرواہ نہ کریں کہ وہ قرآن کو نہیں مانتے۔ موسیٰ علیہ السلام نے صبر کیا آپ بھی صبر کریں۔

واقعہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت تقسیم فرمایا تو منافقوں میں سے ایک نے کہا کہ عدل و انصاف نہیں کیا گیا تو آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا مجھ سے بڑھ کر کون عدل و انصاف کرے گا۔ اللہ تعالیٰ میرے بھائی موسیٰ پر رحم فرمائے۔ وہ مجھ سے بھی زیادہ ایذاء دیئے گئے۔ لیکن انہوں نے صبر کیا اور میں بھی صبر کرتا ہوں۔

آگے فرمایا اگر تیرے رب کی طرف سے انہیں قیامت تک مہلت ملنے کا کلمہ پہلے نہ کہا گیا ہوتا تو آپ سے اختلاف کرنے والوں پر ابھی سے عذاب نازل ہوتا۔ جس کے یہ باطل والے مستحق تھے۔ تا کہ انہیں حق و باطل میں فرق معلوم ہو جاتا اور بے شک یہ کفار مکہ قرآن پاک میں بہت بڑا شک کرنے والے ہیں۔ یعنی قرآن پاک میں ان کے شکوک وشبہات بہت زیادہ ہیں۔ جنہیں یہ ختم نہیں کر سکتے۔

(آیت نمبر ۱۱۱) اور بے شک ان میں سے ہر ایک کو ان کے ایمان اور ان کے اعمال حسنہ کی جزا اور کفار کو ان کے کفر اور ان کی بداعمالیوں کی سزا دے گا۔ یعنی سب کو کامل اور مکمل جزا یا سزا دے گا۔ بے شک وہ اختلاف کرنے والے جو بھی اعمال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے خبردار ہے۔ یعنی اس سے کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ ہر چھوٹے بڑے عمل کو وہ دیکھ رہا ہے۔ اس آیت میں نیکوں کو اچھا وعدہ اور برے کو سخت وعید کی گئی ہے۔

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ

تو قائم رہو جیسے حکم دیئے گئے اور جو رجوع کرے آپ کے ساتھ اور سرکشی نہ کرو۔ بے شک وہ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ

جو تم عمل کرتے ہو دیکھ رہا ہے۔ اور نہ جھکو طرف ان کے جو ظالم ہیں ورنہ پہنچو گے

النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

آگ میں اور نہیں تمہارا سوائے اللہ کے کوئی حمایتی پھر نہیں مدد کئے جاؤ گے ۔

(بقیہ آیت نمبر۱۱۱) **سبق:** عقل مند وہی ہے جو غفلت کی نیند سے بیدار ہو اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کی مخالفت سے بچے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز چھپی نہیں ہے۔

(آیت نمبر۱۱۲) اے محبوب جو بھی آپ کو حکم دیا گیا۔ اس پر قائم رہیں۔ یعنی توحید اور ایمان واسلام کی طرف دعوت دیتے رہیں اور کفار کی ایذاء رسانی پر صبر کریں اور جنہوں نے آپ کے ہاتھ پر توبہ سچے دل سے کی۔ کفر وشرک چھوڑ کر آپ پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کے حکموں پر عمل پیرا ہوئے۔

مسئلہ: انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہیں کہ وہ وحی سے پہلے بھی اور بعد بھی بالا جماع نہ کفر کرتے ہیں نہ شرک۔

فائدہ: ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم توبہ استغفار امت کی تعلیم کیلئے کرتے ہوں کیونکہ آپ سے کفر ومعاصی کا صدور ناممکن ہے۔ **حدیث شریف** حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز ستر سے زائد مرتبہ استغفار کرتے تھے (روح المعانی)۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ایک بہت عجیب نکتہ بیان فرمایا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی استغفار کا مطلب یہ ہے کہ آپ جب ایک منزل سے اگلی منزل پر جاتے تو پچھلے مرتبہ کی کمی پر استغفار کرتے۔ اولیاء اللہ بھی اسی طرح مدارج طے کرتے ہیں۔ مولا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنکھ جھپکنے کی مقدار بھی کبھی کفر نہیں کیا۔

آگے فرمایا سرکشی نہ کرو۔ یعنی جو حدود تمہارے لئے مقرر ہیں۔ ان سے تجاوز نہ کرو۔ کیونکہ نیک کام وہی اچھا ہے۔ جس میں اخلاص زیادہ ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ اسی کے مطابق پھر وہ جزاء وسزا بھی دے گا۔ اس لئے اس سے ڈرو اور اس کی مقرر کردہ حدوں کی حفاظت کرو۔

(آیت نمبر۱۱۳) اور ظالموں کی طرف معمولی جھکاؤ بھی نہ کرو ورنہ تمہیں آگ پہنچے گی۔ یعنی آگ میں جاؤ گے

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ

اور قائم رکھیں نماز دن کے دونوں طرف اور کچھ حصہ رات میں۔ بے شک نیکیاں مٹا دیتی ہیں

السَّیِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰی لِلذّٰكِرِیْنَ ج ﴿۱۱۴﴾

برائیوں کو یہ نصیحت ہے ماننے والوں کیلئے۔

(بقیہ آیت نمبر۱۱۳) **فائدہ:** ظالموں کی طرف جھکنے کا یہ حال ہے کہ جوان کی طرف جھکے وہ آگ میں جائیگا تو جو سراپا ظلم ہیں ان کا کیا حال ہوگا۔

آگے فرمایا کہ پھر تمہارا اللہ کے سوا کوئی حامی و مددگار نہ ہوگا۔ جو تمہیں جہنم کی آگ سے بچا سکے اور تمہاری کسی قسم کی مدد بھی نہیں کی جائیگی یعنی جب تم کفار کی طرف جھکاؤ کر کے عذاب کے مستحق ہوگئے۔ پھر اللہ تعالیٰ تمہاری بالکل مدد نہیں فرمائے گا۔ **سبق:** ان لوگوں پر افسوس ہوتا ہے جو ان آیات کو پڑھتے ہیں (اپنے آپ کو عالم حافظ اور قاری بھی کہتے ہیں اور دہشت گرد بنے ہوئے ہیں اور ہزاروں لوگوں کو مار بھی چکے ہیں) پھر بھی ظلم سے باز نہیں آتے بلکہ ظالموں کے ساتھ دوستانہ اور گہرے تعلقات ہیں۔

مسئلہ: ہمارے اکابرین ظالموں کے سلام کا جواب نہیں دیتے تھے۔ سفیان ثوری سے پوچھا گیا کہ ظالم جنگل میں پیاسا مر رہا ہے اسے گھونٹ پانی دیا جائے فرمایا ظالم کو اسی طرح مرنے دو۔

(آیت نمبر۱۱۴) دن کی دونوں طرفوں میں نماز قائم کریں مراد صبح و شام کی نمازیں ہیں۔ رات میں بھی وہ گھڑیاں جو دن کے قریب ہیں۔ اس سے صبح اور مغرب اور عشاء کی نمازیں مراد ہیں اور دن کے وقت یعنی ظہر و عصر کی نمازیں مراد ہیں۔ اس آیت سے دن کی پانچوں نمازوں کا ثبوت ملتا ہے۔ یعنی قبل طلوع الشمس سے صبح کی نماز اور قبل الغروب سے ظہر و عصر کی نمازیں اور "ومن اللیل فسبحه" نماز مغرب اور عشاء اور تہجد کی نمازیں مراد ہیں۔ گویا اس آیت میں تردید ہے ان کی جو کہتے ہیں کہ قرآن میں پانچوں نمازوں کے اوقات کا کوئی ثبوت نہیں۔

آگے فرمایا کہ بے شک نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔ یعنی پانچ وقت کی نمازوں سے صغیرہ گناہ ختم ہو جاتے ہیں کبیرہ گناہوں کیلئے باقاعدہ توبہ شرط ہے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا کہ پانچ نمازیں اور جمعہ سے جمعہ تک اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک درمیان کے گناہ مٹا دیتے ہیں (مشکوٰۃ شریف)۔ اگر کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے۔ آگے فرمایا کہ یہ نماز کا قائم کرنا اور دین پر پختگی وغیرہ نصیحت ہے نصیحت حاصل کرنے والوں کیلئے۔

وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَلَوْلَا کَانَ

اور صبر کریں بے شک اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا اجر نیکوکاروں کے۔ تو کیوں نہ ہوا

مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِکُمْ اُولُوْا بَقِیَّۃٍ یَّنْھَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ

سنگتوں سے تم سے پہلے لوگوں سے بھلے لوگوں کا حصہ ہوتا کہ روکتے لوگوں کوفساد سے

فِی الْاَرْضِ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّنْ اَنْجَیْنَا مِنْھُمْ ج وَاتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا

زمین میں مگر تھوڑے تھے جنہیں ہم نے بچایا ان سے۔ پیچھے آئے وہ جو ظالم تھے

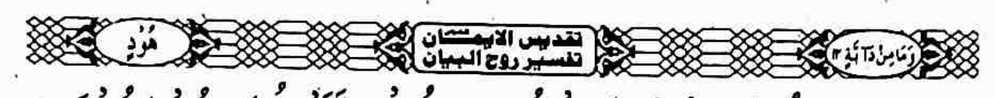
مَآ اُتْرِفُوْا فِیْہِ وَکَانُوْا مُجْرِمِیْنَ ﴿۱۱۶﴾

اس لئے کہ جو عیش دی انہیں اور تھے مجرم۔

(آیت نمبر ۱۱۵) اے میرے محبوب دین کے معاملے میں آنے والی مصیبتوں پر صبر کریں یہ بات ظاہراً حضور ﷺ کو کہی گئی اور یہی بالتبع امت کو بھی حکم دیا گیا ہے۔

آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ یعنی ان کے اعمال نماز۔ روزہ خواہ فرض یا نفل ہوں۔ صدقات ہوں یا اچھے اخلاق ان کا انہیں پورا پورا اجر ملے گا۔ اگر ان اعمال میں اخلاص ہوا۔ تو ان پر ضرور اجر بے حساب ملے گا۔

(آیت نمبر ۱۱۶) تو پھر کیوں نہ ہوا کہ تم سے پہلے لوگوں میں ہلاک ہونے والوں میں سے جو بچ رہے وہ تو کم از کم زمین میں فساد کرنے سے باز رہتے۔ یعنی اہل خیر گوان میں موجود نہ تھے کہ وہ انہیں روکتے مگر پچھلی قوم سے جو بچ گئے وہ تو توبہ کر لیتے۔ تا کہ ان پر عذاب نازل نہ ہوتا مگر بہت تھوڑے ان میں سے نیک لوگ تھے۔ جنہیں ہم نے نجات دی۔ وہ فسادیوں کو فساد سے روکتے تھے۔ اس سے انبیاء و رسل کے تابعین لوگ مراد ہیں۔ انہوں نے ان کو نافرمانیوں سے منع کیا لیکن انہوں نے ظالموں کا ہی اتباع کیا۔ تو پھر ان کے گندے کرتوتوں کی وجہ سے ان کو عذاب نے گھیر لیا۔ ان کے اتباع ظلم کی وجہ سے اور یہ بھی ان ہی کی طرح خواہشات وشہوات میں پڑے۔ اسی شغل میں ان کی زندگی ختم ہوئی۔ یہی ان کی تباہی و بربادی کا سبب تھا لہذا جو بہت بڑے مجرم ہوں اور جو لوگ نیکی پر عمل نہ کریں اور برائی سے باز نہ آئیں وہ اسی طرح ہلاک ہوتے ہیں۔



وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

اور نہیں ہے تیرا رب کہ ہلاک کردے بستیوں کو بلاوجہ اور ان میں رہنے والے نیک ہوں۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

اور اگر چاہے تیرا رب ضرور کردے سب لوگوں کو امت ایک ہی اور ہمیشہ وہ اختلاف میں ہوں گے۔

(آیت نمبر ۱۱۷) اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں کہ وہ یوں ہی بستیاں تباہ و برباد کردے بغیر کسی جرم کے جبکہ اس میں رہنے والے نیک ہوں۔

مسئلہ :اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ اور تقدیس بیان ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم کرنے سے پاک ہے۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جو چاہے کرے وہ مالک ہے۔ بعض مفسرین نے ظلم کے معنی شرک کیا ہے۔ یعنی جس بستی میں مشرک بھی ہوں انہیں عذاب نہیں دیتا جب تک اس بستی میں نیک لوگ موجود ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض کفر وشرک کی وجہ سے کسی کو تباہ نہیں کیا۔ جب تک کہ مخلوق خدا کے ساتھ کسی نے تعدی اور ظلم نہیں کیا۔ جیسے صالح علیہ السلام کی قوم پر کفر وشرک کیوجہ سے عذاب نہیں آیا۔ جب تک کہ انہوں نے اونٹنی کے ساتھ ظلم وستم نہیں کیا تھا۔ یہی حال باقی قوموں کا ہے۔

نکتہ :معلوم ہوا کفر وشرک کے باوجود حکومت و ملک سلامت رہ سکتا ہے۔ لیکن ظلم وستم کے ساتھ قائم نہیں رہتا۔ کیونکہ مظلوم کی آہ کو عرش تک پہنچنے اور قبول ہونے میں دیر نہیں لگتی۔

حکایت:ایک شخص کے پاس قبر میں منکر نکیر نے آ کر کہا ہم تجھے سو کوڑے ماریں گے۔ اس نے ایک نیک کام بتایا تو انہوں نے دس کوڑے معاف کئے۔ پھر ایک نیکی بتائی تو دس اور معاف کئے حتی کہ ایک کوڑا باقی رہ گیا۔ وہ اسے جب مارا تو ساری قبر آگ سے بھر گئی۔ اس نے پوچھا کہ یہ کیوں مارا تو انہوں نے کہا ایک مظلوم نے تجھ سے مدد چاہی تھی اور تو نے اس کی کوئی مدد نہیں کی۔ اس گناہ کی وجہ سے تجھے کوڑا مارا گیا۔

(آیت نمبر ۱۱۸) اور اگر تیرا رب چاہے تو سب لوگوں کو ایک ہی امت بنادے۔ یعنی سب کو دین اسلام پر متحد کردے۔ یہاں تک کہ کوئی بھی ایک دوسرے سے اختلاف نہ کرے۔ جیسے قریب قیامت جب عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے۔ تو اس وقت سب لوگ دین اسلام پر متفق ہو جائیں گے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ منشاء الٰہی ہی ہوا کہ ان میں اختلاف رہے تا کہ اصل دین کو لوگ پہچانیں۔ اس میں اور بھی کئی حکمتیں ہیں۔

اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ

مگر جس پر رحم کرے تیرا رب اسی طرح بنایا انہیں اور پوری ہوئی بات تیرے رب کی کہ ضرور بھروں گا

جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ

جہنم جنوں اور انسانوں سب کو ملا کر۔ اور سب ہم بتاتے ہیں آپ کو

مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ

خبریں رسولوں کی جس سے مضبوط کریں ہم دل آپ کا۔ اور آ گئی آپ تک اس سورت میں حقیقت

وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

اور پند ونصیحت مسلمانوں کیلئے۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۱۸) آگے فرمایا کہ ہمیشہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتے رہیں گے۔ واضح دلائل کے باوجود لوگ اختلاف کرتے رہے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے (مسلم شریف)۔ لہذا مجھ سے فائدہ اٹھالو اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے گا۔ ان حواریوں کی طرح نہ ہو۔ جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے اختلاف کیا۔

(آیت نمبر ۱۱۹) مگر جس پر تیرا رب رحم فرمائے یعنی جو قوم اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حق پر چلے اور اس میں اختلاف نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت سے پیدا کیا جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت والوں کو اپنی رحمت سے اور اختلاف والوں کو اختلاف کیلئے پیدا کیا۔

آگے فرمایا کہ تیرے رب کی بات پوری ہو کر رہی یا فرشتوں کو بتا دیا کہ میں ضرور بھروں گا۔ جہنم کو جنوں اور انسان گناہ گاروں سے یعنی ان دونوں جماعتوں سے جہنم بھر جائے گی۔ ان دونوں گروہوں میں دین کے اندر اختلاف کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر ناشکری کرنے والے اور حقوق اللہ کو بھلا دینے والے جہنم کو بھرنے والے ہیں۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ احکام شرعیہ دونوں گروہ جن وانس پر لاگو ہوتے ہیں۔ لہذا جیسے انسانوں میں سے کفار جہنم میں جائیں گے۔ اسی طرح جنوں میں سے بھی کفار جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

(آیت نمبر ۱۲۰) ہم تمام رسولوں کے واقعات کی آپ کو خبر دیتے ہیں تا کہ ان کی خبروں سے آپ کا دل مضبوط کریں



وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ۙ ﴿۱۲۱﴾

اور فرمادو جو نہیں ایمان لاتے عمل کئے جاؤ اپنی جگہ تم بھی بے شک ہم بھی عمل کرتے ہیں ۔

وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

اورتم انتظار کرو ہم بھی دیکھتے ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر۱۲۰) اوراس سے آپ کے یقین میں اضافہ ہواور تا کہ آپ کو معلوم ہو کہ مجھ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ بھی قومیں ایسا ہی سلوک کرتی رہیں۔

نکتہ: یہ قاعدہ ہے کہ مصیبت زدہ جب کسی اور کو مصیبت میں دیکھتا ہے تو اس کا حزن وملال ہلکا ہو جاتا ہے۔

آگے فرمایا کہ آپ کے پاس آ گیا ہے حق یعنی اس سورۃ میں حق بات کو واضح کر دیا گیا ہے اور یہ نصیحت بھی ہے اور یاد گیری ہے مومنوں کیلئے۔ **فائدہ**: اگر چہ قرآن سب کیلئے نصیحت ہے مگر اس سے صحیح طور پر نفع ایمان والوں نے اٹھایا ہے۔ **فائدہ**: یہ کتاب (قرآن مجید) برحق ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں پند ونصیحت بھی ہے اور حقانیت میں اولیٰ بھی یہی ہے۔

(آیت نمبر۱۲۱) اے محبوب آپ فرمادیں ان لوگوں سے جو ایمان نہیں لاتے اور نہ اس سے کوئی پند ونصیحت حاصل کرتے ہیں کہ تم اپنے حال اور اپنے طریقے کے مطابق عمل کئے جاؤ۔ یعنی اگر تمہاری قسمت میں ایمان نہیں تو جو جو عمل کرر ہے ہو وہ کرو اور ہم بھی اپنے طریقے کے مطابق عمل کرتے ہیں اور جو ایمان بھی لائے اور وعظ ونصیحت بھی حاصل کرتے ہیں۔ **فائدہ** : تیار رکھو جو جو باتیں تمہیں شیطان بتاتا ہے کہ اہل ایمان مصائب میں پھنس جائیں گے بالآخر وہ ختم ہو جائیں گے یہ سب شیطانی خیالات ہیں۔ مسلمان بڑھتے ہی رہیں گے۔

(آیت نمبر۱۲۲) ان باتوں کی تم بھی انتظار کرو۔ اور جن باتوں کا اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے کہ کافروں پر عذاب نازل ہوگا اور وہ ذلیل وخوار ہونگے۔ ان باتوں کا ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔ یہ بات کفار کو تہدید کے طور پر کہی گئی اور علماء نے فرمایا ہے کہ یہ آیت جہاد والی آیت سے منسوخ ہے۔ **فائدہ**: دین اسلام اور طاعت وبندگی پر استقامت اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہی نصیب ہوتی ہے۔ اس میں دوسرا کچھ نہیں کرسکتا۔

فائدہ : اللہ تعالیٰ نے ہر شخص میں لطف بھی رکھا ہے اور قہر بھی رکھا ہے۔ جس کیلئے لطف کا دروازہ کھلے۔ اس کیلئے قہر کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور جس پر قہر کا دروازہ کھلے اس کیلئے لطف کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

وَلِلّٰهِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَیْهِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ

اور اللہ کیلئے غیب ہے آسمانوں اور زمین کا اور اس کی طرف لوٹیں گے کام سارے اسی کی بندگی کرو

وَتَوَكَّلْ عَلَیْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۱۲۳

اور بھروسہ بھی اسی پر کرو اور نہیں تیرا رب بے خبر اس سے جو تم کرتے ہو۔

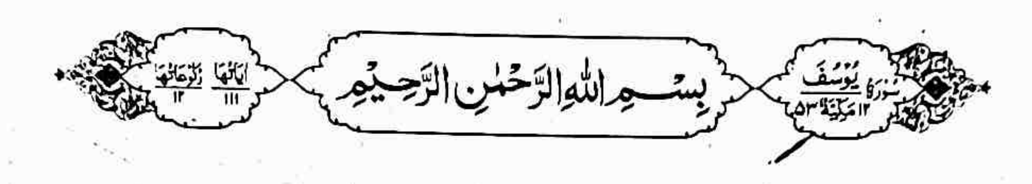
(آیت نمبر۱۲۳) اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے خاص زمینوں اور آسمانوں کے غیب یعنی زمین وآسمان میں جو چیز بھی غیب ہے اس کا علم اللہ کے پاس ہے۔ یعنی جو کچھ بندوں سے پوشیدہ ہے وہ سب اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ معلوم ہوا بندوں کے تمام اعمال اللہ تعالیٰ کے سامنے ہیں اور اسی کی طرف تمام کام لوٹیں گے۔ یعنی کفار کے تمام امور خواہ کتنے پوشیدہ ہوں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹیں گے۔ پھر ان کے مطابق ہی اللہ تعالیٰ کفار کیلئے سزا کا حکم دے گا۔

آگے فرمایا کہ اے محبوب اسی رب کی عبادت کریں اور توحید پر استقامت دکھائیں اور اسی ذات پر بھروسہ کریں یعنی اپنے تمام کام اسی کے سپرد کریں۔ وہی آپ کو کفار کے تمام شروں سے بچائے گا۔ آپ بلا خوف وخطر احکام ان تک پہنچائیں۔ آگے فرمایا کہ آپ کا رب بے خبر نہیں اس سے جو تم عمل کرتے ہو۔

علم غیب خاصہ خداوندی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام کو وحی کے ذریعے اور اولیاء عظام رحمہم اللہ کو الہام کے ذریعے کچھ علوم غیبیہ عطا فرماتا ہے۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ذاتی طور پر علم غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اور بواسطہ وحی انبیاء کو اور بواسطہ الہام اولیاء کو غیب کی وہ خبریں دیتا ہے۔ اس پر قرآن وحدیث سے بے شمار دلائل ہیں۔

سبق: بندگان خدا پر لازم ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اسی پر بھروسہ کریں۔ انسان کو کبھی مال ومتاع۔ جاہ وجلال یا عقل وفہم پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ سب کا خالق ومالک اللہ تعالیٰ ہے۔

حدیث شریف: کھیتی کے ہر درخت اور ہر پھل پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہوتا ہے۔ **حدیث شریف**: اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کا رزق اس کی پیدائش سے ہزار سال پہلے ہی زمین پر پھیلا دیا ہے۔ یعنی زمین کے جس حصے میں وہ ہوتا ہے۔ وہاں جا کر انسان اپنا مقدر کھالیتا ہے۔



الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ①

یہ آیتیں ہیں کتاب روشن کی۔

(آیت نمبر ۱) (۱) ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ سورۂ یوسف پڑھنے والوں پر سکرات موت میں آسانی ہوتی ہے۔ لہٰذا اپنے ماتحتوں کو یہ سکھاؤ۔ (۲) سورۂ یوسف کثرت سے پڑھنے والوں کو دنیا میں بھی عزت وسکون اور راحت نصیب ہوتی ہے۔ لہٰذا کثرت سے اس سورت کو گھروں میں پڑھنا چاہئے۔

شان نزول: حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ اولاد یعقوب علیہ السلام تو شام میں تھی۔ وہ شام سے مصر کیسے گئی تو اس بات کو واضح کرنے کیلئے سورۂ یوسف نازل ہوئی۔

الٓر: حروف مقطعات میں سے ہے۔ یہ چھپا ہوا اسرار ہے اور یہ متشابہات سے ہے۔ اس کی حقیقی مراد اللہ جانتا ہے۔ یا اللہ تعالیٰ جس کو اس سے واقف فرمادے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ معراج کی رات میں جب بارگاہ الٰہی میں پہنچا تو مجھ کچھ سوال ہوئے۔ جن کا میں جواب نہ دے سکا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنا بے کیف ہاتھ مبارک میرے کندے پر رکھا۔ جس سے میں نے سینے میں ٹھنڈک محسوس کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اولین وآخرین کا علم عطا فرمادیا۔ (مشکوٰۃ شریف)

فائدہ: اس سے معلوم ہوگیا کہ حضور ﷺ کے تمام علوم اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں۔

آگے فرمایا کہ یہ آیتیں ہیں کتب مبین کی۔ یعنی قرآن مجید کی یا کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے۔ اس لئے "تلك" اشارہ بعید کا لایا گیا یعنی وہ آیات جو لوح محفوظ میں کتاب مبین ہے۔ اس کی "المبین" اس لئے کہا گیا کہ سب کتابیں آسمانی اسی سے نکلیں۔ ما کان وما یکون سب اسی لوح محفوظ کے اندر ہیں۔

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۲﴾ نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ

بے شک ہم نے اتارا قرآن عربی میں تاکہ تم سمجھو۔ ہم بیان کرتے ہیں آپ پر

اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَآ اَوۡحَيۡنَآ اِلَيۡكَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ ‌ۖ وَاِنۡ كُنۡتَ

بہت اچھا واقعہ جو ہم نے وحی کی آپ کی طرف اس قرآن کی اور بے شک تھے آپ

مِنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الۡغٰفِلِيۡنَ ﴿۳﴾

اس سے پہلے بے خبر۔

(آیت نمبر۲) آگے فرمایا کہ بلاشک وشبہ ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل فرمایا جو کہ جنت والوں کی زبان ہے لوح محفوظ کی حقیقی زبان اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کیونکہ قرآن عربی زبان شروع ہونے سے بھی پہلے کا ہے۔ آگے عربی میں اتارنے کی علت یہ بیان کی تاکہ تم سمجھ جاؤ۔ اگر اس کے اسرار نہیں سمجھ سکتے تو معانی کو ہی سمجھ جاؤ۔ مقصودی چیز اس کے احکامات پر عمل ہے۔ اگر یہ عربی میں نازل نہ ہوتا تو پھر اس کا سمجھنا۔ تمہارے لئے مشکل ہوتا۔ عربی میں نازل کیا تاکہ اس کا مدعا سمجھا جائے۔ (۲) تاکہ لوگ بروز قیامت یہ عذر نہ کریں کہ یہ ہماری زبان میں نہ تھا۔ ہمیں سمجھ نہ آیا۔ لہٰذا عربی میں نازل فرما کر اس عذر کو بھی ختم فرما دیا۔

(آیت نمبر۳) ہم آپ پر اس قصے کو بیان کرتے ہیں جو کہ تمام واقعات سے اعلیٰ واقعہ ہے۔

فائدہ: محی السنۃ فرماتے ہیں کہ اس کو احسن القصص اس لئے کہا گیا کہ اس میں عبرتیں اور حکمتیں ہیں اور عجیب قسم کے نکات ہیں۔ مثلاً یوسف علیہ السلام غلامی سے شاہی تک کیسے پہنچے۔ عورتوں کے مکر وفریب۔ دشمن کی تکالیف پر صبر۔ پورے ملک کے لوگوں کے مال وجان قبضے میں کر کے انہیں واگذار کر دینا۔ (۲) چونکہ یوسف علیہ السلام خود صورۃً واخلاقاً حسین تھے۔ اس لئے ان کا قصہ بھی احسن ہے۔ (۳) بھائیوں کی جفا اور یوسف علیہ السلام کی بے مثال وفا۔ (۴) خوابوں کی تعبیر وغیرہ۔ جیسے بے شمار نکات اس میں موجود ہیں۔

علوم وکمالات یوسف علیہ السلام: یوں تو آپ بے شمار کمالات کے مالک تھے۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے موٹے موٹے چھبیس کمالات لکھے ہیں۔ جس میں شرف نبوۃ۔ حسن صورت اور علم رؤیا۔ ریاست سمبھالنا۔ قحط میں رعایا پروری وغیرہ۔

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ

جب کہا یوسف نے اپنے والد سے اے ابا جان بے شک میں نے دیکھے گیارہ ستارے اور سورج

وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ﴿۴﴾

اور چاند کو میں نے دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کرتے ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر۳) آگے فرمایا کہ ہم نے اس قرآن کو آپ کی طرف بطور وحی کے اتارا اگرچہ آپ اس سے پہلے اس طرف متوجہ نہ تھے۔ یا آپ کا خیال اس طرف نہیں تھا۔ اب ہم آپ کو بذریعہ وحی بتا رہے ہیں۔ **نکتہ**: آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ آپ اس قصہ سے لاعلم تھے۔ بلکہ فرمایا کہ غفلت میں یعنی ادھر آپ کی توجہ نہ تھی غفلت سے عام لوگوں کی سی غفلت مراد نہیں ہے۔ (جو نبی سو جائے تو بھی غافل نہیں ہوتا جاگتے ہوئے کیسے غافل ہو سکتا ہے) اس کی حقیقت کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اسی لئے کفار نے یہ عیب نہیں لگایا کہ حضور ﷺ غافل ہیں اس لئے کہ اہل عرب میں اس کے کئی معانی ہیں۔

(آیت نمبر۴) اے محبوب وہ وقت یاد کریں۔ جب جناب یوسف علیہ السلام نے اپنے باجان جناب یعقوب علیہ السلام کو بتایا۔ کہ میں نے خواب دیکھا ہے۔ جو بڑا ہی عجیب خواب ہے۔

یوسف علیہ السلام نے خواب دیکھا: اور والد گرامی کو سنایا کہ میں نے گیارہ ستارے اور ایک سورج اور چاند کو دیکھا اس حال میں کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک بارہ یا سترہ سال تھی اور یہ خواب شب جمعہ اور لیلۃ القدر والی رات کو آپ نے دیکھا اور فرمایا کہ میں اس وقت ایک پہاڑ پر تھا۔ جس کے ارد گرد نہریں تھیں اور یہ دیکھا کہ یہ سب آسمان کی طرف سے اتر کر زمین پر آئے اور میرے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔ (یہ سجدہ تعظیماً تھا)۔

مسئلہ: یہ سجدہ تحیۃ تھا۔ عبادت کا نہ تھا۔ تعظیمی سجدہ پہلی امتوں میں جائز تھا۔ لیکن اس امت میں وہ بھی حرام ہے۔ بعض پیر جو سجدہ کرواتے ہیں وہ شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ایسے پیر و مرید دونوں گناہ گار ہیں۔ **مسئلہ**: غیر اللہ کو سجدہ با وضو کرے یا بے وضو۔ دونوں طرح شرک ہو جاتا ہے۔ **فائدہ**: ستاروں سے مراد برادران یوسف اور چاند سے مراد والدہ ماجدہ اور سورج سے مراد والد ماجد ہیں۔ سجدے سے مراد یہ کہ وہ ان کے تابع ہوں گے۔ ماں باپ کا سجدہ محبت اور پیار کیلئے تھا۔ اور بھائیوں کا سجدہ اس لئے تھا کہ انہوں نے جو یوسف علیہ السلام سے زیادتیاں کیں۔ اس کی تلافی ہو جائے۔

قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ

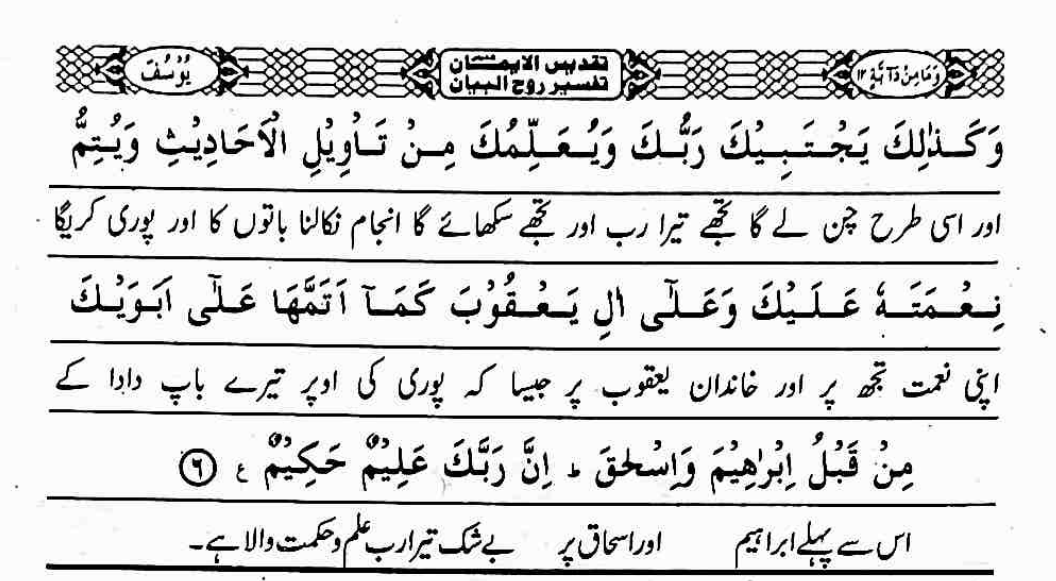
فرمایا اے بیٹا نہ بیان کرنا اپنا خواب اپنے بھائیوں سے ورنہ وہ چال کریں گے تیرے ساتھ مکر سے

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ⑤

بے شک شیطان انسان کا دشمن ہے کھلا۔

(آیت نمبر۵) تو جناب یعقوب علیہ السلام نے فرمایا اے میرے چھوٹے بیٹے اپنی خواب بھائیوں کو نہ بتانا چونکہ یعقوب علیہ السلام نے خواب سنتے ہی نگاہ نبوت سے جان لیا کہ یوسف ایک دن بلند مقام پر جانے والا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ علم وحکمت اور نبوت سے سرفراز فرمائے گا۔ ان کے کمالات ومراتب پر ان کے بھائی حسد کریں گے۔ لہذا ان کے شر سے بچانے کیلئے یہ وصیت فرمائی کہ بھائیوں کے سامنے یہ خواب بیان نہ کرنا۔ یوسف علیہ السلام کے دس بھائی علاتی تھے۔ جن کی مائیں الگ تھیں اور ایک بھائی بنیامین سگے تھے جن کی امی جان کا نام راحیل تھا تو ابا جان نے فرمایا کہ اگر تم نے بھائیوں کو بتایا تو ضرور وہ تیرے ساتھ کوئی مکروفریب کریں گے۔ جس کا تمہیں علم نہیں ہوگا۔

فائدہ :یعقوب علیہ السلام نے علم نبوت سے جان لیا تھا یا ان کے سابقہ رویے سے معلوم تھا کہ یوسف علیہ السلام کے ساتھ ان کے بھائی ان سے چکر مکر کریں گے۔ یوسف علیہ السلام نے پوچھا ہوگا کہ نبیوں کی اولاد ہو کر وہ شرارت کیسے کریں گے تو تو اس کے جواب میں فرمایا کہ بے شک یہ ہیں تو نبیوں کی اولاد۔ مگر شیطان کو جو انسان کے ساتھ کھلی دشمنی ہے۔ اس کے شرارت کرنے کے کئی طریقے ہیں۔ اس نے آدم وحوا کو پھسلا کر جنت سے نکلوا دیا تو تیرے بھائی اس کے شر سے کیسے بچ سکتے ہیں۔ اس لئے وہ اب پوری ایڑی چوٹی کا زور لگا کر تجھے اور تیرے بھائیوں کو اپنے شر کا ضرور نشانہ بنائے گا۔ اور وہ خبیث ہر طرح سے انہیں ورغلائے گا۔ وہ تیرے بھائیوں کو گمراہ کر کے تجھے نقصان پہنچانے پر انہیں ابھارے گا۔ بالآخر شیطان نے بھائیوں تک یہ خواب والی بات پہنچادی۔ لیکن اصل بات یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ **فائدہ** : یعقوب علیہ السلام چونکہ نبی ہیں اور نبی حقائق پر مبنی بات کرتا ہے اسی لئے کہ اس کے علوم من جانب اللہ ہوتے ہیں۔ جو بات یعقوب علیہ السلام کے دل میں کھٹکی بالآخر وہی ہوئی۔



وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ

اور اسی طرح چن لے گا تجھے تیرا رب اور تجھے سکھائے گا انجام نکالنا باتوں کا اور پوری کریگا

نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ

اپنی نعمت تجھ پر اور خاندان یعقوب پر جیسا کہ پوری کی اوپر تیرے باپ دادا کے

مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝٦

اس سے پہلے ابراہیم اور اسحاق پر بے شک تیرا رب علم وحکمت والا ہے۔

(آیت نمبر٦) فرمایا اے بیٹا اسی طرح تیرا رب تجھے چن لے گا۔ یعنی برگزیدہ بنائے گا۔ ایسا مرتبہ دے گا جو سب مراتب سے اعلیٰ ہوگا اور تجھے ایسی تعلیم سے نوازے گا۔ جس میں خوابوں کی تعبیر کا علم ہوگا جو تیری عظمت کو بڑھائے گا (اور اے بیٹا یوسف) اللہ تعالیٰ تجھ پر اپنی نعمت کو مکمل فرمائے گا۔ یعنی معلوم ہوتا ہے کہ تجھے شاہی بھی دے گا اور نبوت سے بھی سرفراز فرمائے گا۔ یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ نے آل یعقوب پر مکمل فرمائیں۔ سعدی مفتی فرماتے ہیں کہ یہ تو معلوم نہیں کہ یوسف علیہ السلام کے باقی بھائیوں کو نبوت ملی یا نہیں۔ لیکن آخر کار وہ لوگوں کیلئے ہدایت کا سبب ضرور بنے۔ جیسے انہوں نے میٹنگ میں کہا تھا۔ کہ یوسف کو مارنے کے بعد نیک ہو جائیں گے۔

آگے فرمایا کہ جیسے آپ کے باپ دادا نعمت نبوت ورسالت سے سرفراز فرمائے گئے۔ اسی طرح تجھے بھی سرفراز فرمائے گا۔ **فائدہ** : تاویل احادیث سے مراد یا تو خوابوں کی تعبیر ہے۔ یا ملک کے مسائل ہیں۔ تاویل کا معنی ہے۔ جس کی طرف بات پھرائی جائے۔ حدیث کا معنی لغت کے لحاظ سے نئی بات ہے اور عرف عام میں کلام کو حدیث کہا جاتا ہے حدیث کی جمع احادیث ہے۔ قرآن کو بھی حدیث کہا گیا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کو بھی حدیث کہا جاتا ہے۔ **فائدہ**: بعض مفسرین فرماتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام پر اتمام نعمت یہ کہ انہیں خلیل بنایا۔ نار نمرود کو ان کیلئے گلزار بنایا۔ اسماعیل علیہ السلام پر یہ کہ انہیں ذبح ہونے سے بچایا۔ اسحاق علیہ السلام پر یہ کہ انہیں یعقوب جیسا بیٹا دیا اور ہر نعمت نبوۃ ورسالت کا تتمہ ہوتی ہے۔ آگے فرمایا کہ بے شک آپ کا رب علم وحکمت والا ہے۔ یعنی وہ ہر کام کے انجام کو جانتا ہے اور ہر کام حکمت سے کرتا ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

لَقَدْ كَانَ فِىْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ⑦ اِذْ قَالُوْا

تحقیق ہے یوسف اور ان کے بھائیوں میں نشانیاں پوچھنے والوں کیلئے۔ جب بولے

لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا

ضرور یوسف اوراس کا بھائی زیادہ پیارے ہیں ہمارے باپ کوہم سے اور ہم ایک جماعت ہیں۔ بے شک ہمارے ابا

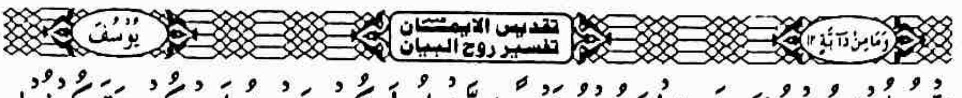
لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ ۚ ۖ ⑧

ضرور محبت میں ڈوبے ہیں صراحۃً۔

(آیت نمبر ۷) البتہ تحقیق یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے اس قصے میں بہت بڑی نشانیاں ہیں۔ جو قدرت خداوندی اوراس کی حکمتوں پر مشتمل ہیں۔ یہ واقعہ نشانی ہے ان کیلئے جواس کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ بنی اسرائیل مصر میں کیسے گئے اور یہ بھی کہ جسے بھائی ذلیل کرنا چاہتے تھے رب تعالیٰ انہیں نبوت وسلطنت دیکر بلند تخت پر بٹھانا چاہتا تھا۔ آخر کار بھائیوں کی تدبیر ناکام ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر کامیاب ہوئی۔

راز کھل گیا: جب جناب یوسف علیہ السلام نے اباجی کوخواب سنائی اور یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ بیٹا یہ خواب تو بہت عظیم الشان ہے لیکن بھائیوں کے سامنے اس کا ذکر نہ کرنا تواس وقت یوسف علیہ السلام کی ایک بھابی نے یہ بات سن لی۔ اوراس نے سب کو بتادیا۔ بھائی تو پہلے ہی یوسف علیہ السلام کے ساتھ ضد کرتے تھے۔ اب توان کے دل میں حسد کی آگ اور زیادہ بھڑک اٹھی اور آپس میں کہنے لگے کہ یوسف ہم سے اب سجدے کرواتا ہے۔ اب ہم اس کو والد سے ہر حال میں جدا کر کے چھوڑیں گے۔

(آیت نمبر ۸) یاد کریں جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپس میں کہا کہ یہ پکی بات ہے کہ یوسف علیہ السلام اوراس کا سگا بھائی بنیامین ہمارے والدگرامی کو ہماری نسبت بہت زیادہ پیارے ہیں۔ یہ دونوں ایک ماں جائے ہیں۔ اگر چہ جناب یوسف ہی جناب یعقوب علیہ السلام کو پیارے تھے۔ بنیامین سے پیار بھی یوسف علیہ السلام کی وجہ سے تھا۔ اسی لئے صرف بھائی کہہ دیا اوراس کا نام نہیں لیا گیا۔ بھائیوں کوجلن یہ تھی کہ اباجی صرف یوسف علیہ السلام سے پیار کرتے ہیں۔ ہمارے ساتھ نہیں کرتے۔ **فائدہ:** لہٰذا اب بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کے قتل کا پروگرام بنایا۔



اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا

قتل کرو یوسف کو یا پھینک آؤ کسی زمین میں تا کہ خالی تمہاری طرف توجہ ہو تمہارے باپ کی اور ہو جانا

مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝۹

اس کے بعد قوم نیک۔

(بقیہ آیت نمبر ۸) **جناب یعقوب کا امتحان:** جناب یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام سے جب خواب سنی تو سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس صاحبزادے میں آباواجداد کی جانشینی کی استعداد رکھی ہے۔ اس وجہ سے محبت میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا۔ ہمہ وقت سینے سے لگا رکھتے ایک لمحہ کیلئے بھی جدا کرنا گوارہ نہ کرتے تھے۔ بایں وجہ بھائیوں میں حسد کی آگ اور تیز ہو گئی اور کہنے لگے کہ ہمارے ابا جان یوسف سے اتنی محبت کرتے ہیں۔ جتنی ہم سے نہیں۔ حالانکہ ہم ایک پوری جماعت ہیں۔ کاروبار سارا ہم کرتے ہیں۔ دکھ تکالیف ہم اٹھاتے ہیں اور ابا جان پیار یوسف سے زیادہ کرتے ہیں۔ چاہئے تو یہ کہ وہ زیادہ پیار ہم سے کریں۔ بے شک ہمارے ابا جان اس محبت اور وارفتگی میں بہت آگے ہیں۔ **فائدہ:** اصل بات یہ ہے کہ بھائیوں کی نگاہ یوسف علیہ السلام کے صرف ظاہر پر پڑی تھی۔ کاش وہ ان کے باطنی کمال کو اس وقت نہ جان سکے۔ اور یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ایک دن اسی کے دروازے پر بھیک مانگنے جانا پڑے گا۔

فائدہ: حسد کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ پھر بے گناہ آدمی کے قتل کا پروگرام اس سے بھی بڑا جرم ہے۔

(آیت نمبر ۹) تیسیر میں ہے کہ بھائیوں کے مشورے میں شیطان بھی پریشان حال بن کر شریک ہوا اور کہنے لگا کہ یوسف بڑا ہو کر تمہیں اپنے ماتحت بنائے گا۔ بہتر یہ ہے۔ اسے قتل کر دو۔ سب نے اس بات کی تصدیق کی تو ان میں سے درمیانی عمر والے نے کہا تم صرف اپنے باپ کی توجہ اپنی طرف کرنا چاہتے ہو۔ اس کیلئے یوسف کو قتل کرنا ضروری نہیں۔ تم اس کو ملک بدر کر دو۔ وہاں مرکھپ جائے گا۔ یا درندے کھا جائیں گے۔ پھر والد گرامی کے سامنے تم ہی ہو گے اور وہ کلی طور پر تمہاری طرف متوجہ رہیں گے۔ یعنی پھر ان کی محبت تمہارے لئے ہی خاص ہو گی اور یہ اگرچہ جرم ہے۔ لیکن توبہ کر کے اللہ جل شانہ سے معاف کرا لیں گے اور نیک وکاروں میں ہو جائیں گے۔

شیطان کا جال: سب سے بڑا جال یہی ہے کہ وہ لوگوں کو اس قسم کی امیدیں دلا کر گناہ پر ابھار کر یہی کہتا ہے۔ خیر ہے بعد میں نیک بن جانا۔ آج گناہ کر کل توبہ کر لینا۔ **فائدہ:** بڑے لوگوں کو اس نے بڑے بڑے جرم کروائے لیکن پھر انہیں توبہ کی توفیق بھی نہ مل سکی۔ لہذا اس خبیث کی چالوں سے ہوشیار رہیں۔ اس لئے کہ بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں۔ کہ ان کی نحوست سے توبہ کی توفیق ہی نہیں ملتی۔

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَأَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ

بولا کہنے والا ان سے نہ قتل کرو یوسف کو اور ڈالو اسے اندھے کنوئیں میں

يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰﴾ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا

لے جائے گا کوئی چلنے والا اگر ہو تم کرنے والے۔ بولے اے ہمارے ابا

مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴿۱۱﴾

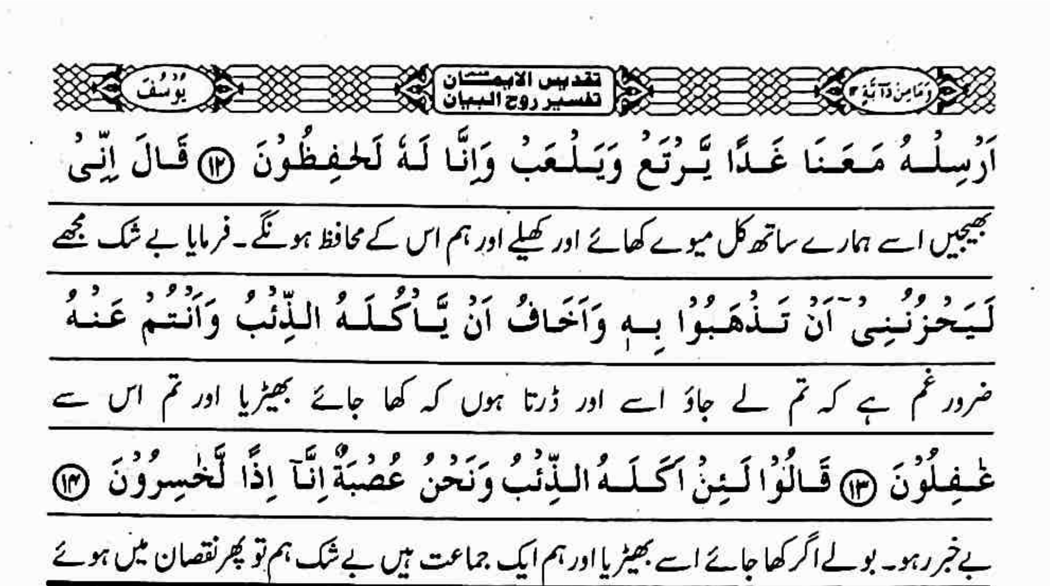
کیا ہے آپ کو کہ نہیں اعتبار کرتے ہمارا یوسف کے بارے میں بے شک ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں

(بقیہ آیت نمبر۹) **فائدہ**: بزرگ فرماتے ہیں سب سے بڑا بے وقوف مومن وہی ہے جو توبہ کرنے کیلئے گناہ کرتا ہے وہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی اس نیت سے زہر کھالے کہ گھر میں تریاق بھی پڑا ہے۔ لیکن اس بے وقوف کو کون بتائے۔ ہوسکتا تریاق ملنے سے پہلے زہر کھاتے ہی موت حملہ کردے۔ اور توبہ کا موقع ہی نہ مل سکے۔ ایسے خیالی سوچ پر عمل کام کرنے والے کو تو پاگل کہتے ہیں۔

(آیت نمبر۱۰) تو ان بھائیوں میں یہودا نامی ان کے بھائی نے تجویز دی کہ یوسف کو قتل وغیرہ نہ کرو۔ یہ جرم عظیم ہے۔ میں اس کا مخالف ہوں۔ کرنا ہے تو یوں کرو کہ یہاں سے قریب ایک گڑھا شکل کا کنواں ہے۔ یوسف کو اس میں گرادو تو کوئی قافلے والے راستے کے قریب کنواں دیکھ کر آئیں گے۔ اور اسے نکال کرلے جائیں گے اگر تم کرنا چاہتے ہو تو تم میرے اس مشورے پر ہی عمل کرو۔

فائدہ: سعدی مفتی فرماتے ہیں چونکہ یہودا کی بات بہ نسبت دوسروں کے زیادہ بہتر تھی اور اس سے ان کا مقصد بھی پورا ہو جاتا تھا کہ جو یوسف علیہ السلام کو نکالے گا۔ وہ ساتھ ہی لے جائے گا۔ تو والد صاحب سے دور بھی ہو جائے گا اور ان کی ناراضگی بھی نہ ہوگی۔ چنانچہ سب بھائیوں نے اس مشورے کو مان لیا کہ کنویں میں ڈالنے والا معاملہ ٹھیک ہے۔

(آیت نمبر۱۱) بات طے ہو جانے کے بعد والد گرامی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ ابا جان موسم بہار ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اپنے بھائی یوسف کو بھی اپنے ساتھ باہر لے جائیں۔ کھیلیں کودیں گے اور اپنے بھائی کو بھی تماشہ دکھائیں گے اور یہ خوش ہوگا تو جناب یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ اس ہجر و فراق سے میرا دل گھبراتا ہے۔ لہذا مجھے کسی مصیبت میں نہ پھنساؤ لیکن یوسف علیہ السلام نے بھی خواہش ظاہر کردی تو ابا جان شش و پنج میں پڑ گئے بھائیوں نے کہا ابا جی آپ یوسف کو ہمارے ساتھ بھیجنے میں کیا خطرہ محسوس کرتے ہیں۔ ہم جب اس کے محافظ ہیں۔



اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾ قَالَ اِنِّیْ

بھیجیں اسے ہمارے ساتھ کل میوے کھائے اور کھیلے اور ہم اس کے محافظ ہونگے۔ فرمایا بے شک مجھے

لَيَحْزُنُنِیْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ

ضرور غم ہے کہ تم لے جاؤ اسے اور ڈرتا ہوں کہ کھا جائے بھیڑیا اور تم اس سے

غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

بے خبر رہو۔ بولے اگر کھا جائے اسے بھیڑیا اور ہم ایک جماعت ہیں بے شک ہم تو پھر نقصان میں ہوئے

(بقیہ آیت نمبر۱۱) آپ کیوں نہیں ہم پر اعتماد کرتے۔ حالانکہ ہم تو اس کی بھلائی چاہتے ہیں۔ اس کے خیر خواہ ہیں۔

(آیت نمبر۱۲) اے ابا جان اب مہربانی کر کے کل اسے ہمارے ساتھ باہر جنگل میں جانے کیلئے بھیجیں اور یہ ہمارے ساتھ وہاں پھل فروٹ کھائیگا اور کھیل تماشے میں شریک ہوگا۔ دوڑے گا اور ہم اس کی ہر طرح سے حفاظت کریں گے کسی قسم کی اسے تکلیف نہیں ہونے دیں گے۔ ہم سب بھائی اس سے پوری پوری محبت وشفقت کرتے ہیں۔

(آیت نمبر۱۳) بھائیوں کی یقین دھانی کے بعد جناب یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ اصل میں مجھے جو بات غمزدہ کررہی ہے۔ وہ یہ ہے کہ تم تو اس کو میرے پاس سے لے جاؤ گے اگرچہ اس کی جدائی مجھے سخت ناگوار ہوگی۔ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لیکن تمہارے اصرار پر اجازت دیتا ہوں۔ مگر مجھے ڈر یہ ہے کہ اسے بھیڑیا کھا جائے گا۔ اس لئے کہ اس جنگل میں بھیڑیے بہت زیادہ ہیں اور تم اپنے کھیل تماشے میں لگ کر اس سے غافل ہو جاؤ گے۔

فائدہ: مروی ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ یوسف علیہ السلام جنگل میں کھڑے ہیں اور ان پر گیارہ بھیڑیوں نے حملہ کر دیا ہے۔ اسی اثناء میں وہ یعقوب علیہ السلام کی نظروں سے اوجھل ہو گئے ہیں۔ اس خواب کی وجہ سے آپ نے فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں انہیں کوئی بھیڑیا ہی نہ کھا جائے۔

فائدہ: اگرچہ اس کی تعبیر آپ جانتے تھے۔ مگر پیغمبر ہمیشہ تقدیر الٰہی کے آگے سر تسلیم خم ہوتا ہے۔ آپ نے تقدیر کے آگے سر جھکا دیا اور یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے ساتھ روانہ کر دیا۔

(آیت نمبر۱۴) تو برادران یوسف نے کہا کہ ابا جان ہم اتنے قوی ہیکل بہادروں کی جماعت کے ہوتے ہوئے یوسف کو بھیڑیا کھا جائے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک دس دس شیروں کا مقابلہ کرنے والا نوجوان ہے۔ ہمارے ہوتے ہوئے بھیڑیا کھا جائے۔ پھر تو ہم بہت بڑے خسارے والے ہوئے۔ یعنی ذلیل وخوار اور بالکل عاجز ہوئے۔

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْۤا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ

جب لے گئے اسے اور متفق ہوئے کہ ڈال دیں اسے اندھے کنویں میں

وَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾

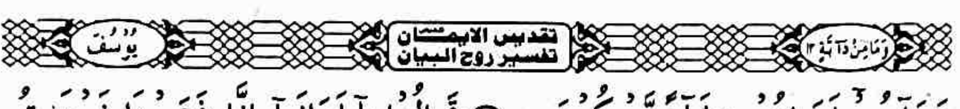
اور وحی کی ہم نے اسے کہ ضرور تو جتائے گا ان کا کام یہ اس حال میں کہ وہ نہ سمجھیں گے

فائدہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ مخالف کو ایسی بات نہ بتائی جائے جسے اختیار کرنے کا مخالف کو بہانہ مل جائے۔ جیسے یعقوب علیہ السلام کے ارشاد (کہ کہیں اسے بھیڑیا نہ کھا جائے) سے پہلے انہیں بھیڑیئے کا بہانہ معلوم نہیں تھا۔ مگر انہوں نے اسی بات کو بہانہ بنالیا۔ **حدیث شریف**: کبھی انسان اپنی کلام سے ہی مصیبت کا شکار ہو جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

سبق: عقل مند وہ ہے جو دنیا میں لڑکوں کی طرح لہو ولعب میں مشغول نہ ہو اور اس کی تمام فتنہ وفساد والی باتوں سے بچنے کی کوشش کرے اور خواہشات نفسانی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے اور ماسوی اللہ کو چھوڑنے کی کوشش کرے۔

(آیت نمبر ۱۵) برادران کے بار بار اصرار کرنے پر جناب یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی۔ گھر سے تو یوسف کو بڑی محبت اور عقیدت سے اٹھالیا۔ لیکن آگے لے جا کر انہیں زمین پر پٹخ دیا اور سخت ایذائیں اور تکلیفیں دیں۔ مروی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جاتے وقت نمرودیوں نے کپڑے اتار لئے تھے تو جبریل امین اسی وقت جنتی قمیص لے آئے اور انہیں پہنائی۔ وہ قمیص جناب یعقوب علیہ السلام نے تعویذ بنا کر گلے میں ڈال دی تھی۔ بھائی جب مارتے تو کبھی ایک کی منت کرتے وہ بھی آگے سے مارتا۔ پھر دوسرے کی منت سماجت کرتے۔ حتیٰ کہ قتل کرنے کیلئے گردن مروڑ دی تو اس وقت یہودا نے کہا۔ بھائیو تم نے جو وعدہ کیا تھا۔ اس سے تجاوز کر رہے ہو۔ یہاں تک کہ سب نے کنویں میں ڈالنے پر اتفاق کرلیا کہ کنعان میں ایک گہرا کنواں ہے۔ اس میں یوسف کو گرا دیا جائے۔ یہ کنواں یعقوب علیہ السلام کے گھر سے تقریباً نو میل کے فاصلے پر تھا۔ یہ اردن میں ہے۔ جسے شداد نے کھدوایا تھا۔ جو ستر گز یا اس سے کچھ زائد گہرا تھا۔

یوسف علیہ السلام کنویں میں: بھائیوں نے ہاتھ پاؤں باندھ کر اور قمیص اتار کر کنویں میں پھینک دیا۔ قمیص اس لئے اتاری کہ اس کے ساتھ خون لگا کر اباجی کو دکھائیں گے کہ یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ یہ یوسف علیہ السلام کی قمیص ہے۔ اس پر یوسف علیہ السلام کا خون لگا ہوا ہے۔ (یہاں سے جناب یعقوب اور یوسف علیہما السلام کا امتحان شروع ہو گیا)۔



وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ؕ ⑯ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ

اور آئے اپنے باپ کے پاس رات کو روتے ہوئے۔ بولے اے ہمارے باپ ہم نکل گئے آگے

وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا

اور چھوڑا ہم نے یوسف کو پاس اپنے سامان کے تو کھا گیا اسے بھیڑیا۔ اور نہیں آپ یقین کرنے والے ہم پر

وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ⑰

اگر چہ ہوں ہم سچے۔

جبرائیل علیہ السلام کی رفتار کا عالم یہ ہے کہ جب بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو گرادیا تو اس وقت جبریل امین علیہ السلام سدرہ پر تھے اور یوسف علیہ السلام کے تہہ تک پہنچنے سے پہلے نیچے جا کر یوسف علیہ السلام کو سنبھالا دیا اور آرام سے ایک پتھر پر بٹھادیا اور قمیص جو گلے میں تعویذ بنا کر ڈالی گئی۔ وہ انہیں پہنادی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کنویں کی تہہ میں ہم نے یوسف علیہ السلام کو وحی کی۔

وحی کیلئے چالیس سال کی عمر شرط نہیں: کئی انبیاء علیہم السلام کو بچپن میں وحی شروع ہوگئی جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہوتے ہی وحی کا آغاز ہوگیا تو فرمان الٰہی ہوا کہ اے یوسف گھبرائیں نہیں۔ آپ کو اس مصیبت سے نکالوں گا اور ان کنویں میں پھینکنے والوں کو تیرے دروازے پر بھکاری بنا کر لاؤں گا اور آپ انہیں اس واقعہ کو یاد دلاؤ گے جبکہ یہ اس سے ناسمجھ ہوں گے۔ اس لئے کہ آپ اس وقت بادشاہ ہوں گے اور یہ گداگر ہونگے ان کے تو وہم وگمان میں بھی نہ ہوگا کہ تم بادشاہ بنو گے۔

(آیت نمبر ۱۶) برادران یوسف بھائی کو گرانے کے بعد عشاء کے وقت روتے ہوئے اپنے ابا جان کے پاس آئے۔ یعقوب علیہ السلام نے دور سے ہی ان کا رونا دھونا سن لیا تو گھبرا کر باہر نکلے اور پوچھا۔ تمہارے رونے کی کیا وجہ ہے کیوں روتے ہو۔ بکریوں کو تو کچھ نہیں ہوا کہنے لگے اس سے بڑا نقصان ہوا ہے۔ پوچھا وہ کیا اور یہ بتاؤ میرا یوسف کہاں ہے تو وہ کہنے لگے۔

(آیت نمبر ۱۷) اے ہمارے ابا جان ہم کھیل کود میں اور تیر اندازی کرتے ہوئے بہت دور نکل گئے اور یوسف کو اپنے ساز وسامان کے پاس بٹھایا تھا تاکہ وہ ہمارے سامان کی حفاظت کرے۔ چونکہ وہ اکیلا تھا۔ بھیڑیا آیا اور اسے کھا گیا۔ ہم جب واپس آئے تو بھیڑیا انہیں اٹھا کر لے جا چکا تھا۔ ہمیں اس کا پیچھا کرنے کا موقع ہی نہ ملا اور ظاہر ہے آپ ہماری بات نہیں مانیں گے خواہ ہم سچے ہی ہوں۔

وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ

اور لائے اوپر اس کی قمیص کے خون جھوٹا فرمایا بلکہ بنالی تمہارے نفسوں نے

اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾

بات تو صبر ہی اچھا ہے اور اللہ سے مدد چاہتا ہوں اس پر جو تم کہتے ہو۔

(آیت نمبر۱۸) اور وہ قمیص کے ساتھ جھوٹا موٹا خون بھی لا کر لے آئے (کہ یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا کھا گیا)۔ **فائدہ**: مروی ہے کہ بھائیوں نے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا اور اس کا گوشت قمیص کو لگا کر لے آئے۔ لیکن انہیں قمیص پھاڑنا یاد نہ رہا۔ (دروغ گورا حافظہ نہ باشد) اور انہوں نے خون آلود قمیص ابا جی کو دکھائی تو قمیص صحیح سلامت تھی۔ آپ نے فرمایا بھیڑیا بڑا سمجھدار (پڑھا لکھا) ہوگا کہ پورا یوسف کھا گیا۔ مگر قمیص کو کچھ نہ ہوا۔ شاید بھیڑیئے نے قمیص پہلے اتار کر تمہیں دیدی۔ پھر قمیص تو جناب یوسف کی ہی تھی۔ اسے چوما آنکھوں سے لگایا اور خوب روئے یہاں تک کہ خون آپ کے چہرہ مبارک پر بھی لگ گیا اور آپ نے فرمایا۔ یوسف کو بھیڑیئے نے نہیں کھایا بلکہ یہ تمہارے دلوں نے تمہارے لئے بات گھڑ لی ہے۔ اب صبر ہی بہتر ہے۔

فائدہ: جناب یعقوب علیہ السلام سمجھ گئے کہ انہوں نے یوسف علیہ السلام کے ساتھ مکروفریب کیا ہے۔ (۱) اس لئے بھی کہ وہ پہلے ہی یوسف کے ساتھ حسد کرتے تھے۔ (۲) اور اس لئے بھی کہ قمیص صحیح سلامت ہے جو بتارہی ہے کہ یوسف علیہ السلام کو جنگل کے بھیڑیوں نے نہیں۔ بلکہ ان انسانی بھیڑیوں نے مارا ہے۔ اب صبر ہی اچھا ہے۔

فائدہ: علامہ حقی فرماتے ہیں جس بات کا ذکر مخلوق سے نہ کیا جائے اسے صبر جمیل کہتے ہیں اور اب اللہ تعالیٰ سے ہی مدد مطلوب ہے۔ ان باتوں پر جو یوسف کے متعلق تم کہہ رہے ہو۔

فائدہ: معلوم ہوا یعقوب علیہ السلام برادران یوسف کے جھوٹ کو بھی جانتے تھے اور جناب یوسف کے زندہ اور سلامت ہونے کو بھی جانتے تھے کیونکہ یعقوب علیہ السلام نے کئی مواقع میں فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم سے قیامت کے دن آزمائش پر صابرین کو بہت بڑے انعامات سے نوازا جائیگا۔ بڑے بڑے مصائب پر صبر کرنا یہ انبیاء کرام علیہم السلام کا ہی خاصہ ہے یا جسے اللہ تعالیٰ یہ ہمت عطا فرمائے۔

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا

اور آیا ایک قافلہ تو بھیجا انہوں نے پانی لانے والا پس ڈالا اس نے اپنا ڈول کہا خوشخبری ہو اس

غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾

لڑکے کی۔ اور چھپا لیا اسے پونجی بنا کر۔ اور اللہ جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں ۔

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ؑ ﴿۲۰﴾

اور بھائیوں نے بیچا اسے قیمت کھوٹے درہم گنے ہوئے سے اور تھے اس میں بے رغبت ۔

(آیت نمبر۱۹) ایک قافلہ مدین سے مصر جارہا تھا۔ یوسف علیہ السلام کو کنویں میں تین دن گذر گئے چوتھے دن ایک قافلے والے راستہ بھول کر اس کنویں کے قریب سے گذرے تو انہوں نے ایک شخص کو پانی لینے کنویں پر بھیجا۔ جس کا نام مالک بن وعد خزاعی تھا۔ اس نے کنویں میں ڈول ڈالا تو یوسف علیہ السلام ڈول میں بیٹھ گئے۔ جب ڈول باہر آیا تو پانی نکالنے والا یوسف علیہ السلام کے خدادادحسن کو دیکھ کر حیران رہ گیا اور پکارا۔ اے قافلے والو۔ خوش خبری ہے یعنی خوش ہو جاؤ ایک عظیم نعمت کنویں سے ملی ہے۔ یہ ایک لڑکا ہے اسے چھپالو یہ تجارت کے مال کیلئے بہت اعلیٰ پونجی مل گئی۔ یعنی اس کو بیچ کر بہت پیسہ کمائیں گے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے جو جو وہ کہہ یا کر رہے تھے۔

(آیت نمبر۲۰) اور خرید لیا انہوں نے یوسف علیہ السلام کو کھوٹے پیسوں سے جو گنتی کے چند درہم تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ تقریباً بیس کھوٹے درہم تھے یا اس سے بھی کم۔ بیچنے والے بھائی تھے جو کنویں سے نکلتے وقت دور سے دیکھ رہے تھے۔ فوراً دوڑتے آئے اور انہوں نے قافلے والوں سے کہا۔ یہ ہمارا بھاگا ہوا غلام ہے۔ اس کی رقم دو اور تم لے جاؤ انہوں نے کہا۔ ہمارے پاس تو یہی کھوٹے چند سکے ہیں۔ انہوں نے وہی لے لئے تاکہ یوسف پکا غلام بن جائے پھر آگے بکتے بکاتے چلے جائیں گے۔ واپس نہ آسکے گا۔ لہذا ان کا مقصد پیسے کمانا نہیں تھا۔ اس لئے فرمایا۔ انہیں یوسف کے بیچنے میں کوئی رغبت نہ تھی۔

ع کھوٹے درھموں ویچ دتانے اوہ بھی زور دھکانے
جہان یوسف کھوہ وچ سٹیا اوہ قدراں کی جانے
جیکر مُل یعقوب کریندے لین زلیخی آندی
جان دیندی اک دید دے بدلے اوہبی قبول نہ پیندی

وَقَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤی

اور کہا جس نے خریدا اسے مصر میں اپنی بیوی سے باعزت ٹھکانہ دے اسے شاید

اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ؗ

اس سے ہمیں نفع ہو یا ہم بنالیں اولاد۔ اس طرح ٹھہرایا ہم نے یوسف کو مصر میں

وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤی اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ

تاکہ ہم سکھائیں اسے انجام باتوں کا۔ اور اللہ غالب ہے اوپر اپنے کام کے لیکن

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾

اکثر لوگ نہیں جانتے۔

(آیت نمبر ۲۱) جس نے خریدا یوسف کو مصر میں اس نے اپنی بیوی سے کہا۔

فائدہ: خریدنے والا عزیز مصر بادشاہ کا وزیر اعظم تھا۔ جو مصر کے تمام خزانوں کا نگران تھا۔ عزیز اس کا لقب تھا۔ چونکہ اسے پورے مصر پر غلبہ حاصل تھا۔ **فائدہ**: کنویں سے نکالنے والوں نے مصر میں آ کر یوسف علیہ السلام کو بیچا اور عزیز مصر نے انتہائی مہنگی رقم سے خرید لیا۔ یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کو دیکھ کر مصری لوگ فریفتہ ہو گئے اور سب سے زیادہ عزیز مصر دیکھ کر متاثر ہوا۔ بولی بڑھتی بڑھتی یہاں تک پہنچی کہ یوسف کو ایک دفعہ سونے کے ساتھ پھر ایک دفعہ چاندی کے ساتھ پھر ایک دفعہ مشک سے اور ایک دفعہ ریشم خالص سے تولا جائے گا۔ اب اتنی بھاری رقم سوائے عزیز مصر کے کوئی بھی ادا نہیں کر سکتا تھا تو اس نے خرید لیا۔ **حکایت**: یوسف علیہ السلام کے خریداروں میں بوڑھی عورت سوت کے دھاگہ کی اٹی بھی لیکر آئی اور کہا یوسف علیہ السلام کو خرید نہ سکی تو کم از کم یوسف کے خریداروں میں نام تو آ جائے گا۔ تو عزیز مصر خرید کر گھر لے آیا اور اپنی بیوی سے کہا۔ بیوی کا نام راعیل اور اس کا لقب زلیخا تھا۔ اسے کہا کہ جیسے یوسف حسین ہے۔ اسی طرح اس کی رہائش بھی اعلیٰ اور اس کا خورد و نوش بھی اعلیٰ ہو۔ ممکن ہے کہ ہماری ضروریات میں نفع مند ہو۔ یا ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انتہائی سمجھ دار انسان تھا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس طریقے سے ہم نے یوسف علیہ السلام کو مصر کی زمین میں ٹھکانہ دیا کہ عزیز مصر کے دل میں یوسف علیہ السلام کی عزت و احترام ڈالا اور مصر میں یوسف علیہ السلام کو معزز بنا دیا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًاؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۲۲﴾

اور جب پہنچ گئے اپنی قوت کو ہم نے دی اسے حکمت اور علم اور اسی طرح ہم صلہ دیتے ہیں نیکوں کو

(بقیہ آیت نمبر۲۱) آگے فرمایا کہ ہم نے یوسف کو خوابوں کی تعبیر سکھائی۔اسی کے ذریعے وہ مصر کے بادشاہ بننے والے تھے۔ابواللیث نے تاویل الاحادیث کا یہی معنیٰ کیا ہے۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمام معاملات یعنی سب کچھ کر سکنے پر غالب ہے کہ اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا وہ جو کرنا چاہتا ہے۔لفظ کن کہتے ہی وہ کام ہو جاتا ہے۔لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔

حدیث قدسی :اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے بندے ایک تیرا ارادہ ہے اور ایک میرا ارادہ ہے۔اگر تو اپنا ارادہ میرے ارادے پر قربان کر دے تو میں ویسے کروں گا جیسے تو چاہے گا۔اگر تو مخالفت کرے گا تو ہوگا وہی جو میں چاہوں گا۔جتنا مرضی ہے تو زور لگا لے اس سے کچھ نہیں ہوگا۔(نوادر الاصول،حکیم ترمذی)

سبق :انسان پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے جھکا رہے۔اللہ تعالیٰ کے حکم میں اپنی رائے نہ دے۔**حدیث شریف**:حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ افضل کیا چیز ہے تو آپ نے فرمایا علم۔انہوں نے پھر کہا کہ کس عمل سے مراتب بڑھتے ہیں۔فرمایا علم سے انہوں نے کہا۔ہم عمل کے بارے میں پوچھتے ہیں۔آپ علم کا جواب دیتے ہیں تو فرمایا۔عمل وہی فائدہ مند ہے جو علم کے ساتھ ہو(احیاء العلوم)۔جہالت کے ساتھ کی جانے والی عبادت غیر مفید ہے۔پرانے مشائخ اور اولیاء کی توجہ باطن اور قلوب کی صفائی کی طرف ہوتی تھی اور آج کل کے مشائخ ظاہری بناؤ سنگار کی طرف توجہ زیادہ رکھتے ہیں۔الا ماشاءاللہ۔

(آیت نمبر۲۲) اور جب یوسف علیہ السلام جوانی کو پہنچے۔

فائدہ :بعض مفسرین فرماتے ہیں۔اس سے انسان کی زندگی کا وہ وقت مراد ہے جس میں وہ پوری طرح قوت شدت اور عقل و تمیز کی انتہاء کو پہنچ جائے۔یہ تقریباً تیس اور چالیس سال کے درمیان کا وقت ہے۔

انسانی عمر کے چار دور:

۱۔ **نشوونما کا دور**:اس کی انتہاء تیس سال تک ہے۔

۲۔ **شباب** : اس کی انتہاء چالیس سال ہے۔

۳۔ **کہولت** : اس کی انتہاء ساٹھ سال ہے۔

۴۔ **شیخوخت** : اس کی انتہاء ایک سو بیس سال تک ہے۔

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ

اور ورگلایا اس نے جس کے وہ گھر میں تھے اس کے نفس سے اور بند کئے سب دروازے اور کہا

هَیْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ اِنَّهٗ

آ و تمہیں کہتی ہوں۔ فرمایا پناہ خدا بے شک اس پرورش کرنے والے نے اچھا ٹھکانہ دیا۔ بے شک

لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

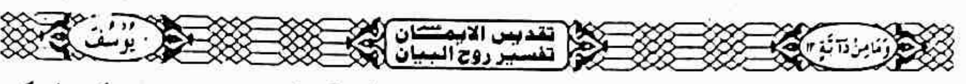
نہیں کامیاب ہوتے ظالم۔

(بقیہ آیت نمبر۲۲) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم نے یوسف کو علم وحکمت سے نوازا۔ یعنی حکمت عملیہ اور حکمت نظریہ عطا فرمائی۔ **فائدہ**: جب اللہ تعالیٰ کسی کو حکمت سے نوازے تو اس کیلئے خیر کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

فائدہ: ریاضات ومجاہدات کرنے والے حکمت عملیہ سے حکمت نظریہ کی طرف ترقی کرتے ہیں۔ اس میں جب وہ بلاؤں اور مصیبتوں پر محنتوں اور مشقتوں پر صبر کرتے ہیں تو پھر ان پر مکاشفات کے دروازے کھلتے ہیں۔ آگے فرمایا کہ اسی طرح ہم احسان والوں کو جزا دیتے ہیں۔ (یعنی جن کے عمل میں اخلاص ہو)۔ تو اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو علم وحکمت سے اس لئے نوازا کہ وہ اپنے عمل میں مخلص تھے اور عین جوانی میں انتہائی متقی تھے۔ اس لئے احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے۔

(آیت نمبر۲۳) اور دھوکہ دیکر بہکایا اس نے جس کے گھر میں وہ رہتے تھے۔ یعنی زلیخا نے جناب یوسف علیہ السلام کو بہکایا اور گناہ پر آمادہ کیا۔ اس کے باوجود کہ وہ پری پیکر اپنے حسن وجمال میں ثانی نہیں رکھتی تھی۔ لیکن یوسف علیہ السلام بھی حسن وجمال کے باوجود ایسے متقی اور پرہیزگار تھے وہ بھی تقوے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔

یوسف علیہ السلام کا تقویٰ اور عبادت: آپ نے رات دن کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک حصہ میں صرف عبادت کرتے تھے۔ زلیخا ایک عرصہ تک انہیں برائی کی طرف آمادہ کرتی رہی اور خواہش نفسانی کا اظہار کرتی رہی۔ لیکن آپ اس سے جان بچا کر باغ میں چلے جاتے اور عبادت میں مشغول ہو جاتے۔ زلیخا نے اپنے رازدار دوست سے کہا کہ میں اس نوجوان کے عشق میں مرتی جا رہی ہوں۔ اور سارے جتن کئے مگر یہ قابو نہیں آتا۔ چونکہ وہ ظاہری حسن وجمال کو دیکھتی تھی۔ ان کے باطنی حسن وجمال سے وہ سب بے خبر تھے۔ اسے کیا خبر کہ یہ نبیوں کی اولاد سے ہے۔



وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ

اور تحقیق عورت نے ارادہ کیا اس کا اور ارادہ کرتے اس کا اگر نہ دیکھتے دلیل اپنے رب کی۔ اسی طرح

لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾

پھیر لی اس سے برائی اور بے حیائی بے شک وہ ہمارے بندوں میں چنے ہوئے ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۳) تو اس ساتھی کے کہنے پر اس نے بڑا خوبصورت مکان بنایا۔ جس میں آگے سے آگے سات کمرے تھے اور اس کا نام بیت السرور رکھا اور اس میں یوسف علیہ السلام کو بلایا اور ہر کمرے میں بناؤ سنگھار کی کوئی کمی نہ چھوڑی۔ ہر کمرے میں لے جا کر خواہش کا اظہار کیا۔ مگر آپ فرماتے معاذ اللہ تمام دروازوں کو تالے لگا کر بند کر دیا اور کہا ادھر آئیں۔ یعنی میری خواہش پوری کریں آپ نے فرمایا اے زلیخا تو جس گناہ والے کام کی طرف بلاتی ہے۔ اس سے میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اور فرمایا کہ یہ کتنی بڑے خیانت ہے کہ جس میرے سردار نے اتنی قیمت میرے لئے ادا کی اور میرے رہنے اور کھانے کا انتظام کیا اور ہر وقت میرا خیال رکھا۔ میں اسی کے گھر میں خیانت کروں یہ مروّت کے خلاف ہے اور یہ پکی بات ہے کہ ظالم کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ **فائدہ:** اس سے معلوم ہوا کہ محسن کے ساتھ احسان فراموشی ظلم ہے۔ اور ظالم دونوں جہانوں میں ناکام ہے۔ معلوم ہوا کسی کے احسان کو پہچاننا ہی مردانگی ہے۔

(آیت نمبر ۲۴) زلیخا نے جماع کا پختہ ارادہ کر لیا کیونکہ وہ سمجھتی تھی کہ اب یوسف پوری طرح میرے قابو میں ہے۔

آگے فرمایا کہ یوسف بھی بشری تقاضے کے مطابق ارادہ کرتے۔ لیکن انبیاء کرام علیہم السلام جس طرح ظاہری بے حیائی سے پاک اور معصوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح قصد اختیاری سے بھی معصوم ہوتے ہیں۔ لہٰذا یوسف علیہ السلام نے اس بشری تقاضے کو بھی قریب نہ آنے دیا۔ اس لئے کہ آپ نے اپنے رب کی طرف سے زنا کی برائی پر برھان دیکھ لی اور بچ گئے۔ اگرچہ میل طبعی بھی آپ کی اس طرف نہ تھی۔ جب برھان دیکھ لی تو طبعی میلان بھی نابود ہو گیا۔

فائدہ: برھان کے متعلق بہت ساری رائیں ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ آپ نے کشف سے دیکھا کہ آپ کے ابا حضور اس کام سے منع فرما رہے ہیں۔ آگے فرمایا کہ اس طریقے سے ہم نے یوسف کو برائی سے بچا لیا۔ یہ یوسف علیہ السلام کے معصوم ہونے پر محکم اور واضح دلیل ہے۔ گویا نص ہے اس لحاظ سے کہ یوسف علیہ السلام نے زلیخا کی طرف جانے کا ارادہ بھی نہیں کیا۔

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّ اَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ط

اور دونوں دوڑے دروازے کی طرف اور چیر دیا اس کی قمیص کو پیچھے سے اور پایا اپنے مالک کو قریب دروازے کے۔

قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٢٥﴾

بولی کیا سزا اس کی جو چاہے تیری گھر والی کی برائی مگر یہ کہ وہ قید کیا جائے یا مار دردناک۔

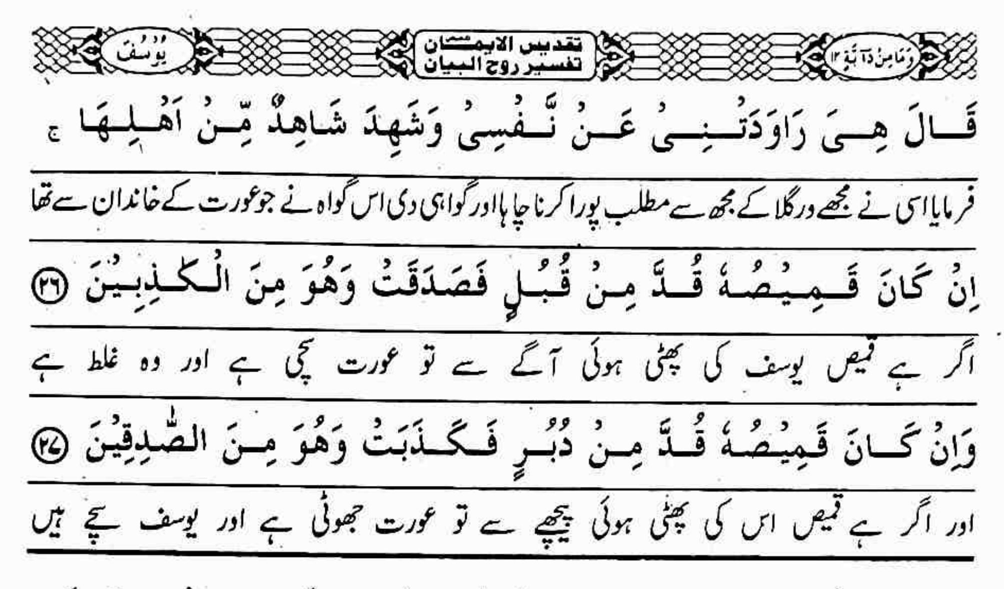
(بقیہ آیت نمبر۲۴) آگے فرمایا کہ بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں سے ہیں۔ یعنی یوسف علیہ السلام بالکل خالص اور پاک ہے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے برائی سے بچالیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یوسف علیہ السلام کی برات اوران کی مدح وثناء بیان فرمائی کہ واقعی وہ محسنین اور مخلصین میں سے ہیں۔

(آیت نمبر۲۵) اور یوسف علیہ السلام دروازے کی طرف دوڑے۔

فائدہ: یعنی زلیخا کی گرفت سے بچ کر بھاگے اوراس کے اس کمرۂ خاص سے دروازے کی طرف لپکے اور ساتھ ہی زلیخا بھی یوسف علیہ السلام کو پکڑنے کیلئے دوڑی کہ یوسف علیہ السلام کو پکڑ کر زبردستی برائی کرائے۔ یہاں تک کہ یوسف علیہ السلام کی قمیص کو پکڑ لیا لیکن یوسف علیہ السلام کی تیز دوڑ کی وجہ سے قمیص پھٹ گئی۔

معجزہ: کعب فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام جس دروازے کے پاس پہنچتے تو اس کا تالہ بھی کھل جاتا اور درووازہ بھی کھل جاتا تو ساتوں دروازوں کو عبور کر کے باہر آ گئے اتفاق سے جب آپ باہر پہنچے تو دروازہ پر عزیز مصر کو موجود پایا۔ اتنے میں زلیخا بھی باہر پہنچ گئی چونکہ زلیخا خاوند کو سیّدی کہتی تھی۔ اس لئے سَيِّدَهَا کہا۔ سیدھما نہیں کہا تو اس وقت یہ باہر جارہے تھے اور عزیز مصر اندر داخل ہو رہا تھا۔ یوسف علیہ السلام کو سائیڈ پر کر کے زلیخا آگے ہوئی اور خاوند سے کہنے لگی۔ کیا سزا ہے اس کی جو تیری گھر والی سے برائی کا ارادہ کرے۔ یعنی اپنے آپ کو وہ بری ظاہر کر رہی تھی۔ اور یوسف علیہ السلام کیلئے خود ہی سزا تجویز کی۔ کہ یا تو اسے قید کیا جائے یا اسے دردناک سزا مثلاً کوڑوں وغیرہ کی یا اس سے بھی زیادہ سخت سزا دی جائے کہ جس سے یہ سخت درد محسوس کرے۔

فائدہ: عزیز مصر نے کہا وہ کون ہے۔ جس نے میری اہلیہ کے ساتھ زنا کا ارادہ کیا ہے۔ تو کہنے لگی کہ میں سو رہی تھی اور اس عبرانی غلام (یوسف علیہ السلام) نے میرا پردہ ہٹا کر مجھ سے زنا کرنا چاہا۔ عزیز مصر نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا اور کہا تو نے مجھے میری نیکی کا یہی صلہ دیا ہے۔ جبکہ میں نے تیری ساتھ اتنی نیکی کی۔ پرورش کی۔ تو نے مجھے پوری دنیا کے سامنے رسوا کر دیا۔



قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَّفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ج

فرمایا اسی نے مجھے ورگلا کے مجھ سے مطلب پورا کرنا چاہا اور گواہی دی اس گواہ نے جو عورت کے خاندان سے تھا

اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾

اگر ہے قمیص یوسف کی پھٹی ہوئی آگے سے تو عورت سچی ہے اور وہ غلط ہے

وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾

اور اگر ہے قمیص اس کی پھٹی ہوئی پیچھے سے تو عورت جھوٹی ہے اور یوسف سچے ہیں

(آیت نمبر ۲۶) تو اس وقت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اس زلیخا نے ہی مجھے ورغلایا اور مجھے زنا پر آمادہ کیا۔ میں تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن اس زلیخی نے مجھے سات کوٹھڑیوں میں لے جا کر گناہ پر آمادہ کیا۔

معجزہ : عجیب مسئلہ بن گیا۔ یوسف علیہ السلام فرماتے زلیخا کی غلطی ہے اور زلیخا آہ وفغاں اور چیخ و پکار کر کے اپنی برأت ظاہر کر رہی تھی۔ یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کر دیا کہ یا اللہ میری برأت ظاہر فرما تو اتنے میں زلیخا کے ماموں کا لڑکا بول پڑا اور عزیز مصر کے آگے آکر کھڑا ہو گیا تو فرمان خداوندی ہوا کہ زلیخا کے خاندان سے ہی ایک لڑکے نے گواہی دی۔ **فائدہ**: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ گواہی دینے والا۔ شیر خوار بچہ تھا جو کہ زلیخا کے ماموں کا بیٹا تھا یا اس کی خالہ کا بیٹا تھا۔ **فائدہ**: الارشاد میں ہے کہ زلیخا کے گھر سے ایک چھوٹے بچے کی گواہی اس لئے دلائی تا کہ کسی کو جادو کا شک نہ ہو۔ ورنہ یوسف کی برات ظاہر کرنے کے کئی طریقے تھے۔

بچپن میں بولنے والے عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اور بھی بہت ہیں۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء نے سولہ (۱۶) بچے لکھے ہیں۔ جنہوں نے اس عمر میں کلام کی۔ ان کی تفصیل فیوض الرحمٰن میں دیکھ لیں۔ بہر حال اس شیر خوار بچے نے کہا۔ دیکھو اگر قمیص آگے سے پھٹی ہے تو زلیخا سچی ہے اور یوسف کی غلطی ہے۔ یعنی یوسف علیہ السلام نے زلیخا کی طرف بڑھ کر اسے پکڑا ہو گا اور زلیخا دامن بچانے کیلئے پیچھے ہٹی ہو گی۔

(آیت نمبر ۲۷) اور اگر قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو زلیخا جھوٹی ہے اور یوسف سچے ہیں۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہو گا کہ یوسف دوڑے ہوں گے اور زلیخا نے پیچھے سے پکڑنے کی کوشش کی ہو گی اور قمیص پھٹ گئی ہو گی۔

فَلَمَّا رَاٰ قَمِیْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَیْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَیْدَكُنَّ

تو جب دیکھا اس کی قمیص چری ہے پیچھے سے اس نے کہا بے شک یہ تم عورتوں کا مکر ہے۔ بے شک مکر تمہارے

عَظِیْمٌ ﴿۲۸﴾ یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَاسْتَغْفِرِیْ لِذَنْۢبِكِ ۚۖ

بڑے ہیں۔ اور اے یوسف درگذر کر اس سے اور اے زلیخا تو معافی مانگ اپنے گناہ کی

اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِیْنَ ﴿۲۹﴾ ع

بے شک تو خطا کاروں سے ہے۔

(آیت نمبر ۲۸) جب عزیز مصر نے یوسف علیہ السلام کی قمیص دیکھی تو وہ پیچھے سے پھٹی تھی۔ تو اسے یقین ہو گیا کہ یوسف بے قصور ہے اور اپنے دعوے میں سچا ہے پھر اس مکار زلیخا سے کہا اے زلیخا یہ سب تیرا مکر ہے اور اسی طرح تم عورتیں مکر و فریب کرتی ہو۔ گویا یہ ان کی فطرت میں ہے اور مزید کہا کہ بے شک تم عورتوں کے چکر اور مکر بہت بڑے ہوتے ہیں۔ یعنی مکر و فریب تو مرد بھی کرتے ہیں۔ مگر تمہارے مکر خدا پناہ۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ عورتوں کا فتنہ شیطان کے فتنے سے بھی بڑا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کے مکر کو کمزور کہا اور عورتوں کے مکر کو عظیم کہا۔

(آیت نمبر ۲۹) اب عزیز مصر یوسف علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا اور کہا اے یوسف اس معاملہ کو جانے دے۔ اب یہ کسی کو نہ بتانا تا کہ یہ بات پھیل نہ جائے اور ہماری شرم ساری نہ ہو۔ اور ساتھ ہی بیوی سے بھی کہا۔ اے زلیخا جو تجھ سے غلطی ہوئی اور الزام بھی تجھ پر ثابت ہو گیا اب تو اپنے گناہ کی معافی مانگ۔ بے شک تو ہی خطا کار اور گناہ گار ہے۔ **حدیث شریف**: اولاد آدم میں ہر آدمی خطا کار ہے۔ لیکن اچھا خطار کار وہ ہے جو جلد توبہ استغفار کرے۔ (ترمذی و ابن ماجہ) **فائدہ**: عزیز غالباً زن مرید تھا۔ اس لئے اپنی اہلیہ سے سخت مواخذہ نہ کیا۔ صرف دو لفظوں میں بات ختم کر دی ورنہ زلیخا کا قصور واضح ہو گیا تھا۔ چاہئے تھا کہ اسے سزا دی جاتی۔ لیکن بالآخر سزا اسے ملی جو قصوروار نہ تھا۔ **فائدہ**: عورت کے ساتھ بہت زیادہ خوش خوئی اس کو سرکش بنا دیتی ہے۔

فائدہ: اور عورت کی غلطی پر صبر اچھا نہیں۔ اس لئے کہ اس سے غیرت کا جنازہ نکل جاتا ہے۔ مروی ہے کہ عزیز چالیس روز تک زلیخا کے پاس نہ خود گیا نہ یوسف علیہ السلام کو جانے دیا۔



وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ

اور کہا عورتوں نے شہر میں کہ بیوی عزیز مصر کی ورگلاتی ہے اپنے جوان کو اس کی جان سے تحقیق

شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٠﴾

گھر کر گئی اس کی محبت بے شک ہم دیکھتی ہیں اس عورت کو گمراہی صریح میں

(آیت نمبر ٣٠) اگر چہ عزیز مصر نے واقعہ کو بہت دبایا اور چھپایا۔ لیکن زلیخا کے عشق کا چرچا پورے مصر میں پھیل گیا۔ خصوصاً شہر کی عورتوں میں جا بجا چرچا شروع ہو گیا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مصر کی عورتوں نے کہا یہ جو عزیز مصر کی بیوی ہے۔ اس نے اپنے غلام کو حیلے بہانے سے برائی کی طرف ورغلایا ہے۔ کیونکہ زلیخا کے دل کا غلاف اس کی محبت میں چر گیا ہے۔ یعنی یوسف کی محبت زلیخا کے دل میں سما گئی ہے۔

فائدہ : محبت حد سے بڑھ جائے تو اسے عشق کہتے ہیں۔ اگر اس سے بھی بڑھ جائے تو اسے سکر کہتے ہیں۔ بہر حال زلیخا کا عشق مجازی تھا مگر سچا تھا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا مقصد پورا کر دیا۔ تو مصر کی عورتیں کہنے لگیں کہ ہم دیکھتی ہیں کہ یوسف کو ورغلانے اور اس کے عشق و محبت میں مبتلا ہو جانے میں سیدھی راہ سے بھٹک گئی ہے۔ اپنی حیثیت کا خیال نہ کر کے اس نے بہت بڑی خطا کی ہے۔

ملامت گروں کو سزا: ملامت کرنے والی عورتوں نے زلیخا کی مجبوری دیکھے بغیر اس پر طعن و تشنیع کر دی۔

فائدہ : مصر کی عورتوں نے زلیخا کو بہت بڑا گمراہ اس لئے کہا۔ کہ مصر کی عورتیں چونکہ اتنی بڑی سمجھ دار عورت سے اس بات کی امید نہیں کرتی تھیں۔ کہ وہ محبت میں اتنی ہی گر جائے گی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی امتحان میں ڈالا جو وہ دوسروں پر بات ڈال رہی تھیں جو دوسروں پر کوئی عیب لگاتا ہے۔ مرنے سے پہلے اس پر بھی ویسا ہی عیب لگتا ہے۔ **فائدہ** : مخلوق کی ملامت کمال محبت کی دلیل ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو چن لیتا ہے تو اغیار کے دلوں سے اس کی محبت نکال دیتا ہے۔ وہ طعن و تشنیع میں ہی لگے رہتے ہیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کئی مراتب حاصل کر لیتا ہے۔

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً

پھر جب سنے ان عورتوں کے مکر تو بلا بھیجا ان عورتوں کو اور تیار کئے ان کیلئے مسند

وَّاٰتَتْ كُلَّ وَّاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ

اور دیں ہر ایک کو ان میں سے چھری۔ اور کہا یوسف کو نکل آؤ ان کے پاس

فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۫ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ

تو جب انہوں نے اسے دیکھا تو اسے بڑا کہنے لگیں اور کاٹ دیئے اپنے ہاتھ اور بولیں پاک ذات اللہ تعالیٰ کی

مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾

نہیں ہے یہ انسان۔ نہیں یہ مگر فرشتہ عزت والا۔

(آیت نمبر ۳۱) جب زلیخا نے عورتوں کے طعن وتشنیع سنے کہ زلیخا غلام پر عاشق ہوگئی ہے اور پوشیدہ طور پر اپنی اپنی جگہ پر باتیں کر رہی ہیں اور سامنے آ کر چاپلوسی بھی کرتی ہیں تو انہیں اپنے ہاں دعوت پر بلا بھیجا۔ دعوت کا مقصد انہیں یوسف علیہ السلام کا جلوہ دکھانا تھا تا کہ وہ زلیخا کو اس عشق ومحبت میں معذور جانیں۔ نیز یہ بھی ہے کہ وہ یوسف کی محبت میں پھنستی ہیں یا بچ نکلتی ہیں۔

فائدہ: یہ تقریباً چالیس عورتیں تھی۔ ان کیلئے ریشمی تکئے تیار کئے اور ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک چھری بھی دے دی تا کہ سامنے پڑے ہوئے پھل کاٹیں اور کھائیں اور زلیخا نے عالی شان قسم کے کھانے ان کیلئے تیار کئے تھے اب ایک طرف اعلیٰ کھانے وہ کاٹ کاٹ کر کھا رہی تھیں اور دوسری طرف زلیخا نے یوسف علیہ السلام کو خوب بنا سنوار کر کہا کہ ان عورتوں کے سامنے نکلیں جب یوسف علیہ السلام زلیخا کی گذارش کے مطابق ان عورتوں کے سامنے آ گئے تو عورتوں نے دیکھتے ہی بے ساختہ یوسف علیہ السلام کی عظمت و بڑھائی بیان کی اور آپ کے حسن و جمال کو دیکھتے ہی ہوش کھو بیٹھیں اور اس بے خودی کے عالم میں سیب کاٹتے کاٹتے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے یعنی وہ اپنے وجود سے ہی بے خبر ہو گئیں۔

فائدہ: قاشانی فرماتے ہیں چونکہ یوسف علیہ السلام اچانک ہی عورتوں کے سامنے آگئے انہوں نے اس سے پہلے ایسا جلوہ دیکھا ہی نہ تھا۔ اس لئے ان کے ہاتھ کٹ گئے اور انہیں سمجھ ہی نہ آئی اور ساتھ ساتھ کہہ رہی ہیں کہ سب پا کی اللہ کیلئے ہے جس نے ایسی حسین وجمیل مخلوق پیدا فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہی کاری گری ہے۔

تو مصر کی عورتوں نے کہا کہ یہ تو کوئی انسان نہیں ہے کیونکہ انہوں نے ایسا حسن و جمال کہیں دیکھا ہی نہ تھا۔ نہ ان کی سوچ میں یہ تھا کہ کوئی آدمی اتنا زیادہ حسن و جمال بھی رکھتا ہے۔ اس لئے وہ کہنے لگیں۔ نہیں ہے یہ مگر اللہ تعالیٰ کا معزز فرشتہ ہے۔ **فائدہ**: اصل میں ان عورتوں نے یوسف علیہ السلام کی حسن و جمال میں یکتائی کو بیان کیا کہ جب انہوں نے دیکھا کہ ایسا بے نظیر گوہر اور کوئی نہیں۔ تو بے ساختہ ان کی زبان سے نکل گیا کہ یہ انسان نہیں بلکہ یہ کوئی فرشتہ ہے۔ کیونکہ فرشتہ ہی اتنی بڑی عزت وتعظیم وتکریم والا ہوسکتا ہے۔

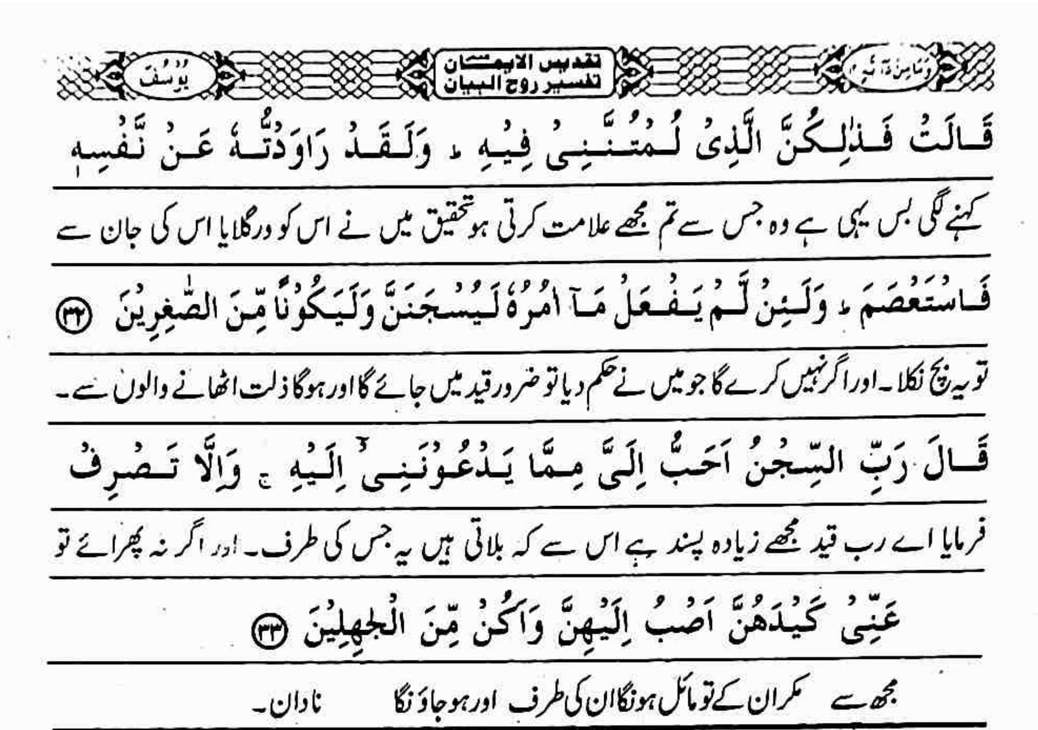
فائدہ: یوسف علیہ السلام کا حسن آپ کی دادی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے انہیں ورثے میں ملا تھا۔ کیونکہ دنیا میں حضرت سارا جیسا حسن و جمال کسی عورت کو نہیں ملا۔

حسن یوسفی اور حسن محمدی:

تفسیر کاشفی میں ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل امین آئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام پہنچایا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے محبوب جمال یوسفی کرسی سے ہے اور آپ کا نور عرش معلی سے ہے۔ یوسف علیہ السلام میں حسن و جمال تھا اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن بھی بے مثال تھا۔ جمال یوسفی کا کمال یہ تھا کہ ان کے دیدار میں محو ہو کر مصر کی عورتوں نے ہاتھ کاٹ لئے اور جمال محمدی کا یہ عالم کہ لوگوں نے آپ سے عشق ومحبت میں سر کٹا دیئے۔

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں
سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ زلیخا کو ملامت کرنے والیاں اگر چہرۂ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ لیتیں تو ہاتھوں کے بجائے دل کاٹ دیتیں۔ **حدیث شریف**: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی علیہ السلام خوب صورت اور خوش آواز ہوا ہے۔ (شمائل ترمذی: ۱/۳۷۶)۔ یعنی ہر نبی خوب صورت، خوب سیرت، خوش خصال، خوش اخلاق، خوش مزاج، ذاکر، شاکر، صابر ہزاروں خوبیوں کا مالک ہوا۔



قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ

کہنے لگی بس یہی ہے وہ جس سے تم مجھے علامت کرتی ہو تحقیق میں نے اس کو ورغلایا اس کی جان سے

فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

تو یہ بچ نکلا۔ اور اگر نہیں کرے گا جو میں نے حکم دیا تو ضرور قید میں جائے گا اور ہوگا ذلت اٹھانے والوں سے۔

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْۤ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ

فرمایا اے رب قید مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ بلاتی ہیں یہ جس کی طرف۔ اور اگر نہ پھرائے تو

عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾

مجھ سے مکران کے تو مائل ہونگا ان کی طرف اور ہو جاؤں گا نادان۔

(آیت نمبر۳۲) اب موقع مل گیا زلیخا کو بھی تو کہنے لگی۔ یہ ہے وہ کہ جس کی وجہ سے تم مجھے ملامت کرتی ہو۔ اب بتاؤ کہ میں عشق یوسف علیہ السلام میں مبتلا ہو کر حق بجانب ہوں یا نہیں۔

زنان مصر عشق یوسف میں گرفتار: حسن یوسف کا نظارہ کر لینے کے بعد زلیخا کو ملامت کرنے والیاں خود اسی عشق و محبت میں گرفتار ہو گئیں زلیخا نے زنان مصر پر حجت قائم کر دی اور اپنا معقول عذر بھی پیش کر دیا بلکہ انہیں بھی اسی عشق میں مبتلا کر دیا۔ اب اس نے شرم و عار کو بالائے طاق رکھ کر اپنا راز ان پر ظاہر کر دیا اور کہا البتہ تحقیق میں نے خود ہی اسے مجبور کیا لیکن وہ بچ نکلا۔

فائدہ: اب اس جملہ سے بالکل واضح ہو گیا کہ یوسف علیہ السلام نے اپنی عصمت پر کوئی دھبہ نہ آنے دیا اب زلیخا نے اپنی بدنامی کو ختم کرنے کیلئے کہا کہ اگر یوسف نے میرا حکم نہ مانا تو ضرور اسے قید خانہ میں جانا پڑے گا اور وہاں ذلیل و خوار ہو جائے گا۔ **فائدہ:** اب معاملہ صرف زلیخا کا نہ رہا بلکہ اور بھی عورتیں اس کوشش میں ہو گئیں کہ یوسف علیہ السلام ان کے تقاضے کو پورا کریں۔

(آیت نمبر۳۳) اب دعوت پر آنے والی سب عورتیں یوسف علیہ السلام کے پیچھے پڑ گئیں کہ اے یوسف فی سبیل اللہ ہمارے حال پر بھی رحم کر۔ اگر زلیخا تجھے پسند نہیں تو ہم سب حاضر ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک حسن و جمال میں پری پیکر ہے۔

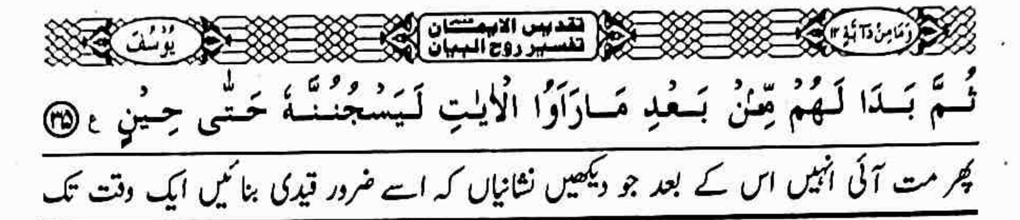
فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٣٤﴾

تو قبول کر لی اس کی اس کے رب نے تو پھیر دیا اس سے مکر ان کا بے شک وہی سننے جاننے والا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۳۳) جب یوسف علیہ السلام نے ان کی باتیں سنیں تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی یا اللہ مجھے یہ برائی کی طرف آمادہ کررہی ہیں۔اور یہ مجھے قید خانہ میں ڈالنے کی دھمکیاں دے رہی ہیں۔لہذا مجھے قید خانہ میں جانا زیادہ پسند ہے۔بہ نسبت اس کے کہ جس گناہ کی طرف یہ بلا رہی ہیں۔اس لئے کہ جس طرف یہ بلاتی ہیں۔اس میں تیری نافرمانی ہے اور قید خانہ میں جانے سے کم ازکم اس گناہ سے تو بچ جاؤنگا۔مجھے دنیا کی ہر سزا بھگت لینا منظور ہے لیکن تیری نافرمانی منظور نہیں۔یہ دعا اس درد سے مانگی کہ آسمان کے فرشتے بھی رو پڑے تو جبرائیل امین نے آکر تسلی دی کہ صبر کریں۔آپ کا انجام بخیر ہوگا۔**فائدہ:** بعض حکماء کا قول ہے کہ اگر یوسف علیہ السلام قید خانہ مانگنے کے بجائے رب تعالیٰ سے عافیت مانگتے تو اللہ تعالیٰ ان عورتوں کے دلوں سے یہ خیال ہی محو کر دیتا۔لیکن یوسف علیہ السلام نے قید خانہ میں عافیت سمجھی۔**حدیث شریف:** حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے سنا وہ اللہ تعالیٰ سے صبر مانگ رہا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو تکلیف مانگ رہا ہے تو اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کر۔(رواہ الترمذی ۳۵۲۷)۔مزید فرمایا کہ اے اللہ اگر تو نے مجھے ان کے مکر وفریب سے نہ بچایا اور اپنی پناہ میں نہ لیا تو میں تو ان کے حسب ارادہ کی طرف مائل ہو جاؤنگا اور تیرے نافرمانوں سے ہو جاؤں گا۔

فائدہ: یہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا طریقہ چلا آیا ہے کہ وہ ہمیشہ خیر کے حصول اور لوگوں کے شر سے نجات کی استدعا صرف اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کرتے تھے تو یوسف علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ مجھے ان عورتوں کے مکر وچکر سے عصمت وعفت مل جائے کہیں ان کی خواہشات پر عمل نہ ہو جائے۔ورنہ میں بےعلموں سے ہو جاؤں گا کیونکہ جو عالم علم کے مطابق عمل نہیں کرتا۔وہ اور جاہل دونوں برابر ہیں۔

(آیت نمبر ۳۴) تو اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی دعا قبول فرمالی کہ زنان مصر کا مکر وفریب پھر جائے اور انہیں عفت عصمت حاصل ہو جائے تو جناب یوسف علیہ السلام نے قید خانہ کی محنت ومشقت کو برداشت کرلیا۔لیکن معصیت کا ارتکاب برداشت نہیں کیا۔یہی پیغمبرانہ شان ہے کہ وہ عیش وعشرت اور لذت ونعمت پر مشقت ومحنت کو ترجیح دیتے ہیں۔تو اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی کہ ان عورتوں کے دلوں سے یوسف علیہ السلام کی نہ صرف محبت نکالی بلکہ ان کا خیال بھی دلوں سے محو کر دیا۔البتہ زلیخا کبھی کبھی یوسف علیہ السلام کو دیکھنے قید خانہ میں جاتی تھی۔آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی عاجزوں کی سننے والا اور ان کے احوال کو جاننے والا ہے۔



ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ع ﴿۳۵﴾

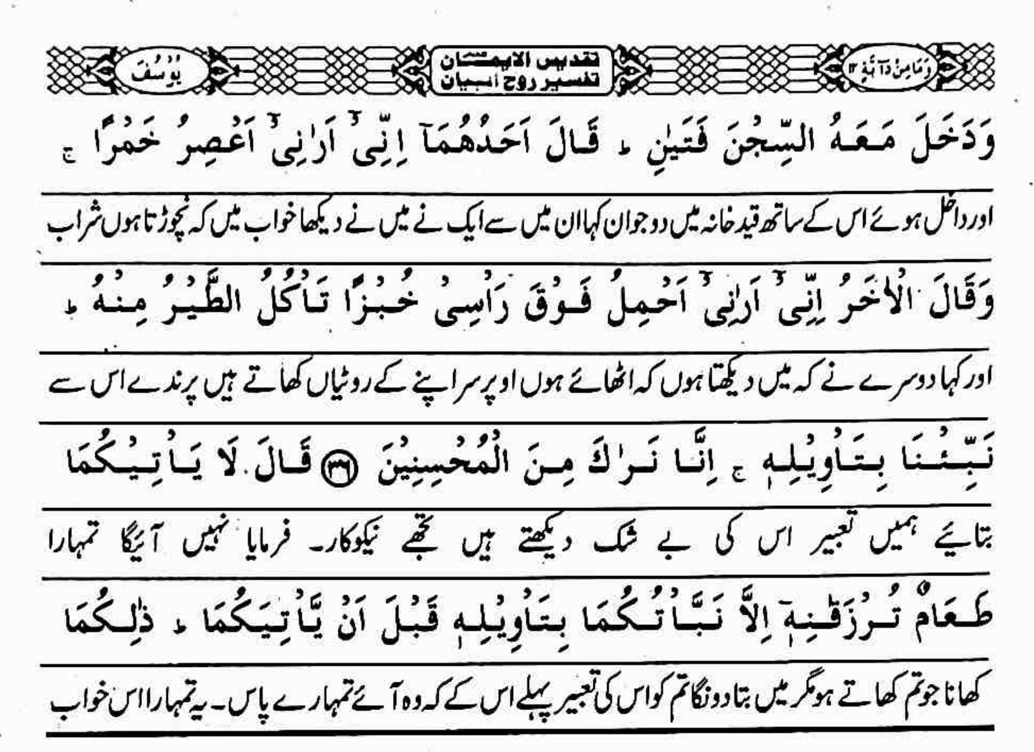
پھر مت آئی انہیں اس کے بعد جو دیکھیں نشانیاں کہ اسے ضرور قیدی بنائیں ایک وقت تک

(آیت نمبر ۳۵) پھر عزیز مصر اور اس کے ساتھیوں پر ظاہر ہو گیا کہ یوسف علیہ السلام بالکل پاکدامن ہیں۔ اس سے پہلے بھی انہوں نے کئی نشانیاں دیکھیں۔ شیر خوار بچے کی گواہی اور قمیص کا پھٹنا وغیرہ۔

فائدہ: عزیز مصر اور باقی سرداروں نے مشورہ کیا کہ یوسف ہے تو پاک دامن اور اس کی کوئی غلطی نہیں ہے لیکن اس واقعہ کی وجہ سے ہماری بہت رسوائی ہوئی۔ اس لئے اگر یوسف کو کچھ عرصہ قید خانہ میں ڈالا جائے تو اس سے ایک تو یہ ہوگا کہ لوگ کہیں گے۔ یوسف کی کچھ تو ضرور غلطی تھی اس لئے قید ہوا۔ دوسرا یہ کہ ان ہماری عورتوں کے عشق کا ابال بھی ختم ہو جائیگا اس لئے فیصلہ کیا کہ یوسف کو ضرور قید میں بھیجا جائے۔ تاکہ لوگوں میں جو عام چرچا ہو رہا ہے وہ بند ہو جائے اور یوسف بھی ایک وقت تک قید میں رہے تاکہ زلیخا کی بات سچ ثابت ہو۔ (یہ نشانی ہے اس کے رن مرید ہونے کی)۔ غالباً یہ پٹی بھی ان کو زلیخا نے پڑھائی ہوگی۔

فائدہ: اور زلیخا نے جیل کی سزا اس لئے بھی تجویز کی کہ یوسف کو جیل کی تکالیف میں یہ ناز نعم یاد آئیں گی تو خود ہی ہمارے قابو میں آ جائے گا۔ جیل جانے سے پہلے ایک دفعہ پھر زلیخا نے یوسف علیہ السلام کو بلایا اور ناز و نعمت یاد دلا کر کہا۔ اب بھی میری بات مان لو۔ تو جیل سے بچ جاؤ گے ورنہ جس طرح تم نے ہمیں تنگ کیا سکون تمہیں بھی نہیں ملے گا۔ سخت ترین دکھ پہنچائے جائیں گے۔ لیکن آپ نہ مانے تو تمام پوشاک وغیرہ اتروا کر جیل کے ٹاٹ کا لباس پہنایا اور بیڑیاں ڈال کر جیل بھجوا دیا۔ آپ بسم اللہ پڑھ کر جیل خانہ میں داخل ہوئے تمام قیدی آپ کی زیارت کو آئے۔ آپ نے وہاں نماز کیلئے جگہ متعین کر لی۔ ادھر زلیخا کیلئے اس کا محل بھی نار فراق کی وجہ سے جیل ہی بن گیا۔ کبھی فراق یوسف میں محل پر چڑھ کر دل کرتا کہ چھلانگ لگا دے اور کبھی زہر کھا کر مرنے کو جی کرتا۔ کبھی بے صبر ہو کر جیل میں جا کر انہیں دیکھ لیتی۔

فائدہ: بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ جیل میں یوسف علیہ السلام کیلئے ایسی جگہ کمرا بنوایا کہ زلیخا انہیں اپنے محل سے دیکھ لیتی تھی اور دل کی جلن کو ٹھنڈا کر لیتی تھی۔



وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ

اورداخل ہوئے اس کے ساتھ قید خانہ میں دو جوان کہاان میں سے ایک نے میں نے دیکھا خواب میں کہ نچوڑتا ہوں شراب

وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ

اور کہا دوسرے نے کہ میں دیکھتا ہوں کہ اٹھائے ہوں اوپر سر اپنے کے روٹیاں کھاتے ہیں پرندے اس سے

نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٣٦﴾ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا

بتائیے ہمیں تعبیر اس کی بے شک دیکھتے ہیں تجھے نیکوکار۔ فرمایا نہیں آئیگا تمہارا

طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا

کھانا جوتم کھاتے ہومگر میں بتادونگا تم کواس کی تعبیر پہلے اس کے کہ وہ آئے تمہارے پاس۔ یہ تمہارااس خواب

(آیت نمبر ۳۶) یوسف علیہ السلام کے ساتھ جیل میں دو جوان اور بھی قید خانہ میں داخل ہوئے ان پر بادشاہ کو زہر دینے کا الزام تھا۔ ایک دن ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے دیکھا خواب کہ میں بادشاہ کیلئے انگور کے گچھوں کو بادشاہ کے پیالے میں نچوڑ رہا ہوں اور وہ بادشاہ پی گیا۔ پھر دوسرے نے کہا میں نے دیکھا کہ میں شاہی مطبخ سے روٹیوں کا ٹوکرا سر پہ اٹھا کے لا رہا ہوں تو پرندے ان روٹیوں کو کھا رہے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ پہلے نے واقعی خواب دیکھا تھا اور دوسرے نے مزاح کے طور پر خواب بیان کیا حالانکہ اس نے کچھ بھی دیکھا نہ تھا۔

بے ادب ہی مار کھاتا ہے: انہوں نے کہا ہمیں تعبیر بتائیں ہم تجھے احسان کرنے والا دیکھتے ہیں۔

(آیت نمبر ۳۷) یوسف علیہ السلام نے سوچا کہ خوابوں کی تعبیر کے ساتھ ساتھ قیدیوں کو توحید کا درس بھی دیا جائے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے ہو جائیں اور انہیں دولت ایمان نصیب ہو جائے۔ انبیاء و اولیاء کی یہی عادت مبارک ہے تو جناب یوسف علیہ السلام نے فرمایا تمہارا کھانا جو روزانہ تمہیں دیا جاتا ہے وہ ابھی نہیں آئے گا۔ اس سے پہلے ہی میں تمہیں اس خواب کی تعبیر بتادونگا۔ یہ خواب کی تعبیر کا علم اور غیبی خبریں وہ ہیں جو میرے رب نے مجھے سکھائی ہیں۔ یعنی میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا جو بھی کہتا ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم سے ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ہمارا ڈائریکٹ رابطہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ وہ ہمیں تعلیم دیتا ہے۔ ہم اس تعلیم کو ہی لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔

مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ ؕ اِنِّیْ تَرَکْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ

علم سے ہے جو سکھایا مجھے میرے رب نے۔ میں نے چھوڑا دین ان لوگوں کا جو نہیں ایمان رکھتے اللہ پر اور وہ

بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ

آخرت کے بھی منکر ہیں۔ اور میں نے اختیار کیا دین اپنے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق

وَیَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ

اور یعقوب کا۔ نہیں ہے مناسب ہمارے لئے کہ شریک کریں اللہ کا کسی شیء کو۔ یہ فضل

اللّٰهِ عَلَیْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾

الٰہی ہے ہم پر اور لوگوں پر لیکن اکثر لوگ نہیں شکر کرتے ۔

آگے فرمایا کہ ابھی میں نے جس قوم کی ملت اوران کے دین کو چھوڑا۔ (مراد مصر کے رہنے والے لوگ) جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتے۔ بلکہ وہ بت پرست ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے آپ مصریوں کے دین پر تھے اب اسے چھوڑ دیا۔ بلکہ یہ ایک انداز تھا۔ بات سمجھانے کا اور فرمایا کہ وہ آخرت پر بھی ایمان نہیں رکھتے اس کے منکر ہیں۔

آیت نمبر ۳۸) اب گویا انہوں نے پوچھا ہوگا کہ مصری کافر ہیں تو آپ کا پھر دین کیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تو پیروی کی ابراہیم۔ اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے دین کی۔

فائدہ: آپ نے نسبی شرافت اس لئے بیان فرمائی تا کہ معلوم ہو کہ اتنے اعلیٰ خاندان والوں کی بات بھی اعلیٰ ہوگی اور وہ آپ کو عزت کی نگاہ سے دیکھیں گے اور آپ کے فرمان کو دل وجان سے تسلیم کریں گے۔

فائدہ: معلوم ہوا اہل علم کو جہاں والوں کے سامنے اپنے علم وفضل کو ظاہر کرنا جائز ہے۔ جب کسی عالم کے علم وفضل سے آشنا ہوں گے تو پھر صحیح طور پر فائدہ استفادہ کر سکیں گے۔ لیکن اس علم سے اپنی بڑھائی مقصود نہ ہو۔

آگے فرمایا اے میرے قید کے ساتھیو۔ ہمارے لئے ہرگز مناسب نہیں ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں۔ اگر جنوں اور انسانوں میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہوسکتا تو پتھر اور ڈھیلے کیسے اللہ تعالیٰ کے شریک ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ کسی کو نہ نفع دے سکتے ہیں نہ کسی کا نقصان کر سکتے ہیں۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ؕ ﴿۳۹﴾

اے قیدی ساتھیو کیا رب جدا جدا بہتر ہیں یا اللہ اکیلا جو سب پر غالب ہے۔

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ

نہیں تم پوج رہے اس کے سوا مگر وہ نام ہیں جو تم نے تراشے یا تمہارے باپ دادا نے

مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا

نہیں اتاری اللہ نے اس پر کوئی سند۔ نہیں ہے حکم مگر اللہ کا۔ اس نے حکم دیا کہ نہ پوجو

اِلَّاۤ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾

مگر صرف اسی کو۔ یہی دین سیدھا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۸) آگے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ہم پر اور ان لوگوں پر جو توحید سے نوازے گئے لیکن زیادہ تر لوگ اللہ تعالیٰ کا شکر نہیں کرتے۔

مسئلہ :انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام رحمہم اللہ خالق ومخلوق کے درمیان وسیلہ ہوتے ہیں۔ لہذا لوگوں کو اللہ کا شکر ادا کرنے کے بعد انبیاء واولیاء کا مشکور ہونا چاہئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دین اسلام لیکر لوگوں تک پہنچایا۔

(آیت نمبر ۳۹) دین قویم کے فضائل بیان فرمانے کے بعد یوسف علیہ السلام نے معبودان باطلہ کا بھی ایسے نرم ولطیف انداز سے اور دلائل سے رد فرمایا کہ جس سے بات بڑی آسانی سے سمجھ آ گئی کہ واقعی بت پرستی اور غیر اللہ کی پوجا سخت مذموم ہے چنانچہ آپ نے بڑے پیار سے فرمایا کہ اے میرے زندان کے ساتھیو کیا جدا جدا رب بہتر ہیں کہ کوئی سونے کا کوئی چاندی کا کوئی لوہے کا۔ کوئی پتھر کا اور کوئی مٹی کا کوئی لکڑی کا کوئی چھوٹا کوئی بڑا۔ یہ بہتر ہے یا اللہ تعالیٰ اکیلا جو سب پر غالب ہو وہ بہتر ہے۔

(آیت نمبر ۴۰) تم نہیں عبادت کر رہے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی۔ مگر صرف یہ چند نام ہیں یعنی جن کا خارج میں نہ وجود ہے۔ نہ ان کی کوئی حقیقت ہے۔ یہ تو صرف تم نے خود ان کے نام مقرر کر لئے ہیں اور ان ناموں کی تم پرستش کر رہے ہو یا تمہارے باپ دادا نے نام مقرر کر کے ان کی پوجا شروع کر دی۔ یہ تمہاری جہالت اور گمراہی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو ان کے متعلق کوئی دلیل وغیرہ نہیں اتاری جو بتوں کی پرستش پر کوئی دلیل ہو۔ حکم تو صرف اللہ کا ہے۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ

اے دوستان قید تم میں سے ایک پھر پلائے گا اپنے بادشاہ کو شراب البتہ دوسرا تو صولی دیا جائیگا

فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ؕ ﴿۴۱﴾

پھر کھائیں گے پرندے اس کے سر سے۔ ہوگیا فیصلہ جس کے بارے میں پوچھتے تھے

(بقیہ آیت نمبر۴۰) اس لئے کہ عبادت کا اصل مستحق وہی ہے۔ کل کائنات کے جملہ امور کا مالک وہی ہے اور اس نے ہی حکم دیا ہے کہ تم نہ عبادت کرو مگر صرف میری ہی۔ (اس کی عبادت کے استحقاق پر بے شمار دلائل ہیں)۔ یہی دین سیدھا ہے۔ جس میں عبادت صرف اللہ وحدہ لاشریک کی ہو۔ صراط مستقیم ہی دین اسلام ہے۔ کیونکہ اس میں ٹیڑھا پن نہیں ہے۔ لیکن آپ لوگ ابھی تک نہیں جانتے کہ دین ٹیڑھا کون سا ہے اور سیدھا دین کون سا ہے۔ یاد رکھو۔ اصول کے اعتبار سے دین اسلام تمام ادیان پر حاوی ہے لیکن اس بات کو اکثر لوگ نہیں جانتے۔

(آیت نمبر۴۱) اب خواب کی تعبیر بتانا شروع فرمائی اور فرمایا کہ اے میرے قید کے ساتھیو۔ البتہ تم میں سے جس نے اپنے خواب میں دیکھا کہ وہ بادشاہ کو انگوروں کا نچوڑ پلا رہا ہے۔ اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ اپنی نوکری پر بحال ہو جائیگا۔ اور قید سے رہا ہو کر اپنے بادشاہ کو پھر شراب پلائے گا۔

فائدہ: مروی ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اس سے خواب کی پوری کیفیت پوچھی تو اس نے کہا کہ خواب میں میں نے دیکھا کہ بادشاہ سلامت مجھ پر خوش تھا اور پہلے کی طرح اس کا حسن سلوک اور کرم نوازی مجھے محسوس ہو رہی تھی اور میں بھی اس کے ساتھ اچھے موڈ میں تھا۔ تو جناب یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ بہت اچھی خواب ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ تجھ پر پہلے کی طرح مہربان ہوگا۔ بلکہ پہلے سے زیادہ مہربانی اور عزت و اکرام دے گا۔ صرف تین دن کے بعد بادشاہ تجھے اپنے پاس بلالے گا اور تیری نوکری بحال ہو جائے گی اور تیری عزت پہلے سے زیادہ ہوگی۔ اس کے بعد یوسف علیہ السلام نے دوسرے کو مخاطب کیا۔ جس کے سر پر روٹیوں کا ٹوکرا تھا۔ اس کی پوری بات سن کر فرمایا کہ وہ صولی دیا جائے گا اور پرندے اس کے سر کو نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ مروی ہے کہ روٹیوں والے نے جب خواب کی تعبیر سنی یوسف علیہ السلام نے اسی وقت فرما دیا تھا کہ تیرا خواب بہت برا ہے۔ مزید فرمایا۔ اب سے تیسرے دن تجھے جیل سے نکالا جائے گا اور تیرے متعلق حکم ہوگا کہ اسے سولی پر لٹکا دیا جائے تو پھر تیرے سر کو پرندے کھائیں گے۔ یہی حکم الٰہی مکمل ہے جو کچھ تم نے دیکھا وہ صحیح ہے اور جو میں نے کہا وہ ہو کر رہے گا۔

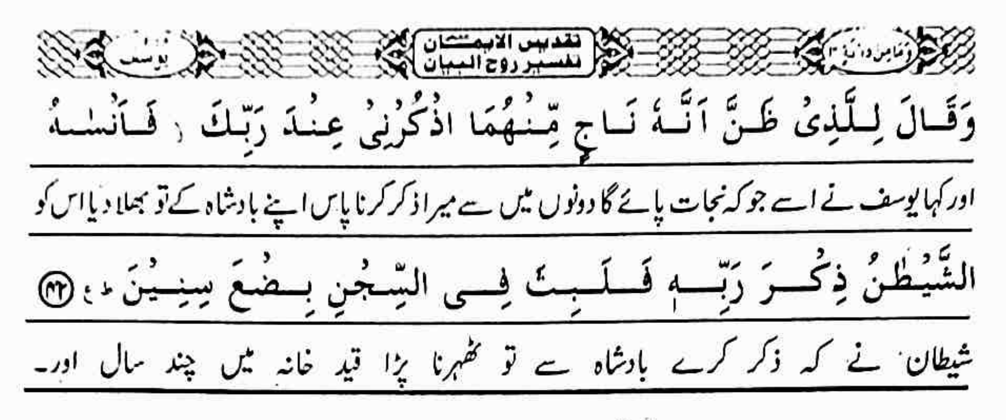
پیغمبر کی بات اٹل ہوتی ہے: مروی ہے کہ جب یوسف علیہ السلام نے دونوں کو تعبیر بتلائی تو دوسرے نے کہا کہ میں نے تو کوئی خواب واب نہیں دیکھی میں نے تو مزاح کی یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اب جو میرے منہ سے نکل گیا وہ ہو کر رہے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ ہو چکا ہے۔

بے ادب کی سزا:

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ واقعی اس نے خواب دیکھی یا ویسے بات بنائی۔ اصل بات یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام جب قید خانہ میں تشریف لائے تو آپ نے قید کے ساتھیوں سے فرمایا کہ میں خوابوں کی تعبیر کا علم جانتا ہوں تو روزانہ جسے خواب آتی وہ آ کر آپ سے تعبیر پوچھتا تھا۔ آپ اس کی خواب سن کر اس کو تعبیر بتا دیا کرتے تو ان دونوں ساتھیوں میں سے جس نے نجات پائی تھی اس نے تو واقعی خواب بھی دیکھی اور اس کی اچھی تعبیر بھی اسے معلوم ہوگئی اور اسے نجات بھی مل گئی لیکن دوسرے نے یوسف علیہ السلام کے سامنے جھوٹ بول کر آپ کو آزمانا چاہا کہ وہ میری خواب کے متعلق کیا کہیں گے لہذا اس کو اس کے جھوٹ کی سزا ملی۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی بہانہ نہیں چلے گا:

بروز قیامت اللہ تعالیٰ ایک غلام سے پوچھے گا کہ تو نے میری عبادت کیوں نہ کی۔ تو وہ کہے گا کہ میں ایسے مالکوں کے کنٹرول میں تھا کہ مجھے ان کی خدمات کی وجہ سے عبادت کا موقع ہی نہ مل سکا تو اللہ تعالیٰ یوسف علیہ السلام کو سامنے کر کے فرمائے گا کہ یوسف (علیہ السلام) نے جیل میں زیادہ سختی برداشت کی یا تو نے۔ یوسف (علیہ السلام) نے اتنی سختیوں کے باوجود میری عبادت میں کمی نہیں کی۔ اسی طرح دولت مند سے پوچھا جائے گا کہ تو نے عبادت کیوں نہ کی تو وہ کہے گا کہ کثرت مال واسباب کی وجہ سے۔ تو اللہ تعالیٰ سلیمان علیہ السلام کو سامنے کر کے فرمائے گا کہ یہ زیادہ مالدار تھے یا تو۔ انہوں نے پوری دنیا کے شاہی کے باوجود عبادت نہیں چھوڑی۔ اسی طرح جب کوئی بیماری کا بہانہ کرے گا اللہ تعالیٰ ایوب علیہ السلام کو سامنے کر کے فرمائے گا۔ یہ زیادہ بیمار تھے یا تو۔ انہوں نے اتنی سخت تکلیف کے باوجود میری عبادت میں کمی نہیں کی۔ لہذا اللہ تعالیٰ کے دربار میں کوئی بہانہ کام نہیں دے گا۔ دنیا میں لوگ جھوٹ بول کر کام کر چلا لیتے ہیں اور وہ مقام صدق ہے وہاں تو ہرگز جھوٹ نہیں چلے گا۔ اگر کوئی وہاں جھوٹ بولے گا تو ہاتھ پاؤں بول کر اس کے جھوٹ کو ظاہر کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سچائی پر قائم رکھے۔ آمین



وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۡ فَاَنْسٰهُ

اور کہا یوسف نے اسے جو کہ نجات پائے گا دونوں میں سے میرا ذکر کرنا پاس اپنے بادشاہ کے تو بھلا دیا اس کو

الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ؕ ﴿۴۲﴾

شیطان نے کہ ذکر کرے بادشاہ سے تو ٹھہرنا پڑا قید خانہ میں چند سال اور۔

(آیت نمبر ۴۲) جس کی نجات یقینی تھی یوسف علیہ السلام نے اسے فرمایا۔ کہ بادشاہ کے سامنے میری بات کرنا۔

فائدہ: ظن کی نسبت جب اللہ ورسول کی طرف ہو تو وہ یقین کا فائدہ دیتا ہے چونکہ یوسف علیہ السلام نے اس کو فرمادیا کہ تو نجات پائے گا تو اب اس کی نجات یقینی ہوگئی اللہ تعالیٰ نے "قضی الامر" فرما کے مہر لگادی۔ ع

کہ تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی
جو دن کو کہا شب تو رات ہو کے رہی

تو جناب یوسف علیہ السلام نے اس کو فرمایا کہ اپنے بادشاہ کے ہاں میرا بھی ذکر کرنا کہ قید خانہ میں ایک نوجوان ظلماً محبوس ہے۔ امید ہے تمہارے بات کرنے سے اسے میرے حال پر رحم آجائے اور مجھے بھی بلوالے۔

فائدہ: لیکن ساقی اپنی آزادی اور عیش کے نشے میں قیدی بھائی کی باتیں بھول گیا۔ اصل بات یہ ہے کہ اس کو شیطان نے بھلادیا کہ اسے یوسف علیہ السلام کی بات بالکل یاد ہی نہ رہی۔ کہ وہ بادشاہ کے ہاں ان کا ذکر کرتا۔ **حدیث شریف** حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ میرے بھائی یوسف پر رحم فرمائے اگر وہ بادشاہ کے پاس ذکر کرنے کا ساقی کو نہ کہتے تو جیل سے جلد نکل آتے (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)۔ اس کہنے کی وجہ سے سات سال مزید جیل میں ٹھہرنا پڑا۔ **فائدہ**: گویا اللہ تعالیٰ کی غیرت نے گوارہ نہیں کیا۔ کہ پیغمبر میرا ہو اور وہ مدد کسی اور سے چاہے۔

اس لئے آگے فرمایا کہ آپ ٹھہرے جیل میں چند سال مزید۔ **فائدہ**: پانچ سال پہلے گذرے اور سات سال یہ گذارے تو ٹوٹل بارہ سال رہنا پڑا۔ چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کا معاملہ رب کے ساتھ انتہائی نازک ہوتا ہے۔ پیغمبر ہمیشہ اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے مدد کا خواستگار ہوتا ہے۔

غیر سے مدد کا نقصان: عوام کسی سے استعانت کی درخواست کریں تو حرج نہیں لیکن محبوب ہو کر ایسا کرے تو ناقابل برداشت ہے۔ **واقعہ**: مروی ہے کہ ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام قید خانہ میں یوسف علیہ السلام سے ملنے گئے تو انہوں نے دیکھ کر پہچان لیا اور فرمایا کہ مجھ سے کیا غلطی ہوئی کہ مجھے خطا کاروں میں کر دیا۔ جناب جبریل علیہ السلام نے فرمایا۔

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ

اور کہا بادشاہ نے کہ میں نے دیکھا کہ سات گائے موٹی ہیں جن کو کھاتی ہیں سات دبلی گائیں

وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ؕ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ

اور سات بالیاں ہری ہیں اور کچھ دوسری خشک ہیں۔ اے درباریو بتاؤ مجھے

فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾

میری خواب کے بارے اگر ہو تم کو خواب کی تعبیر کا علم

(بقیہ آیت نمبر۴۲) میری کیا مجال میں نے تو آپ کے گھرانے سے عزت پائی۔ میں تو صرف حکم ربانی انبیاء کرام تک پہنچاتا ہوں۔ ابھی بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلام کہا اور فرمایا کہ میرے ہوتے ہوئے تم نے غیر سے مدد کیوں مانگی۔ اب اس وجہ سے آپ کو سات سال مزید جیل میں رہنا پڑے گا۔ جناب یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔ بہر حال یہ بتاؤ کہ اللہ پاک مجھ پر راضی ہے۔ یا ناراض۔ اگر رب تعالیٰ مجھ پر راضی ہے تو پھر سات سال مزید جیل خانہ میں گذارنا مشکل نہیں۔

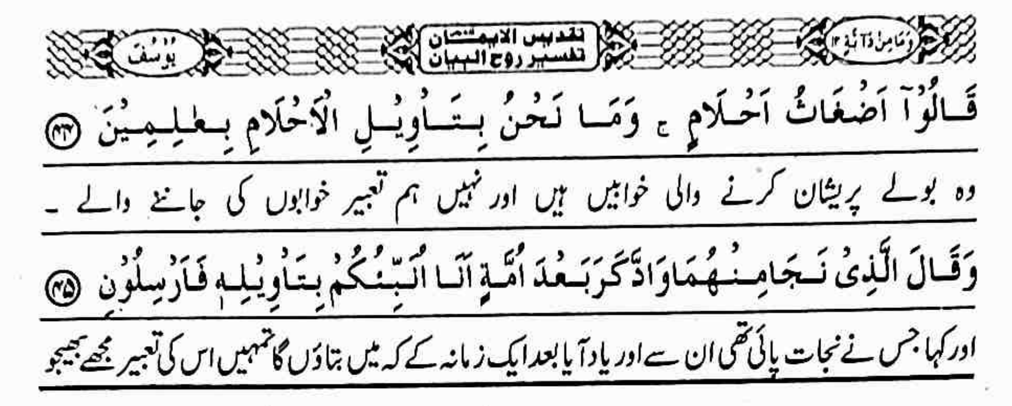
وہم کا ازالہ: بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ وسیلہ کسی کا پکڑنا جائز نہیں۔ ورنہ یوسف علیہ السلام کو مزید تکلیف نہ دی جاتی۔

جواب: اصل بات یہ ہے کہ ہمیشہ ادنیٰ اعلیٰ کا وسیلہ پکڑتا ہے اور یہاں اعلیٰ نے ادنیٰ کا وسیلہ پکڑ لیا۔ اس لئے تنبیہ ہوئی۔

سبق: حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ یہ پڑھ کر بہت روئے اور فرمایا کہ یوسف علیہ السلام نے زندگی میں ایک بار کسی سے مدد مانگی تو اتنی مشکلات آئیں ہم تو دن میں کئی بار غیر اللہ سے مدد مانگتے ہیں۔ معلوم نہیں آخرت میں ہمارا کیا حال ہوگا۔

(آیت نمبر۴۳) اور ایک دن بادشاہ نے درباریوں سے کہا کہ میں خواب میں سات موٹی گائیں دیکھتا ہوں کہ انہیں سات کمزور گائیں کھا رہی ہیں۔

فائدہ: مروی ہے کہ بادشاہ کا خواب یوسف علیہ السلام کے جیل خانہ سے نکلنے کا سبب بن گیا۔ ورنہ کسی کے خیال میں یہ بات نہ تھی۔ **فائدہ:** روایات میں آتا ہے کہ جمعہ کی رات بادشاہ نے خواب دیکھا کہ خشک دریا سے سات دبلی گائیں نکلیں اور سات موٹی تازی گائیوں کو کھا گئیں اور معلوم بھی نہ ہوا اور دوسری چیز بادشاہ نے یہ دیکھی کہ سات بالیں سبز اور سات بالیں دوسری خشک ہیں تو خشک اور سوکھی بالیں سبز خوشوں پر غالب آ گئیں۔



قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾

وہ بولے پریشان کرنے والی خوابیں ہیں اور نہیں ہم تعبیر خوابوں کی جاننے والے۔

وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾

اور کہا جس نے نجات پائی تھی ان سے اور یاد آیا بعد ایک زمانہ کے کہ میں بتاؤں گا تمہیں اس کی تعبیر مجھے بھیجو

(بقیہ آیت نمبر ۴۳) **فائدہ:** بادشاہ اس خواب سے سخت پریشان ہوا کہ کمزور طاقتوروں پر غالب کیسے آ گئے تو اسے اس خواب میں شر وفساد نظر آیا اور اپنی مملکت کے متعلق اسے خدشات پیدا ہو گئے۔ لہذا اس نے تمام اعیان مملکت اور ارکان سلطنت کو جمع کیا اور کہا کہ اے میرے دربار میں بیٹھنے والے علماء وحکماء کی جماعت اور اے جادوگر و اور نجومیو۔ مجھے میرے خواب کی تعبیر بتاؤ اور اس کا صحیح حل تلاش کرو۔ اگر تم خوابوں کی تعبیر بیان کر سکتے ہو تو سب نے لاعلمی کا اظہار کر دیا۔ (**فائدہ:** علماء کرام فرماتے ہیں: اپنی لاعلمی کا اظہار کر دینا بھی علم کی دلیل ہے)۔ یعنی اگر مسئلہ معلوم نہ ہو۔ تو صاف کہہ دینا چاہئے کہ مجھے اس مسئلے کا کوئی علم نہیں۔

(آیت نمبر ۴۴) بادشاہ سلامت آپ پریشان نہ ہوں۔ آپ کا خواب محض خیالی معاملہ یا شیطانی وسوسہ ہے۔ ایسی خوابوں کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ پھر انہوں نے اپنے علمی کمزوری کا اعتراف بھی کر لیا کہ ہم خوابوں کی تعبیرات کا علم نہیں جانتے۔ **فائدہ:** اگر اس علم کا کوئی ماہر ہوتا بھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اسے جواب دینے میں اندھا کر دیا۔ تا کہ یوسف علیہ السلام ہی اس کی تعبیر بتائیں اور یہی ان کے قید خانے سے نجات پانے کا سبب بنے۔

(آیت نمبر ۴۵) نجات یافتہ ساتھی نے کہا۔ جسے عرصہ کے بعد یوسف علیہ السلام کا قول یاد آیا۔

فائدہ: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بادشاہ تمام درباری علماء وحکماء وغیرہ کا جواب سن کر حیران ہو گیا اور فکر میں پڑ گیا کہ اب اس مسئلے کا حل کون نکالے۔ جب تک اس کی تعبیر معلوم نہ ہو جائے۔ میری پریشانی ختم نہیں ہو سکتی تو اس وقت ساقی کو یوسف علیہ السلام یاد آ گئے کہ خوابوں کی صحیح تعبیر وہ بتا سکتے ہیں۔ تو اس وقت وہ باادب ہو کر بادشاہ سے کہنے لگا۔ میں تمہیں خواب کی تعبیر بتاؤں گا۔ لہذا مجھے قید خانہ میں بھیجو۔ قید خانہ میں آل یعقوب کا ایک دانا اور تعبیر جاننے والا فرزند موجود ہے۔ جس کا نام یوسف علیہ السلام ہے۔ وہ خواب کی تعبیر بتانے میں بڑا ماہر ہے۔ انہوں نے ہی ہمیں بھی خوابوں کی تعبیر بتائی تھی۔ (اس خواب کی بھی صحیح تعبیر اگر کوئی بتائے گا تو وہی بتائے گا۔) لہذا مجھے جلد اس کے پاس جانے دو۔ تا کہ میں اس خواب کی صحیح تعبیر پوچھ کر تمہیں بتاؤں۔

يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ

اے یوسف اے سچے دوست بتاؤ ہمیں سات گائیوں کے بارے میں وہ موٹی جنہیں کھاتی ہیں

سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّيْٓ اَرْجِعُ

سات دبلی گائیں اور سات بالیاں سبز اور دوسری خشک ہیں تاکہ میں لوٹ جاؤں

اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾

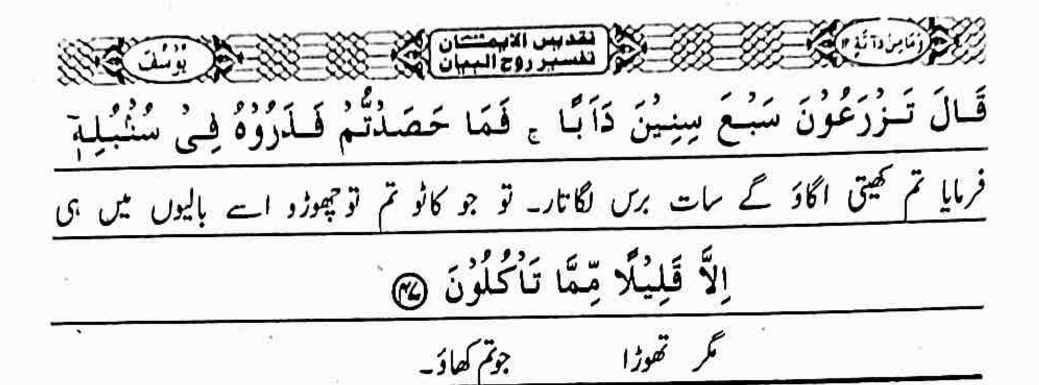
طرف لوگوں کے شاید وہ جان لیں۔

(آیت نمبر ۴۶) بادشاہ نے فوراً اسے قید خانہ میں بھیج دیا تاکہ وہ یوسف علیہ السلام کو لے آئے۔ جب وہ یوسف علیہ السلام سے ملا۔ پہلے تو اپنی کوتاہی کی معافی مانگی اور پھر اس نے بادشاہ کی خواب کا ذکر کیا۔ **فائدہ:** سچے یوسف اس لئے کہا کہ وہ جانتا تھا آپ کی ہر بات سچی ہوتی تھی۔ آپ ہمیں بتائیں کہ سات موٹی گائیوں کو سات دبلی گائیں کھا گئیں۔ اسی طرح سات سبز بالیوں کو دوسری بالیاں نگل گئیں۔ یعنی جو الفاظ بادشاہ کے منہ سے سنے اس نے کمی بیشی کئے بغیر بتا دیئے۔ گویا سفارت کا حق ادا کر دیا۔ آگے کہا کہ آپ بتائیں تاکہ میں ارکان سلطنت کے پاس اور خصوصاً بادشاہ کے پاس جاؤں اور وہ بھی خواب کی تعبیر جان لیں۔

خواب کی تین قسمیں ہوتی ہیں: (۱) من جانب اللہ۔ (۲) من جانب شیطان۔ (۳) نفسیاتی خیالات۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ خواب کی دو قسم ہیں: (۱) من جانب اللہ۔ (۲) من جانب شیطان۔ (مسلم شریف ۲۲۶۳) مراد یہ ہے کہ اگر خواب شرعی دلیل کے مطابق ہے تو وہ من جانب اللہ ہے اور شرع کے خلاف کچھ دیکھا ہے تو وہ من جانب شیطان ہے۔ اس کے علاوہ نفسانی خیالات ہوتے ہیں۔

خواب کی تصدیق: امام تقی ابن مخلد صاحب المسند فی الحدیث نے خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کی۔ آپ نے انہیں خواب میں دودھ پلایا۔ امام صاحب نے جاگتے ہی قے کر دی۔ قے میں فی الواقع دودھ نکل آیا۔ قے کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ وہ اس حدیث شریف کی تصدیق کرنا چاہتے تھے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے خواب میں مجھے دیکھا۔ اس نے واقعی مجھے دیکھا۔ کیونکہ شیطان میری صورت بنا کر نہیں آ سکتا۔ تو جب قے میں دودھ آیا۔ تو اس حدیث کی تصدیق ہوگئی۔ کہ واقعی یہ حدیث صحیح ہے اور فرمان رسول برحق ہے۔



قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ

فرمایا تم کھیتی اگاؤ گے سات برس لگاتار۔ تو جو کاٹو تم تو چھوڑ دو اسے بالیوں میں ہی

اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾

مگر تھوڑا جو تم کھاؤ۔

(بقیہ آیت نمبر۴۶) **فائدہ:** علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے بہت بڑی غلطی کی کہ حضور ﷺ کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے اور پھر چاہئے تھا کہ دودھ پلانے کی کوئی تعبیر تلاش کرتے۔ الٹا انہوں نے دودھ مبارک نکال کر بہت بڑے علوم سے محرومی پائی۔ اس لئے کہ حضور ﷺ کا دودھ پلانا علوم کثیرہ کے حاصل ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

(آیت نمبر۴۷) تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ جا کر ان کو بتاؤ کہ تم سات سال تک خوب کھیتی باڑی کرو گے۔ یعنی حسب دستور تم کھیتی باڑی میں مسلسل محنت ومشقت کرو گے کہ اس کی وجہ سے خوش حالی میسر ہوگی۔ بلکہ اور بھی کئی مزید فوائد مرتب ہوں گے۔ لہذا جب فصل تیار ہو جائے اور تم اناج اور بیج وغیرہ اٹھاؤ تو اس بیج کو بالیوں میں ہی رہنے دو اور خوشے اسی طرح رکھ دو۔ یعنی ان سے دانے نہ نکالنا کہیں غلے کو دیمک نہ لگ جائے۔ جیسے مصر اور اس کے گرد ونواح والوں کا حال ہوا۔ یعنی ان کے غلہ کو دیمک نے کھالیا۔

فائدہ: یوسف علیہ السلام نے غلے کو خوشوں میں ہی رکھنے کا حکم اس لئے دیا کہ اس سے پہلے ایسا کرنے کی ان کو عادت نہیں تھی۔ اگر چہ وہ عموماً کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے۔ لیکن اس طرح کرنے کی انہیں ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ اب چونکہ ایک محقق الوقوع معاملہ پیش آنے والا ہے۔ اس لئے خواب کی تعبیر بھی اسی کے مطابق بتائی گئی۔ آگے فرمایا مگر بقدر ضرورت جو تم کھاتے ہو۔ خوشوں سے اتنے غلے کے دانے نکال کر صاف کرلو۔ جو اس سال میں کھانے کیلئے ضرورت پڑیں۔ (اتنے ہی دانے نکالو باقی کو سنبھال رکھو تا کہ قحط سالی میں کام آئے)۔

فائدہ: اس بات میں یوسف علیہ السلام نے ایک حکمت عملی بتائی تا کہ خوراک میں فضول خرچی سے بچ جائیں اور جتنا کھانے کیلئے غلہ ضرورت ہے۔ اتنا صاف کر کے نکالتے رہیں یہ ایک تدبیر تھی اس لئے کہ ان کے سات سال پہلے خوش حالی میں گذریں اور قحط سالی والے سال بھی ان کے آرام سے گذر جائیں۔

ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ

پھر آئیں گے اس کے بعد سات سال سخت کھاؤ گے جو تم نے جمع کر رکھا ان کے لئے

إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تُحْصِنُونَ ﴿٤٨﴾ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ عَامٌ فِيهِ

مگر تھوڑا جو تم بچا لوگے۔ پھر آئیگا اس کے بعد ایک سال اس میں

يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ع ﴿٤٩﴾

بارشیں لوگوں کو دی جائیں گی اوراس میں رس نچوڑیں گے۔

(آیت نمبر ۴۸) کہ پھرتم پر آئیں گے اس کے بعد سات سخت سال یعنی ایسے سخت سات سال آئیں گے۔ جن میں سخت صعوبتیں اور مشکلات اٹھاؤ گے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ بھوک قید اور قتل سے بھی سخت چیز ہے۔

آگے فرمایا کہ کھا جاؤ گے تم وہ ذخیرے جو تم نے جمع کرر کھے ہوں گے۔ یعنی تم جمع شدہ خوشوں سے گندم نکال کران قحط کے سالوں میں کھالو گے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ یوسف علیہ السلام نے ذخیرہ اندوزی کا حکم ایک ضرورت کے تحت دیا تھا۔ گویا آپ نے ان سنابل کو آنے والے سات سالوں کیلئے ذخیرہ بنانے کا حکم دیا۔ جیسے آنے والے مہمانوں کیلئے اشیاء خوردنی پہلے ہی تیار کر کے رکھ دی جاتی ہے۔ اسے عربی میں حفظ ماتقدم کہا جاتا ہے۔ یعنی آنے والے وقت کیلئے بچا کر رکھنا۔ آگے فرمایا کہ تھوڑا اناج بچا کر بھی رکھنا تا کہ وہ آئندہ کیلئے بیج کے طور پر کام آسکے۔

(آیت نمبر ۴۹) پھران قحط والے سالوں کے بعد ایک سال آئے گا کہ اس میں لوگوں کیلئے خوب بارشیں ہوں گی کہ اس میں لوگ کمادیا انگور وغیرہ جیسی چیزوں سے خوب رس وغیرہ نکالیں گے۔ یعنی بارشوں کی کثرت سے ہر چیز میں اور ہر پھل میں تروتازگی آجائے گی۔

فائدہ: اس سال کے مسائل بادشاہ کی خواب سے متعلق نہیں۔ بلکہ یوسف علیہ السلام کو وحی کے ذریعے سے خبریں بتائی گئیں۔ **فائدہ**: خلاصہ کلام یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام نے پہلے سات موٹی گائیوں اور سبز خوشوں کی تعبیر سے خوشخبری بھی سنائی اور تعبیر بھی بتادی۔ جن کے بارے میں کسی کو کوئی علم نہ تھا۔ **فائدہ**: معلوم ہوا۔ پیغمبر کا علم باقی لوگوں کے علوم پر غالب ہوتا ہے۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ

اور کہا بادشاہ نے لاؤ میرے پاس اسے پھر جب آیا اس کے پاس ایلچی تو فرمایا لوٹ جا طرف اپنے بادشاہ کے

فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِكَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ﴿۵۰﴾

پھر پوچھ اس سے کیا حال ہے ان عورتوں کا جنہوں نے کاٹے اپنے ہاتھ بے شک میرا رب ان کے مکر جانتا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۴۹) **غذا میں گندم کی برتری:**

علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ گائیوں اور بالیوں کی تخصیص اس لئے ہے کہ انسان کی سب سے بڑی اور بہت زیادہ ضرورت والی چیز گندم کی غذا ہے۔ خواب میں یہی دکھایا گیا کہ لوگ گندم کی قلت میں مبتلا ہوں گے۔ باقی اشیاء میں تنگی ہونا اس کے ماتحت ہے۔ یعنی باقی اشیاء کے بغیر گذارا ہو سکتا ہے۔ اس کے بغیر نہیں۔

(آیت نمبر ۵۰) جب ساتھی غلام نے یوسف علیہ السلام سے خواب کی پوری تعبیر سن لی۔ پھر واپس جا کر بادشاہ کو سنائی تو بادشاہ اور دیگر ارکان سلطنت تعبیر سن کر حیران ہو گئے تو بادشاہ نے حکم دیا کہ یوسف علیہ السلام کو پورے اعزاز واکرام سے لایا جائے۔ تاکہ ان کی زبان مقدس سے خود تعبیر سنے۔ وہ پیغام والا لینے آیا اور بادشاہ کا پیغام سنایا تو یوسف علیہ السلام نے جانے سے انکار کر دیا اور آپ نے اس قاصد سے فرمایا کہ اپنے مالک یعنی بادشاہ کے پاس واپس جا۔ اور اس سے پوچھ کہ وہ عوام سے تحقیق وتفتیش کرے کہ کیا بنا ان عورتوں کا جنہوں نے زلیخا کی مجلس میں اپنے ہاتھ کاٹے تھے۔ گویا یوسف علیہ السلام بادشاہ سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ مجھ بے گناہ کو اتنا عرصہ کیوں قید میں رکھا اور اب فوراً باہر نہ آنے کی بھی وجہ یہ ہے کہ بادشاہ اور عزیز مصر کو حقیقت حال معلوم ہو جائے کہ یوسف بے گناہ ہے اور دوسری بات کہ ان عورتوں کا گندہ خیال ابھی وہی ہے یا بدل گیا ہے۔ **فائدہ:** اس سے معلوم ہوا کہ اپنے سے تہمت دور کرنے میں پوری جدوجہد کرنی چاہئے بلکہ تہمت کے مواقع سے بھی بچنا چاہئے۔ **حدیث شریف:** جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے۔ وہ تہمت کی جگہوں سے بچے۔ (رواہ ابوداؤد) **حدیث شریف:** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوسف علیہ السلام کی پختگی اور صبر کی تعریف فرمائی اور فرمایا مجھے ان کے صبر پر تعجب ہے اور فرمایا کہ اگر ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو تعبیر بعد میں بتاتا۔ پہلے جیل سے نکلنے کی بات کرتا۔ (بیضاوی شریف)

قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ

بادشاہ نے کہا عورتو تمہارا کیا کام تھا جب تم نے ورگلایا یوسف کو اس کی ذات سے۔ بولیں پاکی ہے اللہ کی

مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ

نہیں جانی ہم نے اس میں کوئی برائی۔ کہا بیوی عزیز مصر نے اب تو واضح ہوگیا

الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۵۱﴾

حق۔ میں نے ورگلایا اس کی جان سے بے شک وہ سچے ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۵۰) اور اس سے بھی زیادہ تعجب والی بات ہے کہ بادشاہ کا پیغام آیا۔ آپ پھر بھی اسے واپس بھیج رہے ہیں۔ یہ یوسف علیہ السلام کا کمال صبر ہے کہ بادشاہ کے بلانے اور ملنے کی خواہش کرنے کے باوجود آپ نہ گئے۔ اس میں یوسف علیہ السلام کی مدح وثناء مقصود تھی۔

آگے فرمایا کہ میرا رب ان کے مکر وفریب کو خوب جاننے والا ہے۔ اس سے یوسف علیہ السلام اپنے رب تعالیٰ کو اپنا گواہ بنا رہے ہیں کہ واقعی عورتوں نے آپ پر تہمت لگائی ورنہ آپ تو ہر طرح اس سے بری الذمہ تھے۔

(آیت نمبر ۵۱) بادشاہ نے عورتوں کو بلا کر پوچھا کہ تمہارا کیا حال تھا کہ تم نے یوسف سے اس کے نفس کا مطالبہ کیا تو کیا اس وقت یوسف کا میلان تمہاری طرف تھا تو سب عورتوں نے بہ یک زبان کہا کہ اللہ پاک ہے ہم نے یوسف علیہ السلام میں کوئی برائی نہیں دیکھی نہ انہوں نے کوئی خیانت کی۔ اور عزیز مصر کی بیوی زلیخا نے کہا۔ اب حق واضح ہوگیا۔ یوسف کی کوئی غلطی نہیں میں نے ہی اسے وصال پر مجبور کیا تھا۔ بے شک وہ سچوں میں سے ہے۔

سبق: یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کی شہادت اس سے بڑی کیا ہوگی کہ آپ کے دشمنوں نے بھی آپ کی پاک دامنی کا اعتراف بھی کیا اور سب کے سامنے گواہی بھی دی کہ واقعی یوسف علیہ السلام کا دامن صاف ہے۔

فائدہ: حق حق ہی ہوتا ہے۔ بالآخر وہ ظاہر ہوکے رہتا ہے۔ اگر یوسف علیہ السلام حق پر خدانخواستہ نہ ہوتے تو اب یہ اتنی بڑی گواہیاں حاصل نہ ہوتیں۔ **سبق**: خواہ کچھ بھی حالات ہو جائیں۔ بندے کو حق پر قائم رہنا چاہئے۔ ایک نہ ایک دن سچائی ظاہر ہوکر رہتی ہے۔

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّىْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا

یہ اس لئے تا کہ عزیز جان لے کہ میں نے نہیں خیانت کی اس کی عدم موجودگی میں اور بے شک اللہ تعالیٰ نہیں

يَهْدِىْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۲﴾

چلنے دیتا مکر دھوکے بازوں کا

(آیت نمبر ۵۲) اس برأت کے اظہار سے مقصود تہمت لگانے والی عورتوں کو سزا دلوانا نہیں تھا۔ بلکہ اس سے مقصد یہ تھا کہ عزیز مصر کو بھی معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کے حرم میں کوئی خیانت وغیرہ نہیں کی کہیں بھی چھپ کر یا عزیز مصر کی عدم موجودگی میں اگر چہ اس خیانت پر سخت مجبور بھی کیا گیا لیکن یوسف علیہ السلام نے قید خانے کی صعوبتیں برداشت کرلیں۔ مگر خیانت نہیں کی اور بے شک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے مکر وفریب کو مزید آگے چلنے نہیں دیتا۔ بلکہ اس کا بطلان ظاہر کر کے اسے ختم کر دیتا ہے۔ جیسے زلیخا نے اپنے مکر وفریب کا آخر کار خود اعتراف کرلیا کہ میں غلطی پر تھی۔ اگر معاذ اللہ یوسف علیہ السلام بھی ایسے ہوتے تو آج یہ شان وشوکت نہ ملتی۔

فائدہ: اس میں یہ اشارہ ہے کہ زلیخا نے اپنے شوہر کے معاملہ میں خیانت کی اور عزیز مصر نے بھی اللہ تعالیٰ کے معاملے میں خیانت کی۔ اس لئے کہ اس نے ایک بالکل بے گناہ کو کئی سال تک قید میں رکھا۔ حالانکہ اس نے آپ کی پاک دامنی کے شواہد اور دلائل خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے تھے۔ نیز اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ حق ظاہر ہو کر ہی رہتا ہے اور یہ بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دکھوں کے بعد سکھ اور غم کے بعد خوشی دکھاتا ہے اور اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے۔

الحمد للہ

اختتام: مورخہ ۲۹ اکتوبر ۲۰۱۵ء بمطابق ۲۲ محرم الحرام ۱۴۳۷ء بروز جمعرات بعد نماز صبح

الحمد للہ جلد چہارم ختم ہوئی